OSMANIA UNIVERSITY

جامعہ عثمانیہ

تاریخ انگلستان

حصۂ اول

سلسلۂ نصابات تعلیم جامعۂ عثمانیہ

تاریخِ انگلستان

حصّہ اول

تالیف

کیرل رینسم - ام - اے -

ترجمہ

مولوی سیّد ہاشمی صاحب فرید آبادی

سابق رکن شعبۂ تالیف و ترجمہ جامعۂ عثمانیہ

و

حال مددگار معتمد عدالت و کوتوالی و تعلیمات و امور عامہ سرکار عالی

۱۳۵۶ھ ۱۳۴۶ف ۱۹۳۷ء

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد دکن



ٹائیٹل کے بعد

فہرست مضامین

تاریخ انگلستان حصۂ اوّل

(رینسم)

صفحات	مضمون	باب
۱	**جزو اوّل**	
	انگلستان نارمن فتوحات سے پہلے	
	ماقبل تاریخ اور قلطی برطانیہ	اول
۴ تا ۱۶	قدیم باشندے۔ ایورنی قوم۔ قلطی قوم۔ متمدن قوم کا پہلا ورود۔ سیزر کی فوجکشی۔	
	رومیوں کا تسلط برطانیہ پر۔	دوم
۱۷ تا ۲۴	رومیوں کی فتح برطانیہ۔ رومی تمدن کا آغاز۔ رومیوں کی واپسی کے اسباب۔	
	قوم انگریز کا توطن برطانیہ میں	سوم
۲۵ تا ۳۳	ابتدائی انگریزی حملوں کا احوال بہت کم معلوم ہے۔ گلیڈاس سب سے معتبر تحریر۔ کیولین اور اتھل فرتھ کی متاخر فتوحات۔ فتح کا اثر برطانیوں پر۔	
	انگریزوں کا قبول مسیحیت	چہارم
۳۴ تا ۵۲	آگسٹائن اور قلطی داعیوں کی تبلیغ۔ وسط کی	

فہرست شجرہ ہائے نسب

فہرست نقشہ جات

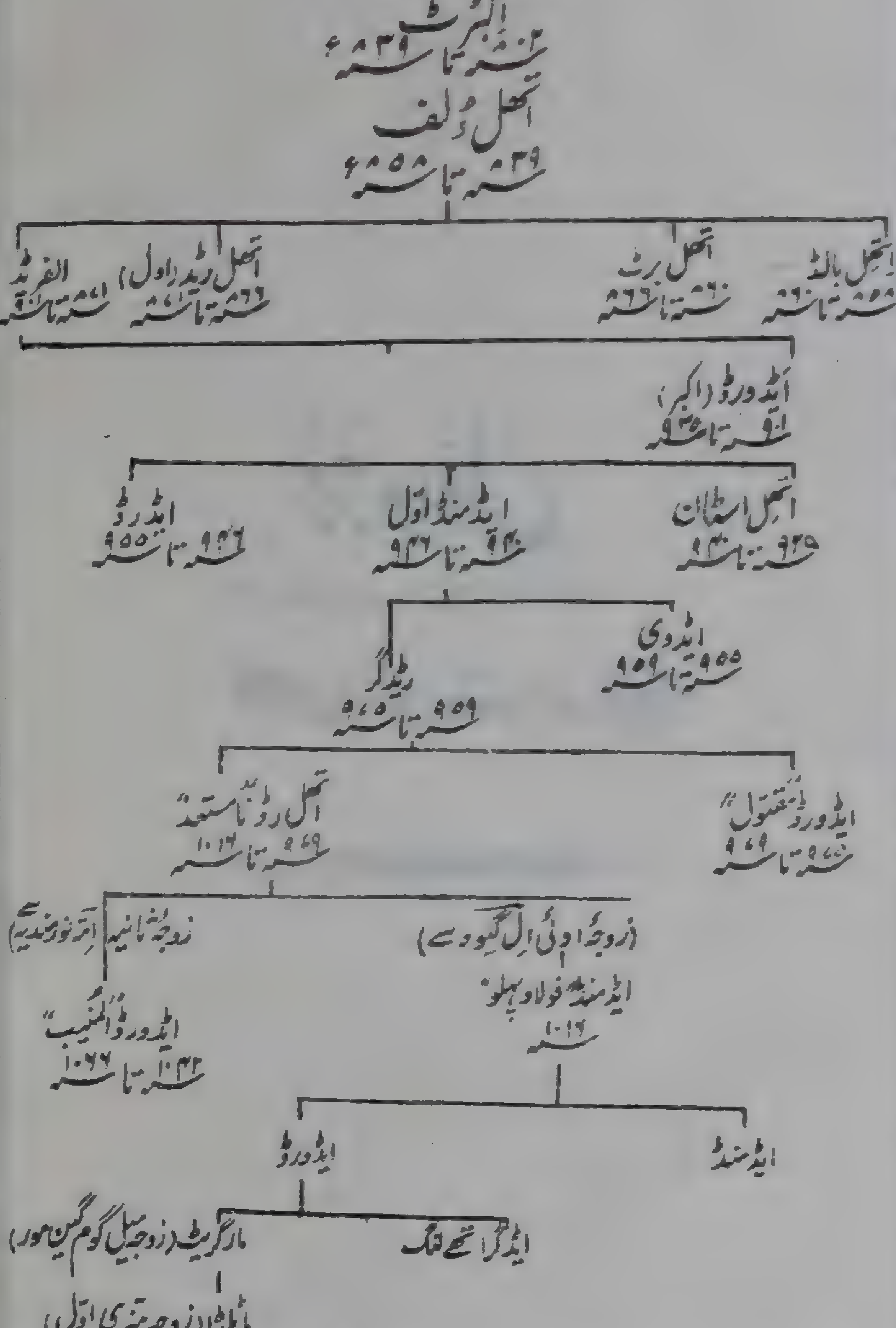


حصہ اول کے مقابل

جُزوِ اوّل

انگلستان، نارمن فتوحات سے پہلے

۱۔ خاندانِ اِگبرٹ



ف سنین صرف اُن بادشاہوں کے نام کے نیچے دیے گئے ہیں جو تخت نشین ہوئے ۔

انگلستان کے ڈین بادشاہ

ہیرلڈ بلےٹینڈ (یا بلوٹوتھ)

سوین — پرنواسی (زوجہ گوڈون)

کین یوٹ
سنہ ۱۰۱۶ تا سنہ ۱۰۳۵ء

ہیرلڈ اول
سنہ ۱۰۳۵ تا سنہ ۱۰۴۰

ہارڈی کین یوٹ
(فرزند ایمّہ)
سنہ ۱۰۴۰ تا سنہ ۱۰۴۲ء

ہیرلڈ ثانی — ایڈیتھ (زوجہ ایڈورڈ المنیب) — ٹوس ٹگ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب اول

ماقبل تاریخ اور قلطی برطانیہ

قدیم باشندے۔ ایورنی قوم قلطی قوم۔ متمدن قوم کا پہلا ورود۔ سیزر کی فوج کشی۔

قدیم جغرافی ہیئت

زمانہ ماقبل تاریخ میں برطانیہ کلاں اور آئرستان ایک بڑے جزیرہ نما کے حصے تھے۔ جو فرانس اور بلجیم کے شمالی سواحل سے بحر اوقیانوس میں نکل آتا تھا۔ اس زمانے میں گرمی سردی بھی موجودہ زمانے کی نسبت کہیں زیادہ پڑتی تھی اور اسی کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ مذکورۂ بالا جزیرہ نما میں گرمیوں کے ایام میں تو بحری اور جنگلی بھینسے اور پہاڑی ہاتھی (میموتھ) کی کثرت ہوتی تھی اور سردیوں میں قطبی خرگوش، نافہ برز اور سانبھر کا دَور دورہ رہتا۔ ٹیمز ندی کی وادی میں جو پرانی تہیں کھودی گئیں تو اُن جانوروں کے عجز بر آمد ہوئے۔ انھی باقیات میں کبھی کبھی آدمی کے ہاتھ کے بنے ہوئے پتھر کے اوزار بھی نکلے جنھیں دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ان اوزاروں کے بنانے والے تمدن کے سب سے پست درجے میں تھے کیونکہ انھیں دستے تک بنانے نہیں آتے تھے بلکہ وہ صرف پتھر گھس کے دھار

قدیم باشندے

نکال لیتے اور انھی سے اوزار کا کام لیتے تھے۔ ان کی زندگی نہایت

پُر مشقت اور قوت لایموت کا مطلق اطمینان نہ تھا۔ غالباً اسی لیے یہ نسل قدیم جانوروں کے ساتھ، جو اب نابود ہو گئے ہیں، خود بھی نابود ہو گئی اور اس کی بجائے ایک اور ذرا بہتر نسل پھیلنے لگی جو کسی قدر اچھے اوزاروں سے کام لیتی یعنی پتھروں کی دھار نکال کے لکڑی یا ہڈی کے دستوں میں انھیں ٹھوک لیتی تھی۔

عہد حجر متقدم

ان میں نقاشی کی بھی خاصی قابلیت پائی جاتی ہے کہ شکار میں جن حیوانات کو مارتے ان کی بعض اوقات جوش انگیز تصویریں اپنے ہتھیاروں پر اُتار لیتے تھے۔ پھر بھی وہ تہذیب کے نہایت پست درجے میں تھے اور اپنے مُردوں کو یونھی پڑا سڑنے دیتے تھے۔ تانت کے تاگے سے وہ جنگلی جانوروں کی کھالیں سی کر تو پہن لیتے تھے لیکن کاتنے یا بُننے کے فن سے انھیں مطلق آگہی نہ تھی اور جانور پالنے کا بھی ان میں رواج نہ ہوا تھا۔

اس طرح کئی سال گذر گئے اور آخر ایک مدّت کے بعد جس کا معتبر اندازہ کرنا غیر ممکن ہے۔ یہ نسل بھی اپنی پیشرو نسل کی طرح برطانیہ سے مفقود ہو گئی۔ ہمارے زمانے تک اس نسل کی یادگار اگر باقی ہے تو وہ اسکیمو قوم کے لوگ ہیں جن میں ایک حد تک نقاشی کی قابلیت موجود ہے اور اپنے مُردوں کے ساتھ ویسی ہی بے پروائی برتتے ہیں جیسی کہ وہ قدیم جنگلی لوگ برتتے تھے۔ ان دونوں قدیم ترین نسلوں کو آثارِ عتیق کے ماہروں نے عہد حجر متقدم سے منسوب کیا ہے اور پہلی نسل کو ندی بہاؤ والے اور دوسری کو کھو والے انسان بتایا ہے۔

عہد حجر متاخر

ان کی جگہ تیسری نسل جنوب مشرق سے آئی اور کتّا، بیل، بھیڑ، بکری وغیرہ پالتو جانور اپنے ساتھ لائی جو اب بھی عام طور سے پالے جاتے ہیں۔ انھیں کاتنے اور بُننے کا فن بھی آتا تھا گو اوزاروں کے ناقص ہونے کے باعث وہ بہت موٹی جھوٹی قسم کا کام کر سکتے تھے۔ ان کے برطانیہ میں آنے سے پہلے جا بہ جا سے زمین دھنسی اور سمندر اس پر بہنے لگا تھا جس سے رود بارِ انگلستان، بحیرۂ آئرستان اور بحر شمالی کے نئے سمندر بن گئے تھے اسی لیے ضرور ہے کہ یہ لوگ کچھ نہ کچھ جہازرانی کے فن سے بھی واقف ہوں گے۔ اور برین ڈن وغیرہ مقامات سے ان کے جو اوزار دستیاب ہوئے ہیں، ان سے یہ بخوبی ثابت ہے کہ وہ کان کنی

وغیرہ کی خاص مہارت رکھتے تھے۔ اور نسبتہً مہذب لوگوں کو آثار قدیمہ کے ماہروں نے عہد حجر متاخر کے لوگ کہا ہے۔ یہ لوگ اپنے مُردوں کو بھی خاص اہتمام سے دفن کرتے تھے۔ لاش کے واسطے چپٹے پتھروں کا ایک خانہ بناتے اور اوپر مٹی یا پتھر سے ایک اونچا تعویذ تیار کرتے جو قدرے گول ہو جاتا تھا جیسے ناسپاتی آدھی کٹ کر ہو جاتی ہے۔ ان مقابر کا نام لمبے ٹیلے پڑ گیا ہے اور ان کے اندر سے جو انجر پنجر نکلے ہیں، ان سے عہد حجر متاخر کے لوگوں کی شکل صورت اور قد وقامت کا خاصا اچھا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ قد میں یہ لوگ چھوٹے، یعنی مرد بالا وسط پانچ فیٹ پانچ انچ کے ہوتے اور ان کا رنگ سانولا تھا۔ ان کے گھونگر والے بال کالے اور آنکھ کی پتلی کی نسبت بھی خیال کیا جاتا ہے کہ سیاہ ہوتی تھی۔ کاسۂ سر اوپر سے نظر ڈالئے تو بیضوی تھا اور چہرے بھی اسی قسم کے سمجھنے چاہئیں کہ پیشانی تنگ، ٹھوڑی چھوٹی اور رخسار کی ہڈیاں اُبھری ہوئی نہ ہوتی تھیں۔

یہ قیاس کرنا بھی ناممکن ہے کہ اہل حجر متاخر کتنے زمانے تک ان ممالک میں بے غل وغش آباد و قابض رہے لیکن بڑے بڑے ارضی تغیرات کی بنا پر جو اُن کے زمانے میں واقع ہوئے، اتنا کہہ سکتے ہیں کہ یہ زمانہ یقیناً بہت طویل ہوگا۔ بااین ہمہ، آخر کار ان کی بستیوں پر باہر والوں نے حملہ کیا اور اپنی قوت، تعداد یا قابلیت کے باعث پرانی نسل کے باشندوں کو اُن علاقوں سے نکال دیا جہاں شکار کی کثرت تھی

قلطی حملہ

یا زمینیں زیادہ زرخیز تھیں۔ یہ نو وارد قلط (یا قلطوی) کہلاتے ہیں۔ یہ حقیقت میں خود بھی کئی قوموں کے مقدمۃ الجیش تھے جو کچھ مدت بعد نمودار ہوئیں اور جو ماہرین نسلیات کے نزدیک آریا نسل کی سمجھی جاتی ہیں واضح رہے کہ قلطی یا آریا، حجر متقدم متاخر سے بالکل جدا نوعیت کی اصطلاحیں ہیں۔ یہ فی الواقع انسانی نسلوں کے نام ہیں حالانکہ اہل حجر متقدم سے محض ایک تمدن کی خاص حالت بتانی مقصود ہے اور ان قدیم لوگوں کی کوئی نسل نہیں قرار دی جا سکتی۔ چونکہ خود قلطی نسل کے لوگ بھی ایک زمانے تک تمدن کے اسی درجے میں تھے جس میں حجر متاخر کے باشندے، لہذا ضروری ہوا کہ ان پہلے قلطی اور بعد کے قلطیوں میں بھی امتیاز کے واسطے جداگانہ نام تجویز کیا جائے۔ چنانچہ

الیورنی

قدیم ترقلطیوں کو نسل **الیورنی** کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یورپ کے موجودہ باشندوں میں سب سے زیادہ اسی نسل کا خون مخلوط ہے اگرچہ اب اس کی جداگانہ قومیت کہیں باقی نہیں رہی یا ہے تو زیادہ سے زیادہ کوہستان پائی رنی کی قوم **باسک** میں ہے اگرچہ خود اس بارے میں بھی شبہات ہیں۔ بہر حال، اس میں شک نہیں کہ ایک زمانے میں رہائن و رہون کے مغرب میں اور **سوئزرستان** پر اسی نسل کے لوگ آباد تھے۔ اور انھی کا خون آریا نسل کے نووارد فاتحین کے ساتھ مخلوط ہو گیا۔

آریا

یہ مسئلہ کہ خود آریا کہاں سے آئے، سخت اختلافی ہے۔ بعض لوگ تو اسی قیاس پر جمے ہوئے ہیں کہ آریوں کا موطن وسط ایشیا کی وہ ڈھلانیں تھیں جو آگے بڑھ کے ہمالیہ سے آملتی ہیں۔ لیکن دوسرا گروہ سمجھتا ہے کہ اس نسل کا اصلی ماخذ سواحل بالٹک کے قریب **پوم رانیہ** کے میدان یا سویڈن کی دلدلوں میں تھا۔ اصلیت جو کچھ بھی ہو، رفتہ رفتہ یہی نسل دنیا کی تمام، یا تقریباً تمام معتدل اقالیم میں آباد ہو گئی تھی چنانچہ نہ صرف قدیم ایرانی، یونانی اور رومی بلکہ اہل ہند کی معقول تعداد، اور یورپ میں فرانسیسی، ہسپانی، جرمن، اسلافی، اطالوی نیز برطانی اور ان کی اولاد جو امریکہ، جنوبی افریقہ اور استریلیا میں پھیلی، یہ سب قومیں اسی نسل کے اجزا ہیں اگرچہ دوسری نسلوں کے باہم اختلاط اور آب و ہوا کے اختلاف سے ان کی کیفیت اس درجہ بدل چکی ہے کہ یہ کہنا دشوار ہے کہ کس قوم میں اصل آریا نسل کے خصائص اوروں سے زیادہ باقی رہ گئے ہیں۔

خود آریا اور قلطی نسلوں میں امتیاز کرنا دشوار نہیں ہے۔ قلطی جسم کے ہلکے، قد کے لمبے یعنی خود ایورنی نسل والوں سے تین انچ اونچے ہوتے تھے۔ ان کا کاسۂ سر بھی سیدھے میں کھڑے ہو کر دیکھئے تو گول نظر آتا تھا۔ ان کی پیشانیاں چوڑی، رخسارے ابھرے ہوئے اور آنکھ کی پتلی غالباً نیلی ہوتی تھی حجر متاخر کے باشندوں کی مثل قلطی بھی اپنے مُردوں کو عزت و احترام سے دفن کرتے تھے۔ فرق یہ تھا کہ یہ لوگ تعویذ کو گول بنانے کی بجائے مخروطی یا ہرمی صورت کا تیار کر دیتے اور بعد میں پیتل استعمال کرنے والی نسلوں میں جلانے کا رواج بھی ہو گیا تھا اور بظاہر

جلانے اور گاڑنے کے ان دونوں طریقوں پر ساتھ ساتھ عمل ہوتا تھا۔ اس اختلاف کا سبب مذہبی عقائد میں اختلاف بھی ہو سکتا ہے یا ممکن ہے کہ کسی نئی نسل کے آجانے سے یہ دورنگی پیدا ہوئی ہو؛ آریا لوگوں کی زبان، جس کے نمونے سنسکرت، لاطینی اور یونانی زبانیں ہیں، ساخت میں باسک سے جو ایورنی یا قدیم قلطی نسل کی یادگار ہے کوئی مناسبت نہیں رکھتی اور اسی طرح عبری اور عبرانی سے کہ یہ سامی خاندان کی زبانیں ہیں، جدا تھی۔ مثالاً اوّل کے تین اعداد کا نام۔

ویلزی میں: اُن، ڈاو، بڑی

یونانی میں: ایس، ڈیو، ٹریس

اور سنسکرت میں: اِکا، دیر، ترِی

ہے بحالیکہ باسک میں انھیں "بٹ، بی، ہیرو" کہتے ہیں؛

القصہ جب قلطی نسل کے لوگوں نے شمالی اطالیہ، فرانس اور جزیرہ نمائے ہسپانیہ کا بہت ساحصہ ایورنی لوگوں سے خالی کرالیا تو پھر وہ برطانیہ پر حملہ آور ہوئے۔ یہ

قلطی فتوحات

جنگ مدت تک ٹھنی رہی اور قدیم یادگاروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بھی قلطی قوم تمدن کے مدارج طے کر رہی تھی۔ اس لئے کہ حملوں کے شروع میں تو اس کے پاس بھی پتھر کے قریب قریب وہی ہتیار تھے، جیسے اس کے دشمنوں کے پاس لیکن آخر میں وہ برنجی اسلحہ سے مسلح پائی جاتی ہے جو قدیم بحر متوسط کی قوموں کے اسلحہ سے مشابہ ہیں۔ اس ترقی کی اہمیت ظاہر ہے کہ ان بہتر اسلحہ سے پیتل استعمال کرنے والوں کو اول تو اپنے سلح بہ سنگ حریفوں پر بڑا غلبہ حاصل ہو گیا اور دوسرے خود قوانین فطرت کے مقابلے میں جو مسلسل کشمکش ہو رہی ہے، اس میں انسان کو نہایت بیش بہا امداد میسر آگئی۔ پہلے حجر متاخر کے لوگ گیہوں کی کاشت سے کچھ واقفیت اور بعض جڑی بوٹی اور ترکاریوں کے خواص سے جنھیں ہم اب تک کھاتے ہیں، تھوڑی بہت آگہی رکھتے تھے تاہم کسی بڑے پیمانے پر زراعت نہ ہو سکتی تھی۔ البتہ اب جو دھات کے اوزار رائج ہوئے تو کسان کا پیشہ ہی کچھ سے کچھ ہو گیا۔ آیندہ سب سے کارگر ہتیار تبر بن گیا اور کھیتی کے لئے پھاوڑے اور ہل بننے ممکن ہو گئے۔ اسی طرح درخت کاٹ کے جنگل صاف کرنے، دلدلوں کا پانی سونتنے اور غیرمزروعہ

اراضی میں کھیتی کرنے کی صورت نکل آئی۔ بالفاظ دیگر، اُس عہد کا خاصی طرح آغاز ہوگیا جب کہ فطرت، جو پہلے انسان پر حاکم جابر تھی، اب اس کی خادمہ بن گئی۔ یہ بات صاف طور پر معلوم نہیں ہو سکی کہ قلطیوں کو پرانے باشندوں سے بہت زیادہ لڑنا پڑا یا یہ کہ پتھر چلانے والوں کو اپنی بے بسی جلد نظر آگئی۔ مگر یہ ثابت ہے کہ کم سے کم فرانس کے بعض قبرستانوں سے دونوں نسل کے لوگوں کی ہڈیاں ایک ہی جگہ دبی ہوئی نکلی ہیں اور بعض ڈھانچوں میں دونوں نسل کی خصوصیات کا موجود ہونا گواہی دیتا ہے۔ کہ ان میں باہم شادی بیاہ ہونے لگا تھا؛

کچھ مدت گزرنے کے بعد قلطیوں کے ایک اور ٹڈی دل نے برطانیہ پر یورش کی اور پرانے باشندوں کو اسی طرح نکال باہر کیا جس طرح خود انھوں نے پہلے ایوریوں کو دھکیل دیا تھا۔ اس یورش سے پوری آبادی میں مغرب کی طرف ہل چل پیدا ہو گئی اور پہلے نہیں تو اسی سلسلے میں قدیم قلطی نسل کے کچھ گروہ آئرستان میں بھی آپہنچے۔ یہاں کے ایوریوں کو اور بھی مغرب میں ہٹنا پڑا اور کچھ لوگ اسکاچستان (اسکوٹ لینڈ) کے شمال میں بھی اُٹھ آئے۔ مگر چونکہ یہاں وہ آزادی سے نہ رہ سکتے تھے اور نئے حریفوں کا بھی خوف لگا ہوا تھا لہٰذا عجب نہیں کہ انھوں نے اپنے پرانے دشمنوں سے مشترک دشمن کے مقابلے کے لئے میل کر لیا ہو۔ اس جگہ یہ وضاحت کر دینی چاہیئے کہ نئی یا پرانی قلطی نسل کے لوگوں کے قد قامت وغیرہ میں کوئی خاص فرق ثابت نہیں ہوا البتہ ان کی بولیاں متحدالاصل ہونے کے باوجود مختلف تھیں اور کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ان کے کتبات اور بستیوں کے ناموں کی بنا پر یہ بتانا ممکن ہے کہ

گوئیڈل | یہ علاقہ کن خاص قبائل سے آباد تھا۔ تاہم پرانے قلطیوں کو **گوئیڈل، گیڈل یا گیل** کہتے ہیں اور نو وارد قلطیوں کو **برائی تھن** یا بری ٹن کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ "برائی تھن" کے معنی غالباً "بالباس" کے ہیں مگر

برائی تھن | "گوئیڈل" کا مفہوم (نامعلوم ہے)۔ بہر نوع، یہی برائی تھن قوم تھی جس کے نام پر ملک کا نام برطانیہ پڑ گیا ورنہ اس جزیرے کا پرانا نام "البیون" تھا گو اس لفظ کی اصلیت کا ہنوز یقین نہیں۔

اس عرصے میں ان جزیروں کی طرف وہ تمدن قومیں بھی متوجہ ہوگئیں جو بحر متوسط

کے کناروں پر آباد تھیں ۔ عہد قدیم کی ان قوموں کو جن میں تیل کا رواج ہو گیا تھا ٹین کی ہر وقت ضرورت رہتی تھی اور اسی ضرورت نے انھیں مجبور کیا کہ دُور دُور تک اس دھات کی تلاش کریں ۔ پھر اسی کی بدولت ان میں باہم اُن اضلاع کے قبضے کے لئے شدید رقابت بھی پیدا ہو گئی جہاں ٹین کثرت سے نکلتا تھا ۔ ان اضلاع میں جزیرہ نمائے اسپین بہت مشہور تھا اور بہت قدیم سے صور کے سوداگروں نے اور صور کے زوال کے بعد اُس کی نوآبادی قرطاجنہ کے باشندوں نے اس تمام علاقے کے ٹین کا اجارہ لے رکھا تھا خصوصاً قرطاجنہ کا غیر متغیر اصول ہی یہ تھا کہ کسی رقیب کو پاس تک نہ پھٹکنے دے ۔ اس طرز عمل کا نتیجہ قدرتی طور پر یہ ہوا کہ دوسرے رقیب بھی شدت پر آمادہ ہو گئے ۔ چوتھی صدی قبل مسیح کے وسط میں (جب کہ سکندر رومی ایشیا کی فتوحات میں مصروف تھا) اہل رومہ نے سیلیہ (مارسیلز) کی یونانی نوآبادی میں قاصد بھیجے کہ شمال مغرب کے ٹین پیدا کرنے والے ممالک کا کچھ حال معلوم کریں ۔ سیلیہ والے اس بارے میں بہت کم یا کچھ نہ بتا سکے لیکن اب خود انھیں اس طرف توجہ ہو گئی اور انھوں نے دو بحری مہمیں تیار کیں ۔ ایک کا مقصد تو جنوب کی طرف سواحل افریقہ کی دیکھ بھال تھا اور دوسری قادص سے (جو فنیقیہ والوں کی سب سے مغربی بستی تھی) گزر کر جانب شمال بھیجی گئی تھی کہ شاید ٹین کے نئے ذخیروں کا پتہ مل جائے اور نیز وہ ساحلی مقامات صحیح طور پر معلوم ہوں جہاں سے نہایت قدیم زمانے سے عنبر کی مقدار کثیر بری راستوں سے لدلدا کر بحر اوریاتک کے کناروں تک پہنچا کرتی تھی ۔ اس دوسری مہم کا سردار پی تیاس ذی علم آدمی تھا اور اس نے سیلیہ کے صحیح عرض بلد کا اندازہ کرنے اور بحری مد کی وجوہ بتانے سے بڑی شہرت پائی تھی ۔ مہم کے جو کچھ حالات ہم تک پہنچے وہ بھی اسی نامور سردار کے قلم کے لکھے ہوئے ہیں ۔ اس کی اصلی تحریر تو بدنصیبی سے مفقود ہو گئی تاہم وہ اتنا نامور شخص تھا کہ تقریباً ہر یونانی و رومی جغرافیہ نویس نے اس کے اقوال نقل کئے ہیں اور اس طرح اصل کتاب کے بہت سے اجزا محفوظ رہ گئے ہیں ۔

سیلیہ کے اکتشافات

قادص میں مقام کر کے پی تیاس رودِ لوآر کے دہانے تک بڑھے چلا گیا پھر کورن وال میں لنگر ڈالے بغیر، جس کی معدنی (ٹین کی) دولت سے

پی تیاس کا بحری سفر

وہ بظاہر لاعلم تھا، وہ کینٹ کے ساحل تک پہنچ گیا۔ یہاں اس نے لنگر ڈالا اور غالباً پہلا متمدن انسان تھا جس نے جزیرۂ برطانیہ پر قدم رکھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہاں موسم بہار کے شروع میں پہنچا اور تمام گرمیوں مقیم رہ کر سواحل عنبر کی تلاش میں آگے روانہ ہوا اور قیاس کیا جاتا ہے کہ بحر بالٹیک میں رود وسچولا کے دہانے تک پہنچ گیا تھا۔ پھر ناروے کے کنارے کنارے وہ منجمد شمالی کے منطقے تک آیا جہاں سورج غروب نہیں ہوتا بلکہ "گرمیوں بھر تمام رات چمکتا اور غرب سے مشرق کی طرف چکر کھاتا رہتا ہے"۔ اس مقام پر پہنچ کے اس نے راستہ بدلا اور برطانیہ کی طرف پلٹ آیا اور جنوب کی طرف ساحل ساحل پھر کینٹ تک پہنچ گیا۔ اس مرتبہ وہ زیادہ نہ ٹھہرا بلکہ جلد وطن روانہ ہو گیا اور گارون کے دہانے تک پہنچ کے بری راستے سے مارسیلیہ آ گیا۔ افسوس ہے پی تیاس کو علم نسلیات میں چنداں دخل نہ تھا، لہٰذا وہ برطانیہ کے باشندوں کی نسلی خصوصیات و تقسیم کے بارے میں ایسی باتیں جن کی ہمیں تلاش تھی، کچھ زیادہ نہیں بتاتا ہے اور حق یہ ہے کہ اس کی تحقیق تفتیش زیادہ تر ٹین ہی کے واسطے رہی۔ بر ایں ہمہ اس نے کھیتوں میں غلے کی کثرت کا اور ایک خاص قسم کے شربت کا جو گیہوں اور شہد ملا کے بنتا تھا۔ اور مدت دراز کے بعد ویلز میں "متھیگ لن" کہلاتا تھا، ذکر کیا ہے اور باد و باراں سے حفاظت کے لئے کھلیانوں پر چھتیں چھانے اور ایک قسم کی جو کی شراب کا بھی حال لکھا ہے۔

اس امر کی تحریری شہادت تو موجود نہیں مگر عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ پی تیاس ہی کے انکشافات سے مارسلیہ اور شمالی ممالک میں باقاعدہ تجارت کا آغاز ہو گیا جس کی خاص جنس برطانی ٹین اور بالٹکی عنبر تھیں۔ اس قیاس کی یوں بھی تائید ہوتی ہے کہ جزیرۂ برطانیہ میں جو سب سے پرانے یونانی سکے ملے ہیں وہ سکندر یونانی کے عہد کے ہیں۔

پوسی دونیوس

پی تیاس کی سیاحت کے تقریباً دو صدی بعد جزیرہ رودس کا فاضل پوسی دونیوس برطانیہ آیا۔ یہ شخص بڑھاپے میں سسرو کا (اور ممکن ہے کہ سیزر کا بھی) استاد تھا۔ وہ مغرب میں کورن وال تک گیا اور اس نے وہاں والوں کے جھگڑوں میں بھر بھر کر جزیرہ اکٹس[1] تک

---

[1]۔ اکٹس کو عام طور پر زمانۂ حاضرہ کا جزیرہ تھے نیٹ اور پورٹس اکیوس کو بندرگاہ بولون سمجھا جاتا ہے۔

ٹین لائے کی کیفیت بھی لکھی ہے جہاں سے غالیہ کے تاجر اسے کشتیوں میں بندر ایتوس تک لاتے جہاں سے وہ پھر باربرداری کے گھوڑوں پر لد کر دریائے رہون تک آتا اور وہاں سے دوبارہ کشتیوں میں مارسیلیہ پہنچایا جاتا تھا۔ اس طویل سفر اور مال کے جابہ جا آتا ریڑھاؤ سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ان ممالک میں تمدن خاص ترقی کر چکا تھا اور لوگوں میں عام طور سے تجارت کا شوق تھا؛

بلجی

ادھر اسی زمانے میں جرمن قبائل کے دباؤ سے غالیہ کے قلطی برابر مغرب کی طرف ہٹتے رہے اور سین و شیلٹ کے درمیان بسنے والی توم بلجی نے رودبار انگلستان کے پار اپنے مہاجر بھیجنے اور جنوبی برطانیہ کے بڑی تھن باشندوں کو وہاں سے نکالنا شروع کیا۔ اس تازہ وارد قوم کی بڑی آبادی پہلی صدی قبل مسیح کے نصف اول میں بسی گر بہت ممکن ہے کہ اس قوم کے بعض لوگ کچھ مدت قبل سے برطانیہ میں پہنچ گئے ہوں؛

رومیوں کی پیش قدمی

قرینہ چاہتا ہے کہ بلجیوں میں اس ہل چل کا سبب شاید یہ ہو کہ ان دنوں رومی جنوبی غالیہ پر دست تصرف دراز کر رہے تھے۔ فتح غالیہ کی سب سے پہلی کوشش صمیم انھوں نے ۱۱۱ قم میں کی جب کہ ان کا تسلط اطالیہ، ہسپانیہ، بلقان (مع یونان) سواحل ایشیائے کوچک اور بحر متوسط کے جزیروں پر قائم ہو چکا تھا اور اس وسیع گر محدود دبر سمندر کے تمام شمالی سواحل پر قبضہ ہونے میں صرف فتح غالیہ کی کسر باقی رہ گئی تھی؛

گر پچاس برس تک ان کی تاختیں ساحلی علاقوں تک محدود رہیں۔ کیونکہ ان کا پہلا مقصد صرف یہ تھا کہ اطالیہ سے ہسپانیہ تک مسلسل ایک سڑک اسی راستے پر بنالیں جس سے ہنی بال نے ایک زمانے میں اپنی مشہور و معروف یلغار کی تھی پھر انھیں اسی ساحلی علاقے کی حفاظت میں کافی زحمت اٹھانی پڑی کہ تیوتن قوم کے خانہ بدوش گروہ وقتاً فوقتاً رومی حدود میں گھس کر اپنی بستیاں بسانے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔

بالآخر ۵۸ ق م میں جولیس سیزر جو رومی قوم میں سب سے بڑا شخص گزرا ہے غالیہ بھیجا گیا اور سخت لڑائیوں کے بعد فرانس حاضرہ کے پورے رقبے پر رومی غلبہ

قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا لیکن اسے معلوم ہو گیا کہ یہاں مستقل طور پر اطمینان سے حکومت نہ ہو سکے گی جب تک کہ ایک طرف تو مشرقی سرحد سے جرمنوں کی تازہ یورشوں کا سدِّباب نہ ہو گا اور دوسری طرف شمالی غالیہ کے بلجیوں کو رودبار کے پار اپنی برادری والوں سے مدد ملنے کی امید باقی رہے گی۔ نظر برایں ۵۵ق م میں اس نے قصد مصمم کر لیا کہ اہل برطانیہ و جرمانیہ دونوں کو برائے العین دکھا دے کہ رومی جیوش کسی قوّت سے مغلوب ہونے والے نہیں ہیں۔ اس نے اتنی جلد اور یک بہ یک رائن کی تند رو ندی پر پل باندھا اور فوج لے کر جرمن جنگلوں میں گھسا کہ جرمن قبائل لرزہ براندام ہو گئے۔ اس کے بعد وہ اسی سرعت سے فوج لے کر واپس مڑا اور رودبار انگلستان کے ساحل پر پہنچ کر اس نے حملہ برطانیہ کے ارادے سے سپاہ کشتیوں میں سوار کرا دی۔ وہ بندرگاہ **ایتوس** سے دس ہزار پیادے لے کر چلا اور وہاں پہنچا جہاں سے **ڈوور** کی سفید چوٹیاں اُفق پر اٹھی ہوئی نظر آتی ہیں۔ کسی قدر دقّت سے لنگر انداز ہونے کے بعد رومیوں کو معلوم ہوا کہ برطانی صلح جوئی اور اپنے یرغمال تک پیش کرنے پر آمادہ ہیں۔ لیکن طوفان سے یکایک رومی بیڑا برباد ہو گیا اور اس واقعے سے برطانیوں کو لڑنے کی جسارت ہو گئی اور پھر شرائط صلح پر اس وقت آمادہ ہوئے جب کہ رومی لشکرگاہ پر چھاپہ مارنے میں انھیں ہزیمت نصیب ہوئی۔ سیزر نے اپنے بیڑے کی مرمت کرائی تھی لیکن عجب نہیں کہ یہ مہم اسے توقع سے زیادہ دشوار نظر آئی ہو لہٰذا اس نے شرطیں قبول کر لیں اور بلا تاخیر غالیہ واپس چلا آیا۔

سیزر کا پہلا حملہ

دوسرا حملہ

سال آئندہ سیزر نے اس سے بڑا بیڑا اور بہتر کشتیاں تیار کرائیں اور دوبارہ بلا مزاحمت ساحل برطانیہ پر لنگر انداز ہوا اور بارہ میل کے فاصلے پر برطانیوں کے لشکرگاہ کو جس کے گرد خندقیں بنی ہوئی تھیں اس نے یورش کر کے چھین لیا۔ پھر ایک طوفان سے کشتیوں کو نقصان پہنچا اور ان کی مرمت میں وقت صرف ہوا جس نے برطانیوں کو موقع دے دیا کہ قوم کتو ولونی کے سردار کسی ولانوس کی سیادت میں متحد ہو جائیں جس کا قلعہ ایک مورچہ بند چھاؤنی تھی اور قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ موجودہ **سینٹ آلبنز** سے زیادہ فاصلے پر نہ ہو گی۔

سیزر مقابلے کے لئے ٹیمز کو عبور کرتا ہوا آگے بڑھا اور رومیوں نے حسب معمول راستے میں ریشہ دوانیاں بھی جاری رکھیں کہ اُن کے دشمنوں میں پھوٹ پڑ جائے چنانچہ ٹری نوبان ٹس قوم کا ایک قبیلہ کیسی ولانوس کا ساتھ چھوڑ کے رومیوں سے آملا۔ مذکورۂ بالا قوم اس علاقے میں آباد تھی جسے آج کل ایکس کہتے ہیں؛ الغرض رومیوں نے برطانی لشکرگاہ پر حملہ کیا تو کیسی ولانوس نے کینٹ کے چار سرداروں کو سمجھا تھا کہ چکر کھا کے رومیوں کے جہازوں پر حملہ کریں لیکن رومی نگہبانوں نے انھیں پسپا کر دیا اور کیسی ولانوس نے طے کر لیا کہ اطاعت قبول کر لی جائے۔ اس نے جو شرطیں پیش کیں انھیں بھی رومیوں نے پسند کیا اور چونکہ سیزر کا مقصد برطانیوں کو مطیع کرنا ہی تھا نہ کہ باقاعدہ اپنی رعایا بنانا' لہذا وہ قبولِ اطاعت کے قول قرار لے کر واپس چلا آیا؛

یہ سب حالات اسی مشہور و معروف تحریر سے ماخوذ ہیں جس میں خود سیزر نے

سیزر کی کیفیت برطانیہ

محاربات غالیہ کی روداد اور اسی کے ضمن میں برطانیہ کی کیفیت لکھی ہے اس میں وہ یہاں کی آبادی اور مکانات کی (جو قریب قریب غالی طرز پر بنائے جاتے تھے) کثرت۔ اور مویشی کے بڑے بڑے گلوں کا ذکر کرتا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ ٹین عام طور سے اور لوہا کہیں کہیں تھوڑا سا ملتا تھا اور پیتل کو باہر سے لانا پڑتا تھا۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اہلِ برطانیہ اس وقت تک تانبے سے کام لینا نہ جانتے تھے؛ سیزر نے اندازہ کیا کہ سردی کم اور غالیہ کی نسبت موسم معتدل رہتا تھا۔ سوائے صنوبر و بیچ کے اور سب قسم کے درخت جو غالیہ میں عام تھے' برطانیہ میں بھی پائے جاتے تھے۔ کینٹ کے باشندے تمدن میں سب سے بہتر نظر آئے ورنہ اندرون ملک میں تو بعض قومیں ایسی تھیں جو زراعت تک نہ کرتی تھیں اور محض دودھ اور گوشت پر ان کا گزارہ تھا اور جانوروں کی کھالوں سے تن ڈھکتی تھیں۔ باقی نیلے رنگ سے جسم رنگنا کہ لڑائی میں زیادہ مہیب نظر آئے سر کے بال بڑھانا اور لبیں چھوڑ کر ڈاڑھی منڈانا سب کا شعار تھا۔ جنگ میں ان کی ایک عجیب خصوصیت یہ تھی کہ جنگی رتھوں سے دشمن کی صف میں گھس کر لڑنے کی بجائے صف کے سامنے رتھ دوڑاتے اور جس جگہ کمزوری

پاتے، وہاں ٹھیرتے اور پیادہ ہوکر دشمن پر جا پڑتے تھے۔ رتھیں فاصلے سے الگ کھڑی رہتیں اور لڑنے والے اگر پسپا ہوتے تو رتھ بان اُن کو بٹھا کے میدان سے ہٹا لاتے یا آگے بڑھ کے صف دشمن کے کسی دوسرے کمزور مقام پر حملہ کرتے تھے؛

درویڈ سیزر کا بیان ہے کہ برطانیوں کا مذہب ڈرویڈی تھا جو انھوں نے قلطیوں سے اختیار کیا تھا۔ ڈرویڈ پجاریوں کا ایک فرقہ تھا جو اپنے متبعین پر پورا اثر و اقتدار رکھتا تھا۔ "وہ لوگوں کو روح کے ابدی ہونے کی تعلیم دیتے تھے جس سے انھیں یقین تھا کہ لوگ موت سے نڈر اور دلیر و جری ہو جائیں گے۔ نجوم اور وسعت ارض و سموات پر اشیاء کی ماہیت، نیز دیوتاؤں کی قوت و اختیارات پر یہ مذہبی مقتدا غور و فکر کرتے رہے۔ اور نوجوانوں کو اپنے علوم کی تعلیم دیتے تھے"۔ ان کی بعض مذہبی رسمیں بالکل وحشیانہ تھیں اور انھیں انسانی قربانیاں کرنے میں بھی تامل نہ ہوتا تھا۔ پھر بھی اس مذہب کے قوی اثرات کا اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسٹون ہنج جیسے مقام پر بڑی بڑی چٹانیں جمع کر کے جو عظیم الشان یادگار تیار کی گئی تھی، اس کی نسبت باور کیا جاتا ہے کہ اسی مذہب کے مقلدوں کی ہدایت سے بنیں؛

برطانیہ کی اقوام و قبائل کے بارے میں سیزر نے کوئی باضابطہ امتیاز نہیں کیا مگر تحقیقاتِ جدید کی رو سے یہ طے ہو گیا ہے کہ برای تھن، گوئے ڈل اور

برطانیہ کی نسلی تقسیم ایوری نسلوں کی تقسیم اجمالاً حسب ذیل تھی:۔ جنوبی برطانیہ میں بجز جنوب مشرقی اضلاع کے جہاں بلجی قوم آبسی تھی سارے علاقے میں (برای تھونی) قلطی آباد تھے۔ ان کا دخل آبنائے برسٹل کے جنوبی ساحلوں تک تھا۔ اور جنوب اور شمالی ویلز کے درمیان ڈی اور خلیج مورکمب کے مابین کے ضلعے میں، نیز خلیجوں (فرتھس) کے پار شمال میں تو ح اران تک انھی کی آبادیاں تھیں۔ جنوبی اور شمالی ویلز، جھیلوں کا علاقہ، مغربی نشیب، اور فورتھ کے شمال کی نشیبی زمینوں پر، نیز موناا ورمین کے جزیروں میں گوئے ڈل نسل کے لوگ رہتے سہتے تھے۔ ایوریوں کی نسبت یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ کب تک علیحدہ قوم کی حیثیت سے رہے لیکن گمان غالب یہی ہے کہ برای تھنوں کا گوئے ڈل نسل کے

قلطیوں پر دباؤ بڑھا تو قلطی اور ایورنی نسلوں میں بہت کچھ اختلاط واقع ہوا۔ سیزر سے ایک صدی بعد تاسی توس مورخ نے تحریر کیا ہے کہ اس کے زمانے میں جنوبی ویلز کے قبائل سیلورس کی صورتیں برطانیہ کے دوسرے باشندوں سے مختلف نظر آتی تھیں اور ان قبائل کا رنگ زیتونی اور بالوں میں قدرتی گھونگر پائے جاتے تھے جو رومی دیوار کے شمال میں سرخ مو قلطیوں سے بالکل الگ تھے۔ اس قول سے بھی یہی قیاس ہوتا ہے کہ جنوبی ویلز کے باشندوں میں بہت کچھ ایورنی خون مل گیا تھا۔ اور خلیجک کلائیڈ و فورتھ کے شمال میں تو گوئے ڈل نسل کے لوگ پہنچ ہی نہ سکے جس طرح مشرق کے نشیبی علاقوں میں نہ پہنچ سکے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسکاٹستان پہاڑی علاقوں میں جو کچھ بھی آبادی تھی وہ ایورنی نسل کے لوگوں کی تھی۔

برطانیہ کی اس نسلی تقسیم کے دشوار و دلچسپ مسئلے میں جو کچھ قیاسات کئے گئے ہیں وہ مختلف النوع شہادتوں پر مبنی ہیں علوم اثریات اور نسلیات اور مقامات کے نام اور کتبات سے یہ شہادت ملتی ہے اور چونکہ ایسی جدید معلومات برابر حاصل ہوتی رہتی ہے جس سے اور بھی قرین صحت نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں لہذا مذکورۂ بالا قیاسات میں وقتاً فوقتاً ردّ و بدل کی گنجائش موجود ہے۔

اس باب کے مشہور واقعات وسنین:

پی تیاس کی سیاحت	تخمیناً ۳۳۰ ق م
سیزر کے حملے	۵۵ و ۵۴ ق م

بابُ دُوم

رومیوں کا تسلط برطانیہ پر

رومیوں کی فتح برطانیہ۔ رومی تمدن کا آغاز۔
رومیوں کی واپسی کے اسباب ؂

سیزر کی فوج کشی کے بعد رومیوں نے ایک عرصے تک برطانیہ کو اپنے حال پر رہنے دیا۔ اس کا سبب کچھ تو یہ تھا کہ جمہوریۂ رومہ اُن خانہ جنگیوں میں مبتلا رہی جنھوں نے بالآخر اسے شخصی بادشاہی بنا دیا اور کچھ یہ کہ امن و امان قائم ہونے کے بعد بھی اغسطس اور تی بریوس کی حکمت عملی یہ رہی کہ کشورستانی کے واسطے کوئی جنگ نہ کی جائے۔ خلاصہ یہ کہ تقریباً سو برس تک کسی رومی فوج کا نشان برطانیہ میں نظر نہ آیا اور اس مدت میں برطانیہ والوں نے فنونِ امن میں کافی ترقی کی۔ غالیہ کے ساتھ تجارت بڑھتی رہی اور اس عہد کے سکّے گواہی دیتے ہیں کہ یہاں کے باشندے کیسے دولتمند اور ہوشیار ہو گئے تھے ؂

رومیوں کا تیسرا حملہ

لیکن آخر کار رومۃ الکبریٰ کے چوتھے بادشاہ تی بریوس کلاودیوس (سنہ ۴۱ء تا سنہ ۵۴ء) نے سنہ ۴۳ء میں ارادہ کر لیا کہ برطانیہ کو سلطنت میں شامل کر لیا جائے اور اسے زیرنگیں لانے کی غرض سے آولوس پلاوتیوس کو روانہ کیا۔ جس وقت یہ رومی سپہ سالار یہاں آیا تو کیسی ولانوس کے نواسے اور

باب دوم

جانشین کیونوبلی نوس کے دو بیٹے توگودوم نوس اور کراک تاکوس برطانیہ پر حکومت کرتے تھے۔ اُولوس پلادیوس نے جس کی فوج میں ناموروسپیسین اور اس کا بیٹا تیتس اس کے ماتحت تھے۔ لڑائی میں انھیں شکست دی اور توگودوم نوس تو مارا گیا لیکن کراک تاکوس سیلورتوم سے جا ملا جو جنوبی ویلز کے پہاڑوں اور دلدلی علاقوں میں آباد تھی اور غالباً زیادہ تر ایوری نسل سے تھی۔

اس فتح سے جزیرے کے جنوب مشرقی حصے پر رومیوں کا قبضہ آسان ہوگیا اور شہنشاہ کلاودیوس خود تسخیر کمولوودنم (کول چسٹر) میں موجود رہنے کے لئے آیا تھا، اسی مقام میں آستوریوس سکاپیولا نے جو ان کا دوسرا صوبہ دار تھا ایک رومن نوآبادی بھی قائم کردی۔ اسی سردار نے بعد میں سیلورتوم پر فوج کشی کی جنھوں نے کراک تاکوس کو اپنا حاکم بنالیا تھا۔ یہ جنگجو لوگ تھے لیکن انھیں شکست ہوئی اور کراک تاکوس قیدی بنا کے رومہ بھیجا گیا۔ تاہم یہاں کے پہاڑی لوگ پوری طرح مطیع نہیں ہوے اور اسکاپیولا نے اُس وقت اسی پر قناعت کی کہ ان کے سارے علاقے پر قلعوں کا ایک سلسلہ رووا سک سے رووڈی تک تعمیر کردیا جن میں کاڑلین اور چسٹر سب سے زیادہ اہم تھے۔

اگلے رومی حاکم سوتونیوس پولی نوس نے جزیرۂ مونا پر جسے اب انیگلسی کہتے ہیں حملہ کیا کہ یہ درویدوں کا صدر مقام تھا جنھیں رومی حملہ آور اہل مزاحمت کا سرغنہ سمجھتے تھے اور صحیح سمجھتے تھے؛ اس موقع پر جو لڑائی ہوئی اس میں برطانی جوش غضب سے وارفتہ ہوگئے تھے۔ ان کی عورتیں تک گھمسان میں شریک ہوئیں اور خود درویدوں نے کوسنے اور سراپ دے دے کے رومی سپاہیوں کے دل دہلا دیے لیکن آخرکار حملہ آور فوج کی باقاعدگی غالب آئی۔ درویدوں کا قتل عام کردیا گیا اور ان کی قربان گاہیں اور خانقاہیں جلا ڈالی گئیں؛

ادھر اس عرصے میں رومی محصلوں کی سختی سے جو شیلے قلطیوں میں جو اس قسم کی سختی کے بالکل عادی نہ تھے، ناراضی پیدا ہوی اور اس میں اور بھی شدت اس لئے

بوڈی سیہ کی بغاوت

آگئی کہ بوڈی سیہ اور اُس کی بیٹیوں کے ساتھ رومیوں نے بہت ہی ناروا برتاؤ کیا حالانکہ بوڈی سیہ کے متوفی شوہر نے جو قوم اِیسینی کا سردار تھا، ان سے بطور خاص رحم وکرم کی وصیت کی تھی۔
غرض رومی صوبہ دار کو مونا میں مصروف جنگ دیکھکر برطانیوں نے موقع پایا اور علانیہ بغاوت کر دی۔ کولودونم کو یورش کر کے چھین لیا اور کہا جاتا ہے کہ ستر ہزار رومی بپھرے ہوئے باغیوں کی تلوار کا شکار ہوے۔ گر موسے تونیوس مستعدی سے واپس آیا اور رومی جیوش کی باقاعدگی کے سامنے برطانیوں کی دلیری کا نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہ نکلا کہ اور زیادہ آدمی مارے گئے۔ مسلح باغیوں کی تعداد میں اب بھی کچھ کمی نہ آئی تھی تاہم نیا صوبہ سلطنت کے ہاتھ سے نکلتے نکلتے بچ گیا۔ بوڈی سیہ نے اپنے ستانے والوں کے ہاتھ میں گرفتار ہونے کی ذلت گوارا نہ کی اور خودکشی کر کے اپنی آبرو بچالی۔

اس کے بعد برطانیہ کے صوبہ داروں میں سب سے زیادہ اہم اگری کولا ہوا ہے جو سوئے تونیوس کی فوج کا سردار اور تاسی توس مورخ کا خسر تھا اور اسی مورخ

اگری کولا

نے اگری کولا کی زندگی کے حالات لکھے ہیں جو ہمارے لئے بہت بیش قیمت ہیں۔ جب وہ اس عہدے پر آیا تو اُس کا پیش رو فرون تی نوس سیلور قوم کو مغلوب کر چکا تھا لہذا اگری کولا نے ان کی ہمسایہ قوم اوردوویس پر توجہ منعطف کی جو باشی تھن نسل سے اور ان مقامات میں آباد تھی جو اب وسطی ویلز کہلائے جاتے ہیں۔ انھیں مغلوب ومفتوح کر کے وہ مونا پر بڑھا اور امدادی افواج کو حکم دیا کہ تیر تیر کے جزیرے پر پہنچ جائیں اور غالباً یہی سبب تھا کہ یہاں کے پاسبانوں کو اُس نے اچانک آدبایا اور بلا تاخیر پورا جزیرہ مسخر ہو گیا۔ تاسی توس لکھتا ہے کہ "اگری کولا بہت عمدہ حاکم تھا" وہ گزشتہ واقعات سے خوب واقف تھا اور جانتا تھا کہ "غلبہ وفتح جو مفتوحین کے نقصان اور دلآزاری کا موجب ہوتی ہے کبھی محفوظ و دیرپا نہیں ہو سکتی" نظر بریں اس نے ارادہ کر لیا کہ آیندہ دشمنی اور مخالفت کے بیج باقی نہ رہنے دے۔ اس غرض کے لئے اُس نے فوج کی خرابیاں دور کیں۔ ترقیوں کا معیار صرف اہلیت کو قرار دیا اور اس بات کا انتظام کیا کہ

فوجی مصارف کے لیے جبری محصول کی وصولی میں بلا وجہ لوگوں کو زحمت نہ دی جائے"۔ اسے اتنی کامیابی ہوئی کہ برطانیہ سے واپس چلے جانے کے بعد بھی وہاں کی رعایا خوشی خوشی فوج میں بھرتی کے لئے تازہ جوان دیتی تھی۔ اپنا خراج بلا قیل و قال ادا کرتی اور ظلم و زیادتی نہ کی جائے تو سرکار کی سب خدمات مستعدی سے بجالاتی تھی۔ آزاد پہنچنے کی صورت میں اس کو بہت جلد اور یک بہ یک غصہ آجاتا تھا کیونکہ برطانی مغلوب ہوئے مگر بے دم نہیں ہو گئے تھے۔ انھیں اطاعت کرنی پڑی لیکن وہ غلام نہیں بنے تھے"۔ اگری کولا معابد، عدالتیں اور کشادہ مکان بنانے میں ان کی ہمت افزائی بلکہ امداد کرتا تھا۔ لاطینی کے رواج کو اس نے ترقی دی اور مختصر یہ کہ یہاں کے دیسیوں کو رومی بنانے میں جو کچھ ممکن تھا کرتا رہا"۔

رود ہمبر کے شمالی علاقے کے قبائل برگینٹیز پہلے مطیع کیے جا چکے تھے، لہذا اگری کولا نے کوہ چویٹ بلکہ رود ٹے کے اس پار تک رومی تسلط کو وسعت دی۔ لیکن کیلی ڈونیوں کو رود ٹے اور اسلے کے درمیان مونس گراو پیوس میں شکست دینے کے باوجود اس نے رومی سرحد کو خلیج فورتھ اور کلائیڈ کے مابین قائم کرنا کافی تصور کیا اور اسی سرحد کی حفاظت کے واسطے ۸۱ء میں قلعوں کا ایک سلسلہ تعمیر کرایا۔ اس کا خیال تھا کہ آئرستان کی فتح آسان بھی ہے اور مفید بھی لیکن اس تجویز پر عمل کرنے کی نوبت نہ آئی تھی کہ وہ واپس بلا لیا گیا۔

اگری کولا کے قلعے

۱۲۱ء میں شہنشاہ ہادریان دورہ کرتا ہوا برطانیہ آیا اور حکم دیا کہ رود ایڈن کے دہانے سے ٹائن کے دہانے تک ایک پتھر کی فصیل تعمیر کی جائے۔ اسی دیوار کو آئندہ سپہ سالار اور زیادہ مورچہ بند کرتے رہے حتیٰ کہ آخر میں اگلی فصیل کے عقب میں مٹی کا دمس اور ان کے بیچ میں بہت سے قلعے تیار ہو گئے۔ اسی سرحد کے جنوب میں رومیوں نے غالیہ اور ہسپانیہ کی طرح برطانیہ کو بھی متمدن بنانے کی باقاعدہ کوشش شروع کی۔ سب سے اول تو انھوں نے پرانے ڈن (= گڑھی) یعنی ایسے قدرتی مورچے جنھیں برطانیوں نے پہلے سے چن رکھا تھا اپنے قبضے میں کیے، پھر ان کو اپنے طرز پر

ہادریان کی سنگیں فصیل

باب

مورچہ کیا اور ان میں جو سب سے اہم تھے ان کو آیندہ شہروں کی بنیاد ڈالنے کی غرض سے اعلیٰ درجے کی جنگی سڑکیں بنا کے ایک دوسرے سے ملا دیا۔

رومی شہر

ان شہروں میں جنھیں اس عہد میں فروغ ہوا قابل ذکر حسب ذیل ہیں۔ لندن جو ٹیمز کے دہانے کے قریب واقع تھا جہاں دریا اتنا تنگ ہے کہ اسی پر پل بندھ سکتا تھا اور اس کا کنارہ بھی اتنا پختہ تھا کہ کشتیوں سے مال لانے لیجانے میں کچھ دقت نہ تھی؛

یارک، شمال کے وسیع میدان کا مرکز، روز فوس اور آؤز کے سنگم پر واقع تھا؛

لنکن۔ جن پست پہاڑیوں نے وادیٔ ٹرینٹ کو گھیر کر مشرق کی طرف موڑ دیا ہے یہ ان کی سب سے اونچی چوٹی پر تھا؛

چسٹر جو ڈی کے سب سے زیریں معبر پر واقع تھا؛

یوری کونیم، سیورن پر اور سیر لیون ایاں کے کنارے آباد تھے۔ اور باتھ اس زمانے میں بھی اپنے گرم چشموں کی بنا پر مشہور تھا؛

رومی سڑکیں

رومیوں کی سڑکوں میں چار سب سے بڑی تھیں اوّل واٹلنگ اسٹریٹ، جو ڈوور سے چل کر لندن پر ٹیمز کو عبور کرتی اور پھر شمال مشرق کی طرف مڑ کر قریب قریب اُسی راستے سے چسٹر تک پہنچتی تھی جو آج کل لندن سے نارتھ ویسٹرن ریلوے کا راستہ ہے اور جس کے راستے میں یورِتی کونیم پڑتا ہے؛ دوسری سڑک فوس وے، فالتھ سے چلتی اور بیچ کے علاقے کو طے کرتی ہوئی لنکن پہنچتی اور واٹلنگ اسٹریٹ کو رگبی کے قریب وہاں قطع کرتی تھی جسے اب ہائی کراس کہتے ہیں؛ تیسری سڑک ارمائن اسٹریٹ کہلاتی تھی اور لندن کے شمال سے گزر کر لنکن آتی اور پھر اس کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں۔ ایک شمال میں رود ہمبر تک آتی جہاں سے مسافر ندی کو ڈونگوں میں پار کرتے اور پھر یارک تک پہنچتے تھے دوسری شاخ ٹرینٹ کو عبور کر کے ڈون کاسٹر تک آتی اور پھر سیدھی شمال میں چلتے چلتے ٹیڈ کاسٹر تک پہنچ جاتی جہاں سے ایک ٹکڑا اسے یارک تک مکمل کر دیتا تھا؛ مگر خود بڑی سڑک ٹیڈ کاسٹر سے آگے بڑو برج بلکہ یوں کہئے کہ ایک میل جنوب میں یو رندی پر الیسوریم (= آلڈبرو) تک آتی جہاں یارک کی سڑک اس سے مل جاتی تھی۔ یہاں سے یہ سڑک

یورکو اتر کے سول ندی کے کیٹ رک پل تک سیدھی آتی اور پھر دو شاخوں میں منقسم ہو جاتی تھی۔ ایک شاخ تو پہاڑیوں سے اتر کے کارلائل پہنچتی اور دوسری نیوکاسل جس سے شہر لندن اور بڑی فصیل کے دونوں سروں میں باہم اتصال پیدا ہو جاتا تھا۔ یہ چوتھی سڑک اک نیلڈا سٹریٹ کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ وہ آئی سینی یا اکینی قوم کے نام سے موسوم کی گئی تھی، اور یہ نارج سے جنوب مغرب کی طرف چلتے چلتے ایگزیٹر کے قریب سڑک فوس وے سے مل جاتی تھی۔ ان بڑی شاہراہوں کے علاوہ بہت سی چھوٹی اور مقامی سڑکیں ایک مقام سے دوسرے مقام تک پھیلی ہوئی تھیں۔ مثلاً واٹلنگ اسٹریٹ کا ایک سلسلہ چیسٹر سے مان چسٹر اور پھر وہاں سے ایبوریکم تک آکے سڑک اِرمائن سے مل گیا تھا؛ ظاہر ہے کہ ان سڑکوں سے آمد و رفت کی سہولت، تمدن اور شہری معاشرت کی ترویج اور تجارتی مشاغل کے ترغیب میں بہت بڑی مدد ملتی تھی اور مجموعی طور پر انھی نے برطانیہ کو پہلی مرتبہ متمدن دنیا کا ایک حصہ بنا دیا۔ اس کا بہترین ثبوت ان رومی آثار و باقیات سے فراہم ہوتا ہے جن کو علمائے اثریات کی سعی نے ملک کے مختلف مقامات سے برآمد کیا ہے۔ ان اشیا سے رومی برطانیہ کے قریب قریب ایسی ہی تصویر سامنے آجاتی ہے گویا خود ہمارے زمانے کے سیاحوں نے اس ملک کا معائنہ کیا ہو۔ پرانی بستیوں کے گرد اونچی اونچی فصیلیں اور ان کے وہ مضبوط و مستحکم پھاٹک جن پر دن رات پہرہ رہتا تھا، چشم تصور میں پھرنے لگتے ہیں۔ خوشنما حویلیوں کا، جن کے فرش سنگین چار خانے کے ہوتے تھے، خانگی اور سرکاری حماموں، دنگل، تھیٹر، معابد، عدالتوں وغیرہ کا بھی ہمیں علم ہے۔ ان میں سے بعض کے کھنڈر خود برطانیہ میں موجود ہیں، اور بعض کے ممالک یورپ کے آثار قدیمہ سے جو بہتر حالت میں محفوظ رہے، بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ شہر، سڑکیں اور پل بنانے کے علاوہ رومیوں نے ملک کے قدرتی وسائل کے ترقی دینے میں بہت کچھ کوشش کی۔ ان کے شیشے اور کوزہ سازی کے کارخانوں کے بہت سے آثار ملتے ہیں۔ وہ لوہے، ٹین اور سیسے کے وسیع پیمانے پر کام کرتے تھے اور غلے کی پیداوار کو اس حد تک بڑھا لیا گیا تھا کہ جزیرۂ برطانیہ دریائے رائن کے رومی جیوش کی منڈی بن گیا تھا۔ آبادی پر رومی قبضے کا ایک اثر تو غالباً یہ ہوا ہو گا کہ نسلوں میں باہمی اختلاط و امتزاج کو مزید تحریک پہنچی۔

رومیوں کا دستور تھا کہ جہاں سے فوج بھرتی کرتے، اسے کبھی وہیں نہیں رہنے دیتے تھے۔ چنانچہ برطانیہ کے جوان افریقہ و رائن کے علاقوں میں بھیجے جاتے تو خود برطانیہ کی رومی دیوار کے مورچوں پر ہمیشہ غیر ملکی سپاہی متعین نظر آتے تھے۔ نوکری سے الگ ہونے کے بعد بھی ان لوگوں کو یہیں زمینیں مل جاتیں اور ان سے برطانی قوم میں ایک جدید عنصر کا اضافہ ہوتا۔ دوسرے اس نسلی امتزاج کا ایک نتیجہ یہ ہوتا کہ ملک میں مختلف اور نئے خیالات پھیلتے تھے رومیوں نے دروئڈوں کا قلع قمع کرنے کے بعد حسب معمول اپنی برطانی رعایا کو مذہب کی پوری آزادی دے دی تھی اور معلوم ہوتا ہے کہ وہی قدیم دیوتا، رومی ناموں سے پوجے جانے لگے تھے لیکن کچھ مدت کے بعد مسیحیت کی خبریں بھی آنے لگیں اور ہر چند اس کی برطانیہ میں ابتدا اور اشاعت کی کوئی صحیح تاریخ موجود نہیں، تاہم یہ یقینی ہے کہ یہاں کے رومی آبادکاروں اور ان کے برطانی مقلدین کے دل میں یہ مذہب جاگزیں ہو چلا تھا۔ رہے سلطنت رومہ کے سیاسی جھگڑے تو پایۂ تخت سے برطانیہ کا اتنی دور ہونا اس کے امن و آسودگی کے حق میں نہایت مفید ہوا اور اس تمام مدت میں برطانیہ کی ملکی تاریخ کے مشہور واقعات بجز اس کے کچھ نہ تھے کہ ہادریان اور سوئی روس بادشاہوں نے دورہ کیا۔ یا قسطنطین کی مہم کہ رومی باپ سے برطانی عورت کا فرزند ہونے کی بنا پر ممکن ہے کہ یہاں کے لوگوں میں اس سے کوئی قومی جذبہ پیدا ہوا ہو۔

رومی تسلط کی تین صدیاں اسی امن و آسودگی میں گزر گئیں کہ اتنے میں آیندہ مصائب کی افواہیں ہوا میں گشت کرنے لگیں۔ اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ سلطنت میں اندرونی انحطاط کے باعث اب ان وحشیوں کو روکے رکھنے کی طاقت نہیں رہی تھی جو رومہ کے عروج ہی کے وقت سے اندر آگھسنے کی جد و جہد کر رہے تھے مگر سلطنت کی

سیکسن قزاق

پوری قوت نے ان کو باہر کے باہر روک رکھا تھا۔ اب ان کے جا بہ جا حملے ہونے لگے اور اس تکلیف میں برطانیہ کو بھی پورا حصہ ملا کہ ایک طرف تو رومی دیوار کے پار سے خود آزاد برطانی قبائل اور آیرستان کی جانب سے، اسکوٹ قبائل نے پیہم چھاپے مارنے شروع کیے اور اس سے بھی بڑھکر یہ کہ مشرقی ساحل پر رود ایلب کے سیکسن قزاقوں نے وہ اودھم مچایا کہ اس کی

حفاظت کے واسطے قلعوں کا ایک پورا سلسلہ بنانا پڑا اور یہ خدمت ایک خاص عہدہ دار کے سپرد کی گئی اور "امیر ساحل سیکسن" اس کا لقب قرار پایا؛ ادھر جیسے جیسے خود قلب سلطنت پر حملہ آوروں کی طرف سے خطرہ بڑھتا گیا، اسی قدر اہل رومہ کو خواہی نخواہی دور دست صوبوں سے فوجیں واپس بلوانی پڑیں اور ان علاقوں کے باشندے مجبور ہوے کہ یا تو وحشی حملہ آوروں سے صلح صفائی کر لیں اور یا بطور خود مقابلے کے لئے تیار ہوں۔ برطانیہ میں بھی یہی صورت پیش آئی اور سنہ ۴۱۰ء میں

رومیوں کا تخلیۂ برطانیہ

اہل برطانیہ سے کہہ دیا گیا کہ اب وہ اپنی حفاظت کا سامان خود کریں اور آئندہ سے اپنے جزیرے کو سلطنت رومہ کا جزو تصور نہ کریں۔ قدیم انگریز مورخ بیڈ لکھتا ہے کہ "تب، جولیس سیزر کی جزیرے میں آمد سے تقریباً پورے چار سو ستر برس بعد، رومیوں کی حکومت برطانیہ میں ختم ہو گئی۔ یہ رومی اس فصیل کے جنوب میں رہا کرتے تھے جسے سوئی روس نے جزیرے کے آر پار بنا دیا تھا، جیسا کہ اُن کے بنائے ہوے شہروں، مندروں، پلوں اور پکی سڑکوں سے ثابت ہے"؛ یہ مورخ سنہ ۷۳۵ء میں مرا مگر اس کے ایک مدت بعد بھی جیرالڈ ویلش مین نے جو ہنری دوم کے زمانے میں تھا، شہادت دی ہے کہ سیرلیون کے ویران علاقے میں ایسے پرشکوہ آثار قدیمہ باقی تھے جنھیں دیکھکر سیاح حیران ہو جاتا تھا؛

خاص خاص سنین

رومی فتح کا آغاز	سنہ ۴۳ء
اگری کولا کے قلعے بنے	سنہ ۸۱ء
ہادریان کی دیوار کا آغاز	سنہ ۱۲۱ء
اہل برطانیہ اپنے حال پر چھوڑ دیے گئے	سنہ ۴۱۰ء

باب سوم

قوم انگریز کا توطن برطانیہ میں

ابتدائی انگریزی حملوں کا احوال بہت کم معلوم ہے۔ گِلڈاس کی سب سے معتبر تحریر۔ گیولین اور انجل فرقہ کی متاخر فتوحات۔ فتح کا اثر برطانیوں پر۔

رومی جیوش کے سنہ ۴۱۰ء میں رخصت ہونے کے بعد سے جزیرۂ برطانیہ کی تاریخ پر گہری تاریکی چھاگئی جو ڈیڑھ صدی تک زائل نہ ہوئی۔ یہی سبب ہے کہ انگریزوں کی فتوحاتِ برطانیہ کی تفصیل بلکہ بعض ضروری اجزا کا بھی کوئی صحیح علم نہیں اور ازمنۂ وسطیٰ نیز عہد حاضرہ کے مورخین کو اُس کمی کے پورا کرنے میں قوتِ متخیلہ پر بہت کچھ زور دینا پڑا۔

رومی جیوش کے کلیۃً رخصت ہونے سے پہلے بھی کئی بار وہ تھوڑے تھوڑے دن کے لئے چلے جاتے تھے اور چونکہ ان کی غیر حاضری میں اس تمام زمانے میں برطانیہ برّ و بحر دونوں طرف سے وحشیوں کے حملوں کا آماج گاہ رہا، لہذا دیسی فوجوں کو مدافعت کا کچھ نہ کچھ تجربہ ضرور ہوگیا ہوگا۔ فوج کے علاوہ، مورچہ بند مقامات کی اُن کے پاس کچھ کمی نہ تھی۔ شمالی حملے روکنے کے واسطے رومی فصیلیں موجود تھیں اور مشرق کی طرف سیکسنوں کی قزاقانہ مداخلت کے سدّباب کے لئے رود سولنٹ سے رود واش تک

باب سوم

سمندر کی ہر کھاڑی پر گڑھی بنا دی گئی تھی۔ ان ساحلی استحکامات نے جنوبی برطانیہ کو فوری حملے کی مصیبت سے محفوظ رکھا اور ان ساحلوں کے دیسی باشندے سالہا سال تک جرمن حملہ آوروں کو روکے رہے۔ مگر شمال میں پکٹ اور اسکاٹ مسلسل حملے کر رہے تھے اگرچہ کہ ان کی نوعیت غالباً محض تاخت کی سی تھی اور مستقل قبضہ ان کا مقصد نہ ہوتا تھا۔ بہر حال، دیوار کے پار کے وحشیوں یا آئرستان کے ڈکیتوں کو ہادریان کی عظیم الشان سد کے جنوب میں مستقلاً قدم جمانے میں کبھی کامیابی نہیں ہوئی اور یوں بھی رومیوں کی رخصت کے بعد برطانیوں نے کچھ سال تک دشمنوں کا خاصی طرح مقابلہ کیا۔ جنوب کے بعض لاطینی زبان بولنے والوں نے رومہ سے استمداد کی لجاجت آمیز درخواست کی، جسے "اشک برطانین" موسوم کیا تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ جب تک ساحل سکسن کی محافظت ہو سکی، اس وقت تک جزیرے کو کوئی واقعی خطرہ پیش نہ آیا۔ بایں ہمہ رومیوں کے جانے کے تیس سال بعد سکسن ملک میں گھس آئے اور زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ وہ سارے جنوب مشرقی کونے کے (یعنی جہاں پہلے رومی تسلط سب سے کامل جم چکا تھا) مالک ہو گئے۔ یہ لٹیرے بھی پکٹ، اسکاٹ اور سکسن کے ناموں سے یاد کئے جاتے تھے اور غریب اہل برطانیہ پر آئرستان کی طرف سے جو اسکاٹ اور دیوار پار سے جو پکٹ چھاپے مار رہے تھے، وہ ان کے علاوہ ہیں۔

یہ قبائل سکسن، رود ایلب کے نشیبی سواحل، جزیرہ نمائے ڈنمارک اور اسی کے قریب کے جزیروں کے باشندے تھے۔ یہ نسل آریہ کی تیوتانی شاخ سے شمالی جرمانیہ کی قوم تھے۔ خود ان کو تو لکھنے پڑھنے کا شعور تھا نہیں، اس لئے ان کا جو کچھ حال معلوم ہوا وہ دوسروں کی زبانی ہے اور ان ماخذ میں سب سے اہم تاسی توس مورخ کی کتاب "جرمانیہ" پر ہے جو اس نے پہلی صدی مسیح میں رومی دنیا کے واسطے لکھی تھی۔ دریائے رائن سے لے کے بحر بالٹیک کے سواحل تک جو قومیں آباد تھیں، اس نے ان سب کو غیر مخلوط نسل بتایا ہے[1] کہ سب کے

---

[1] ۔ جرمن خون کے اتنے خالص ہونے کی نسبت تاسی توس کے قول میں کسی قدر کلام ہے۔ غالباً اس کا منشا صرف لڑنے والوں سے ہے ورنہ اس کی بہیر و بنگاہ میں جو غلام رہتے تھے، وہ ضرور مختلف نسل سے ہونگے

خدوخال، تیز نیلی آنکھ، اور سرخ بال تھے، اور گو بڑے اور مضبوط جسم والے تھے، مگر صرف یکبارگی کام کے موقع ہی پر زور دکھا سکتے تھے" (کھانے والے یکساں تھے) " بعض قبائل میں بادشاہ، اور بعض میں صرف سردار ہوتے تھے لیکن ان کے اختیارات محدود تھے۔ چنانچہ انھی میں سے کسی نے سیزر سے کہا تھا کہ مجھے اپنی قوم پر جتنے حقوق حاصل ہیں، اتنے ہی حقوق قوم کے مجھ پر ہیں " بادشاہ اور جنگی سردار دونوں قبیلے کے جلسۂ عام میں آزاد طبقے سے منتخب کئے جاتے تھے۔ معمولی قسم کے معاملات کا فیصلہ سرداروں کی مشورت سے ہو جاتا لیکن اہم معاملات جلسۂ عام ہی میں طے پاتے۔ اور جنگی طبقے کی آزادہ روی کا یہ حال تھا کہ جلسے کے مقررہ دن پر وہ بہت کم بر وقت پہنچتے تھے کہ کہیں انھیں سرداروں کا بہت ہی مطیع اور فرماں بردار نہ سمجھ لیا جائے " جلسے میں، بادشاہ یا سردار بحث کا آغاز کرتے پھر عمر و امارت، شہرت جنگ و فصاحت کے لحاظ سے دوسرے لوگ نوبت بہ نوبت حصہ لیتے۔ کوئی شخص پنچائت پر حکم نہیں چلا سکتا تھا بلکہ صرف ترغیب دے سکتا تھا " نظم ونسق کی غرض سے ہر قبیلے کا علاقہ مختلف پرگنوں میں جنھیں پاگی کہتے، تقسیم تھا اور ہر پاگی سے سو آدمی قومی لشکر میں بھیجے جاتے تھے، میدان جنگ میں بھی یہ لوگ بہ اعتبار خاندانوں کے صف بندی کرتے اور چونکہ عورتوں کے ساتھ رہنے کا دستور تھا لہذا ہر شخص جانتا تھا کہ پورے گھرانے کی آنکھیں اس پر لگی ہوی ہیں؛ جنگ و امن دونوں حالتوں میں ممتاز اہل ہمت اشخاص کے جلو میں تھوڑے سے بہت ملازم رہتے تھے اور یہ اپنے آقا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ جنگ میں امیر کا اپنے رفیقوں سے پیچھے رہ جانا، یا رفیقوں کا لڑنے میں ساتھ نہ دینا، موجب ننگ سمجھا جاتا تھا۔ ان رفیقوں کو امیر کی طرف سے صرف خوراک دی جاتی تھی جسے افراط سے مہیا کرنا اس کا کام تھا؛ جرمانیہ میں شادی کی رسم کا کمال احترام کیا جاتا تھا۔ تعدد ازدواج شاذو نادر صورتوں میں ہوتا اور بدکاری پر خواہ وہ کسی قسم کی ہو سخت سزا دی جاتی تھی۔ رومیوں کے برخلاف، جرمنوں کو شہری زندگی سے نفرت تھی اور امیانوس مارسیلی نوس نے

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) خصوصاً اس وقت سے جب سے انھوں نے غارتگری اور قزاقی کے طریقے اختیار کئے "

باب سوم

لکھا ہے کہ یہ لوگ رومی بستیوں کو بہت حقارت سے دیکھتے اور کہتے تھے کہ یہ قبرستان ہیں جن کے گرد جالا لگا ہوا ہے۔ علیحدہ علیحدہ رہنا ان کی عادت تھی اور دیہات میں بھی وہ ایک دوسرے سے فاصلے پر مکان بناتے تھے۔ ان کی بڑی دولت مویشی تھے۔ غلہ بوتے تھے مگر زراعت کو برا سمجھتے تھے۔ "کاشت کرنا اور باقاعدہ فصل کا انتظار کرنا جرمن کا اصول نہ تھا اس سے زیادہ آسانی سے وہ حملہ کرنے اور جنگ میں زخم کھانے پر آمادہ کیا جا سکتا تھا۔" دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ جو چیز تلوار کے زور سے مل جائے اس کے لئے محنت کا پسینہ بہانا، جرمن کے نزدیک ایسی سستی کی دلیل تھا جو سپاہی کی شان کے لائق نہیں۔ مگر ٹاسی ٹوس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جرمن جنگی طبقہ سخت کاہل تھا وہ کھیت کیار کا کام غلاموں کے اور گھر بار کا کام عورتوں کے سپرد کرتے اور لڑائی یا پنچائت میں مشغول نہ ہوں، تو شکار کرتے، گوٹ کھیلتے، شراب پیتے یا پڑے سوتے رہتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ ان میں آزاد و باہمت مگر نامہذب قوم کے عیوب و اوصاف سب موجود تھے۔

سیکسن

خاص سیکسن قوم کا ٹاسی ٹوس نے کوئی ذکر نہیں کیا اور اینگل قوم کی نسبت صرف یہ لکھا ہے کہ ان میں کوئی خاص بات بیان کے لائق نہیں۔ اس سے ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ جو کچھ اس نے عام طور پر جرمنوں کی بابت لکھا وہی ان قوموں پر صادق آتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ٹاسی ٹوس کو جرمنوں کے صرف ایک قبیلے سوی اونیز کے بحری مشاغل کا علم تھا اور اس نے اینگلوں کے مقام کو بھی ساحل سے بہت دور بتایا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ اس کے بعد یہ قوم عام رل مل میں ساحل کے قریب آ بسی ہوگی اور پھر کچھ مدت میں ان بڑی معاشرت والوں کو بحری قزاقی کے منافع نے یہ لالچ دلایا ہوگا کہ اپنی قدیم رہزنی کا ایک جدید پیرایہ اختیار کریں۔ بہرحال یہ مسلم ہے کہ رومیوں کے برطانیہ چھوڑنے سے بہت پہلے سیکسن جہازیوں کی سینہ زوری کا ثبوت مل چکا تھا اور وہ بھی سوی اونیز کی طرح "سمندر میں بستے تھے" اور عین طوفان کی شدت میں سمندر میں روانہ ہوتے تھے کہ ان کے نزدیک یہی وقت ان کے مجرمانہ مقاصد کے حق میں سب سے زیادہ مساعد ہوتا تھا۔ چند سال ہوئے ان کی ایک جنگی ناؤ شلزوگ کی ایک دلدل سے کھود کر نکالی گئی جو ستر فٹ لمبی

نو فیٹ چوڑی، چوبیس چپّوؤں سے کھینے والی اور ایک سو بیس آدمیوں کو لے چلنے کے قابل تھی۔

انگریزی فتح کے ابتدائی سنین کی تحریری شہادت چار کتابوں میں مذکور ہے:۔ گلڈاس کی کتاب "تخریب برطانیہ" بیڈ کی "تاریخ کلیسائی"۔ "تاریخ برطانیئین" جو انینوس کے نام سے منسوب ہے۔ اور "اینگلو سیکسن وقائع"۔ پہلا مصنف گلڈاس ۵۱۶ء میں پیدا ہوا اور ۵۶۰ء میں کتاب لکھی۔ بیڈ ۶۷۲ء میں پیدا ہوا اور ۷۳۵ء میں وفات پائی "تاریخ برطانیئین" نویں صدی کے نصف آخر میں اور "وقائع" کچھ عرصے بعد مدوّن ہوئے۔ اس لحاظ سے سب سے قدیم اور ہمعصر مورّخ گلڈاس ہے مگر وہ جب پیدا ہوا تو رومیوں کو برطانیہ سے رخصت ہوئے سو سال سے زیادہ زمانہ گزر چکا تھا۔ دوسرے اس کی کتاب زیادہ تر اہل برطانیہ کی شرارت و بد خصالی کے خلاف ایک وعظ ہے اور اس میں تاریخ سے بڑھکر لفاظی اور فصاحت کا زور دکھایا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ ضرور ہے کہ گلڈاس نے جو واقعات لکھے ہیں وہ بہ تفصیل نہیں ہیں، نیز یہ کہ کم سے کم ان روایتوں کا اس کے سامعین کو یقیناً علم ہوگا، لہذا ان بیانات میں کذب و اختراع کا موقع نہیں معلوم ہوتا۔

اب گلڈاس کو مأخذ بنا کے ہم دیکھتے ہیں کہ برطانیوں کے سب سے سخت دشمن پکٹ اور اسکاٹ تھے اور شروع شروع میں سیکسنوں سے انھیں زیادہ آزار نہیں پہنچا سچ پوچھئے تو ایسا ہی ہونا بھی چاہیئے تھا کیونکہ "سیکسن ساحل" کے قلعے جب تک محفوظ اور اچھی حالت میں تھے، اس وقت تک ان جنگلی غارتگروں کا جنھیں محاصرہ کرنے کا فن مطلق نہ آتا تھا، ملک میں داخل ہونا ممکن نہ تھا۔ البتہ تیس سال گزرے تھے کہ خود برطانی رئیسوں میں جھگڑا ہوا۔ ان کے نام گرتھری گبرنوس اور آوریل یوس سے قیاس ہوتا ہے کہ ان میں ایک قلطی اور دوسرا رومی نژاد ہوگا۔ بہر حال، ان میں سے کسی ایک نے خود ہی سیکسنوں کو اجرت پر مدد کے لئے بلایا اور پھر نتیجہ وہی ہوا جو عام طور پر ہوا کرتا ہے کہ ان طاقتور اجیروں کو قلعوں سے گزرنے کا موقع مل گیا اور پھر سیکسنوں کی ترکتازیاں یہاں تک بڑھیں کہ ساحل کے نشیبی اضلاع کے تمام دیسی باشندے یا مارے گئے یا غلام بنائے گئے یا بھاگ کر جنگلوں پہاڑوں میں بہت مصیبت سے زندگی بسر کرنے لگے۔ کچھ عرصے بعد سیکسنوں اور اوریلیوس میں کشمکش شروع ہوئی اور انھیں

باب سوم

ایک لڑائی میں سخت شکست ہوئی پھر کبھی ہارنے اور کبھی جیتنے کے بعد ۵۱۶ء میں دوبارہ کوہ بیڈن کی لڑائی میں ان کا ایسا قلع قمع ہوا کہ ایک مدت تک وہ قلطیوں پر کوئی حملہ نہ کر سکے۔ بایں ہمہ اس طویل خونریزی نے خود قلطیوں کو اس قدر نقصان پہنچایا تھا کہ وہ بھی وہاں قابض نہ رہ سکے اور یہ علاقے ویران ہو گئے۔ گلڈاس کے اسی بیان سے سمجھ میں آجاتا ہے کہ قدیم برطانی قوم اور اس کی زبان و معاشرت کس طرح مفقود ہوئی اور کس طرح اینگل قوم کے نووارد ایک ویران علاقے میں بے تکلف آباد اور قابض ہو کر اپنی معاشرت کو رواج دے سکے۔

اس شرقی ساحل کی فتح کے مزید حالات معلوم نہیں البتہ بیڈ نے ان قبائل کے نام گنوائے ہیں جو اس کے زمانے میں ان علاقوں میں (جو کبھی رومی برطانیہ کے نہایت بارونق اضلاع تھے) آباد ہو گئے تھے۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ نووارد "جرمانیہ کی تین نہایت طاقتور اقوام، یعنی سکسن اینگل اور جوٹ، سے تھے۔ جوٹ قوم کے اخلاف، ضلع کینٹ اور جزیرۂ وائٹ میں آباد ہوئے اور اس جزیرے کے مقابل، ویسٹ سکسن کے صوبے میں بھی ہی آباد تھے، جرمانیہ کے اس علاقے سے جسے اب قدیم سکسنی کہتے ہیں، شرقی، غربی اور جنوبی سکسن آئے اور ان قوموں کے درمیان کے ملک اینگلیہ سے اینگل آئے جن کی نسل میں شرقی، وسطی اینگل اور مرسی قبائل اور نارتھمبریہ (یعنی دریائے ہمبر کے شمال) کی قوم اور تمام انگریزی قومیں داخل ہیں۔"

خود برطانی لوگوں کے اندرونی حالات کا اس زمانے میں کوئی ذریعہ معلومات نہیں صرف ویلز کے وقائع سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں ان کا مشہور امیر کنیڈا ہوا ہے جس کی حکومت کلائیڈ کے دہانے سے دریائے سیورن تک تھی۔ اینگلو سکسن وقائع میں زیادہ آزادی سے کام لیا گیا ہے مگر یہ گلڈاس کی ہمعصر شہادت سے مطابقت نہیں کھاتے اور نینیوس نے ہر لڑائی میں اہل برطانیہ کو فاتح بنایا ہے حالانکہ وہ بلاشبہہ خود اپنے ملک سے نکالے جا رہے تھے۔ غرض معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مغربی سکسنوں کی آمد کا حال ان کے اخلاف نے بہت جلد بھلا دیا اور بعد میں محض قیاسی روایتوں سے اس کمی کو پورے کرنے کی کوشش کی گئی۔

بہر حال گلڈاس کی تحریر کے وقت مغربی سکسنوں کی مسند حکومت پر ایک بادشاہ ۵۶۰ء سے ۵۹۳ء تک متمکن رہا اور یہ تاریخ مسیحی داعیوں کے ورود سے بہت قریب ہے۔

معتبر تاریخ کا آغاز

جن کے آنے سے لائق اور تعلیم یافتہ تاریخ نویس بھی ملک میں پہنچ گئے۔ مذکورۂ بالا بادشاہ کا نام کیاولن تھا اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے عہد سے انگریزی فتح برطانیہ کی معتبر تاریخ شروع ہوتی ہے۔ کیاولن کا پہلا کارنامہ ایتھل برٹ، رئیس کنیٹ سے لڑنا ہے جس میں کیاولن نے اُسے اپنے علاقے میں دھکیل دیا اور پھر برطانیوں کی طرف پلٹ پڑا جن سے بقول گلڈاس، (جو عینی شاہد تھا) کوہ بیڈن کی لڑائی کے وقت سے اب تک صلح چلی آتی تھی۔ اوّل تو اس نے انھیں بالائی ٹیمز کی وادی سے پرے دھکیل دیا۔ پھر ۵۷۷ء میں فوس دے کو عبور کر کے ڈرہم کی چھاونی چھین لی۔ اسی لڑائی میں انگریز حملہ آوروں نے پہلی مرتبہ دریائے

جنگ ڈرہم

سیورن کے اطراف کے پُرفضا میدانوں اور دُور دے ویلز کے پہاڑوں کا نظارہ کیا۔ باتھ، گلوسٹر اور سرمیس ٹر ثمند حملہ آوروں کے ہاتھ آگئے تھے اور ان وحشیوں نے اِس کارگر طریقہ پر ان کو تاراج کیا کہ صدیوں تک یہ شہر ویران بے چراغ پڑے رہے۔ حتیٰ کہ ایک نہایت خوشنما رومی حمام میں جنگلی بطخ نے گھونسلہ بنایا اور انڈے دے رکھے تھے۔

اس فتح کے سات سال بعد کیاولن نے وادیٔ سیورن پر دوبارہ حملہ کیا اور گو اُسے موجودہ چیشر کی سرحد پر فیڈلی کے میدان میں شکست و پسپائی نصیب ہوئی، تاہم ان وحشیوں نے یوری کونیئم کے خوشنما شہر کو جلا کے خاک کر دیا، رومی تمدن کے آثار مٹا دیے اور کافی مالِ غنیمت لوٹ لے گئے۔ اسی حملے کے بعد سے سیورن کی زیریں وادی میں نیوتانی نسل کے لوگ آ بسے جن کی بولی ان کے مغربی سیکسن ہونے کی شہادت دیتی تھی۔

اس عرصے میں اینگلوں کی دو بستیاں، برنی سیہ اور ڈیرا تا مور ایتھل فرتھ کے ماتحت متحد ہوگئیں۔ اِن کا علاقہ فورتھ سے ٹی اور ٹی سے ہمبر تک پھیلتا تھا اور اسی اتحاد کے بعد ایتھل فرتھ نے ۶۰۳ء میں اسکاٹوں کو جو برطانیہ میں آ بسے تھے،

ڈاسٹون اور چیسٹر کی لڑائیاں

کارلائل کے قریب ڈاسٹون میں سخت شکست دی اور دوبارہ چار سال بعد چیسٹر پر اس سے بھی زیادہ معرکے کی فتح حاصل کی۔ لڑائی میں رومی شہر چیسٹر تاراج ہوا اور کئی صدی تک غیر آباد

باب سوم

دخراب پڑا رہا۔ اس لڑائی کا ایک اور نتیجہ یہ ہوا کہ ڈٰی اور ایل کے پرگنے اور نیز قلطیوں کی بستیاں جو ابھی تک پیک کی پہاڑیوں اور لوی ڈِس اور الیمیٹ کے جنگلوں میں آزاد رہی تھیں، حملہ آوروں کے ہاتھ آگئیں اور اب صرف ویلز کارنول اور اِس ٹرتیتھ کلائیڈ کے اضلاع محفوظ و خودمختار رہ گئے۔ کارنول میں اس وقت موجودہ ڈیون اور سمرسٹ کے علاقے شامل تھے مگر اس کے اور ویلز کے درمیان کی پٹی پر انگل قابض ہوگئے جس سے کارنول کا اپنے ویلز کے ہمسایوں سے کوئی اتصال باقی نہ رہا۔ شمالی ویلز کے لوگ اپنے کوہستانی مورچوں سے سکسن حملہ آوروں کا سالہاسال تک بخوبی مقابلہ کرتے رہے اور اس ٹرتیتھ کلائیڈ یعنی مورکیب اور کلائیڈ کے درمیان کا ناہموار علاقہ کوئی ایسی وجہ ترغیب ہی نہ رکھتا تھا کہ اس کی خاطر لڑائی کی جوکھوں مول لی جاتی۔

معلوم ہوتا ہے کہ اتھل فرتھ کے جانشین ایڈون کے پاس جہازوں کا ایک بیڑہ بھی تھا جس سے وہ مین اور مونا کے جزیروں پر قابض ہوگیا اور مونا کا نام آیندہ سے اینگل سی یعنی "اینگلوں کا جزیرہ" رکھ دیا گیا۔

ایڈوِن

ایڈون کا سب سے بڑا برطانی حریف کیڈویلن تھا جسے بیڈ، شاہ اور امیر کے القاب سے یاد کرتا ہے۔ ویلز کے وقائع سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے ایڈون نے اپنی ریاست سے بھگا دیا اور خود وہاں قابض و حکمران ہوگیا تھا۔ بیڈ کے بقول یہی پہلا انگریز رئیس ہے جس کے ماتحت انگریز اور برطانی دونوں قسم کی رعایا تھی اور جس نے کسی قدر رومی حکومت کی شان بنائی اور یہ عزت حاصل کی کہ نہ صرف جنگ بلکہ امن کے زمانے میں بھی اس کے پرچم آگے آگے چلتے تھے اور خواہ وہ باہر کے شہروں میں دورے پر ہو خواہ اپنے شہر میں پیادہ پا چلتا ہو، علم بردار اس کے آگے آگے اُس قسم کا جھنڈا لیے چلتا تھا جسے رومی طوفا اور انگریز "ٹووف" کہتے ہیں۔

اینگلوں یا انگریزوں کی پیش قدمی جس پر ڈرہم، ڈِاسوٹن اور چیسٹر کی لڑائیوں نے مہر تصدیق ثبت کردی تھی، قلطیوں کی جغرافی تقسیم میں بھی بہت کچھ تغیر کا باعث ہوئی۔ مگر اس سے بھی بڑھ کر دو تغیر یہ عمل میں آئے کہ پانچویں اور چھٹی صدی میں

ان برطانی قلطیوں کے قدیم دو گروہ گوئے ڈل اور بری تھونی مل جل کے ایک ہو گئے اور آیندہ کمیری (یعنی حلیف) کے مشترک نام سے یاد کئے جانے لگے اور جنوبی برطانیہ میں گوئے ڈلی بولی بھی مفقود ہو گئی اور اس کی جگہ بری تھونی بولی جانے لگی؛ دوسرے آئرستان کے گوئے ڈلوں نے پانچویں صدی میں اسکاٹ لینڈ کے مغربی کوہستان پر جو ایورنی علاقہ تھا، حملے شروع کئے اور ان قدیم باشندوں کو بتدریج نکال دیا یا فنا کر دیا اور مقام آرجائل سے پھیلتے پھیلتے تمام اضلاع پر اس طرح آباد ہو گئے کہ ان کے چاروں طرف گوئے ڈل یا بری تھونی اضلاع آ گئے۔ یہ نو وارد اسکاٹ کہلاتے تھے اور ان کی وجہ سے پہلے ہی محدود علاقہ اسکاٹ لینڈ موسوم ہوا؛

مگر واضح رہے کہ جزیرے کے انگریزی اور قلطی حصّوں میں آبادی کی جو تقسیم ہوئی اس کے متعلق کچھ کہنے میں بڑی احتیاط درکار ہے اس لئے کہ سب سے مخلوط اضلاع میں بھی آبادی کلیتہً خالص و غیر مخلوط نہ تھی اور جدید تحقیقات سے اسی قیاس کی تائید ہوتی ہے کہ دلدل پہاڑ یا گھنے جنگل میں جہاں موقع مل سکا قدیم باشندے حملہ آوروں کی مدافعت کرتے رہے یا ایسے بنجر علاقوں میں قابض و آباد رہے جن پر حملہ کرنے کی نو واردوں کو کوئی طمع نہ ہوتی تھی؛

خاص خاص سنین

انگریزوں کی پہلی آباد کاری	قیاساً سنہ ۴۴۹ء
جنگ کوہ بیڈن	سنہ ۵۱۶ء
کیاولن کی مسند نشینی	سنہ ۵۶۰ء
ڈرہم کی جنگ	سنہ ۵۷۷ء
ڈاسٹون "	سنہ ۶۰۳ء
چیسٹر "	سنہ ۶۰۷ء

باب چہارم

انگریزوں کا قبول مسیحیت

آگس ٹائن اور قلطی داعیوں کی تبلیغ۔ وٹ بی کی دینی مجلس۔
کلیسائے تھیوڈورک کی تنظیم۔ کلیسا کے اثرات۔ اگبرٹ کا زمانہ ؛

اس عرصے میں کینٹ کے اندر ایک ایسی تبدیلی پیدا ہو رہی تھی جو اس تیوتانی بربریت کا کسی حد تک مصلح ثابت ہوئی جس نے رومی تمدن کا ناس کیا اور اس کی جگہ لی تھی۔ اس ملک میں مدت سے ایک جمی جمائی حکومت قائم تھی اور یہیں ڈرہم و چیسٹر کی لڑائیوں کے درمیان رومی داعیوں نے دین مسیحی کی تبلیغ شروع کی اور گویا دوبارہ برطانیہ کو متمدن دنیا میں جگہ دلانے کا سامان کیا۔

رومی مسیحیت

واضح رہے کہ مسیحیت کی ابتدا رومی تسلط ہی کے زمانے سے برطانیہ میں ہو گئی تھی لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ عوام الناس میں اس کی اشاعت کس حد تک ہوئی اور عجیب بات یہ ہے کہ رومی آثار قدیمہ کی کھدائیوں میں کہیں دین مسیحی کی کوئی خاص یادگار یا علامت برآمد نہیں ہوئی۔ بہر کیف اس مذہب نے جو کچھ ترقی بھی کی ہو، رومیوں کے ملک سے رخصت ہونے اور برطانیوں کے جنوبی برطانیہ سے بھاگنے کے بعد اس کے سب اثر آثار غائب ہو گئے اور صرف چند گرجوں کے

پرانے دُھرانے کھنڈر اس بات کی شہادت میں رہ گئے کہ یہاں کبھی یہ مذہب موجود تھا۔ انگریز نوواردوں اور قدیم برطانیوں میں باہم اس قدر بے تعلقی تھی کہ حملہ آوروں کو اس مذہب کی دعوت دینے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی البتہ برطانی لوگ خود اپنے پس ماندہ اہل ملک میں تعلیم دینے کی سعی کرتے رہے۔ ڈیوڈ ڈیوڈ "نے" جسے ویلز کے رئیس گنیڈا کا عزیز کہا جاتا ہے، جنوبی ویلز کے گونے ڈلوں میں تبلیغ کی۔ وِتھید ھرن کی خانقاہ کے بانی نی نیاس نے کیسلووے کے جنگلی قبائل کو عیسائی بنایا اور کلائیڈ کے دہانے کے شہر ڈنبارٹن (پرانی تھنوں کا شہر) کا باشندہ، پیٹرک آئرستان کے گونے ڈلوں کو حلقہ بدوش دین بنانے میں کامیاب ہوا۔ حتیٰ کہ آئرستان اور کلائیڈ کی کھاڑی کے جنوب میں جتنے برطانی آباد تھے، وہ چھٹی صدی کے اخیر تک برائے نام تو ضرور مسیحی ہو گئے تھے۔ آرجائل کے اسکاٹ اور شمالی اسکاچستان (۔ اسکاٹ لینڈ) کے باشندے البتہ اُسی بت پرستی میں مبتلا تھے اور ۵۶۳ء میں سینٹ کولمبا نے اِن کو عیسائی بنانے کی کوشش کی۔ وہ السٹر کا باشندہ اور قلطی قوم میں سب سے نامی داعی گزرا ہے اور اسکاٹوں کے امیر سے اُسی نے جزیرہ آئی اونا لے کر وہاں ایک خانقاہ بنائی جو صدیوں تک یہی دعوت و تبلیغ کا مرکز رہی۔ قریب کے قلطیوں کو اس نے عیسائی بنا کر پھر شمالی پکٹوں میں تعلیم شروع کی جن سے وہ محض ترجمان کے ذریعے گفتگو کر سکتا تھا۔ اس تمام جدوجہد کے باوجود یہ کہیں پتہ نہیں چلتا کہ اس پرجوش داعی نے خود انگریز حملہ آوروں کو بھی مذہب کی کوئی دعوت دی۔ اسی طرح آئرستان کے دو اور بڑے داعی، سینٹ کولمبان اور سینٹ گال، انگلستان سے گزر کے براعظم یورپ میں چلے گئے کہ وہاں اشاعت دین کی کوشش کریں۔

لیکن انگلستان کے غلام بچوں پر جو اینگلوں کی دو ریاستوں (یعنی برنیسیہ اور ڈیرا) کی خانہ جنگی کے قیدی تھے، ایک رومی پادری گریگوری کو ترس آیا جس کا قصہ مشہور ہے۔ یہ شخص اپنے زمانے کا سب سے بڑا مسیحی مقتدی گزرا ہے اور مسند پاپائی پر متمکن ہو کر اس نے، ٹھیک کولمبا کی وفات کے سال، اوگسٹائن راہب اور اس کے گروہ کو برطانیہ روانہ کیا کہ اس جزیرے کے

ڈیوڈ

کولمبا

گریگوری (اعظم)

بھٹکے ہوئے باشندوں کو دوبارہ ہدایت کی راہ دکھائیں۔ رومہ بلکہ اطالیہ کے لوگ، اہلِ برطانیہ سے اِس درجہ بے خبر تھے اور غالباً یہ والوں سے ایگل قوم کی بربریت کی کہانیاں سُن سُن کر یہ داعی ایسے متاثر ہو گئے تھے، کہ بہت دن تک انگلستان آنے سے جی چراتے رہے اور آخر میں بھی محض گریگوری کے تاکیدی احکام سے مجبور ہو کر ایتھل برٹ رئیسِ کینٹ کی خدمت میں روانہ ہوئے۔ مگر معلوم ہوا کہ یہ امیر مسیحیت سے نا آشنا نہ تھا کیونکہ خود اُس کی بیوی برتھا (جو شاری برٹ فرنگی، حاکم پیرس کی بیٹی تھی) دینِ مسیحی اختیار کر چکی تھی اور ایتھل برٹ نے اسے اجازت دے دی تھی کہ وہ اپنے مذہبی مراسم ادا کرتی رہے۔ الغرض، اوگسٹائن ۵۹۷ء میں اپنے چالیس رفیقوں کے ساتھ انگلستان آیا اور جزیرہ تھینیٹ میں جہاز سے اُترا۔ ایتھل برٹ نے جادو کے خوف سے، کھلے میدان میں اس سے ملاقات کی اور اس کا وعظ اور راہبوں کے سُریلے بھجن سُنے اور مسیح علیہ السلام کی تصویر بھی ایک تختے پر منقوش دیکھی۔ اس کے بعد بیڈ (جس نے یہ روایت اوگسٹائن کے جانشینوں سے سُنی تھی) لکھتا ہے کہ ایتھل برٹ نے حسبِ ذیل عاقلانہ تقریر کی کہ: "تمھارے الفاظ اور مواعید واقعی بہت دلکش ہیں لیکن چونکہ یہ ہمارے لئے نئے ہیں اور ان کے مطالب کا ابھی تک ہمیں یقین نہیں، لہٰذا یہ تو میں پسند نہیں کروں گا کہ ان کی خاطر اُس طریقے کو چھوڑ دوں جس پر اتنی مدت سے پوری انگریزی قوم کے ساتھ میرا عملدرآمد رہا ہے۔ لیکن تم بہت دُور سے میرے ملک میں آئے ہو اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ چیزیں ہم میں پھیلانی چاہتے ہو، جو تمھارے عقیدے میں صحیح اور تمھارے نزدیک نہایت مفید ہیں؛ پس ہم تم کو ستائیں گے نہیں بلکہ تمہاری خاطر تواضع کریں گے اور تمھارے خورد و نوش کا انتظام رکھیں گے اور تمہیں اپنے دین کی تبلیغ کرنے اور لوگوں کو اس کے قبول کرنے سے بھی نہیں روکیں گے۔"

اہلِ کینٹ کا عیسائی ہونا۔

ظاہر تھا کہ نئے مذہب کے داعیوں کی راہبانہ سادگی اور ان کا خود ان اخلاقی اصول پر عمل کرنا جو وہ دوسروں کو سکھاتے تھے۔ تبلیغ کی راہ میں کامیابی کا باعث ہوا۔ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ خود ایتھل برٹ

عیسائی ہو گیا اور گویا پوری انگریزی قوم کے عیسائی بن جانے کی کنیٹ سے بنیاد پڑ گئی ۔
اس کامیابی کی خبر سن کر گریگوری نے ان داعیوں کو مسلسل چند خط لکھے جن میں

گریگوری کی ہدایات

مناسب موقع بہت سی ہدایتیں تھیں ۔ اور ایک نامہ براہ راست
اتھل برٹ کو تحریر کیا۔ اوگسٹائن کو تو اس نے ہدایت کی کہ
نہ صرف بت پرستوں کے مندروں کو پاک صاف کر کے انہیں مسیحی اغراض کے کام میں لایا جائے
بلکہ جہاں تک ممکن ہو اُن کی قدیم رسموں اور اوقاتِ پرستش کو بھی ضروری ترمیم کے ساتھ
قائم رکھا جائے کیونکہ "اُن کے وحشی قلوب سے قدیم عادات کو یک بہ یک مٹا دینا غیر ممکن
ہے اور جو شخص سب سے اونچے مقام پر پہنچنا چاہتا ہے وہ زینہ بہ زینہ ہی چڑھ سکتا ہے
نہ کہ جست و خیز کر کے"۔ لیکن زبس کنیٹ کو اس نے بت پرستی کا سختی سے سدّباب کرنے
کی تاکید لکھی اور اسی کے ساتھ ہدایت کی کہ وہ خود بھی اپنی رعایا کے سامنے مسیحی اخلاق
کا نمونہ بننے کی سعی کرے۔ معلوم ہوتا ہے کہ گریگوری کو انگریز قوم کی اندرونی تقسیم کا
ٹھیک علم نہ تھا اور وہ سمجھتا تھا کہ اہل کنیٹ کے عیسائی ہونے کے تھوڑے ہی دن بعد
پوری قوم یہی مذہب قبول کرلے گی۔ چنانچہ اسی مفروضے پر اس نے کلیسائے انگلستان
کی تشکیل کا خاکہ مرتب کیا اور یارک و لندن میں دو اسقف گاہیں تجویز کیں جن میں
اولیت بالفعل اُس کو حاصل رہے جس کا صدر اسقف عمر میں بڑا ہو۔ اس نے ہر ایک
اسقف کے ۱۲، ۱۲ مددگار (اسقف اعوان) تجویز کیے جن پر مجلس انتظامی مشتمل ہوتی اور یہ
دونوں اسقف مل کر پورے ملک کے دینی نظم و نسق کی خدمت انجام دیتے۔ لیکن یہ
خاکہ اتنا وسیع اور قبل از وقت تھا کہ اس پر واقعی حالات کے لحاظ سے عمل نہ ہو سکتا تھا
اور اوگسٹائن نے یہی مناسب سمجھا کہ صرف اتھل برٹ کے دارالحکومت کینٹربری
میں ایک اسقف گاہ قائم کرے اور اپنی زندگی بھر وہ لندن و روچسٹر کی دو مددگاریوں
سے زیادہ کوئی اور مددگار بھی مقرر نہ کر سکا۔

ادھر تھوڑے ہی زمانے میں اوگسٹائن کو قدیم برطانی کلیسا سے سابقہ پیش آیا
جس کا دو صدی سے پاپا سے قطع تعلق ہو گیا تھا اور اس بت پرستی کے غلبے کے زمانے میں
اس کلیسا نے بعض وہ رسوم جاری رکھیں جو روما میں متروک کر دی گئی تھیں مثلاً وہ
ایسٹر ان ایام میں مناتے جو جدید تاریخی تخمینے کے خلاف تھا۔ یا پادریوں کے سر

زالی وغیرہ سے منڈوائے۔ بیڈ کے حسبِ بیان اس مشکل کو حل کرنے کی غرض سے اوگسٹائن برطانی پادریوں سے اُس مقام پر ملا جو "اوگسٹائن کا بلوط" کہلاتی تھی اور اب آوسٹ کے نام سے موسوم ہے۔ اور برادرانہ نصیحت کی کہ وہ سب مل جل کر کفار میں انجیل کی تبلیغ کریں۔ لیکن اس کہنے سننے کا چنداں اثر نہ ہوا اور دوسری ناکامی پر یہ اختلاف اور بھی نمایاں ہو گیا جبکہ چیسٹر کی لڑائی میں بین گور کے (برطانی) راہب ایتھل فرتھ کے ہاتھ سے قتل ہوئے تو رومی داعیوں نے اسے سزا و جزائے الٰہی تصور کیا۔ اسی طرح آئیرستان کے کلیسا سے بھی اتحاد کی سعی کامیاب نہ ہوئی اور سالہا سال تک اہل ویلز و آئیرستان انگریزی گرجوں سے بالکل مختلف اصول پر کام کرتے رہے۔

ایتھل برٹ نے ۶۱۶ء میں وفات پائی۔ بیڈ اپنے پرانے طرز میں لکھتا ہے کہ یوں تو وہ رودِ ہمبر کے تمام جنوبی اضلاع کا تیسرا فرماں روا تھا لیکن اس اعتبار سے وہ پہلا بادشاہ ہے کہ اسی کو خدا کی بادشاہی میں اول جگہ ملی۔" مگر اس کے مرنے پر لوگوں کے عقائد میں رجعت پیدا ہوئی اور بت پرستی کے اثرات ہمسایہ ریاست ایسکس تک پہنچے۔ اوگسٹائن مر چکا تھا۔ لندن و روچسٹر کے اسقف فرار ہو کے براعظم یورپ میں چلے آئے اور کینٹربری کا صدر اسقف لارنس بھی رخصت ہونے والا تھا کہ اسے ایک خواب نظر آیا اور وہ رک گیا۔ آیندہ واقعات سے بھی ثابت ہوا کہ اس کا فیصلہ درست تھا اور گو ایتھل برٹ کے زمانے کی رونق و کامیابی تو کلیسا کو حاصل نہ ہوئی تاہم وہ اپنی جگہ پر قائم رہ گیا۔ مذہبی تبلیغ کے لئے ایک نیا موقع اس طرح پیدا ہوا کہ ایتھل برٹ کی بیٹی ایتھل برگا کی ایڈون سے شادی قرار پائی اور اس کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ اسے اپنے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت ہوگی چنانچہ

پولی نوس

۶۲۵ء میں وہ اپنے ہمراہ اوگسٹائن کے ایک شاگرد پولی نوس کو لے گئی جو اسقف بنا دیا گیا تھا۔ یہاں یہ وضاحت کر دینی چاہئے کہ اینگل قوم کے برطانیہ میں ورود کے وقت سے ان کے مختلف سردار بادشاہت کے لئے آپس میں بھی اسی طرح آئے دن لڑتے رہتے تھے جس طرح ان کی جنگ قدیم برطانیوں سے ٹھنی رہتی تھی۔ اور کبھی ایک سردار سب پر غالب آجاتا کبھی دوسرا۔ زیر نظر زمانے میں یہ مرتبہ برٹ والڈا کو حاصل ہوا اگرچہ اس لقب کے معنی میں

برٹ والڈا

اختلاف ہے کہ آیا یہ بڑے حاکم کے معنی میں ہے یا اس سے محض فرماں روائے برطانیہ مراد تھی۔ رود ہمبر کے جنوب میں ایسی سیادت رکھنے والوں میں ہیڈنے ایلا، کیاولن، اتھل برٹ اور ریڈوالڈ کے نام بھی بتائے ہیں جو مختلف ریاستوں کے حاکم تھے اور کبھی کبھی تمام ریاستوں پر چیرہ دست ہو جاتے تھے۔ مگر ان سے بھی زیادہ وسیع مملکت پر نارتھمبریا کا رئیس ایڈون فرماں روا تھا جو اہلِ کینٹ کے سوا اور سب انگریزوں اور برطانیوں پر حکومت کرتا تھا"۔ مذکورہ بالا شادی سے کینٹ اور نارتھمبریا میں اتحاد ہو گیا اور دینِ مسیحی کے داعیوں نے ایسے مقتدر حاکم کو عیسائی بنانے میں کوئی دقیقہ سعی کا نہ اٹھا رکھا۔ ایڈون کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ بہت راستی پسند اور ذہین و آزاد طبع فرماں روا تھا اور پولی نوس کی اشتیاق آمیز دلائل سن کر، گو زبان سے کچھ نہ کہتا مگر دل میں برابر غور کرتا رہتا کہ مجھے کیا کرنا اور کس مذہب کو اختیار کرنا چاہیئے"۔ خود پاپائے رومہ نے اسے اور ملکہ کو کئی عمدہ اور طویل خط لکھے۔ ایڈون کے لئے کچھ لباس اور طلائی زیور اور اتھل برگا کے واسطے چاندی کا آئینہ اور ہاتھی دانت کی کنگھی جس پر ملمع کیا ہوا تھا ہدیۃً بھیجے۔ انہی ایام میں ایڈون ایک خونی کے ہاتھ سے بال بال بچا۔ اُسے ایک بیٹی پیدا ہوئی اور مغربی سکسنوں پر بڑی بھاری فتح حاصل ہوئی۔ ان سب واقعات نے اس پر کچھ نہ کچھ اثر کیا اور آخر کار اس نے اپنے ہاں کے اہلِ دانش و بصیرت کی ایک مجلس منعقد کی۔ یہ لوگ بھی اپنے رئیس کی طرح سنجیدہ اور ہوشیار تھے۔ جلسے میں بڑے پروہت کوی فی نامی نے صاف صاف کہا کہ میرے نزدیک پرانے دین میں کوئی خیر و برکت نہیں ورنہ میں جو اس کی پیروی میں سب سے بڑھکر سرگرم رہا، آج اس حال سے کسی بہتر حال میں ہوتا۔ ایک ذہین تر شخص نے یہ تمثیل سنائی جو اپنی خوبی کی وجہ سے کبھی فراموش نہ ہوگی۔ اس نے کہا اے "بادشاہ آدمی کی موجودہ زندگی اس نامعلوم دنیا کے مقابلے میں مجھے ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے کوئی ابابیل اس کمرے میں گھس آئے جہاں آپ جاڑوں میں اپنے سپہ سالاروں اور وزرا کے ساتھ کھانے کھاتے ہیں۔ کمرے کے اندر تو خوب آگ روشن ہوتی ہے اور باہر برف و باد کے طوفان کا دورہ دورہ رہتا ہے۔ اب اگر ابابیل ایک دروازے سے کمرے میں داخل ہو

اور چشم زدن میں دوسرے دروازے سے باہر نکل جائے تو جب تک وہ آپ کے محفوظ کمرے کے اندر رہے گی اسے آرام رہے گا مگر باہر نکلتے ہی وہ پھر اسی تند و تاریک سرما کے طوفان میں غائب ہو جائے گی جہاں سے پہلے اندر آئی تھی۔ پس آدمی کی دنیاوی زندگی کا ظہور بھی اسی طرح چند روزہ ہے اور ہم بالکل بے خبر ہیں کہ وہ کہاں سے آیا تھا اور کہاں چلا جائے گا۔ اب اگر اس نئے دین میں اس نامعلوم عالم کی نسبت کوئی زیادہ معتبر بات موجود ہو، تو وہ اس قابل نظر آتا ہے کہ اسے اختیار کر لیا جائے۔"

اہل نارتھمبریا کا قبول مسیحیت

اس کے بعد پولی نوس کو طلب کیا گیا کہ اپنے عقائد بیان کرے اور انھیں سن کر کومی فی پہلا آدمی تھا جس نے اپنے دیوی دیوتاؤں کے مندر توڑ ڈالے۔ خود ایڈون نئے مذہب میں داخل ہو گیا اور اس کی رعایا میں ہزاروں نے بپتسمہ لیا۔ بیڈ کے ایک دوست کی انھی نو مسیحیوں میں سے ایک شخص سے گفتگو ہوئی تھی اور اسی نے پولی نوس کی نسبت بیان کیا کہ "وہ بلند، مگر قدرے خمیدہ قامت تھا۔ اس کے بال سیاہ، چہرہ دبلا، ناک لمبی اور آگے سے مڑی ہوئی، اور پوری وضع باوقار و مقدس تھی"۔ مسیحیت کے ظہور سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ اس زمانے سے ہم تحریری شہادتوں پر اعتماد کر سکتے ہیں جو سچی بھی ہیں اور پر از معلومات بھی۔ اور اس طرح فسانہ و قیاس آرائی کے زمانے سے باہر نکل آتے ہیں:

جس وقت ایڈون عیسائی ہوا، تو کینٹ کے سوا دو تمام انگریزی ریاستوں پر سیادت رکھتا تھا اور برطانی بھی اس کے زیر نگیں تھے لیکن اس واقعے کے ساتویں سال مرسیہ کے انگریز حاکم پنڈا اور برطانی رئیس، کیڈوالن نے اس کے خلاف جتھا تیار کیا اور ڈون کاسٹر و لنکن کے درمیان رومی سڑک پر مقام ہیٹ فیلڈ لڑائی ہوئی جس میں ایڈون شکست کھا کر مارا گیا۔ کیڈوالن کی نسبت بیڈ لکھتا ہے کہ وہ انگریز عیسائیوں پر بت پرستوں سے بھی زیادہ ظلم کرتا تھا۔ اور اس نے حریف کے علاقے نارتھمبریا کو بری طرح تاراج و غارت کیا۔ اس ہنگامے سے پیشتر پادری پولی نوس ایتھل برگا اور امیر کینٹ کے چند بچوں کو ساتھ لیکر براہ بحر کینٹ چلا آیا تھا لہذا کچھ عرصے کے لئے نارتھمبریا میں عیسائی مذہب کا خاتمہ ہو گیا۔

باب چہارم

ایڈون کی جگہ اس کا ایک چھوٹا بھائی اور اتھل فرتھ کا ایک بیٹا بادشاہ ہوے اور ملک کو آپس میں تقسیم کر لیا لیکن ایک ہی سال کے اندر (ایک تو لڑائی میں اور دوسرا فریب سے) دونوں کیڈوالن کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اتھل فرتھ کا ایک اور بیٹا آزولڈ جو ایڈون کے عہد میں جزیرۂ آئی اونا میں جلا وطنوں کی زندگی گزار رہا تھا، مسند نشیں ہوا۔ وہ بڑا جنگ جو تھا اور اس نے چھوٹی سی جمعیت سے لا فزن کیڈوالن کا مقابلہ کیا اور ڈنیس برن کے مقام پر شکست دی۔ اس مقام کا اب ٹھیک پتہ نہیں چلتا لیکن بیڈ نے اسے ہکسہم کے قریب بتایا ہے جو رومی دیوار سے زیادہ دور نہ تھا۔ بہر حال، اس کامیابی کے بعد نو سال تک آزولڈ نے امن و آرام سے حکومت کی۔ اس مدت میں اس نے مسیحیت کو از سر نو رواج دیا اور آئی اونا کی خانقاہ سے جہاں خود اس مذہب کی تعلیم پائی تھی معلمین طلب کیے۔ صاحب خانقاہ نے سینٹ ایڈن کو بھیجا۔ یہ خدمت تفویض کی جو نہایت ہوشمند، موقع شناس اور اسی کے ساتھ اعلیٰ اوصاف اور نہایت پاکیزہ اخلاق کا آدمی تھا۔ "وہ اسی چیز کی تعلیم دیتا تھا جس کا خود وہ اور اس کے ساتھی پابند تھے" لہذا انگریزوں میں اس کا بہت کچھ اعتماد پیدا ہو گیا۔ خود بادشاہ اس پادری کی ترجمانی کرتا تھا اور اس کی مثال اور اثر سے مسیحیت کو خواہی نخواہی دوبارہ فروغ حاصل ہو گیا۔ ایڈن، اسکوٹ تھا اور وہیں کے اصول کے مطابق تبلیغ کا مرکز خانقاہ کو بنا کر کام کرتا تھا۔ اس غرض کے لئے اس نے لن ڈس فارن جو پایۂ تخت بمبرو کے سامنے تھا منتخب کیا اور یہ مقام کچھ روز میں نارتھمبریا کے واسطے ویسا ہی ہو گیا جیسا کہ اسکوٹوں کے واسطے آئی اونا تھا۔

آزولڈ

فلطی دعاۃ آئی اونا سے آتے ہیں

ادھر، رومی داعی بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے نہیں رہے بلکہ انھوں نے ایسکس میں دوبارہ مسیحیت پھیلائی۔ برگنڈی کے ایک پادری فی لکس نے مشرقی اینگلیہ کے لوگوں کو عیسائی بنایا اور فیلکس ٹو کا قصبہ اب تک اسی کے نام کی یادگار ہے۔ مغربی سیکسنوں کو ایک اطالوی پادری بری نوس نے مسخر کیا اور اب صرف پینڈا جس کا امیر پینڈا تھا، یا وحشی جنوبی سیکسنوں کی دو دست ریاستیں ہی دو علاقے ایسے رہ گئے

جو پوری طرح کافر و بت پرست تھے۔

بیڈ نے لکھا ہے کہ ایڈون کی طرح آزولڈ نے بھی "برطانیہ کے تمام صوبوں اور قوموں کو مغلوب کر لیا تھا" لیکن اس کی سیادت کے دشمن اٹھ کھڑے ہوئے اور سنہ ۶۴۲

میسر فیلڈ

کی جنگ میسر فیلڈ میں وہ پنڈا کے ہاتھ سے مارا گیا۔

عام رائے ہے کہ یہ مقام (یعنی میسر فیلڈ) اسی جگہ واقع تھا جہاں ضلع شراب شہر میں آزوسٹری واقع ہے جو کسی زمانے میں "آزولڈ ٹری" یعنی آزولڈ کا درخت لکھا جاتا تھا۔ جہاں تک اندازہ ہوتا ہے "مقتول بادشاہ" بہادر، فیاض، نہایت منکسر مزاج اور مجموعی طور پر بہت عمدہ اخلاق کا آدمی تھا۔ آیندہ نسلوں میں اسے ولایت کا مرتبہ دیا گیا اور اس کے نام کے جابجا گرجا تعمیر ہوئے۔

آزولڈ کی جگہ اس کے سب سے چھوٹے بھائی آزوی نے لی جو ایتھل فرتھ کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا اور جس نے دغا سے ایڈون کے بیٹے آزون کو مروا کر تخت کو غصب کیا۔ پھر تیرہ برس تک اس کی مملکت پنڈا اور اس کے مرسوی رفیقوں کے قتل و غارت گری کی آماجگاہ رہی۔ حتیٰ کہ سنہ ۶۵۵ء میں آزوی نے

ون ویڈ

ون ویڈ ندی کے کنارے، جو بقول بیڈ لوئیڈزیا (موجودہ) لیڈز کی نواح میں بہتی تھی، پنڈا کو شکست دی اور یہ اسی سال کا بڈھا بادشاہ بھی یہیں کھیت رہا۔ ظلم و غارتگری کے باوجود پنڈا کو اس کے دشمن بھی بعض عمدہ اوصاف سے متصف تسلیم کرتے ہیں۔ داعیان مسیحی کے اپنے ملک میں تبلیغ کرنے کو وہ منع نہ کرتا تھا اور نہ خود اپنے بیٹے کے عیسائی ہو جانے پر اس نے تعرض کیا۔ البتہ یہ نو عیسائی اگر اپنے دین کے فرائض ادا کرنے میں سستی کرتے تو وہ ان کی تذلیل میں کچھ کوتاہی نہ کرتا تھا۔ اس کی وفات کے تین سال بعد مرسیہ والوں نے پھر آزادی حاصل کر لی اور پنڈا کے ایک بیٹے ولف ہیئر کو بادشاہ بنایا جو عیسائی مذہب رکھتا تھا اور اس طرح سنہ ۶۶۰ سے صرف سیکس کا علاقہ کفر میں پڑا رہ گیا ورنہ باقی تمام اطراف میں مسیحیت پھیل چکی تھی۔

لیکن شمال کے انگریز، اسکوٹی یا فلطی کلیسا کے پیرو تھے اور جنوب میں کلیسائے روما کی حکومت تھی اور ان دونوں میں بعض باہمی اختلافات تھے جن سے بڑی دقت

رونما ہوئی۔ ایڈن کا جانشین کولمین اپنے اسکوٹی طریقے کی فضیلت منواتا تھا اور پولی نوس کا پیرو جیمیس جو ڈیکن تھا رومی تقویم کا پابند تھا۔ یہ پادری پولی نوس کے جانے کے وقت بھی نارتھمبریا میں ٹھیر رہا تھا اور اب اس کی تائید ایک اور نہایت لائق پادری ولفریڈ کرنے لگا جو رپن کا صاحب خانقاہ تھا اور باہر تعلیم پائی تھی۔ اس مسئلے کے تصفیے کی غرض سے ۶۶۴ء میں وھٹ بی کی مجلس منعقد ہوئی جس کے ممتاز شرکا یہ تھے:۔ کولمین۔ فرنگی ایجل برٹ جو مغربی سکسنوں کا اسقف ہوگیا تھا۔ ولفریڈ اور جیمیس۔

مجلس وھٹ بی

معاملے کے اہم ہونے میں کوئی شبہہ نہیں۔ کیونکہ قلطیوں کی کامیابی کے معنی یہ ہوتے کہ انگریزی کلیسا کا یورپ کے اکثر ممالک سے قطع تعلق ہو جاتا اور انگریز قوم رومی تہذیب و تمدن کی دولت میں حصہ لینے سے جس کا سب سے بڑا مخزن کلیسائے رومہ تھا محروم رہ جاتی۔ جلسے میں اول کولمین کی تقریر ہوئی۔ اس نے کہا میں ایسٹر کو اسی طرح مناتا ہوں جس طرح میرے بزرگ جنھوں نے مجھے اسقف بنا کے بھیجا۔ اور جس طرح ہمارے اجداد مناتے تھے۔" دوسری طرف سے ولفریڈ نے سب سے بڑی دلیل یہ پیش کی کہ رومی طریقہ اطالیہ، فرانس، افریقہ، ایشیا، مصر، یونان اور مختصر یہ کہ ساری دنیا میں رائج ہے "بجز پکٹ اور اسکوٹوں کے" جو نادانی سے ان دو دست جزیروں میں اور ان جزیروں کے بھی صرف بعض حصوں میں باقی ساری دنیا کی مخالفت کئے جاتے ہیں۔" تھوڑے سے اور مباحثے کے بعد بادشاہ آزوی نے کولمین سے دریافت کیا کہ "کیا یہ سچ ہے کہ ہمارے خداوند نے بہشت کی کنجیاں پطرس کے حوالے کر دی تھیں؟ اور آیا تم اس قسم کا کولمبا کو بھی اختیار دیا جانا ثابت کر سکتے ہو؟" کولمین نے جواب دیا کہ نہیں۔ تب بادشاہ نے کہا کہ "اب اگر پطرس بہشت کا دربان ہے تو پھر میں کبھی اس کی تردید نہ کروں گا کہ مبادا میں آسمان کی بادشاہی میں جانے لگوں تو دروازہ کھولنے کے لئے کوئی موجود نہ ہو۔" بادشاہ کے اس فیصلے پر احسنت و مرحبا کے نعرے بلند ہوے۔ کولمین اپنے وطن واپس چلا گیا اور کچھ عرصے بعد نارتھمبریا کا اسقف ولفریڈ مقرر ہوا اور پھر انگریزی گرجوں میں بھی رومی طور طریق کی تقلید کی جانے لگی اور رفتہ رفتہ آئرستانی اور اسکوٹی

گرجا بھی اسی کی پیروی کرنے لگے ؛

پادری ڈنسٹن کے وقت سے پہلے انگلستان کے دیسی کلیسا نے غالباً ایسی دلچسپ اور قابل دید شخصیت پیدا نہیں کی جیسی ول فریڈ کی تھی۔ وہ نار تھمبریا کے ایک چودھری کا بیٹا تھا اور ابتدائی عمر ہی میں شاہ آزوی کی بیوی نے اس کی لیاقت دیکھ کر اسے ایڈن کی خانقاہ لن ڈس فارن میں داخل کرا دیا۔ وہاں سے وہ اپنے دوست بس کوپ کے ہمراہ رومہ گیا اور وہاں کی تعلیم کا نہایت ثناخواں واپس آیا۔ یہاں اسے بادشاہ کے فرزند کی تعلیم تفویض ہوئی اور پھر رپن کا صاحب خانقاہ مقرر ہو گیا۔ وھٹ بی کی مجلس علما میں اس نے نمایاں حصہ لیا۔ اور پھر یارک کا اسقف بنایا گیا۔ وہیں سے وہ کلیسائی سند لینے کی غرض سے غالیہ آیا تھا کہ واپس پہنچا تو دیکھا کہ اس کی جگہ سینٹ ایڈن کے طرز کا ایک راہب سنیڈ مقرر کر دیا گیا ہے ؛

ول فریڈ

انھی دنوں کینٹربری کی اسقفی خالی ہوئی تو آزوی نے ایک انگریز کو اس کی سند کے لئے رومہ بھیجا لیکن وہ وہاں پہنچ کر مر گیا اور اس کی جگہ پاپائے رومہ وی تالیان نے سلیشیہ کے شہر طرسوس کے ایک یونانی تھیوڈور کو سند اسقفی عطا کر دی اور تمام کلیسائے انگریزی کی تنظیم جدید کی ہدایت کی۔ اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ول فریڈ کو دوبارہ یارک میں اسقف بنایا اور سنیڈ کو اہل مرسیہ کی اسقفی سپرد کی، جو کچھ کم باوقعت خدمت نہ تھی پھر اس نے تمام انگریزی گرجوں کے علما کی مجلس منعقد کی اور ضروری قوانین و ضوابط بیان کئے جن میں ایک یہ تھا کہ آیندہ سے اسقف صرف اپنے حلقے میں رہیں گے اور کوئی پادری بغیر اسقف کے اجازت نامے کے تبلیغ و وعظ نہ کر سکے گا۔ تھیوڈور نے خود سارے ملک میں یہ دیکھنے کی غرض سے دورہ بھی کیا کہ ان قوانین کی کہاں تک پابندی ہوتی ہے۔ بعض اسقفوں کو معزول کر دیا اور بعض کے تبادلے کئے اور ہر جگہ وہی انتظام اور باضابطگی جاری کر دی جو رومی دنیا کی خصوصیت تھی ؛

تھیوڈور اور کلیسا کی تنظیم جدید

ول فریڈ نے اپنے علاقے میں بڑی مستعدی سے کام کیا اور اسی کے ساتھ وہ شان وشوکت بھی پیدا کی جو رومہ کے علمائے دین کا شعار ہو گئی تھی۔ اس ملک میں جہاں چوبی مکانات پر قناعت کی جاتی تھی، اس نے یارک، رپن اور ہیکسم میں تکلف کی عمارتیں بنوائیں اور ادھر اس کے دوست **بینڈکٹ بسکپ** نے اپنے ہموطنوں کو پہلی مرتبہ رنگین شیشے اور سنگت کے بھجن کے مزوں سے آشنا کیا۔ ان سب کارگزاریوں کے باوجود ایک جھگڑا ہو گیا جس میں **ول فریڈ** ایک طرف اور تھیوڈور اور شاہ **اِگ فرتھ** دوسری طرف تھے۔ جلاوطن ہو کر **ول فریڈ** فریسیہ چلا آیا اور یہاں اپنے وعظ و تبلیغ سے ان انگریز داعیوں میں اولیت پائی جنھوں نے جرمانیہ میں مسیحیت پھیلائی ہے اور جن میں **بونی فیس** سب سے زیادہ مشہور ہے۔ پاپائے رومہ نے اس کی حمائت کی لیکن اِگ فرتھ اور تھیوڈور نے پاپا کا حکم بھی نہ مانا اور ول فریڈ کو پکڑ کر قید میں ڈال دیا۔ قید سے بالآخر چھوٹ کر وہ سسکس کے کفار میں بھاگ آیا اور انھیں ماہی گیری سکھا کر قبولیت حاصل کی اور پھر مسیحیت کی ڈور پر لگا لایا۔ اس طرح یہ علاقہ جواب تک محروم پڑا رہ گیا تھا، آخر کار عیسائی دنیا میں شامل ہو گیا، ساتھ ہی ول فریڈ کی تائید میں لوگ رجوع ہوئے۔ اور تھیوڈور نے بستر مرگ پر اسے اپنا جانشین نامزد کیا۔ لیکن چونکہ اس کا دشمن شاہ اِگ فرتھ مر چکا تھا، لہذا **ول فریڈ** نے اپنی پرانی جگہ یارک کو ترجیح دی۔ یہاں دوبارہ اس کا بادشاہ سے جھگڑا ہوا اور پھر پاپا تک مرافعہ پہنچا لیکن کینٹربری کا صدر اسقف اب کے ول فریڈ کے ساتھ تھا لہذا اسے کامیابی ہوئی اور ۷۰۹ء میں اس نے اطمینان کے ساتھ یہ طویل و پرزحمت زندگی پوری کی۔ ول فریڈ کی سیرت اس کے دوست **اِڈّی** نے تحریر کی اور یہ اس عہد کی معلومات کے لئے ہمارا بیش بہا ماخذ ہے۔

کیڈمن کتھبرٹ بیڈ

ول فریڈ کے علاوہ انگلستان کے دیسی پادریوں میں کیڈمن کتھبرٹ اور بیڈ سب سے ممتاز ولی گزرے ہیں۔ کیڈمن شاعر تھا اور خانقاہ وھٹ بی میں مامور رہا جہاں اس نے توراۃ کا ایک منظوم خلاصہ لکھا۔ **کتھبرٹ** مِل روز کا راہب تھا پھر لِن ڈِس فارن میں صاحبِ خانقاہ اور آخر میں اسقف بنایا گیا۔ وہ نہایت خدا ترس زاہد تھا

اور اُس کو سب سے بڑھکر اس بات کا شوق تھا کہ ایسے قصبوں میں جو راستوں سے دُور دشوار گزار مقامات پر تھے اور کوئی وہاں جاتا نہ چاہتا تھا جا کر دین مسیحی کی تبلیغ و تلقین کرتا رہے۔ بیڈ جیرو کا راہب تھا اور کبھی کسی کلیسائی منصب پر فائز نہ ہوا بلکہ اپنی طویل عمر علم کی تحصیل و تدریس میں صرف کی۔ اس نے بینتیس کتابوں سے کم نہیں لکھیں اور انگریزوں میں مسیحیت آنے کے وقت اس قوم کی پوری کیفیت صرف اسی کی کتاب "تاریخ کلیسائی" میں ملتی ہے۔

واضح رہے کہ پاپائے رومہ گریگوری کا نظام کلیسا تو پولی نوس کی فراری سے عملاً ختم ہو گیا تھا اور اسے ڈن کا اصول ہی دوسرا تھا کہ اس میں آئین کلیسا کا مرکز خانقاہ ہوتی تھی۔ اسقف تک صاحب خانقاہ یا متولی کا ماتحت ہوتا اور اسی کے احکام و ہدایت پر چلتا تھا۔ دوسرے اسقف کا کوئی خاص فرض نہ ہوتا بلکہ وہ محض علاقے میں گشت کرتا رہتا اسی طرح اور کئی کئی اسقف ہوتے تو آپس میں مفت کی نزاع و مخالفت پیدا ہوتی رہتی تھی۔ مگر اب انگلستان میں کلیسا کی جو تنظیم بالآخر قائم ہوئی وہ صدر اسقف تھیوڈور کی مروجہ تھی۔ یہ رومی طریقہ خانقاہی طریقے کے برعکس تھا اور غالباً سلطنت رومہ کے سیاسی نظام کی نقل میں مرتب کیا گیا تھا کہ تمام انتظامی اختیارات، حلقہ، علاقہ، صوبہ اور پھر پاپائی حکومت کے مدارج میں منقسم تھے۔ ہر کلیسائی عہدہ دار کے فرائض و وظائف معین اور جداگانہ تھے اور ایک شخص کو دوسرے کے اختیارات میں مداخلت کا کوئی موقع نہ تھا۔ انگلستان میں ایسے نظام کا رواج قومی اتحاد کے حق میں بھی بہترین چیز ثابت ہوا اور اسے بھی

کلیسائے رومہ کا نظام اختیارات

ملک کی خوش نصیبی سمجھنا چاہئے کہ تھیوڈور کے آئین میں امر پورے ملک کے واسطے صرف ایک صدر اسقف بنایا گیا تھا۔ تھیوڈور کی مجالس دینی سارے ملک کے پادریوں پر مشتمل ہوتیں اور اس کے آئین میں ملک کے سیاسی اختلافات اور جزئی فرق کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا تھا اور یہی یکسانی حقیقت میں حریف ریاستوں کی باہمی اور مسلسل خانہ جنگیوں کا بہترین مصلح تھی۔ اس رومی نظام کی فائدہ مندی کا ایک اور مبین ثبوت آئرستان کی تاریخ سے بہم پہنچتا ہے جہاں ایسا مرکزی نظام قائم نہ تھا اور

اسی لامرکزیت کی بدولت وہاں کے پادری بالکل مقامی سرداروں کی سیاسی آرا کے ماتحت ہو گئے اور ملک کو اتحاد و یگانگی کی نعمت سے بہرہ مند کرنے کا موقع کلیسا کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ اگر تھیوڈور کی تنظیمی قابلیت اور شاہ آزوی کا فیصلہ مساعدت نہ کرتے تو انگلستان میں اسی قسم کی تفرقہ بندی کا طوفان بپا رہتا بجائیکہ اب کلیسا چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے جھگڑوں میں الجھنے سے بچ گیا اور اس ملک پر قائم رہا کہ گرجا تمام انگریزی قوم کا ہے، گو کہ فی الواقع ایسی قوم کا وجود ہنوز دنیوی اعتبار سے بمشکل تسلیم کیا جاتا تھا۔ اور مدت دراز تک مختلف اقطاع ملک اور مختلف ریاستوں سے لوگ آکر جمع ہوتے تو وہ صرف پادری تھے جن کی مجالس میں ساری انگریزی قوم کے دینی مسائل پر بحث و گفتگو اور ان کی قراردادیں پورے ملک کے لئے ہوتی تھیں ؛

قانونی عدالتوں میں اس وقت تک پادری اور غیر پادری میں کوئی فرق نہ کیا جاتا تھا۔ سب کے لئے وہی کارروائی اور یکساں سزائیں مقرر تھیں اور اسقفوں اور حلقے کے پادریوں کا موجود ہونا ہی خود اس عہد قدیم کی وحشت و سفاکی کے حق میں ایک مصلح کا کام دیتا تھا۔ مزید براں مذہب کا پورا اثر طہارت و تقویٰ کی تائید میں صرف ہوتا تھا۔ اوگسٹائن اور ایڈن کے ساتھ جو راہب آئے، اُن کے عمدہ اخلاق، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، مسیحیت کی فضیلت کی بہترین دلیل تھے۔ اس میں شک نہیں کہ جب خانقاہوں کی تعداد اور دولت میں بیشی ہوئی تو بہت سے نالائق مرد و زن بھی ان میں داخل ہونے لگے۔ تاہم مجموعی طور پر اُس عہد جہالت میں خانقاہوں کے قیام سے تہذیب و تمدن کو بہت کچھ فائدہ پہنچا کہ ان میں جو لوگ رہتے تھے وہ امن و صلح پسند اور اپنے ہمسایوں سے یقیناً زیادہ شائستہ ہوتے تھے ؛

راہب، تو زہد و تقویٰ کی خود مثال پیش کرتے تھے لیکن حلقے کے پادری یا واعظ لوگوں کے نفسانی جذبات کی روک تھام کے واسطے اور بھی سخت و شدید دستورالعمل عائد کرتے تھے۔ اس وقت تک انگلستان کے لوگوں میں گناہ ہی کی حقیقت سے بہت کم کوئی واقف تھا۔ سرکار کی نظر میں محض تاوان سے خون ناحق

کی بخوبی تلافی ہو جاتی تھی اور انسانی زندگی کی قدر و قیمت اتنی کم تھی کہ روز مرہ کشت و خون کی وارداتیں ہوا کرتی تھیں۔ اور دوسری بے اعتدالی اور بدکاری پر تو کوئی توجہ ہی نہ کرتا تھا۔ ان حالات کو دیکھکر تھیوڈور نے رومی کلیسا کا تعزیری طریقہ جاری کیا جس میں قتل عمد نہ صرف سرکار کا جرم بلکہ خدا کا بھی گناہ تھا اور خمیازہ بھگتے بغیر اس کا کفارہ نہ ہو سکتا تھا۔ اس کی صورت اکثر یہ ہوتی کہ خاطی سالہا سال تک ریاضت و فاقہ کشی کرتا اور اگر گرجا کی تجویز کردہ سزا بھگتنے سے کوئی شخص پہلو تہی کرے تو اسے خارج المذہب اور دینی حقوق سے محروم کر دیا جاتا تھا۔ اس طرح جرم اور مجرم کے لئے کلیسا نے ایک مذہبی خوف پیدا کر دیا اور اگرچہ آگے چل کر بہت سے پادری روپے کی طمع میں اصلاح نفس اور مجاہدے کی تدابیر سے روگردانی کرنے لگے، پھر بھی ایسے جنگجوؤں کے حق میں جیسے کہ سیکسن تھے اس تعزیری دستور العمل کے رواج سے شروع میں بہت کچھ فائدہ ہوا

محترم بیڈ نے ۷۳۵ء میں وفات پائی اور اس کی وفات اور اس کی تاریخ کلیسائی کے رک جانے سے یہ بہت دشوار ہو گیا ہے کہ ہم بعد کے پیچیدہ حالات کو ٹھیک سمجھ سکیں۔ کیونکہ اور کوئی مورخ اس کی جگہ پیدا نہ ہوا۔ اور عرصے تک وقائع کے داخلے بھی نہایت مجمل ہیں جن کو ہنری شہر ہنٹنگڈن کے اور ملم بری کے ولیم نے بارھویں صدی میں جستہ جستہ معلومات جمع کر کے کچھ معنی پہنائے ہیں۔ بہرحال مسیحیت کی ترویج کے علاوہ، ساتویں آٹھویں صدی کا سب سے اہم واقعہ یہی سمجھنا چاہیے کہ مختلف انگریزی ریاستوں میں سیادت وغیرہ دستی کے لئے لڑائی ہوتی رہی مگر مذہب کے احاطے سے خارج ہونے کے باعث خود بیڈ اس کی تفصیل بہت کم بہم پہنچاتا ہے اور اس کے بعد تو جب تک الفریڈ (اعظم) نے وقائع کی تالیف کو زیادہ باقاعدہ نہیں بنایا، اس وقت تک کے حالات کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ البتہ اتنا معلوم ہے کہ اگسٹائن کی آمد کے قریب انگریزوں کی منتشر آبادیاں مل مل کر یہ چند ریاستیں بن گئی تھیں:۔

شمال میں برنیسیا اور ڈیرا کی اینگلی ریاستیں مل کر نارتھمبریا بن گئی۔ اور کچھ شمالی اور کچھ جنوبی انگریزوں نے مل کر ایسٹ اینگل کی ریاست تیار کی۔ اسیکس کینٹ اور سیکس کم و بیش ویسے ہی رہے جیسے فتح کے وقت تھے۔ وسیکس میں البتہ تمیز

کے جنوبی میدانوں کے علاوہ جزیرہ وائٹ اور وادیٔ سیورَن کے وہ اضلاع بھی داخل ہو گئے جن پر کیاوَلِن مسلط ہو گیا تھا۔ وسطِ انگلستان کے باقی اضلاع مختلف قبائل میں بٹے ہے اور بتدریج ایک ریاست کی شکل میں منضبط ہوئے جس کا بھی نام مرسیہ (یا علاقہ سرحدی) تھا؛

ان ریاستوں میں دو صدی تک قریب قریب مسلسل جنگ ٹھنی رہی اور اگر ایک کو کچھ روز کے لئے دوسری پر غلبہ ہو جاتا تو آئے دن بغاوت کے ہنگاموں سے سابقہ کرنا پڑتا تھا۔ کچھ زمانے تک کیاوَلِن کے ماتحت مغربی سکسنوں کا ستارہ عروج پر رہا مگر چیسٹر کی لڑائی نے نارتھمبریا کو غالب کر دیا اور اِتھل فرتھ سے آزوی تک سیادت اسی کے ہاتھ رہی اگرچہ درمیان میں بغاوتیں اس کے تسلسل کو توڑتی رہتی تھیں۔ ان میں سب سے دیرپا فتنہ پنڈا کا اٹھایا ہوا تھا اور جنگ میسر فیلڈ کے بعد سے یقیناً وہی برطانیہ کا سب سے طاقتور فرماں روا بن گیا تھا۔ آزوی کے زمانے میں نارتھمبریا نے دوبارہ

جنگ نک ٹنس مئیر

سیادت حاصل کرلی اور ۶۸۵ء تک خاصی طرح اس مرتبے پر فائز رہی لیکن سنہ مذکور میں اس کے بادشاہ اِگ فرتھ کو پکٹ قوم نے نِک ٹنس مئیر کی المناک جنگ میں شکست دی اور اس کی پوری فوج کو تباہ کر دیا۔ یہ مقام بحر شمالی کے سواحل کے قریب" بتایا گیا ہے ؛

اس لڑائی کے بعد بہت دن تک سخت بدامنی رہی نارتھمبریا کی قوت کمزور و خراب ہوتی چلی گئی اور پھر مرسیہ نے فروغ پایا۔ پنڈا کے وقت میں بھی وہ نارتھمبریا کی حریفِ قوی بن گئی تھی۔ اب وولف ہیر اور اس کے رشتے کے پوتے اِتھل بالڈ کے عہد میں اس نے بہت زور پکڑا اور اول الذکر رئیس نے مغربی سکسنوں سے وادیٔ سیورَن کے پرگنے چھین لئے۔ پنڈا کے ایک اور فرزند اِتھل ریڈ نے کینٹ پر قبضہ جمایا اور اِتھل بالڈ نے مغربی سکسنوں سے سمرٹن لے کر پوری قوت سے ویلز پر حملہ کیا ۷۵۴ء میں مغربی سکسنوں سے برفرڈ کے مقام پر اسے شکست ہوئی مگر اس کی جگہ اوفا بادشاہ ہوا جو مرسیہ کے حاکموں میں سب سے زیادہ مشہور گزرا ہے؛

وہ پنڈا کی اولاد میں تھا اور ۷۵۷ء میں مسند نشین ہوا۔ اِل کینٹ کو اُس نے

اوٹ فرڈ پر شکست دی اور بن سنگ ٹن کی لڑائی میں جنوبی سیکسنوں کو نیچا دکھایا۔ پھر مشرقی اینگلوں کے بادشاہ کو دھوکے سے اپنے دربار میں بلا کر اس کا سر قلم کرا دیا۔ اس طرح جنوبی برطانیہ میں اس کی سیادت مسلّم ہوگئی۔ نارتھمبریا اس کے فروغ کو نہ روک سکی اگرچہ خود اس کا ہمبر کے شمال میں نام کا کوئی اثر نہ تھا۔

ویلز کے مقابلے میں اوفا نے ایسی کامیابی پائی جو ایڈورڈ ون واتھل فرتھ کے بعد کسی انگریز بادشاہ کو حاصل نہ ہوئی تھی۔ اس نے سرحد کے قلعے شروز بری کو فتح کر لیا، سیورن اور ڈی کے مغرب کے نشیبی علاقے میں انگریزوں کو لا کر بسایا اور ان کی حفاظت

اوفا کی جنگی فصیل

کے لیے ڈی کے دہانے سے وائی کے دہانے تک وہ جنگی فصیل بنائی جس کے آثار اب تک "اوفاز ڈائک" کہلاتے ہیں۔ پاپائے روم ہا دریان سے کہہ کر اس نے ایک اور صدر اسقفی لچ فیلڈ میں قائم کرائی جس کے تحت میں چھ اسقفیاں دی گئیں۔ لندن، ایلمسی، روچسٹر، ونچسٹر کی اسقفیاں کینٹربری کے تحت میں رہ گئیں اور ورن وغیرہ چار، یارک کے تحت میں۔ مگر جب اوفا مر گیا تو اوپر کی چھ دوبارہ کینٹربری کے ماتحت آگئیں اور لچ فیلڈ کی صدر اسقفی توڑ دی گئی۔

اوفا، چارلس (اعظم) کا ہمعصر تھا، جس نے رفتہ رفتہ مغربی یورپ میں دوبارہ رومی سلطنت قائم کر دی اور یہ ٹیوتانی یورشس کے بعد یورپ کی تاریخ کا سب سے اہم واقعہ ہے۔ یہ بھی اوفا کی عزت و تکریم کا ثبوت ہے کہ چارلس جیسے بادشاہ نے اس کے ساتھ مساویانہ طریق پر مراسلت گوارا کی۔ یوں بھی چارلس انگریزی قوم سے بخوبی واقف تھا کیونکہ خود اس کے مشہور علما میں ایک شخص ان کوئن، نارتھمبریا کا باشندہ تھا اور اسی کے خطوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انگریز سوداگر چارلس کے ممالک میں آتے جاتے تھے۔

اوفا کے زمانے کا ایک ناخوشگوار واقعہ یہ ہے کہ اسی عہد میں اسکینڈی نیویا کے بحری قزاق سب سے پہلی مرتبہ سواحل برطانیہ پر نمودار ہوئے اور کوشش کی کہ جس طرح پہلے چھٹی صدی میں انگریز قزاقوں نے قبضہ کیا تھا، اب نویں صدی میں وہ جبراً اس ملک میں آباد ہو جائیں۔

اوفا نے ۷۹۶ء میں وفات پائی اور گوکین وُلف اس کی حکومت کا وارث ہوا

لیکن بادشاہی کے لئے آپس میں ایسے جھگڑے ہونے لگے کہ مملکت مرسیہ کی قوت بہت جلد گھٹتی چلی گئی ؛

اِدھر مغربی سکسن قوم کے لوگ، جو کیاولن کی وفات کے وقت سے بلاشبہہ ایک دوسرے درجے کی قوت رہ گئے تھے۔ بہ سرعت دوبارہ فروغ پانے لگے جس کا

مغربی سکسنوں کا فروغ

سبب ان کے بادشاہ اگبرٹ کی لیاقت تھی جسے اوفا کے زمانے میں چارلس (اعظم) کی پناہ میں فرار ہونا پڑا تھا۔ اسی جلاوطنی کے زمانے میں اس نے وہ فرنگی تہذیب اور آداب سیکھے جن سے انگریز بالکل ناآشنا تھے۔ اسی کے ساتھ فرنگی آئین ملکداری اور اصول جنگ سے واقفیت بہم پہنچائی اور ان اوصاف و کمالات کی شہرت ویسکس پہنچی تو اس کے ہم وطنوں نے دوبارہ اسے وطن آنے اور حکمرانی کرنے کی دعوت دی جسے اس نے ۸۰۲ء میں قبول کر لیا ؛

اپنی سینتیس ۳۷ برس کی بادشاہی میں اگبرٹ نے ہمسایہ ریاستوں کو زیر نگیں لانے کی سعی کی جیسے پہلے ایڈون اور اوفا نے یا ممالک یورپ میں چارلس اعظم نے کی تھی اور سب سے پہلے کارنول یا مغربی ویلز پر کامل تسلط حاصل کر لیا۔ ۸۲۵ء میں اس نے مرسیہ کے لشکر کو اس کے بادشاہ بیورن ولف کی قیادت میں بمقام اِلاَن ڈن سخت شکست

الان ڈن

دی اور اس ریاست کی قوت توڑتے ہی اس کی ماتحت ریاستوں کو بھی پامال کر ڈالا اور کینٹ، سیکس، سرے اور ایسکس کے باشندوں سے جبراً اپنی سیادت تسلیم کرائی۔ مشرقی اینگلیہ والے مرسیہ کے پشتینی دشمن تھے۔ لہذا وہ اس جنگ میں اگبرٹ کے حلیف و معاون رہے ؛ دو برس بعد اس نے خود مرسیہ کو مسخر کر لیا اور اس طرح ہمبر کے جنوب میں سارا انگلستان اس کے قبضے میں آگیا۔ خود نارتھمبریا کو حملے کی دھمکی قبول الطاعت کے لئے کافی ہو گئی اور ۸۲۸ء میں اگبرٹ شمالی ویلز کو بھی فتح کر لیا۔ چنانچہ پکٹ اور اسکوٹ قوم یا اسٹریتھ کلائیڈ کے ٹکڑے کے سوا باقی تمام اہلِ ویلز اس کی رعایا بن گئے ؛

آخر عہد میں اگبرٹ کو خود اپنا ملک اہلِ شمال کے حملوں سے بچانا پڑا جس کا پورا قصہ کسی اگلے باب میں ہماری نظر سے گزرے گا۔ یوں بھی اس کی وفات (واقعہ ۸۳۹ء) کے

قریب اس کی مملکت میں انتشار وافتراق کی علامتیں پیدا ہوگئی تھیں جیسی ملوک ماسلف یا جارلس کے ممالک مفتوحہ میں نمودار ہوئیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا بڑا بیٹا اتھل وُلف ویسیکس کا وارث ہوا تو کینٹ وغیرہ چھوٹے بیٹے اتھلس ٹن کے حصے میں آئے اور اگر بیرونی اسباب ایسے پیدا نہ ہو جاتے جن کی بدولت بالآخر تمام انگلستان کی سیادت مغربی سیکسنوں کے خاندان شاہی کے ہاتھ میں آگئی، تو اس امر کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ اگبرٹ کی فتوحات، اس کے ذاتی اوصاف اور کارناموں کے باوجود، ایڈون واوفا کی فتوحات سے کچھ زیادہ مستقل اور دیرپا ثابت ہوتیں ؛

مشہور سنین

- اوگسٹائن کا ورود .... سنہ ۵۹۷ء
- اے ڈن کی دعوت وتبلیغ .... سنہ ۶۳۴ء
- وھٹ بی کی مجلس علما .... سنہ ۶۶۴ء
- تھیوڈور طرسوسی کا ورود .... سنہ ۶۶۸ء
- نارتھمبریا کی سیادت .... سنہ ۶۰۳ء تا سنہ ۶۵۸ء
- مرسیہ .... سنہ ۷۵۷ء تا سنہ ۸۲۵ء
- اگبرٹ کی بادشاہی انگریزی قوم پر .... سنہ ۸۲۷ء

باب پنجم

انگریزی قوم کے آئین

ملک کے طبیعی حالات ۔ قصبات دیہات اور پرگنوں کا مقامی نظم و نسق ۔ مرکزی حکومت کا بادشاہ اور مجلس عمائد کے ہاتھ میں ہونا ۔ نویں صدی میں انگریزوں کے تمدن کی کیفیت ؛

اب وقت ہے کہ ہم انگریز قوم کے آئین اور تمدن و معاشرت کی طرف متوجہ ہوں ،

سات ریاستیں

چھٹی صدی سے اگبرٹ کے عہد تک ملک میں سات مستقل ریاستیں ایک دوسرے سے جدا نظر آتی ہیں اگرچہ کبھی کبھی یہ کسی حد تک ایک سیاسی اتحاد میں وابستہ ہو جاتی تھیں یہ نارتھمبریا مرسیہ مشرقی انیگلیہ مغربی سیکسن مشرقی سیکسن جنوبی سیکسن اور کینٹ کی ریاستیں تھیں اور ہم نے مقامات کی بجائے بعض کو وہاں کی قوم یہ باشندوں کے نام سے یاد کرنا زیادہ ضروری سمجھا بعض اور قبائل بھی تھے جو علیحدہ زندگی بسر کرتے تھے مثلاً باشندگان سرے یا قبیلۂ لینڈسوار ان ریاستیں آزاد اور علیحدہ تھیں مگر قابل ذکر وہی سات ہیں جن کے اوپر نام گنائے گئے ہیں ان میں بھی

باب پنجم

صرف جنوبی اور مشرقی سیکسن، واحد قوم یا قبیلے کے لوگ تھے ورنہ کینٹ میں دو قبیلے آباد تھے، جن کے صدر مقام روچیسٹر و کینٹر بری بھی الگ الگ تھے۔ مرسیہ اور نارتھمبریا مختلف دیہات و قریات کے مجموعے تھے اور شمالی اقوام کی آمد تک ان مقامات کے نام محفوظ رہے۔ مشرقی اینگلیہ میں شمالی اور جنوبی قبیلے آباد تھے۔ مغربی سیکسنوں میں وہ چھوٹے مہاجرین بھی جو جزیرہ وائٹ کے آس پاس بسے اور میون وارا کہلاتے تھے جذب ہو گئے۔ ان میں سے ہر ریاست بجائے خود کامل و مستقل تھی لیکن ایگبرٹ مغربی سیکسن کے بادشاہ کی وہ سب فی الوقت سیادت تسلیم کرتی تھیں۔

ان ریاستوں کی حدود ملک کی طبعی ساخت پر مبنی تھیں۔ اور اُس زمانے میں پہاڑ، گھنے جنگلوں اور دلدلوں کی ملک میں اتنی کثرت تھی کہ اب اس کا قیاس بھی مشکل سے ہو سکتا ہے۔ دوسرے ندیوں میں اُن دنوں اتنے زور و شور سے پانی بہتا تھا کہ اُن کی آج کل کی پتلی پتلی دھار دیکھ کر اُس کا ٹھیک اندازہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح بنجر زمین بہت زیادہ تھی اور ان سب کو نکال دیجئے تو ملک بھر میں قابل زراعت رقبہ بہت کم باقی رہ جاتا تھا۔

نورتھ اور کالوئیڈ کی کھاڑیوں سے پیک، بلکہ کلیولینڈ کی ویران چڑھائیوں تک بھیانک ریتیوں کا سلسلہ چلا جاتا تھا کہ اسے نکال دیجئے تو پوری ریاست نارتھمبریا میں فورتھ سے ٹیز تک ساحل کی پٹی اور یارک شر آؤز کے میدان کے سوا کچھ نہ بچتا تھا۔ اسے مرسیہ سے ہمبر ندی اور وہ وسیع دلدل جدا کرتی تھی، جس میں لنکاشر، یارک شر اور ڈربی شر کا سارا پانی جمع ہوتا تھا۔ اور آگے بڑھ کر سرحد کا یہ سلسلہ المیٹ کے جنگل اور پناآئن کی پہاڑیوں سے پورا ہو جاتا تھا اور یہ وہ جنگل ہے جو وہارف و ایر کے درمیان کے علاقے میں پھیلا ہوا تھا۔

مرسیہ اور مشرقی اینگلیہ کے بیچ میں رود آؤز کے کنارے کیمبرج تک ہیبت ناک دلدلیں تھیں جن میں کہیں کہیں بالکل جزیروں کی شکل خشکی کے قطعات آجاتے تھے۔ پھر کیمبرج سے جنگل شروع ہوتا تھا جو آؤز کی دلدلوں کو اسٹور اور آرول کی کھاڑیوں سے ملا دیتا اور اس طرح مشرقی اینگلیہ کی تنہائی کو مکمل کر دیتا تھا۔ مرسیہ کو مشرقی اور مغربی سیکسنوں سے کوہ چلٹرن اور کینٹ و سرے کے علاقے سے ٹیمز کی کھاڑی جدا کرتی تھی۔

یہاں کے جنگلوں کا سلسلہ جو غالباً والنگفورڈ کے قریب ٹیمز کے پار ہو کر "بیارک وڈ" کہلایا جاتا تھا، باشندگان سرے اور مغربی سیکسنوں کی حد فاصل تھا اور اسی جنگل کے ساتھ ساتھ رومی سڑک اک نیلڈ اسٹریٹ بھی جاتی تھی کچھ آگے چل کے اس جنگل نے اور بھی بھول بھلیاں کی شکل اختیار کر لی تھی۔ یہاں اُسے ویلڈ موسوم کرتے تھے جو الفریڈ کے زمانے میں ایک سو بیس میل لمبا اور تیس میل چوڑا تھا اور جنوبی سیکسنوں کو کینٹ کے جیوٹ اور مغربی سیکسنوں سے جدا کرتا تھا۔ مغرب کی طرف سیکسنوں کو آگے بڑھنے سے بہت دن تک سیل وڈ کا جنگل روکتا رہا جس میں برسٹل چینل اور ٹیمز کے بیچ کا بن ڈھال واقع تھا۔ اور رود ایون کا وہ حصہ بھی جو ضلع ہیمپ شر میں سے گذرتا تھا اسی رقبے میں آگیا تھا۔ ادھر سیورن ٹرینٹ اور ایون کے اس حصے کے درمیان جو ضلع وارک شر سے گذرتا تھا ایک اور گھنا جنگل تھا، جو بعد میں "آرڈن کے جنگل" کے نام سے موسوم ہوا اور اس نے اہل مرسیہ کو براہ راست وادی سیورن میں آنے جانے سے روک دیا تھا؛

ملکی تقسیم

انگریزوں کی ملکی تقسیم یہ تھی کہ ہر ریاست قریات (ٹاؤن شپ) شہروں ("برو") صدوں ("ہنڈرڈ") اور پرگنوں ("شر") میں منقسم تھی اگرچہ بعض ریاستیں اتنی چھوٹی تھیں کہ ان میں یہ آخری تقسیم غیر ضروری ہوتی تھی معلوم ہوتا ہے کہ حملہ آوروں نے جن حالات میں ملک فتح کیا تھا اُنھی کا مقتضیٰ شہروں اور صدوں کی تقسیم تھی کہ دراصل وہ حملہ ایک ہجرت کی شکل ہوتا تھا جس میں بیوی بچے غلام اور مویشی سمیت ایک پردیسی قوم اُٹھکر یہاں جبراً آباد ہو جاتی اور پہلے باشندوں کو نکال دیتی یا وہ پہلے سے خود ہی فرار ہو جاتے تھے۔ تاسی توس کے زمانے میں جرمن اپنے جنگ جو اشخاص کو بظاہر سو سو کے دستوں میں تقسیم کر دیتے تھے اگرچہ اس تعداد کی سختی سے پابندی نہ کی جاتی تھی معلوم ہوتا ہے کہ یہی تنظیم برطانیہ کے حملہ آوروں میں موجود تھی جس کی وجہ سے ان کی بستیاں بھی صد موسوم ہوئیں؛

بہر حال، ان کا قریہ غالباً ایک شخص اور اس کی آل اولاد کی جائداد اور یا چند نو واردوں کی چھوٹی سی آزاد بستی ہوتا تھا۔ اسی اعتبار سے اس کی تنظیم بھی مختلف ہوتی۔ چنانچہ بعض مقامات میں تو ان کی نوعیت ایک ایسے گاؤں

قریہ

کی قائم رہتی جس میں بہت سے مساوی مرتبے کے آزاد کاشتکار کھیتی کیاری کرتے۔ اور بعض جگہ وہ شخص واحد کی جاگیر بن جاتا اور اس کی صورت وہی ہو جاتی جو بعد کے زمانے میں امرا کی جاگیر کی ہو گئی تھی۔ بہرکیف، قریہ ملک کا جزو ہونے کے لحاظ سے خاص خاص امور کا پابند تھا جنھیں "ٹری نوداسی سیتاس" کہتے تھے اور ان میں پلوں، قلعوں اور راستوں کی مرمت جو اس کی زمین میں واقع ہوں، اور جنگ کے وقت سپاہیوں کا ایک دستہ بھیجنا شامل ہوتا تھا۔ قریہ کا ایک ریو افسر ہوتا جسے لوگ منتخب کرتے یا جاگیردار نامزد کر دیتا تھا اور اسے "ٹن گریفا" کہتے تھے۔ مذہبی اعتبار سے، قریہ عام طور سے ایک پادری کی تحویل میں ہوتا تھا اور اسے کلیسائی حلقہ کہتے اگرچہ کم آبادی کے مقامات، خاص کر شمالی علاقوں میں ایک حلقے کے اندر اکثر کئی کئی قریے داخل ہوتے تھے۔ قریے کا انتظام باشندے خود کرتے اور اس غرض کے لئے پنچائت میں جمع ہوتے جہاں اس صورت میں کہ جاگیردار نے خود اسے نامزد نہ کیا ہو وہ قریے کے افسر اور نمبرداروں وغیرہ کا انتخاب عمل میں لاتے، نئے مکانداروں کو قریے میں داخل کرتے، قلعوں راستوں وغیرہ کی مرمت کا انتظام کرتے اور مقامی قواعد وضوابط کی پابندی کراتے۔ اس طرح ان قدیم انگریزی قریوں میں حکومت خود اختیاری کے جملہ لوازم موجود تھے جو آخر تک قائم رہے اگرچہ پنچائت کے بعض اختیارات جاگیردار کی عدالت کی طرف منتقل ہو گئے جیسا کہ آئندہ تفصیل سے بیان ہوگا۔ مذہبی حلقوں کو بھی ۱۸۹۴ء سے دوبارہ اس طرح منظم کر دیا گیا کہ بڑے قریے میں حلقے کی انجمن اور چھوٹے قریوں کی انتظامی مجلس بنا دی گئی جو عملاً اسی قدیم ترین انگریزی آئین کی تجدید ہے۔

اگر قریے کے گرد "ٹن" (یا باڑ) کی بجائے کچی فصیل اور خندق ہوتی، تو اسے برو یا شہر کہتے تھے۔ "ٹن" سے انگریزی لفظ "ٹاؤن" بنا ہے اور برو یا شہر بھی مختلف صورتوں میں اب تک سلامت ہے۔ یہاں کے افسروں کو بھی "برو گریفا" یا "برو ریو" یا "پورٹ ریو" کے ناموں سے موسوم کرتے تھے۔ اور اگر بستی کسی قدیم رومی چھاؤنی کے حصار میں آباد ہوتی تو "کاسٹرا" کی مختلف صورتیں "سیسٹر" "چیسٹر" وغیرہ اس کے نام کا جزو ہو جاتی تھیں۔ بڑے قریوں اور چھوٹے شہروں میں کوئی زیادہ فرق نہیں تھا لیکن بعض بڑے شہر کئی قریوں

کا مجموعہ ہوتے تھے اور ان کے انتظامات صد کی تنظیم کے مماثل تھے؛

صد بہت سے قریوں کا مجموعہ صد کہلاتا تھا اگرچہ ان کا رقبہ بہت مختلف ہوتا تھا۔ جس کا ایک سبب تو ظاہر ہے یہ ہوتا تھا کہ ہر صد میں لڑنے والوں کی تعداد یکساں نہ رہتی تھی؛ اور دوسرا یہ کہ خود زمین بعض جگہ ایسی تھی کہ آسانی سے بڑی بڑی آبادیاں وہاں قائم ہوسکتی تھیں۔ اس تقسیم کے نام بھی انگلستان میں مختلف تھے جنوب میں اسے عموماً صد کہتے مگر یارک شر اور مشرق کے وسطی اضلاع میں "وے پن ٹیک" شمال میں "وارڈ" اور بعض علاقوں میں "شر" کا لفظ تک رائج تھا؛ صد کے حاکم یا سردار کے بارے میں کچھ ٹھیک معلوم نہیں کہ کون ہوتا تھا مگر عام طور سے خیال کیا جاتا ہے کہ اس کا انتخاب ہوتا اور سردار صد کہلاتا تھا بجائیکہ بادشاہ کی طرف سے ایک گریفا الگ مقرر ہوتا جسے نارمن فتح کے بعد بیلف یا امین کہتے تھے؛ قریوں کی مثل صدوں کی بھی اندرونی انتظامات کے واسطے پنچائت؛ ہر مہینے ہوتی جس میں جاگیردار یا امرا خود آتے یا اپنے نائب بھیجتے جیسلہ حلقوں کے پادری؛ قریوں کے افسر اور نیز ہر قریے کے چار چار سب سے ممتاز آدمی اس میں شریک ہوتے تھے۔ یہ پنچائت جرائم کی تحقیقات؛ جھگڑوں کا فیصلہ اور اراضی کے انتقال کی تصدیق کرتی تھی۔ شروع سے بعض بڑے بڑے جاگیردار اپنے علاقوں میں اپنے ہی اختیارات عمل میں لاتے تھے جو عدالت صد سے کاملاً آزاد تھے اور یہ جاگیریں بذات خود گویا صد کی حیثیت رکھتی تھیں۔ انھی جاگیروں کو آگے چلکر "زمین جائز" کا نام دیا گیا۔ مگر حق یہ ہے کہ صدوں کے حالات بہت تاریکی میں ہیں اور غالباً عملی اعتبار سے ان میں واقعی اتنی یکسانی نہیں پائی جاتی تھی۔

شر صد کے اوپر شر (یا ضلع) ہوتا تھا۔ مگر اس زمانے میں جو شر ہیں ان کی ابتدا بالکل مختلف صورتوں میں ہوی ہے اور شاذونادر کوئی ایسا شر ہوگا جس کی حدود قدیم (یعنی اگبرٹ کے) زمانے سے ہی ہوں۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ تقریباً اسی قسم کی تقسیم اُس قدیم زمانے میں بھی تھی اور ہم ان سب پر ایک ہی جگہ نظر ڈالنا مناسب سمجھتے ہیں۔ زمانہ حاضرہ میں کم سے کم سات قسم کے شر پائے جاتے ہیں: سسکیس، ایکس، کینٹ اور سرے قدیم ریاستیں ہیں۔

جن کی پرانی حدود کم و بیش بجنسہ ہیں۔ نارتھمبرلینڈ بھی قدیم ریاست ہے لیکن اس کا رقبہ بہت گھٹ گیا ہے۔ کارنول، مغربی ویلز کی ریاست ہے۔ کمبرلینڈ، وہ علاقہ ہے جو اسٹرتھ کلائیڈ کی قدیم برطانی ریاست کی تباہی کے وقت انگریزوں کے حصے میں آیا تھا۔ ہمپ شر، ولٹ شر، برک شر اور ڈیون شر، ویسکس کے قدیم قبیلوں کے علاقے ہیں اور ووسٹر شر، لیسٹر شر وغیرہ وسطی اضلاع کی تقسیم اس وقت سے عمل میں آئی ہے جب کہ اہل شمال کی آمد نے قدیم قبیلوں کے علاقے درہم برہم کر دئے اور ایک نئی مصنوعی تقسیم ضروری ہوئی۔ ڈرہم قریب قریب انھی قدیم حدود پر قائم ہے جو پہلے زمانے میں ڈرہم کے اسقف کا علاقہ تھا۔ چیشر ایک امیر کی موروثی جاگیر تھا، جسے نارمن فتح کے وقت عطا کیا گیا۔ لینکا شر، ویسٹ مور لینڈ اور رٹ لینڈ، کتاب بندوبست کے مرتب ہونے کے زمانے سے اضلاع بن چکے تھے۔ بایں ہمہ اگبرٹ کے عہد میں شر کی بنا قبیلوں کی آبادیوں ہی پر تھی جنھیں بعد میں ملک کی انتظامی تقسیم کی شکل میں بدل لیا گیا۔

شر کا سردار ایالڈرمن ہوتا تھا اور جن اضلاع کی تقسیم صحت کے ساتھ قائم ہو چکی تھی، جیسے ڈارسٹ شر اور ولٹ شر وہاں اسے بادشاہ اور اس کی مجلس عقلا مقرر کرتی تھی، لیکن کینٹ، سسکس وغیرہ ایسے اضلاع ہیں، جو پہلے آزاد ریاستیں تھیں اور جو اپنی اس حیثیت کو کچھ ہی دن ہوئے کھو بیٹھی تھیں، عموماً پہلے خاندان شاہی کے آدمی کو سردار بنایا جاتا اور خاندان کے لاولد یا بے وارث رہ جانے ہی کی صورت میں کوئی دوسرا شخص مقرر کرنے کی نوبت آتی تھی۔ ایالڈرمن کا بڑا کام یہ تھا کہ لڑائی کے وقت اپنے ضلعے کی فوج کی قیادت کرے اور ضلعے کی عدالت میں موجود رہے جو سال میں دو بار بادشاہ کے نائب یعنی شر ریو یا شیرف کی طلبی پر منعقد ہوتی تھی۔ اس میں ایالڈرمن اور اسقف کی موجودگی ضروری تھی کہ ایک ملکی قوانین اور دوسرا کلیسائی احکام کی صراحت کرے۔ شیرف کی موجودگی بھی لازمی تھی کہ وہ عدالت کے فیصلوں پر عمل کرائے اور ان عہدہ داروں کے علاوہ عدالت صد کے اہل مقدمہ اور ہر قریے کے ریو کے ساتھ چار چار آدمی بھی اس عدالت میں شریک ہوتے تھے۔ صد کی عدالت میں جن مقدمات کا فیصلہ نہ ہوتا، وہ اس عدالت میں پیش ہوتے اور شخصی نزاعات

باب پنجم

میں تو یہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ اگبرٹ کے عہد سے کچھ مدت بعد لوگوں کو بادشاہ اور اس کی مجلس میں مرافعے کا بھی حق تھا لیکن بہرحال ہر صورت میں ضلع کی عدالت کا فیصلہ قطعی ہوتا تھا۔ ضلعے کی فوج "فرڈ" یا "مہم" کہلاتی اور اس میں سولہ سے ساٹھ برس کی عمر کے تمام آزاد مرد شامل ہوتے تھے۔ ہر گھرانے کے مرد جمع ہو ہو کر اپنے قریے کے دوسرے گھرانوں کے ساتھ میدان میں آتے اور قریے کا ریو ان کی قیادت کرتا۔ اسی طرح ہر صد قریے کے ریو اوران کے جنگجو اپنے اپنے سرداران صد کے تحت میں اور پورے ضلع کی فوج ایالڈرمن کے زیر حکم ہوتی اور انھی میں جاگیرداروں نیز کلیسائی حلقوں کے دستے مل جاتے تھے۔

انتظام مملکت

پوری بادشاہی کا انتظام بادشاہ اور "وٹن ایجی موٹ" ل کر انجام دیتے تھے جس کے لفظی معنی "مجلس عقلا" ہیں۔ (وِٹین = عاقل) یہ ایک خاص جماعت تھی جس میں بادشاہ، اور بعض اوقات اُس کی بیوی اور بالغ لڑکے، سرداران اضلاع، اُسقف، بڑی خانقاہوں کے متولی، عمائد دربار اور رفقائے شاہی کی روز افزوں جماعت شریک ہوتی تھی۔ بادشاہ کو وقتاً فوقتاً مشورہ دینے کی غرض سے اس مجلس کے خاص باقاعدہ اجلاس ہوتے لیکن علاوہ ازیں اس کے خاص خاص فرائض یہ تھے کہ بادشاہ کا انتخاب کرے اگرچہ انتخاب عموماً خاندان شاہی کے افراد میں ایسے شخص کا ہوتا جو متوفی بادشاہ کا سب سے قریبی عزیز ہو اور گو کبھی کبھی اس کے خلاف بھی ہوا لیکن معمول یہی تھا کہ بادشاہ کا سب سے بڑا بیٹا منتخب کر لیا جاتا تاہم اصولاً مجلس انتخاب میں آزاد تھی اور اس لئے انگریزوں کے قدیم شاہی آئین کو "انتخابی بادشاہی" سمجھنا چاہئے۔ قدیم ریاستوں میں مجلس عقلا نے بعض اوقات نااہل بادشاہ کو معزول اور بہتر آدمی کو اس کی بجائے بادشاہ منتخب کیا ہے لیکن اگبرٹ کے بعد سے ایسی کوئی مثال نہیں ملتی مجلس اور بادشاہ مل کر سرداران ضلع (ایالڈرمن) کا انتخاب کرتے گو یہ عہدے بھی موروثی ہوتے جاتے تھے اور نئے انتخاب کی صورت میں اصلی رائے بادشاہ ہی کی ہوتی تھی۔ اسقفوں کو کبھی پادری انتخاب کرتے اور کبھی بادشاہ اور مجلس عقلا نامزد کر دیتی لیکن دونوں صورتوں میں رسمی منظوری مجلس ہی میں ہوتی تھی۔ قدیم ترین زمانے سے وضع قوانین کے لئے مجلس عقلا

کی منظوری ضروری تھی جیسا کہ تمام ٹیوٹانی قوموں میں دستور تھا مگر انگریزوں میں نئے قانون شاذ و نادر وضع ہوتے اور صرف پرانے قوانین کی تکرار و تصدیق پر اکتفا کی جاتی تھی مجلس کا ایک اور کام یہ تھا کہ سرکاری زمین سے جو عطیات اشخاص کے نام کئے جائیں ان کی تکمیل و تصدیق کرے۔ ضلع کی عدالتوں میں جن مقدمات کا فیصلہ قابل اطمینان نہ ہوتا' ان کے مرافعے مجلس عقلا میں پیش ہوتے اور ایسے اہم مقدمات جن میں مجرم یا فریقین اتنے بااثر ہوں کہ مقامی عدالتوں میں ان کا فیصلہ نہ ہو سکے' ان کی ابتدائی سماعت بھی مجلس عقلا میں ہوتی تھی۔ معمولی حالات میں بادشاہ کے مصارف کے لئے خاص خاص محصول عائد کرنے کی ضرورت نہ تھی اور چونکہ جہازوں' فوج اور لوازم ثلاثہ یعنی مرمت وغیرہ کا انتظام ضلعوں یا قریوں کے ذریعے خود بخود ہو جاتا تھا اس لئے مزید روپے کی وصولی کا موقع نہ آتا تھا۔ نظر برایں اس مجلس کے عام فرائض وہی تھے جو اوپر بیان ہوئے اگرچہ قوانین کی تدوین و ترمیم' کسی نئے محصول کا اجرا اور تمام قومی ضرورتوں میں بادشاہ کو مشورہ دینا اس کے وظائف میں داخل تھا۔

بادشاہ

آئین ملکی میں سب سے اوپر بادشاہ کا مرتبہ تھا۔ لفظ "کنگ" کے معنی "پدر خاندان" کے ہیں اور اسی سے اس زمانے کی یاد تازہ ہو سکتی ہے جب کہ خاندان اور ملک میں کوئی فرق نہ تھا۔ تاسی توس کی تصنیف کے وقت جرمن قبائل میں بہت کم ایسے تھے جن کی حکومت بادشاہوں کے ہاتھ میں تھی لیکن برطانیہ میں جو انگریز آ کر بسے ان میں ہر جگہ یہ آئین جاری ہو چکا تھا۔ اور ممکن ہے کہ خود یہاں کی فتح نے کامیاب سرداروں کو اس بلند تر مرتبے تک پہنچا دیا ہو۔ انگریز اپنے بادشاہوں کو ایک قدیم اور برگزیدہ اسرار گھرانے اور ووڈن کی اولاد جانتے تھے اور اسی لئے اُن سے اور اُن کے کنبے سے خاص عقیدت رکھتے اور ان کا خاص احترام کرتے تھے۔ دوسرے بادشاہ قوم کی وحدت' عزت اور تاریخی زندگی کا نشان تھا جنگ میں وہ لشکر کا سپہ سالار اور امن میں قانون و انتظام کا وہی محافظ مانا جاتا تھا اسی لئے ان کاموں کے واسطے جو عہدہ دار مقرر ہوتے وہ بادشاہی عہدہ دار کہلاتے اور جرائم شدیدہ کو بھی "شاہی امن" کی خلاف ورزی کہا جاتا تھا۔ شیرف' اس کے

خاص نائب تھے اور مجلسِ عقلا بھی جسے بادشاہ کے عزل و نصب تک کا حق حاصل تھا، بادشاہ کی مجلس کہلاتی تھی۔ ان سب اعزاز کے باوجود بادشاہ کے حقوق و امتیازات کی بڑی احتیاط سے حد بندی کی گئی تھی۔ وہ زمین کا اصلی مالک نہ تھا اور خود اپنے استعمال کے واسطے بھی کوئی قطعہ بغیر عقلا کی رضامندی کے مخصوص نہ کر سکتا تھا اور نہ خود کوئی قانون بدل سکتا یا محصول عائد کر سکتا تھا۔ مگر یاد رکھنا چاہیے کہ مجلس میں شاہی رفقا کی تعداد کو بڑھا دینے سے اسے ہمیشہ کثرت رائے حاصل ہو سکتی تھی اور خاص کر اگر وہ پختہ ارادے اور عمدہ اخلاق کا بادشاہ ہو تو ملک کو اپنی رائے کے مطابق چلانے میں بخوبی کامیاب ہو سکتا تھا۔

شاہی محاصل کا انتظام مختلف طریقوں پر کیا گیا تھا۔ انفرادی اور خانگی حیثیت سے اسے ذاتی املاک بہم پہنچانے اور اسے بذریعہ وصیت کسی کے نام ہبہ کرنے کا حق حاصل تھا اور بہ حیثیت بادشاہ ہونے کے، وہ شاہی جاگیروں پر متصرف ہوتا اور ان میں قریے اور شہر تک داخل ہو سکتے تھے۔ دوسرے زمینداروں اور مالکوں سے بھی اسے خاص خاص رسوم وصول کرنے کا حق تھا۔ عدالتوں کے جرمانے، لاوارثی یا گڑا ہوا مال، معادن اور نمک، نزول اور بندرگاہوں کے محصول اور اپنے خاص ملازمین کے فوت ہونے پر بعض محاصل اسی کو ادا کیے جاتے تھے۔ اس کے شاہی اسباب میں تخت، تاج، عصا اور علم شامل تھے اور تخت نشینی کے وقت تاج پہنانے کے علاوہ اس کے تیل بھی ملا جاتا تھا جو اس بات کی علامت تھی کہ وہ کسی کا باج گزار نہیں بلکہ آزاد بادشاہ ہے۔ تاج پوشی کے وقت اسے عہد واثق کرنا ہوتا تھا کہ امن قائم رکھے گا، رہزنی اور غارتگری کو دفع کرے گا اور اپنی قوم میں سے کسی کی حق تلفی نہ ہونے دے گا۔

شاہی محاصل

چونکہ شاہی جاگیریں اور شاملات کی اراضی تمام ملک میں منتشر ہوتی تھیں اس لیے بادشاہ اور اس کے متعلقین کو ایک ضلع سے دوسرے ضلعے میں جانا پڑتا تھا کہ وہاں ان کے خورد و نوش کے لیے جو کچھ ذخیرہ ہو، اسے کام میں لائیں۔ اس طرح بادشاہ کا ملک کے ہر حصے سے بخوبی تعلق قائم رہتا اور رعایا کو اس تک پہنچنے میں کوئی دقت نہ ہوتی دوسرے اس کا بار بار دورہ کرنا اور موجودگی

شاہی جاگیریں

مقامی امرا کی جیرہ دستی روکنے کی بہترین سبیل تھی۔ شاہی خاندانوں کا تہذیب و شائستگی میں تیز ترقی کر جانا بھی اس عہد کا قابل تعجب واقعہ ہے اور مسیحیت اختیار کرنے کے معاملے میں کینٹ کے بادشاہ اتھل برٹ یا نارتھمبریا کے حاکم ایڈون نے جس قسم کے خیالات کا اظہار کیا اُن سے وہ قوم اور وہ قومی ادارے جن میں یہ بادشاہ زندگی بسر کرتے تھے دونوں قابل تعریف ثابت ہوتے ہیں۔

انگریزی آبادی دو بڑی جماعتوں میں تقسیم تھی۔ ایک احرار دوسرے غلام۔ مگر نارمن فتح سے قبل ان کی الگ الگ تعداد کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔ پھر ان احرار کی بھی چند قسمیں تھیں: اِتھ لنگ، ایورل، کیورل اور تھین۔ اس طرح معمولی غلام تھیو اجرت پر کام کرنے والے اس نے قرض نہ ادا کرنے کے باعث غلامی قبول کرنے والے وائٹ تھیو کہلاتے اور خانگی اور زرعی غلاموں کی جماعتیں ان کے علاوہ تھیں۔ آزاد کے قتل ہونے پر عدالت اس کے رتبے کے مطابق قاتل سے خون بہا طلب کرتی تھی مگر غلاموں کے قتل پر کوئی تعرض نہ ہوتا تھا تاآنکہ مسیحیت نے اس کا کفارہ ریاضت شاقہ تجویز کیا اور انسانی ہمدردی کو فرض قرار دیا۔

آزاد مردوں میں بعض لوگ زمیندار تھے اور بعض بے زمین کے۔ اور یہ نہایت اہم فرق کی بات تھی کیونکہ زمیندار کو تو قانون پورا ذمہ دار شہری تسلیم کرتا تھا اور جن کے پاس زمین نہ تھی انہیں خواہ کیسے ہی عالی خاندان کیوں نہ ہوں مجبور کرتا تھا کہ وہ کسی زمیندار کو اپنا حامی بنائیں جو ان کے افعال کا ذمہ دار ہو۔ انگلستان آنے کے وقت تو معلوم ہوتا ہے انگریزوں میں احرار کی صرف دو قسمیں تھیں۔ شریف اور سادہ یا شریف اور غیر شریف جنھیں اِتھ لنگ یا ایورل اور کیورل کے نام سے یاد کیا جاتا تھا لیکن رفتہ رفتہ ان کے معنی میں تغیر ہوا اور ریول یا ارل ضلع کے والی یا سردار کے لئے اور اِتھ لنگ بادشاہ کے بیٹے یا بھائی کے لئے مخصوص ہو گیا۔

پرانی تقسیم میں فرق آنے کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ ایک نیا گروہ رفقا اور خاص کر شاہی رفقا کا وجود میں آیا۔ جرمن قبائل میں بھی تاسی توس نے یہ دستور پایا تھا کہ کسی بڑے آدمی کی خدمت میں رہنا عزت کی بات سمجھی جاتی تھی اور جتنا عالی مرتبہ وہ شخص ہوتا اتنا ہی عالی مرتبہ اس کا رفیق سمجھا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ بڑے رتبے کے لوگوں کا ایک معمولی ملازم (تھین) اور ندیم (گسیت) قریب قریب یکساں حیثیت رکھتا تھا۔

باب پنجم

اسی لئے انگریزوں میں بھی اب ایک نئی جماعت قایم ہو گئی۔ بادشاہ کے ساتھی یا رفیق، ایالڈرمین (امیر کبیر) کے رفیقوں سے اور وہ معمولی ارل یا جاگیر دار کے رفیقوں سے اعلیٰ رتبے کے لوگ سمجھے جانے لگے۔ بادشاہ کو ذاتی فائدہ بھی اس میں نظر آیا کہ اپنے رفقا کی توقیر بڑھائے۔ مجلس عقلا کی تائید سے اس نے انہیں سرکاری زمینیں عطا کیں اور خود مجلس میں شریک کیا۔ پھر ان کو اور ان کے ملازمین کو فوجی خدمت کا پابند بنایا جس سے ایک طرف تو فوج کی تعداد بڑھی اور دوسری طرف خود بادشاہ کے ماتحت ایسی سپاہ مرتب ہونے لگی جو بہ نسبت قدیم فرڈ کے اس کی ذات سے زیادہ وابستگی اور عقیدت رکھتی تھی اور قواعد و ضوابط کی بھی زیادہ پابند تھی۔ رفتہ رفتہ رفقا کی منزلت ایسی بڑھی کہ ہر شخص جس کے پاس مقررہ مال و املاک ہو، رفیق (تھین) بننے کا مستحق ہو گیا اور یہ قانون نافذ کر دیا گیا کہ جس کسی کے پاس پانچ خاندانوں بھر کی زمین (یعنی کوئی ۶ سو ایکڑ) ہو جائے، وہ رفیق بننے کی پوری اہلیت رکھتا ہے۔

اُدھر بے زمین کے احرار کی تھی، بہت سے زمین والوں کو بھی سہولت اسی میں رہتی تھی کہ کسی طاقتور ہمسائے کی حمایت میں آ جائیں اور اس طرح اُس تمدن کا آغاز ہوا جس میں قوم کے ہر درجے اور حیثیت کا آدمی باہمی احتیاج و امداد کی زنجیروں میں ایک دوسرے سے وابستہ ہو جاتا ہے۔

نظام اراضی اراضی کا قدیم انگریزی نظام نہایت پیچیدہ تھا پہلی مجمل تقسیم تو یہ تھی کہ ساری زمین یا ملک ہوتی یا شاملات۔ یعنی وہ جس پر کبھی ایک شخص یا چند اشخاص کی ذاتی ملکیت ہو اور وہ غیر منقسم نہ ہوئی ہو اور اس لئے سرکاری سمجھی جاتی ہو۔ بحالیکہ ذاتی اور پورے کنبے کی اراضی جو باقاعدہ نامزد کر دی گئی ہوں، ملک میں داخل تھیں۔ مشترکہ خاندانی ملک کی صورت میں صرف گھر ذاتی ملکیت سمجھے جاتے تھے ورنہ زرعی زمین اور چراگاہوں میں ہر شخص ہل چلانے یا مویشی چرانے کا مجاز تھا گو اسے کنبے کے خاص خاص دستوروں کی پابندی کرنی ہوتی تھی۔ اسی کے برابر دوسری زمین ایسے شخص کی ذاتی ملکیت ہو سکتی تھی جو خود کاشت کرتا ہو یا مزدوروں اور غلاموں سے کاشت کراتا ہو۔ اس کی ذاتی ملکیت کا ثبوت قبیلے والوں کی مشترکہ شہادت ہوتا تھا مگر شاملات کے قطعات جو بادشاہ اور مجلس کی طرف سے عطا ہوتے،

ان میں زیادہ باقاعدگی برتی جاتی اور اس کی سند ہمیشہ تحریر کی جاتی تھی۔ ایسی دستاویز کو "بوک" یا "بک" کہتے تھے اور اس قسم کی زمینیں بھی "بوک لینڈ" (یعنی اراضی تحریری) کے جداگانہ نام سے موسوم ہوتی تھیں۔ چونکہ ایسے عطیات کا سلسلہ برابر جاری رہتا اور عموماً بڑے بڑے قطعات لوگوں کو دیے جاتے، لہذا ملک کی نسبت ان تحریری اراضی (بوک لینڈز) کا رقبہ برابر بڑھتا رہا۔

عدالت

اینگلو سیکسن قوم میں عدالت کا تخیل ایک تغیر پذیر حالت میں تھا۔ یعنی خالی انتقام کی بجائے آہستہ آہستہ یہ اصول ذہن میں آنے لگا تھا کہ جرم کی شدت و خفت اس نقصان پر مبنی ہے جو اس سے قوم یا ملک کو پہنچا ہو۔ مثلاً قتل کے معاملے میں مستغیث صرف مقتول کے رشتہ دار اور جرم کی ذمہ داری میں قاتل کے گھر والے شریک سمجھے جاتے تھے جیسے قبائل میں ادائے خون کا طریقہ ہوتا ہے۔ لیکن اب سرکاری مداخلت اتنی ضرور ہونے لگی تھی کہ معاملے کی باضابطہ تحقیقات پر زور دیا جاتا تھا اور ملزم کے کنبے والے ذمہ دار تھے کہ اس عدالت میں پیش کریں۔ پھر اگر وہ حاضر عدالت نہ ہوتا تو اسے سرکاری حمائت سے خارج قرار دیا جاتا یعنی اس کے قتل پر سرکار یا عدالت کوئی بازپرس نہ کرتی تھی۔ لیکن اگر اس نے جرم کا اقبال کر لیا تو عدالت خون بہا تجویز کرتی جو مقتول کے ورثے اور دوسرے نقضِ امن کی بنا پر بادشاہ کو ادا کرنا پڑتا تھا۔ اگر اس نے بیگناہی کا حلف اٹھالیا تو چند اور ساتھیوں کو بھی پیش کرنا پڑتا جو اس کی صداقت کی بحلف گواہی دیتے اور متخلص (= کمپرگیٹر) کہلاتے تھے۔ لیکن ایسے گواہ نہ ملنے کی صورت میں ملزم کو ابتلاء سے جانچا جاتا جس کی شکل یہ تھی کہ یا تو وہ تین قدم دہکتے لوہے پر چلتا یا کھولتے پانی میں ننگا ہاتھ ڈالتا اور اگر اس کے زخم تین روز میں اچھے نہ ہو جاتے تو وہ مجرم سمجھا جاتا اور حسبہٖ سزا پاتا تھا۔

اگر ہم نویں صدی کی انگریزی معاشرت کا نقشہ دیکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں ایک ایسی زراعت پیشہ آبادی کو نظر کے سامنے رکھنا ہوگا جو چھوٹی چھوٹی برادریوں میں تقسیم تھی اور ہر برادری بجائے خود کامل و مستقل ہوتی تھی۔ ان میں سے بعض آزاد مزارعین کی برادریاں تھیں اور بعض (بلکہ روزافزوں تعداد میں) اُن امیروں کے ماتحت

تھیں جو زمین کے خود مالک ہوتے اور عام باشندے کسی نہ کسی طرح ان کے دست نگر بن جاتے تھے۔ زمین کا غالباً ایک نصف جنگل یا بن تھا اور دوسرے نصف میں بھی زیادہ حصہ چراگاہ یا کچھ سبزہ زار اور باقی ماندہ زیر کاشت تھا۔ عام باشندوں میں سب سے ممتاز اشخاص تو لگان پر زمین لیتے تھے ورنہ زیادہ تر جاگیردار سے خاص خاص کام انجام دینے کی شرط پر زمین حاصل کرتے تھے اور جو ان سے بھی کمتر درجے کے تھے وہ اس بات کے پابند تھے کہ جب حکم دیا جائے اس کا کام کریں مگر باوجود اس کے ان کی اپنی بھی کھیتی ہوتی تھی اور جب تک وہ جاگیردار کی خدمت میں قصور نہ کریں اس وقت تک اپنی زمین سے محروم نہ کئے جا سکتے تھے۔ انھی خدمتی مزارعین کو بعد میں رعیت (وِلین) کہنے لگے تھے۔ ان کے بعد غلاموں کا درجہ تھا جو اپنے آقا کے اختیار میں تھے کہ جب چاہے انھیں بیچ ڈالے۔ تاہم یہ گروہ کم ہوتا جاتا تھا کیونکہ کلیسا کی پوری کوشش تھی کہ غلام آزاد کرانے کی ترغیب دے۔ امیر یا جاگیردار غلاموں کے کام کا اپنے داروغہ کو نگراں بنا دیتا تھا اور دوسرے کاشتکاروں کے فرائض کا احتیاط سے حساب رکھا جاتا تھا۔ جاگیردار اپنے علاقے میں جملہ متعلقین کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ گشت کرتا رہتا اور ہر زمین کی پیداوار وصول کرتا اور کام میں لاتا تھا۔ آزاد دیہاتی آبادیوں کو چھوڑ کر ملک میں باقی آبادی انھی رعیت کے کاشتکاروں اور جاگیرداروں پر مشتمل تھی اور دوسرے باشندے بہت کم تھے۔ قصبات کی تعداد کم تھی۔ صنعت محض خانگی اور کان کنی شاذ و نادر کہیں ہوتی تھی۔ البتہ سمندر کے پانی سے نمک بنایا جاتا تھا اور ندیوں میں ماہی گیری کے بند بھی تھے جن میں نرسلوں کی احاطہ بندی کو درست رکھنا رعیت کے فرائض میں داخل تھا۔ بری بھلی اگر کچھ تجارت ملک میں تھی تو وہ پھیری والوں کی تھی اور چونکہ اس نظام معاشرت میں امرا بہت دولتمند ہوتے تھے، لہذا یہ پھیری والے جن کے پاس مال کا کافی ذخیرہ رہتا تھا، اپنے ساتھیوں کے بڑے بڑے قافلے لے کے جا بجا پھرتے رہتے تھے جو اس لئے بھی ضروری تھا کہ وسیع جنگلوں میں رہزنوں اور جرائم پیشہ لوگوں کی کثرت

تھی ۔ اُمرا اور اُن کے گھر والوں کی تفریح کا سامان مسخرے نٹ اور مداری وغیرہ بہم پہنچاتے تھے جو گھر گھر پھرتے رہتے اور گو اُن کے کھیل تماشے کچھ مہذّب نہ ہوں تاہم اُن کی بدولت ملک کے گیت یاد رہنے میں ضرور مدد ملی ۔

باب ششم

ڈین قوم کا حملہ

ملوک انگریز

اگبرٹ کے زمانے میں انگریز ریاستوں کا جو اتحاد عمل میں آیا ممکن ہے کہ وہ اس قسم کی پہلی کوششوں کی نسبت زیادہ پائیدار ثابت ہوتا، لیکن انھی دنوں اہل شمال یا ڈین قوم کے حملے ایسے شروع ہوئے کہ انگریزی معاملات کا رُخ ہی بدل گیا۔

اہلِ شمال کون تھے

واضح رہے کہ انگریز سویڈن، ناروے اور ڈین مارک تینوں ملکوں کے

باشندوں کو اہل شمال کے نام سے یاد کرتے تھے اور چونکہ اس وقت تک یہ لوگ علیحدہ علیحدہ قوموں میں منقسم نہیں ہوئے تھے، لہذا یہ نام کچھ غلط بھی نہ تھا اگر جس طرح قدیم برطانی، انگریزوں کو سیکسن کہدیا کرتے تھے، اسی طرح اکثر انگریز بھی اہل شمال کو صرف ڈین کہدیتے تھے اور آسانی کی غرض سے ہم بھی اسی کو اختیار کر لیتے ہیں۔ مگر یاد رکھنا چاہئے کہ ڈینوں میں اس وقت بہت سے شمالی ممالک کے باشندے داخل تھے۔ نسلاً یہ اہل شمال بھی آریہ خاندان کی جرمن شاخ میں تھے لیکن انگریزوں کے خلاف جن کی زبان ان شمالی جرمن قبائل جیسی تھی جو شیلٹ سے قریب ایلب تک کے میدانوں میں رہتے تھے، ان کی زبان خاص خاص جزئیات میں اختلاف رکھتی تھی؛ نویں صدی میں اہل شمال بت پرست تھے تمدن سے آشنا نہ ہونے کے باعث ان کی وحشیانہ خصائل جنگجوئی میں بھی فرق نہ آیا تھا۔ گویا انگریزوں کی برطانیہ میں آنے کے وقت جو حالت تھی، وہی ان لوگوں کی اب، اگبرٹ کے زمانے میں بھی تھی، اگر کچھ فرق تھا تو یہ کہ ڈین قوم کے لوگ بدوہی انگریزوں سے بھی بڑھکر تیز و چالاک اور دلیر و بیباک تھے۔ جہازرانی میں انھیں فوقیت حاصل تھی اور دمدموں کے بنانے اور حملے سے بچانے میں زیادہ مہارت رکھتے تھے؛

پہلا حملہ

اہل شمال کا پہلا حملہ شاہ اوفا کے عہد میں ہوا اور اس وقت سے ولیم فاتح کے وقت تک جنگ و جدال کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ ان حملوں سے انگلستان ہی پر آفت نہ آئی بلکہ شمالی فرانس اور جنوبی اطالیہ میں بھی اہل شمال نے اس زمانے میں حملہ کیا اور خاصے بڑے بڑے علاقے دبا لیئے۔ نیز دو دفعہ قسطنطنیہ پر حملہ کیا۔ روس میں اپنا ایک شاہی خاندان قایم کر دیا اور بالٹک سے بحر متوسط تک کسی بندرگاہ کو لوٹے بغیر نہ چھوڑا؛

انگلستان کے حملوں کو ہم تین دور میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ اول غارتگری کا دور۔ دوسرے نوآبادی اور تیسرے سیاسی فتوحات کا دور؛ سب سے اول سنہ ۷۸۷ء میں ڈین ساحل انگلستان پر نمودار ہوئے تھے اور آیندہ سو سال میں کم سے کم چار مرتبہ فوجیں لے کے داخل ہوئے اور جہاں تک ہاتھ پہنچا ملک میں تباہی اور تاراجی پھیلا دی۔ ایڈن و بیڈ کے گھر یعنی لنڈسفارن اور ویرمتھ کی بڑی خانقاہیں،

اور نارتھمبریا کی تہذیب و تقویٰ کے مرکز انہی حملوں میں غارت و برباد ہوئے ۸۲۹ء تک چند سال کا وقفہ رہا اور اس کے بعد ڈین ویکس کے ساحل پر اُترے اور ایک میدانی جنگ میں اگبرٹ کو شکست فاش دی۔ ہین گسٹ ڈاؤن کی لڑائی میں اگبرٹ نے قوم ڈین اور کورنوال کے لوگوں پر غلبہ پا لیا تھا (۸۳۷ء) مگر اس وقت سے ۸۴۰ء تک ہر گرمی میں یہ جنگلی حملہ آور آتے اور تباہی ڈالتے رہے۔ کم سے کم تین لڑائیاں جم کر ہوئیں اور ہر ایک میں انگریزوں نے شکست کھائی۔ لندن، روچسٹر اور کینٹربری کو انھوں نے یورش کر کے فتح کر لیا۔ ۸۵۱ء میں پہلی مرتبہ انھوں نے جاڑا بھی یہیں جزیرۂ تھینٹ میں بسر کیا اور اسی سال ان قزاقوں کا بیڑا جس میں ۳۵۰ سے کم کشتیاں نہ تھیں ٹیمز میں نمودار ہوا۔ لندن و کینٹربری کو دوبارہ تاراج کر کے اہل مرسیہ کو حملہ آوروں نے شکست دی لیکن جب وہ سرے کے علاقے میں پہنچے تو اوک لے کی جنگ میں انھیں شکست ہوئی اور بہت آدمی مارے گئے۔ ۸۵۵ء میں بھی بعض ڈین فوجوں نے جاڑا انگلستان میں گزارا اور ۸۶۰ء میں ون چیسٹر کو غارت کرنے کے بعد دوبارہ ہیمپ شر و برک شر کے امیروں کے ہاتھ سے شکست کھائی جن میں سے پہلے علاقے کے امیر کا نام اِتھل وُلف تھا۔ اب تک انگریز خاصی مدافعت کر رہے تھے کہ اتنے میں مشرقی اینگلیہ میں ڈینوں کا ایک نیا لشکر نمودار ہوا کہ پہلی تمام فوجوں سے زیادہ طاقتور تھا۔ اس نے سردیاں یہیں گزاریں اور پھر دریائے ہمبر اُتر کے نارتھمبریا پر حملہ کیا جہاں کے لوگ پہلے ہی دوسری طرف مصروف جنگ تھے۔ اسی لئے یارک پر حملہ آوروں کا بلا دقت قبضہ ہو گیا اور دوسرے سال اُن کی فوج مرسیہ میں بڑھی اور ناٹنگھم پر قبضہ کر لیا لیکن اہل مرسیہ اور مغربی سیکسنوں کی ایک بڑی فوج نے انھیں یارک کی طرف پسپا کر دیا جہاں اُن کا سردار گتھرم پہلی فتح کے وقت سے موجود تھا۔ ۸۷۰ء میں انھوں نے مشرقی اینگلیہ پر پھر یورش کی اور وہاں کے بادشاہ ایڈمنڈ کو مار ڈالا۔ پیٹر برو اور کرولینڈ کو غارت کر دیا اور ۸۷۱ء میں ویسکس پر فوج کشی کی جہاں اس وقت اگبرٹ کا پوتا اِتھل ریڈ حکمراں تھا۔

اِتھل وُلف	واضح رہے کہ اگبرٹ کی وفات (۸۳۹ء) کے بعد اس کا بیٹا اِتھل وُلف بادشاہ ہوا تھا مگر معلوم ہوتا ہے ابھی تک رانی

سے بڑھکر کلیسائی احکام کی پیروی میں انہماک تھا کیونکہ ۸۵۵ء میں جب کہ حملہ آوروں کے بعض گروہ جاڑا بسر کرنے کے لئے انگلستان ہی میں ٹھہرے ہوئے تھے، یہ بادشاہ پاپا کی ملاقات کے لئے اطالیہ چلا گیا۔ واپسی میں شہنشاہ چارلس (دی بالڈ) کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کی بیٹی جوڈِتھ سے شادی کی۔ اتھل ولف نے ۸۵۸ء میں میں وفات پائی اور اتھل بالڈ، اتھل برٹ، اتھل ریڈ اور الفریڈ چار بیٹے چھوڑے جن میں ہر ایک نوبت بہ نوبت بادشاہ ہوا سب سے پہلے اتھل بالڈ تخت نشین ہوا اور اس نے جنوب مشرقی ریاستوں میں اپنے بھائی اتھل برٹ کو ماتحت بادشاہ بنایا جو بڑے بھائی کی وفات پر دو ہی سال بعد وارث تخت ہو گیا۔ اسی کے عہد میں ون چسٹر کی غارتگری کے بعد انگریزوں کو ڈین حملہ آوروں پر فتح نصیب ہوئی اور اس کے مابقی ایام حکومت میں بھی حملہ آوروں کی توجہ مشرقی اینگلیہ اور نارتھمبریا تک محدود رہی۔ ۸۶۶ء میں اس نے وفات پائی اور اتھل ولف کی وصیت اور مجلس عقلا کی تائید سے بیٹے کی بجائے اس کا بھائی اتھل برٹ جانشین ہوا۔

الفریڈ کا ابتدائی زمانہ

اس وصیت کا کہ پوتوں کی بجائے پہلے چاروں بیٹے حکمرانی کریں، مطلب غالباً یہ تھا کہ الفریڈ تک بادشاہی پہنچ سکے جو بچپن ہی سے ہونہار نظر آتا تھا۔ وہ برک شر کی بستی وین ایج میں پیدا ہوا۔ (۸۴۹ء)۔ اور ہر چند وہ سب کہانیاں باور کرنا مشکل ہیں جو اس کی بچپن کی فوق العادت فراست کی نسبت مشہور ہیں، تاہم یہ درست ہے کہ اس کی قابلیت نے بہت جلد لوگوں کو متوجہ کر لیا۔ چار برس کا تھا کہ باپ نے اسے رومہ بھیجا اور وہاں پاپا لیو چہارم نے، اتھل ولف کی وفات کی غلط افواہ سنکر اسے ایک طرح بادشاہ بھی بنا دیا۔ پھر اتھل ولف خود رومہ آیا تو واپسی میں الفریڈ کو ساتھ لیتا گیا۔ بیس برس کی عمر تک وہ مطالعے، شکار اور دینی ریاضات میں مشغول رہا۔ جوانی میں بھی اس کے سنجیدہ اخلاق نمایاں تھے اور مناجاتوں کی ایک کتاب جو خاص اس کے لئے تیار کی گئی تھی، ہر وقت اس کے پاس رہتی تھی۔ ۸۶۸ء میں اس کی گینا اس کے امیر کی بیٹی اِلس وتھا سے شادی ہوئی۔ قبیلہ گینا اس کا نام ابھی تک گینز برو

کی بدولت محفوظ ہے۔ الغرض ڈینوں کی بڑی یورش کے وقت الفریڈ ۲۲ سال کا شادی شدہ جوان تھا؛

۸۷۱ء میں کفار کے لشکر عظیم نے واڈلی ٹیمز میں پیش قدمی کی اور بڑا مدد کے لئے ساتھ ساتھ بڑھا۔ ان لوگوں کا معمول تھا کہ دو ندیوں کے درمیان خیمہ زن ہوتے تھے چنانچہ اس موقع پر بھی کینیٹ اور ٹیمز کے درمیان زاویہ نما زمین پر جو ریڈنگ کے قریب پڑاؤ ڈالا اور پھر ہر طرف لوٹ مار کر کے مال غنیمت اسی پڑاؤ میں جمع کرنے لگے۔ ان کے ایک دستے کو برک شر کے جنگ آزمودہ امیر اتھل ولف نے شکست دی اور تین دن بعد اتھل ریڈ اور الفریڈ نے جوشِ جوانی میں خود پڑاؤ پر حملہ کیا مگر یہ ان کی قوت سے بڑھکر کام تھا اور جس کے پیچھے ڈین قیامت کی مدافعت کرتے تھے۔ حملہ ناکام رہا اور بہادر اتھل ولف کام آیا۔ اس کامیابی سے دلیر ہو کر ڈین باہر نکلے اور ایش ڈاؤن کے مقام پر مغربی سکسنوں کی پوری فوج سے ان کا مقابلہ ہوا۔ یہاں ان کو کامل شکست ہوئی جس کا سبب بظاہر یہ تھا کہ یہاں الفریڈ نے ڈھیلی صفوں کی بجائے گنجان قطار کی صورت میں حملہ کیا تھا؛ مگر ان لڑائیوں میں انگریزوں کو سخت نقصان اٹھانے پڑے اور آیندہ ہیمپ شر کا حملہ روکتے وقت بیسنگ اور پھر دو ماہ بعد غالباً مارٹن (ولٹ شر) کے میدان میں انھیں سخت شکست ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے اسی لڑائی میں اتھل ربٹ نے مہلک زخم کھایا اور الفریڈ اس کا جانشین ہوا لیکن مزید مصیبت یہ آئی کہ ڈینوں کو تازہ کمک پہنچ گئی اور ولٹن میں پھر الفریڈ کو شکست نصیب ہوئی۔ مجموعی طور پر وقائع میں لکھا ہے کہ اس سال ٹیمز کے جنوب میں نو لڑائیاں ہوئیں اور بادشاہ کے بھائی الفریڈ نیز امرا اور رفقا نے جو الگ الگ حملے کیے وہ شمار میں نہیں ہیں؛

الفریڈ کی تخت نشینی ۸۷۱ء

بہر نوع، اندازہ ہوتا ہے کہ ڈین بھی ان نتائج سے کچھ بہت مطمئن نہ تھے کیونکہ دوسرے سال انھوں نے یہاں سے پڑاؤ اٹھایا اگرچہ ملک سے باہر جانے کی بجائے واپس لندن میں آگئے۔ سال آیندہ انھوں نے لنکن شر میں قیام کیا اور ۸۷۴ء میں الفریڈ کے بہنوئی اور مرسیہ کے رئیس برہیڈ کو ریاست سے نکال باہر کیا اور اس کی بجائے کیول ولف کو حاکم بنا دیا جو "ایک کم عقل بادشاہ کا رفیق" تھا۔ یہ حملہ آوروں کی طرف سے

گویا زمیندار تھا۔ پھر آدھی فوج نے ہالف ڈین کے ماتحت نارتھمبریا پر بڑھ کر قبضہ کر لیا اور ہکٹوں اور شمال برطانیوں پر چھاپے مارنے لگے۔ اور ادھر باقی نصف گتھرم کے تحت میں کیمبرج پر قابض اور ویسکس پر دوبارہ حملے کی تیاریاں کرتا رہا۔

چنانچہ ۸۷۶ء میں یہ جنگی آبناے ڈوور کو کشتیوں میں عبور کرتے ہوئے ویرہیم پر اتر آئے اور فروم اور پڈل ندیوں کے درمیان خندق کھود کر مورچہ بندی کر لی۔ اس مرتبہ الفریڈ نے ریڈنگ کے حملے کی طرح غلطی نہ کھائی بلکہ صرف یہ انتظام کرتا رہا کہ ڈین ادھر اُدھر لوٹ مار نہ کر سکیں۔ اس میں وہ اتنا کامیاب ہوا کہ بالآخر حملہ آور صلح پر آمادہ ہو گئے تھے لیکن بعد میں بعض نے عہد شکنی کی اور براہ خشکی ایکزیٹر تک بڑھے جہاں اگلے سال ان کی پوری فوج بڑھ آئی اگرچہ طوفان سے اس کی ایک سو بیس جنگی کشتیاں برباد ہو گئیں۔ یہاں بھی الفریڈ نے وہی روک تھام کی تدبیر اختیار کی اور اتنا کامیاب ہوا کہ ڈین فوج نے غارتگری کا خیال چھوڑ کر صلح کر لی اور براہ خشکی مرسیہ میں ہٹ آئی اور موسم خزاں اور ابتدائی سرما گلوسٹر میں بسر کیا۔

اخیر سال براں کا ہم وطن ہبا جو جنوبی ویلز میں لوٹ مار کر رہا تھا ان سے آملا اور اس نے گتھرم کو پھر جنگ چھیڑنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ عین سردیوں میں گتھرم یہاں سے کوچ کر کے ویسکس کے وسط میں آپہنچا اور ہبا نے جہازوں کے ساتھ ڈیون شر کا رخ کیا۔ گتھرم اتنی تیزی سے بڑھ رہا تھا کہ الفریڈ کی مزاحمت کرنے سے قبل چپن ہیم پر قابض ہو گیا اور مشرقی اضلاع کی یہ کنجی ہاتھ سے نکل گئی تو الفریڈ کو مصلحت اسی میں نظر آئی کہ ایل وُڈ کے جنگل میں ہٹ آئے اور آیندہ بہار تک کہیں بہتر موقع کا انتظار کرے۔ مگر اس عرصے میں ہبا کی فوج کو ڈیون شر والوں نے کاٹ کر پھینک دیا۔

الفریڈ نے بڑے حملے کے لئے ولٹ شر کی بستی بر کسٹن کو فوج کے جمع ہونے کا مقام قرار دیا اور ۱۲ مئی تاریخ مقرر کی۔ مگر اس سے پہلے بھی وہ جزیرۂ اتھل نی کے ایک قلعے میں مقیم اور چھوٹے موٹے حملے کر کے فوج کی ہمت تازہ کرتا رہا۔ آخر مقررہ تاریخ پر الفریڈ کے سپاہی جنگل کی آڑ لئے لئے اسی جگہ جمع ہو گئے اور ایڈنگ ٹن میں ڈینوں پر حملہ کیا (۸۷۸ء) انھیں کامل شکست ہوئی اور وہ اپنے مورچہ بند پڑاؤ پر پہنچے تو باہر سے تک آمد و رفت مسدود ہو گئی اور فاقہ کشی کی نوبت پہنچی۔ تب انھوں نے مجبور ہو کر مستقل

صلح کرلی اور گتھرم بپتسمہ لے کے مسیحی ہو گیا۔ یہ رسم سمرسٹ کے شاہی محل ویڈمور میں ادا ہوئی۔

صلح ویڈمور

اس صلح نامہ کی رو سے واٹلنگ کی سڑک ڈینوں اور انگریزوں کی حدِ فاصل قرار پائی تھی مگر مشرقی اینگلیہ میں ڈینوں کی شورش سے فائدہ اٹھا کر الفریڈ نے اس سے بھی بہتر سرحد مقرر کرالی جو ٹیمز کی کھاڑی سے لی کے دہانے تک، اور وہاں سے بخطِ مستقیم بیڈفرڈ تک آتی اور پھر اوز کے کنارے کنارے سڑک واٹلنگ کو عبور کرتی اور ویلز کی سرحد تک چلی جاتی تھی۔ جس کے باعث الفریڈ مشرقی اینگلیہ کے ڈینوں سے بھی بہت کچھ محفوظ ہو گیا اور لندن کے ہاتھ آنے سے ٹیمز اس کی زد میں آگیا۔ مذکورۂ بالا سرحد اور ٹیز کے درمیان کا علاقہ ہاف ڈین اور گتھرم نے اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا تھا مگر ٹیز اور فورتھ کے بیچ میں ابھی تک برنیشیہ کی پرانی ریاست انگریزی ہاتھوں میں رہی اور شاہان نارتھمبریا کی اولاد بام برو سے بہ حیثیت امیرِ ضلع کے اس پر حکومت کرتی رہی۔

ڈین آباد کاری کی نوعیت

اہلِ شمال کس طرح آباد ہوئے اس کا صحیح اندازہ کرنا دشوار ہے کیونکہ ہمیں ان کا اور انگریزی آبادی کا تناسب ٹھیک معلوم نہیں لیکن اگر انگریزوں کے یا نارمنوں کے فتح برطانیہ سے ان کا مقابلہ کیا جائے تو اِن کی آمد نارمن فتح سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے گو اس موقع پر فاتح اور مفتوح کی نسل و زبان میں زیادہ فرق نہ تھا اور مذہب کا اختلاف بھی جلد دور ہو گیا کہ نوواردوں نے دینِ مسیحی قبول کر لیا۔ بایں ہمہ اُن کی فاتحانہ آمد کے خاص خاص اثرات ضرور ظہور میں آئے۔ اوّل تو یہ کہ گو ڈینوں میں بھی مقامی حکومت کے وہی طریقے مروّج تھے جیسے انگریزوں میں، اور اس لئے قدیم طرز کی عدالتیں جاری رہیں تاہم ڈینوں میں خوں بہا کا معیار دوسرا تھا اور اس سے بھی زیادہ رواج لڑ کر فیصلہ کرنے کا تھا جس سے اُن کے اضلاع کی کیفیت اتنی جداگانہ ہو گئی کہ مدت تک یہ پورا علاقہ "ڈین لا" کہلاتا رہا۔ دوسرے شمالی اضلاع کے نہ صرف بستیوں کے نام بلکہ روزمرہ میں بھی بہت سے ڈین الفاظ داخل ہو گئے۔ جن قریوں کے ناموں کے آخر میں تھورپ یا تھویٹ آتا ہے سمجھ لینا چاہیے کہ وہ انھی شمالی حملہ آوروں نے بسائے یا اُن کے قبضے میں آنے سے

پرانا نام بدل گیا۔ شمال میں عام بول چال اور خصوصاً کھیت کیار کی اصطلاحات میں بھی بے شمار ڈینی الفاظ ملتے ہیں مزید برآں شمال اور جنوب انگلستان کے لوگوں کی خوخصلت میں جو فرق یقینی طور پر پایا جاتا ہے اس کا سبب بھی یہی قرار دینا پڑتا ہے کہ شمال کے لوگوں میں ڈینی حملہ آوروں کا خون مل گیا ہے۔ اگرچہ یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہاں پہلے سے اینگل اور جنوب میں سیکسن قبائل آباد تھے۔

ویسکس پر ڈینیوں کی آبادکاری کا دوگونہ سیاسی اثر یہ ہوا کہ ایک تو وہ اپنی ماتحت ریاست سے الگ ہو گیا کیونکہ وہ واٹ لنگ سٹرک کے دوسری طرف واقع تھی۔ اور ادھر اس کی نئی سرحد اور ٹیمز کے مابین مرسیہ اور ایسیس کا جو علاقہ تھا وہ پوری طرح شاہان ویسکس کے تصرف میں آگیا۔ اس میں لندن، سینٹ البان، اوکسفورڈ، ورسسٹر اور گلاوسسٹر کے شہر بھی داخل تھے کہ گو صلحنامۂ ویڈمور نے الفریڈ کے بڑے نام مقبوضات کو گھٹا دیا لیکن اس کا ذاتی علاقہ رقبے اور اہمیت کے اعتبار سے بڑھ گیا۔ مرسیہ کا جدید ضلع الفریڈ نے اپنے داماد ایتھل ریڈ کے تفویض کر دیا۔ تمدنی حالات پر اس طویل جنگ نے بہت برا اثر ڈالا تھا۔ وحشی کفار کا سال بہ سال تاخت و تاراج کرنا ملک کی فلاح و خوشحالی کے حق میں ہی سخت تباہ کن تھا، تہذیب و تمدن کی دوسری سہولتوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ مزید برآں سوئے اتفاق سے ڈینیوں کی سب سے خوفناک یورشیں انہی علاقوں میں ہوئیں جہاں تمدن کی سب سے زیادہ خدمت ہو رہی تھی۔ یعنی نارتھمبریا اور بڑی خانقاہوں پر، جنھیں بار بار لوٹا گیا، اور آباد قصبوں پر۔ الفریڈ نے ملک کو جس حالت زار میں پایا۔ اس کا وہ خود راوی ہے۔ اور اس کی کوششوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جنگ و جدال ختم ہونے کے بعد جب اسے تدبیر منزل کی فرصت ملی تو تمدن کو بالکل نئے سرے سے تعمیر کرنا پڑا۔ اس میں الفریڈ نے بلا تاخیر اپنی پوری ہمت صرف کر دی اور باقی ماندہ عہدِ حکومت میں مختلف پریشانیوں کے باوجود اس کی وسیع ذمہ داریوں کا یہ جزو کبھی فراموش نہ ہونے پایا۔

الفریڈ کی تجدید تمدن

اسی مقصد کے لیے اس نے اپنی شاہانہ زندگی کو اس طرزِ معاشرت کا نمونہ بنایا جس کا وہ اپنی رعایا میں رواج دیکھنا چاہتا تھا۔ اور چونکہ وہ اپنے اہل دربار سمیت برابر ایک مقام سے دوسرے مقام پر جاتا رہتا تھا

لہذا ہر جگہ لوگ بچشم خود دیکھ سکتے تھے کہ دولت و وقت میں کفایت کس طرح ہوتی ہے۔ پُر مشقت اور باضابطہ کام کرنے کا کیا طریقہ ہے۔ پسندیدہ تفنن اور سنجیدہ تفریح کیا چیز ہے۔ عورتوں کی عزت اور عمروں کی تربیت، علم کا احترام اور بے تمیزی کو ناپسند کس طرح کرتے ہیں۔ غیر ملکیوں سے تعصب کئے بغیر اعلیٰ درجے کی حب وطن اور روزمرہ کی زندگی میں عملی تقویٰ کی شان کیا ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ بہترین زندگی کی وہ خود مثال پیش کرتا تھا۔ انگریزوں میں جو الفریڈ کے ساتھ سچی عقیدت رکھتے تھے سب سے ممتاز اہل ریڈ امیر مرسیہ، اور پلگ منڈ ورفتھ اور ڈین وُلف تین اسقف تھے۔ اور غیر ملکیوں میں جان (دی اولڈ سیکسن) گرم بالڈ (فرنگی) اور اوتھیر (شمالی) کو اس سے نہایت گرویدگی تھی آخر میں اس کے سوانح نگار اسیر (ویلزی) کا نام آتا ہے گو وہ الفریڈ پرستی میں کسی سے کم نہ تھا۔ ان لوگوں کے ساتھ وہ برابر ترقی تعلیم اور مذہب و معاشرت کے ازسر نو فروغ دینے پر گفتگو کرتا رہتا تھا کیونکہ الفریڈ کا عقیدہ تھا کہ قومی زندگی کا کوئی شعبہ بادشاہ کی توجہ سے عاری نہ رہنا چاہیے۔

اس کا بیڑا

الفریڈ نے سب سے اول ملک کے دفاع کا ازسر نو انتظام کیا۔ بہت پہلے یعنی ۸۷۵ء ہی میں اس نے جنگی بیڑے سے کام لیا تھا اور آخری معرکوں میں اس کے جہاز بہت کار آمد ثابت ہوئے تھے۔ اب اس نے بحری فوج کو مستقل بنیاد پر قائم کیا اور ملک کے ہر حصے پر حسب حیثیت اور مناسب بہم پہنچانے اور اس نقشے کے مطابق بنوانے کا جو خود وہ تجویز کرتا تھا، بار عائد کیا۔ اپنے اہل وطن کو جہاز رانی وغیرہ کی تعلیم دلانے کی غرض سے اس نے مرسیہ و برطانیہ کے اور ڈین استاد مقرر کئے جن میں اوتھیر (شمالی) کا نام سب سے ممتاز ہے کہ وہ انکشاف حال کی غرض سے راس شمالی کے گرد اور بحر سفید کے اندر ایک مشہور بحری مہم نے کے گیا تھا۔

اب تک لڑائی کا بار سب سے بڑھکر فرڈ فوج نے برداشت کیا تھا جن کے اتھل وُلف جیسے بہادر سردار تھا، یا بادشاہی رفیقوں نے۔ لیکن لوگوں کو مدتوں گھر بار سے جدا رہنا شاق ہوا اور اس سے دقتیں پیش آئیں، لہذا الفریڈ نے یہ انتظام کیا کہ آیندہ قابل خدمت سپاہیوں میں سے ایک تہائی، گرمی کے ایک مہینے میں حاضر رہا کریں اور دو مہینے گھر ٹھیریں۔ جس سے پرانی شکایت رفع ہوگئی اور باضابطہ تربیت

کے باعث فوج کی کارکردگی بھی بہتر ہوگئی۔ اسی سلسلے میں اُس نے قلعوں کو، جو گزشتہ لڑائیوں میں بہت ناکارہ ثابت ہوئے تھے، نئے اصول پر ازسرِ نو تعمیر کرایا۔ اور آخری کام یہ کیا کہ لندن کی جدید تعمیر و قلعہ بندی اس طرح کی کہ وہاں سے ٹیمز میں اوپر جانے کا راستہ مسدود ہو سکے۔

الفریڈ انصاف کے معاملے میں بہت سخت تھا۔ اس نے اپنے عقلا کی مدد سے قوانین کی اصلاح کی اور ایک نیا مجموعہ تیار کیا۔ نیز اسے لازم گردانا کہ حکام اضلاع اور عمالِ عدالتی فرائض ادا کرنے کی قابلیت بہم پہنچائیں۔ مقامی عدالتوں کو دوبارہ مستعدی سے کام کرنے کے لائق بنایا۔ اُس نے اِس اصول کا لوگوں کو کاربند کیا کہ خاطی کے جرم کی ذمہ داری اُس کے آقا، اعزہ یا ساتھی اہلِ حرفہ پر عائد کی جائے۔ مدارس کے قیام اور ترغیب و ہمت افزائی سے تعلیم کی اشاعت میں بھی الفریڈ نے بہت کچھ کیا۔ وہ کتب بینی کے اخلاقی اثرات سے واقف تھا اسی لئے بڑی دردسری سے ایک کتب خانہ تیار کیا جس میں خود ان کی مادری زبان میں کتابیں لکھوا کر جمع کی تھیں کیونکہ الفریڈ اُن لوگوں میں نہ تھا جو تراجم کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں بلکہ جانتا تھا کہ اعلیٰ خیالات مختلف زبانوں کی تصانیف میں ہو سکتے تھے۔ اسی غرض سے اُس نے گرم بالڈ اور اسبر کی مدد سے اوروسیوس کی کتاب "جغرافیہ و تاریخ"۔ بیڈ کی "تاریخ کلیسا"۔ بوتھیس کی (Cousolatius of Philosophy) گریگوری (Pastoral) اور سینٹ اوگسٹائن (سوتوسلن ہیپو) کی تصانیف کے بعض منتخب اجزا کا لفظی یا معنوی ترجمہ کیا۔

وقائع

ایک اور علمی دولت جو الفریڈ نے اپنے ہموطنوں کو ترکہ میں دی وہ اینگلو سیکسن وقائع ہیں کہ یورپ کی کسی ملکی زبان میں اتنی قدیم تاریخ موجود نہیں ہے۔ الفریڈ نے بخوبی اندازہ کر لیا تھا کہ قومی جوش پیدا کرنے میں تاریخ کا مرتبہ کیا ہے۔ نظر بریں اس نے حکم دیا کہ انگریزوں کی آمد کے وقت سے ہر سال کے واقعات بہترین ماخذوں سے فراہم اور وقائع کی صورت میں مرتب کئے جائیں اور آئندہ جو کچھ پیش آئے اسے لکھ کر سال بہ سال ان میں شریک کیا جاتا رہے تاکہ اب سے انگریزی قوم کے پاس اپنے اسلاف کی مستند سرگزشت میسر آ جائے۔ چنانچہ یہ سلسلہ نورمن فتح کے وقت تک جاری رہا گو اتنی تفصیل کے ساتھ نہیں جیسا کہ الفریڈ چاہتا تھا۔

تاہم نورمنوں کے آنے تک یہی مجموعہ تاریخ کا سب سے بڑا ماخذ ہے؛
کلیسا کی حالت نے الفریڈ کو نہایت متوش کیا۔ اہل شمال کی یورشوں سے پہلے ہی وہ تھیوڈور و بیڈ کے زمانے کی نسبت بہت پست و زبوں ہو گیا تھا۔ الفریڈ کے ایام شباب ہی میں "ہمبر کے جنوب میں ایسے پادری کم تھے جو لاطینی خط کو انگریزی میں ترجمہ کر سکتے ہوں۔ اور شمال میں بھی ان کی تعداد زیادہ نہ تھی"۔ لیکن اُس وقت گرجوں میں قیمتی ساز و سامان کی افراط اور خانقاہوں میں کتابیں ضرور بھری ہوئی تھیں اور اب یہ سب دولت تاراج و برباد اور خود عمارتیں شکستہ و آتش زدہ، ویران رہ گئیں۔

اصلاح کلیسا

غرض ان امور کی اصلاح کے لئے الفریڈ نے سب سے پہلے تو انگریز اور پردیسی بہترین اسقف ڈھونڈ کر مقرر کئے اور تاکید اکید کی کہ وہ اپنے فرائض ادا کریں۔ پھر اُس نے ایتھل نی میں راہبوں کے لئے اور شافٹسبری میں راہبات کے لئے نمونے کی خانقاہیں بنوائیں جن میں سے پہلی کا انتظام جون (دی اولڈ سیکسن) کے سپرد کیا اور دوسری میں خود اپنی بیٹی کو نگراں بنایا۔ اسی کے ساتھ اپنی آمدنی کا بڑا حصہ اُس نے دوسرے معابد و مآثر دینی کی درستی اور ساز و سامان کے واسطے مخصوص کر دیا؛

سوائے ۸۸۴ء کی ایک شورش کے، جس کا باعث تازہ ولایت ڈینوں کا آنا تھا، ملک میں ۸۹۲ء تک امن و امان رہا۔ مگر اس سال شمالی یورپ کے تمام علاقوں سے آفاقیوں کا ایک بڑا لشکر جمع ہو کر انگلستان میں آدھمکا جس نے سلطنت مقدسہ میں سالہا سال تک آفت برپا رکھی تھی۔ اس کا سرجبل ہیسٹنگز تھا کہ ایک فرانسیسی وقائع نویس کے الفاظ میں "اُس سے بدتر انسان کبھی پیدا نہ ہوا اور اپنی زندگی میں اس سے بڑھکر نقصان کسی نے نہ پہنچایا"۔

بعد کی لڑائیاں

اس لشکر کا ایک حصہ ٹیمز میں دررآیا اور دوسرے نے سیکس کی بستی ایپل ڈور میں پڑاؤ ڈالا۔ اس خطرے کو دیکھکر الفریڈ نے اپنی فوج کے ثلث کی بجائے نصف کو طلب کیا اور دشمن کی دونوں فوجوں کے درمیان آکر وہی تدبیر اختیار کی کہ ان کی لوٹ مار کا تدارک کیا کہ یہ غارت گر سامان رسد حاصل نہ کر سکیں۔ اس تدبیر سے ڈین اپنے پڑاؤ چھوڑ کر مجبوراً لی کے قریب ہٹ آئے جہاں لندن والوں نے یورش کر کے ان کا پڑاؤ چھین لیا۔

آتے ہی ڈینوں کا ایک اور لشکر ایکزیٹر میں نمودار ہوا اور جس وقت الفریڈ ان سے مصروفِ جنگ تھا اُس وقت اُن کی جماعتِ اصلیہ کسی طرح شہر لندن میں گھس گئی۔ ڈینی اضلاع کے بہت سے منچلے بھی اس میں آملے تھے اور یہ لشکر لوٹ مار کرتا ہوا تمام ٹیمز کا راستہ طے کر گیا اور سیورن اتر کے منٹ گمری شیر میں بٹنگٹن تک بڑھا جہاں لندن کے امیر اتھل ریڈ نے انگریز اور اہل ویلز کی بہت بڑی جمعیت سے اس پر حملہ کیا اور ایسی کامل شکست دی کہ یہ لوگ پوری تیزی سے ایکس کی طرف بھاگ گئے۔ برایں ہمہ آیندہ سال وہ پھر چیسٹر میں آپہنچے اور شمالی ویلز کو تاراج کر کے ایکس واپس ہوئے۔ سنہ ۸۹۶ء میں ان کی کشتیاں لی میں داخل ہوئیں مگر اس موقع پر الفریڈ نے ندی کے ایک تنگ مقام پر دو مورچے بنا کے ان کی واپسی کا راستہ مسدود کر دیا۔ یہ دیکھ کر انھوں نے ویلز میں داخل ہونا چاہا جہاں وہ مستقل طور پر جم جانے کی فکر میں تھے۔ لیکن الفریڈ کی تدابیر نے انھیں اتنا پریشان کیا کہ آخر تقریباً پانچ سال تک سارے انگلستان کو خوف و ہراس میں مبتلا رکھنے کے بعد یہ لشکرِ عظیم منتشر ہو گیا اور کچھ لوگ مشرقی انیگلیہ میں چلے آئے اور کچھ نارتھمبریا میں۔ اور جن کے پاس روپیہ نہیں رہا تھا انھوں نے یہاں سے جہاز فراہم کیے اور سمندر عبور کر کے پھر فرانس کی طرف چلے آئے۔ چار سال بعد انھوں نے پھر جزیرۂ وائٹ میں فوج اتارنے کی کوشش کی مگر اس کے انتشار کے بعد پھر ہیسٹنگز اور اس کے ساتھیوں کا نام تاریخ انگلستان میں کہیں نہیں آتا۔ وطن کو اس بلائے سخت سے نجات دینے کے چار سال بعد سنہ ۹۰۱ء میں خود الفریڈ نے وفات پائی اور جنگجوئی تدبیر منزل اور ذاتی اخلاق، غرض ہر لحاظ سے ایسی شہرت یادگار چھوڑی جس کی مثالیں مشکل سے مل سکتی ہیں۔

جس زمانے میں گتھرم اور اس کے ساتھی شمالی انگلستان میں قدم جما رہے تھے، انھی کے ہمقوموں کے ایک گروہ نے اسی قسم کی نو آبادی فرانس کے شمال میں بسائی اور شاہ فرانس کو سین کے دونوں طرف کے علاقے پر ان کا قبضہ تسلیم کرنا پڑا۔ اس گروہ کا سردار رولو یا رالف تھا اور یہی لوگ تھے جو فرانس میں بس جانے کے بعد نورمن کہلائے اور وہی بگڑی ہوئی لاطینی انھوں نے بھی اختیار کر لی جو اہل فرانس کی زبان تھی اور آہستہ آہستہ فرانسیسی بنی۔ اسی طرح اپنے نئے وطن کا تمدن اختیار کرنے میں اس گروہ نے بڑی مہارت کا ثبوت دیا ہے۔

باب ششم

خاص خاص مضامین

باب ہفتم

اضلاع ڈین کی دوبارہ فتح

شاہانِ انگریز

ایڈورڈ کبیر — الفریڈ کی وفات پر اس کا بیٹا ایڈورڈ جو "کبیر" کی صفت کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے مغربی سکسنوں کا بادشاہ ہوا۔ اس تخت نشینی کی عمزاد بھائی (یعنی الفریڈ کے بڑے بھائی اتھل ریڈ کے بیٹے) اتھل والڈ نے مخالفت کی لیکن

انگریزوں نے اس کی کچھ تائید نہ کی اور اسے نارتھمبریا کے ڈینوں میں پناہ لینی پڑی۔ انھوں نے اسے بادشاہ تسلیم کر لیا اور ایسٹ اینگلیہ میں داخل ہو کر ویکس پر حملے کی تیاریاں کیں۔ وہ کرک لیڈ پر ٹیمز کو عبور کر آئے اور ولٹ شر میں فساد مچایا لیکن ایڈورڈ نے جواب میں خود اُن کی بستیوں پر جو سڑک واٹلنگ کے پار آباد تھیں حملہ کر دیا اور اس چال نے ان کو پسپائی پر مجبور کیا۔ اسی گھبراہٹ میں اتھل والڈ اور اس کے ساتھیوں نے کینٹ کی فوج پر جو ایڈورڈ کی طرف سے لڑنے آئی تھی، حملہ کیا اور اسی میں جان سے مارا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گو لڑائی میں ڈینوں کو کامیابی ہوی مگر اصلی غرض ہی فوت ہو گئی تھی، لہذا آپس میں صلحنامہ ہو گیا اور ۹۱۰ء تک خاصی طرح اس کی پابندی ہوی ہے

ایڈورڈ امن وصلح کے فنون میں وہ امتیاز نہ رکھتا تھا جو اس کے باپ کو حاصل ہوا لیکن اس کا شمار انگلستان کے سب سے جنگجو بادشاہوں میں ہوتا ہے۔ اس نے مغربی سیکسنوں کی بادشاہی کا لقب چھوڑ کر اپنے آپ کو اینگلو سیکسنوں یا انگریزوں کا بادشاہ ملقب کیا اور پورے جزیرۂ برطانیہ پر تسلط حاصل کرنا، اپنا مقصدِ عظمیٰ قرار دیا۔ ان ارادوں میں اس کی بہن اتھل فیلڈا اور بہنوئی اتھل ریڈ امیر مرسیہ (جس نے گذشتہ عہد شاہی کی لڑائیوں میں نمایاں حصہ لیا) اس کے ہم آہنگ و موید تھے ہے

ہمبر کے جنوب میں ڈین سب سے زیادہ قوت دو ضلعوں میں رکھتے تھے: اول، وادی ٹرینٹ، جس میں تین مستحکم قصبے یعنی لیسٹر، نوٹنگ ہیم اور ڈاربی ان کے پاس تھے اور سٹیم فورڈ اور لنکن کو ملا کر یہ "پانچ ڈینی بستیاں" کہلاتے تھے۔ اُن کی قوت کا دوسرا مرکز بالائی وادی اوز تھی جس میں نارتھمپٹن، ہن ٹنگ ڈن، کیمبرج اور بیڈفورڈ کی بستیاں تھیں ہے

انگریزی پیش قدمی کی پہلی دلیل یہ تھی کہ چیسٹر کی رومی فصیل، جو اتھل فرتھ کی فتح کے بعد سے بے مرمت پڑی تھی، از سر نو درست کرائی گئی کہ واٹلنگ سڑک پر سے ڈی کا معبر اور نارتھمبریا سے ویلز کا سب سے قریبی راستہ اسی قلعہ بند مقام کی زد میں تھا۔ دوسرے یہی سب سے با موقع بندرگاہ تھا جس کے ذریعے آئرستان کے ڈین اپنے انگلستان کے دوستوں سے رسل و رسائل کر سکتے تھے، لہذا اس کی جنگی اہمیت اور بھی بڑھ گئی تھی ہے

۹۱۲ء میں اتھل ریڈ نے وفات پائی۔ ایڈورڈ نے ٹیمز کی وادی زیرین کا علاقہ اور لندن و آکسفورڈ کو براہ راست اپنی نگرانی میں لے لیا مگر مرسیہ کے باقی علاقے پر اس کی

بیوہ بہن جو "بیگم مرسیئین" کہلاتی تھی، حکومت کرتی رہی۔ اس عرصے میں قلعہ بندی کا کام برابر جاری تھا۔ بعض عورتوں میں نئی سنگین فصیلیں شہروں کے گرد تیار کی گئیں یا کسی خاص موقع کی حفاظت کے لئے بڑی سی مضبوط دیوار بنا دی گئی ورنہ قدیم رومی مورچوں ہی کی جا بجا مرمت ہوتی رہی۔ جدید قلعہ بند بستیوں میں نئے لوگ بسائے گئے کہ آس پاس کے علاقے کی حفاظت کرتے رہیں اور اس تدبیر سے فتح مکرر کا کام آہستہ آہستہ مگر استقلال کے ساتھ ہونے لگا۔ سڑک واٹلنگ کا جو سرا ایتھل فلیڈا کے علاقے میں تھا اُسے ڈینوں سے بچانے کے لئے اس نے اسٹیفورڈ، ٹیم ورتھ، ایڈس بری اور ریکورن کے قلعے تعمیر کرائے اور اہل ویلز کے حملوں سے بچنے کے لئے قلعہ برج نارتھ تعمیر کرایا۔ ایتھل فلیڈا کی طرح ایڈورڈ نے بھی ہرٹ فورڈ، وتھسم اور بکنگ ہم میں قلعے بنائے۔ نوس وے کی حفاظت کی غرض سے ایتھل فلیڈا نے وارِوک کی بنا ڈالی اور آمد و رفت کے ذرائع محفوظ ہو گئے تو ڈینی قلعوں پر فوج کشی کی گئی۔ ایڈورڈ نے بیڈفرد اور ہنٹنگ ڈن پر قبضہ کیا اور نارتھمپٹن اور کیمبرج کے لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ امن قائم رکھیں۔ ایتھل فلیڈا نے ڈاربی اور لیسٹر تسخیر کئے۔ ۹۱۸ء میں وہ فوت ہوئی تو پوری مرسیہ ایڈورڈ نے اپنی تحویل میں لے لی۔ زیادہ مدت نہ ہوئی تھی کہ ناٹنگھم اور اسٹیم فورڈ بھی ہاتھ آ گئے اور ڈینی باشندوں کو قابو میں رکھنے کی غرض سے ایڈورڈ نے یہاں اور بیڈفورڈ میں انگریزوں کے نئے محلے بنوادئے۔ اس کے بعد وہ چیسٹر سے بڑھا اور یارک کے راستے پر مین چیسٹر فتح کر لیا۔ پیاک کے علاقے میں اس نے بیک ویل کی مورچہ بندی کی جس سے نارتھمبریا کی پہاڑی گزرگاہیں محفوظ ہو گئیں اور مین چیسٹر، ڈاربی اور ناٹنگھم سے مربوط ہو گیا۔ وہ اور شمال میں بڑھنے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ بیک ویل سے شیفیلڈ کے راستے پر ڈور میں قاصد اطاعت کا پیام لائے۔ یہ لوگ نہ صرف یارک کے ڈینوں کی طرف سے آئے تھے بلکہ برنشیہ کی انگریزی ریاست بھی، جس پر ڈینوں نے کبھی یورش نہ کی تھی اور اسٹرتھ کلائیڈ کے ویلز، بلکہ اسکوٹ بادشاہ

ایڈورڈ کی سیادت سارے جزیرے پر

بھی اس درخواست میں شریک تھے۔ ان سب نے بحلف اسے اپنا "باپ اور مالک" تسلیم کیا اور شمالی ویلز کی طرح جہاں ۹۲۲ء میں اس کی سیادت مانی گئی تھی اب تمام جزیرۂ برطانیہ کے لوگوں نے اس کی کسی نہ کسی حد تک حکومت قبول کر لی البتہ شاید وہ ڈینی جو انتہائے شمال میں آ بسے تھے

اور جنہوں نے ہمبر کے شمال میں اسکوٹ قوم کو بہت زمانے تک پریشان و خوفزدہ رکھا وہ اس قبول اطاعت میں شریک نہ تھے۔ بہر حال اسے بہت کافی اقتدار حاصل ہو گیا اگرچہ کچھ مدت بعد اسکوٹوں کی اس اطاعت کی سخت آزمائش کی نوبت آئی ؛

اپنی قلمرو میں ایڈورڈ نے باپ کے تنظیمی کاموں کی تکمیل کی۔ وسطی انگلستان کی قدیم تقسیم جو برادریوں کی بنا پر تھی، ڈینوں کے آنے سے درہم برہم ہو گئی تھی۔ اب انہیں از سر نو تقسیم کیا گیا اور ایڈورڈ کے قلعوں یا ڈینی قصبوں کو مرکز بنا کے، انہی پر نئے اضلاع موسوم ہوئے جیسے واروِرک۔ ہرٹ فورڈ شر وغیرہ۔ یہ امر قیاسی ہے۔ لیکن ایڈورڈ کے عہد حکومت کے دوسرے حالات کی پوری تفصیل "اینگلو سکسن وقائع" میں موجود ہے جو اُس کے وقت میں خاص طور پر نہایت صاف اور واضح لکھے گئے تھے ؛

اتھلس ٹن

سنہ ۹۲۵ء میں ایڈورڈ نے وفات پائی اور اس کا بیٹا اتھلس ٹن وارثِ حکومت ہوا۔ یہ نہایت لائق اور دلیر بادشاہ تھا اور اس کے زمانے میں استحکامِ ملک کا کام بلا خلل جاری رہا۔ اس نے سب سے پہلے تو اپنی بہن کو نارتھمبریا کے ڈین بادشاہ سے بیاہا اور دو سال بعد جب وہ مرا تو اس کے دو بیٹوں کو جلاوطن کر کے خود نارتھمبریا پر قبضہ کر لیا۔ جنوب میں اگزیٹر کے ویلزی باشندوں کی آزادی چھین کر اپنا تسلط جمایا اور ٹیمر کو انگلستان کا رنول کی حدِ فاصل قرار دیا۔ ویلز کے رئیسوں سے بھی اس نے خراج وصول کیا لیکن اسی زمانے میں شمال سے فساد کی خبر آئی۔ کونسٹنٹائن شاہِ اسکوٹ لینڈ نے سِتھرک کے بیٹوں کو مدد دی تھی اور سنہ ۹۳۳ء میں ایڈورڈ نے اس کے ملک پر چڑھائی کر کے بظاہر اس بادشاہ کو مطیع کر لیا تھا لیکن سنہ ۹۳۷ء میں "یہ بوڑھا جنگ آزما اور پرانا فریبی" پھر آمادۂ جنگ اور ایک سازش کا سرغنہ تھا جس میں ڈین، اسکوٹ اور اسٹرتھ کلائیڈ کے ویلزی متحد ہو گئے تھے کہ انگریزوں کا طوقِ اطاعت اتار پھینکیں اور آئرستان کے ڈینوں کی امداد سے ان کی کمرِ ہمت اور مضبوط ہو گئی تھی۔

جنگ برونن برو

اتھلس ٹن اور اس کے پانزدہ سالہ بھائی، ایڈمنڈ مقابلے میں آئے اور برونن برو کی لڑائی میں سب حلیفوں کو کامل شکست دی۔ یہ معرکہ ایسا خونریز تھا کہ سالہا سال تک اسے "معرکۂ عظیم" کہتے تھے اور وقائع نویس نے ایک زوردار پرانا گیت لکھ کر اُس کی یادگار رضائی ہے۔ گو لڑائی کی جزئیات اور

جغرافی مواقع سے ہم بے خبر ہیں۔ بعض لوگوں نے اس کا محل وقوع ہمبر کی اور بعض نے فرسی کی نواح میں بتایا ہے۔ فتح کے شاندار ہونے میں شبہ نہیں مگر اس میں شبہ ہے کہ اس کے باوجود انھلس ٹن کا اقتدار بھی ڈینی اضلاع پر ویسا ہی رہا جیساکہ اس سے قبل تھا۔

انھلس ٹن کی علومی مرتبت اور ہمسایہ ممالک میں اس کے اعزاز کا اندازہ اس کی بہنوں کی شادیوں سے ہو سکتا ہے کہ ایک تو چارلس (سادہ دل) کی بیوی تھی۔ ایک ہنری (پرندباز) کے بیٹے اوٹو سے بیاہی گئی اور تیسری ہیو (اعظم) امیر پیرس سے۔ اپنے دادا الفریڈ کی مثل انھلس ٹن بھی واضع قوانین تھا اور اس کے مجموعے کے بعض اجزا جو محفوظ رہے اس عہد کی عمرانی حالت کا عمدہ مرقع پیش کرتے ہیں۔

ایڈمنڈ

سنہ ۹۴۰ء میں انھلس ٹن کا انتقال ہوا تو اس کا بھائی ایڈمنڈ بادشاہ بنا۔ اسی کے ساتھ ڈینوں میں عام شورش و بغاوت پیدا ہوی اور نارتھمبریا اور پانچ بستیوں کے باشندوں نے انگریزوں سے انحراف کیا اور آئرستان کے انلاف کو بادشاہی کے واسطے بلایا جو برونن برہ کے معرکے میں بھی ان کی طرف سے لڑ چکا تھا۔ بایں ہمہ کچھ لڑائی کے بعد دونوں علاقوں میں ایڈمنڈ کا تسلط قائم ہو گیا۔ ایڈمنڈ کا بڑا کارنامہ اسٹریتھ کلائیڈ کی فتح کو سمجھنا چاہیے کہ ۹۴۵ء میں ویلزی بادشاہ کو بھگا کر اس نے یہ کامیابی حاصل کی۔ یہ لڑائی گراس میر و تھرل میر کے درمیان ہوی تھی جہاں اس کی یادگار میں پتھروں کا جو اونچا چبوترہ بنایا تھا وہ آج تک موجود ہے۔ مفتوحہ علاقہ میل کم شاہ اسکوٹ کے حوالے کر دیا گیا جسے وقائع میں ایڈمنڈ کا "برو بحر میں شریک کار" بتایا گیا ہے۔ اس علاقے میں کمبرلینڈ کی ندی ڈرونٹ اور فرتھ (کلائیڈ) کے بیچ کی ساری زمین داخل تھی اور پینائن پہاڑیاں اور رایزک کا جنگل اندرونی حدبندی کرتے تھے۔ یہ ٹھیک معلوم نہیں کہ اس وقت اسٹریتھ کلائیڈ کس حد تک برطانی تھا لیکن آج کل تو مقامات کے نام اگرچہ بہت سے قلطی ہیں مجموعی طور پر یہی ثابت کرتے ہیں کہ انگریزوں اور ڈینوں کی تعداد کثیر یہاں اٹھ آئی تھی اور قلطی زبان کے آثار باقیہ میں صرف وہ اعداد رہ گئے تھے جن سے گڈرے اب تک اپنی بھیڑیں گنتے ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہاں کے بہت سے قلطی باشندے اٹھ کر ویلز میں چلے آئے جس سے انگریزی اثر پڑنے میں اور آسانی ہوی۔ ایڈمنڈ صرف چھ برس بادشاہی کرنے

پایا تھا کہ ایک ڈاکو نے اُسے مار ڈالا۔ تاہم اس کا عرف "ذی شان" (یعنی بڑے بڑے کام کرنے والا) ظاہر کرتا ہے کہ اس کے ہموطن اس کی کیسی عزت کرتے تھے ؛

ایڈرڈ

ایڈمنڈ کا جانشین اس کا بھائی ایڈرڈ ہوا جس کا قلیل زمانہ بھی ہر اعتبار سے یادگار ہے کہ اسی میں ڈین اضلاع سے طویل کشمکش ختم ہوئی اور انگریز بادشاہوں کا اقتدار مضبوطی سے قائم ہو گیا۔ ایڈرڈ کو جس مجلس عقلا نے بادشاہ بنایا اس میں انگریز، ویلزی، اور ڈین تینوں قوم کے لوگ تھے اور حلف شاہی کی رسم بھی کینٹربری اور یارک کے دو اسقفوں کے ہاتھ سے عمل میں آئی جس سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ قومی اتحاد کس حد تک ترقی کر چکا تھا۔ شمال والوں نے ایڈرڈ کی اطاعت قبول کرنے میں کوئی قیل و قال اور اسکوٹوں نے بھی حلف اطاعت اٹھا لیا البتہ نارتھمبریا کے لوگوں نے انحراف کی جرأت کی۔ ان کا سرغنہ ولفس ٹن کا اسقف اور ڈین مارک کے ہم نسل باشندے مدد گار تھے۔ لیکن ایڈرڈ نے اس شدت سے انتقام لیا کہ بہت جلد لوگ مطیع و منقاد ہو گئے اور اسقف کو جنوبی انگلستان میں منتقل کر دیا گیا۔ جہاں سرکشی کا خطرہ کم تھا۔ اس وقت سے نیم بادشاہی کی بجائے ایڈرڈ نارتھمبریا کا بھی کامل بادشاہ ہو گیا اور اپنے آپ کو نہ صرف شاہ انگریزاں بلکہ قیصر برطانیہ کے لقب سے ملقب کرنے لگا کہ قدیم انگریز بادشاہوں نے اس سے بڑھکر مرتبے کا کبھی دعویٰ نہیں کیا۔ مگر اس کی قلیل مدت حکومت کا یہی آخری سال تھا؛ شمالی ہمبر کے تازہ مقبوضات کو اضلاع میں تقسیم کرنے کی بجائے ایڈرڈ نے دو نوابیوں میں تقسیم کیا جن میں سے ایک۔ اُسی وقت یا کچھ بعد میں شاہ اسکوٹ کو دی گئی اور دوسری جس میں ٹوئیڈ سے ہمبر تک کا علاقہ تھا، ایک انگریز اوسولف کو تفویض ہوئی۔ ایڈرڈ کی صحت کبھی اچھی نہ تھی اور نو سال کی بادشاہی کے بعد اس نے وفات پائی ؛

ایڈرڈ کا خاص مشیر اور دوست ڈنس ٹن تھا اور نارمن فتح سے قبل ایسا لائق انگریز باشندہ دوسرا نہیں گزرا۔ یہ عجیب و غریب شخص سمرسٹ میں پیدا ہوا۔

ڈنس ٹن

گلیس ٹن بری کی خانقاہ میں تعلیم پائی جہاں اسے علمائے آئرستان سے بھی علمی استفادے کا موقع ملا جو اس خانقاہ میں اکثر آتے رہتے تھے وہ معزز خاندان کا آدمی تھا لہٰذا جلد ہی دربار شاہی تک رسائی پا گیا لیکن اس کی قابلیت

دیکھکر دوسرے درباریوں نے جس قدر حسد کیا اس سے ڈنس ٹن اتنا افسردہ ہوا کہ مجبوراً کچھ عرصے کے لئے دربار سے ہٹ گیا اور رہبانیت اختیار کرلی۔ بالآخر ایڈمنڈ نے اسے دوبارہ بلایا اور گلیسٹن بری کا متولی خانقاہ بنادیا۔ ایڈرڈ کے عہد بادشاہی میں وہی بادشاہ کا سب سے ممتاز مشیر تھا اور لڑائیوں میں بھی ساتھ ساتھ رہتا اور شاہی خزانے کا محافظ بنا دیا گیا تھا۔ اس کا باقی وقت تعلیم دینے میں گزرتا تھا اور اپنے دوست اتھل وولڈ (صاحب خانقاہ ابنگ ڈن) کے ساتھ اس نے جنوبی انگلستان میں علم کی ترویج واشاعت اسی قسم کا کام کیا جیسا کبھی نارتھمبریا میں انجام پایا تھا اور جس کے کیڈمن و بیڈ روح رواں تھے؛

ایڈرڈ کی وفات پر تخت وتاج کی وراثت ایڈمنڈ کے بڑے بیٹے ایڈوی کے حصے میں آئی جس کی عمر پندرہ سال کی تھی اور کوئی ذاتی رائے یا پختہ مزاج نہ رکھتا تھا۔ غالباً اسی لئے عزیز واقارب جو چاہتے اس سے کرا لیتے تھے۔ یہ لوگ ڈنس ٹن اور اس کے رفیقوں سے بیزار تھے اور ادھر جشن تاج پوشی کی مذہبی رسموں کے وقت ایڈوی نادانی سے چھپ رہا اور مجلس عقلا کے حکم سے ڈنس ٹن اسے جس طرح کھینچ کے باہر لایا اس نے قطع تعلق کی گویا تکمیل کردی۔ ڈنس ٹن کو دیس نکالا ملا۔ دوسرے علمائے دین بھی ایڈوی سے ناراض ہوئے کہ اس نے محرمات میں سے ایک عورت سے شادی کرلی۔ اس نے اپنی قوت کو یوں اور بھی کمزور کرلیا کہ مرسیہ کی نوابی کا عہدہ جسے ایڈورڈ (کبیر) نے اڑا دیا تھا دوبارہ قائم کیا اور اس طرح ٹیمز کے شمال کے اضلاع سے اپنی براہ راست حکومت اٹھالی۔ ادھر کینٹربری کے صدر اسقف اوڈو نے بادشاہ کی شادی کو حرام قرار دیا اور ہر طرف لوگوں نے سرکشی شروع کردی۔ تمام امرا اور نواب ایڈوی کے چھوٹے بھائی ایڈگر کے حامی ہوگئے اور ایڈوی کے قبضے میں صرف ٹیمز کے جنوب کا ملک رہ گیا۔ اس بغاوت سے اندازہ ہوتا ہے کہ انگریزی بادشاہی میں فی الواقع کتنی کمزوری تھی۔ بارے یہ افتراق ایڈوی کی موت سے جلد دور ہوگیا اور سب انحراف کرنے والے ایڈگر کی بادشاہی پر متفق ہوگئے۔ اس بادشاہ کے زمانے میں ڈنسٹن کو دوبارہ اقتدار حاصل ہوا حتیٰ کہ یہ کہنا مشکل ہے کہ ایڈگر کے زمانے میں بادشاہی حکمت عملی کا ذمہ دار کس حد تک خود بادشاہ تھا اور کس حد تک اس کا یہ باثر وزیر؛

ایڈگر

مگر اندرون و بیرون ملک میں اقبال نے ہمیشہ ایڈگر کا ساتھ دیا۔ شہنشاہ اوٹو انھی دنوں ڈینوں پر لشکر کشی کر رہا تھا لہذا شمال کے قزاقوں کو ادھر کافی مصروفیت رہی خود اپنے ملک میں ایڈگر کے عاقلانہ نظم و نسق نے رعایا کے مختلف طبقوں کی شکایتیں دور کیں اور عدل و حق ہی کے ساتھ بادشاہ کی اِس محنت پسندی نے کہ وہ اپنے احکام کا نفاذ بچشم خود معاینہ کرتا تھا۔ اس کے عہد کو مدت تک امن و آسودگی سے معروف و متصف رکھا۔ معلوم ہوتا ہے ایڈگر نے امرا کے علاقوں کو زیادہ تر انھی پر چھوڑ دیا تھا اور خود صرف ویسکس کے انتظام پر متوجہ رہتا یا ملک کے مسائل جمہ پر۔ چنانچہ ہر گرمی ہم اسے بیڑے کا معاینہ کرتے دیکھتے ہیں کہ بحری قزاقی کے انسداد کے لئے سارے ساحل کا گشت کرایا جائے۔ اور ہر جاڑے ضلع بہ ضلع دورہ کرتے پاتے ہیں کہ جو کچھ ہو رہا ہے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھے اور خرابیوں کی اصلاح کرے۔ مگر یہ تدبیر جو ایڈگر جیسے طاقتور بادشاہ کے زمانے میں نہایت کامیاب ثابت ہوئی، کمزور بادشاہوں کے لئے بالکل دوسرے نتائج پیدا کر سکتی تھی کیونکہ اتنی آزادی پا کر امرا کو لامحالہ کامل آزادی کی ترغیب ہوتی اور کامل آزادی کا انجام طوائف الملوکی ہوتا۔ دنیا کے ہر ملک میں جہاں اس خوش نما طریقے پر عمل کیا گیا، ایسا ہی ہوا ہے اور انگلستان میں بھی اس کے اختیار کرنے سے قدیم انگریزی بادشاہی کی تاریخ میں ایک انقلابی باب کا آغاز ہوا ہے۔

ایڈگر کے زمانے کا ایک اور نتیجہ خیز تغیر رہبانیت کا احیا تھا۔ ڈینوں کی یورش سے قبل، انگلستان کے شمال و جنوب میں جا بجا راہبوں کی خانقاہیں تھیں اور ان تارکانِ دنیا نے تہذیب و تمدن کی ترقی میں بڑا حصہ لیا تھا۔ لیکن ڈینوں کی وحشیانہ غارتگری نے انھیں تباہ کر دیا اور خود ویسکس میں بہت کم خانقاہیں رہ گئیں۔ الفریڈ نے اتھل نی کی خانقاہ بنائی تو انگلستان کے باہر سے راہب لانے پڑے گو شیفٹس بری اور ہایڈ کی زنانہ خانقاہوں کے واسطے انگریز عورتیں ملنے میں دقت پیش نہ آئی۔ یہ حالت صرف انگلستان کی نہ تھی بلکہ مماثل اسباب نے یورپ کے اور ملکوں میں بھی ایسا ہی انحطاط نظر آتا ہے تاآنکہ دسویں صدی میں ریاست برگنڈی میں کلونی کے راہبوں کی تقویٰ اور پرہیزگاری نے رہبانیت کو دوبارہ رونق بخشی اور دوسری خانقاہوں

میں بھی اُن کی تقلید کا جوش پیدا ہوا۔ یہ اثرات ایڈگر کے عہد حکومت میں انگلستان پہنچے۔

رہبانیت کا احیا

ابنگ ڈن کا صاحبِ خانقاہ، اتھل وولڈ بھی جوشس رکھتا تھا۔ ووُرسس ٹر کا اُسقف اوس ولڈ خود ایک کلگ نوی اقامت خانہ میں رہا تھا اور ڈنسٹن بھی جلاوطنی کے زمانے میں گان کی ایک خانقاہ میں مقیم ہوا جہاں قوانین رہبانیت کی سخت پابندی تھی۔ غرض اتھل وولڈ اور اوس ولڈ نے ایڈگر کی امداد اور ڈنسٹن کی رضامندی سے انگلستان میں ایک رہبانی احیا کا آغاز کیا جس کی عملی صورت یہ تھی کہ ایلی وغیرہ مقامات کی قدیم اور شکستہ خانقاہوں کو دوبارہ تعمیر کرایا جائے اور جن کلیسوں میں پہلے راہبوں کا عمل دخل تھا انھیں پھر اسی گروہ کے حوالے کر دیا جائے؛ بایں ہمہ ان جدید خانقاہوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں معلوم ہوتی اور شمال میں تو اس تحریک کا بہ مشکل کوئی اثر ظاہر ہوا؛ دوسرے اس کی ضرورت و خوبی کے متعلق اختلاف رائے بھی تھا اور بعض مقامات میں اس کی خوب مخالفت کی گئی۔ مگر مجموعی طور پر لوگ اسے مفید جانتے تھے اور اشاعت علوم کے حق میں یہ یقیناً مساعد تھی۔ دوسرے اسی زمانے سے خانقاہوں نے دوبارہ باضابطہ وقائع لکھنے کا کام اپنے ذمے لیا اور ان کی اطلاعات جو نہایت مجمل ہوتی جاتی تھیں، اب پھر بیش قیمت ہمعصر بیانات بن گئیں اور ان میں بھی سب سے کارآمد وقائع وہ تھے جو ابنگ ڈن، ووُرسس ٹر اور پیٹر برو میں مرتب کیے جاتے تھے؛

۹۷۵ء میں ایڈگر نے وفات پائی اور اس کا بیٹا جو تیرہ سال سے زیادہ عمر کا نہ تھا، وارث تاج ہوا مگر تین سال بعد اس جماعت کے ہاتھ سے مارا گیا جو ہمیشہ سے اس کے سوتیلے بھائی اُتھل ریڈ کی بادشاہی کی مؤید تھی۔ اسی سلسلے میں ڈنسٹن کے ملکی اختیارات بھی چھن گئے اور وہ صرف کینٹر بری کا صدر اسقف رہ گیا؛ اس واقعے سے تاریخ انگلستان کا ایک عہد جو خاص طرح علیحدہ معین ہو سکتا ہے۔ ختم ہوتا ہے، کیونکہ اتھل ریڈ کی تخت نشینی سے ڈینوں کے حملے دوبارہ شروع ہوئے اور آگے چل کے ان میں پورے ملک کو فتح کر لینے کی شان پیدا ہو گئی؛

خاص خاص واقعات وسنین

ڈینی اضلاع کی فتح مکرر	سنہ ۹۱۰ تا سنہ ۹۲۴ء
ایڈورڈ کبیر کی سیادت پورے جزیرے پر	سنہ ۹۲۴ء
برونن برو کی لڑائی	سنہ ۹۳۷ء
اسٹریتھ کلائیڈ کی فتح	سنہ ۹۴۵ء
ڈنسٹن کینٹربری کا صدر اسقف بنایا گیا	سنہ ۹۶۰ء

باب ہشتم

باب ہشتم

ڈینوں کی فتوحات

ملوک انگریز

اتھل ریڈ (نامستعد)	سنہ ۹۷۸ تا سنہ ۱۰۱۵ء
ایڈمنڈ (آہن تن)	سنہ ۱۰۱۶ تا سنہ ۱۰۱۷ء
کینیوٹ	سنہ ۱۰۱۷ تا سنہ ۱۰۳۵ء
ہیرولڈ (اوّل)	سنہ ۱۰۳۵ تا سنہ ۱۰۴۰ء
ہارڈی کینیوٹ	سنہ ۱۰۴۰ تا سنہ ۱۰۴۲ء

اتھل ریڈ کی تخت نشینی کے ساتھ ہی ڈنسٹن کے اقتدار کا خاتمہ ہوا اور امور سلطنت کی باگ اُس کے رقیبوں کے ہاتھ میں آگئی۔ ادھر اتھل ریڈ نے جوان ہو کر ثابت کیا کہ

اتھل ریڈ (ثانی) وہ اپنی نسل کا بدترین بادشاہ ہے۔ شریر النفس، کاہل، ظالم، بدعقل اور بداقبال کہ جو کام کیا اس میں خرابی واقع ہوئی؛

بایں ہمہ اس عہد کے جملہ نقصانات کا صرف ایسے ذمہ دار قرار دینا خلافِ انصاف ہوگا۔ عام اسباب بھی ایسے پیش آئے کہ الفریڈ یا ایڈگر جیسے لائق بادشاہ ہوتے تو بھی یہ مشتبہ ہے کہ وہ مصائب کے اس طوفان کو روک لیتے جس سے اتھل ریڈ کو سابقہ پڑا۔

واضح ہو کہ شمالی اقوام اب خانہ بدوش اور منتشر قبائل کی بجائے ناروے، ڈین مارک، اور سوئیڈن کی تین طاقتور سلطنتوں میں آباد و منتظم ہو گئے تھے۔ ان میں سوئیڈیوں کی ترک تازی کا میدان تو روس اور بالٹک کے جنوبی ساحل رہے لیکن ناروہی اور ڈینی اقوام نے کبھی جداگانہ اور کبھی مشترکہ اپنی پوری قوت جزائر برطانیہ پر صرف کر دی۔ خود انگلستان کے ڈین اضلاع ان حملہ آوروں سے ہمدردی رکھتے اور انھیں عملاً مدد دیتے تھے۔ مقامی امرا کی باہمی عداوت مدت سے انگلستان میں اندر ہی اندر سلگ رہی تھی، وہ بھی اسی زمانے میں بھڑک اٹھی اور اسی طرح جگہ جگہ رقابت و حسد کا زور ہو گیا۔ کسی نامعلوم سبب سے ایڈگر کا بیڑا معلوم ہوتا ہے کہ نابود ہو گیا کہ شمالی حملہ آور بے تکلف جب چاہتے ملک میں آجاتے یا واپس چلے جاتے تھے۔

ان کے حملوں کی ابتدا ۹۸۰ء میں چشائر تھے، ٹینٹ اور ساؤتھیمپٹن کی غارتگری سے ہوئی جہاں اکثر اہل شہر یا مارے گئے یا گرفتار ہو گئے۔ پندرہ سال تک کوئی ایسا قائد یا سرلشکر نہ اٹھا اور اہل شمال کی ہمہ گیر سفاکیوں نے سارے ملک کی ہمت پست کر دی۔ الگ الگ اضلاع یا امیر خوب لڑتے تھے۔ لیکن وقائع کے الفاظ میں کوئی ضلع دوسرے ضلع کی مدد نہ کرتا تھا اور کوئی شخص ایسا نہ تھا جو پورے ملک یا قوم کی جانب سے مزاحمت کا بندوبست کر لیتا۔ ڈنسٹن ۹۸۸ء میں فوت ہو گیا اور یہ شرمناک امتیاز اس کے جانشین سگریک کے نصیب میں آیا کہ پہلی مرتبہ اسی نے ڈینوں کو رشوت دے کے ٹالنے کی تجویز کی۔ پھر ہنگامی صلح کے بعد ایک موقع پر دغا سے دشمن کو پھانس لینے کی بھی کوشش کی گئی تھی مگر خود بادشاہ کے سب سے معتمد علیہ امیر الفرک نے راز فاش کر دیا۔ ۹۹۳ء میں غنیم نے بمبرو کو یورش کر کے چھین لیا اور ہمبر کے شمال و جنوب کا علاقہ تاراج کر ڈالا اور جب لشکر جمع ہو کر لڑنے آیا تو سب سے پہلے

سرداروں ہی نے فرار اختیار کیا۔ آخر کار ایتھل ریڈ نے دشمنوں میں تفریق ڈالنے کے لئے نارویجی بادشاہ سے جداگانہ صلح کر لی اور وہ اُس عہد نامے کا برابر پابند بھی رہا۔ اسی طرح فرانس کے نارمنوں کو لڑائی سے الگ رکھنے کے لئے اُس نے وہاں کے امیر رچرڈ کی بہن ایما سے شادی بھی کر لی۔ لیکن انہی دنوں بر اٹسی تہوار پر نو ساکن ڈینوں کا جو قتل عام ہوا، اس سے ڈین مارک کا بادشاہ سوین نہایت برافروختہ ہوا کہ خود اس کی بہن بھی مقتولین میں تھی۔ اُس کے حملے جاری رہے اور زر نقد یا اجناس کی رشوتوں سے حملہ آوروں کی اور بھوک تیز ہوتی گئی۔ اس تمام المناک زمانے میں قابل تعریف کوئی چیز ہے تو لندن والوں کی پامردی کہ انہوں نے پے درپے محاصروں میں اپنے شہر کو بچائے رکھا اور ٹیمز کا راستہ روک کر دشمن کو آگے بڑھنے نہ دیا۔ اور یا منفرداً بہ حیثیت نوبت امیر ایسکس، الف کا ئیٹل امیر ایسٹ انگلیہ وغیرہ اُمرا کی جانبازی نے ڈینوں کو "وہ ہاتھ دکھائے جو انگلستان میں انہوں نے کبھی نہ دیکھے تھے!" مگر ان بہادروں کے کارناموں سے ایتھل ریڈ کی نامردی اور بھی نمایاں ہو گئی جو غالباً ایک دفعہ بھی خود میدان جنگ میں نہیں آیا اور پندرہ سال تک مصائب گزرنے کے بعد سنہ ۱۰۰۵ء کے وقائع میں تحریر ہے کہ ہنوز غور ہی کر رہا تھا کہ کیا کیا جائے۔

ایڈرک

باوے سنہ ۱۰۰۷ء میں ایک لائق آدمی، ایڈرک، مرسیہ کا امیر مقرر ہوا۔ کم نسب ہونے کے باعث اُمرا اسے پسند نہ کرتے تھے اور اُس کی چڑ "اسٹریونا" (یعنی سمیٹو) کے نام سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ طامع آدمی تھا۔ اس کے دغاباز ہونے میں بھی شبہ نہیں مگر ان سب باتوں کے باوصف ظاہراً اسی نے حملوں کا سیلاب روکنے کی سعی کی۔ بیڑے کی کمی کو سارے ملک کی اعانت سے پورا کیا گیا لیکن جب وہ جمع ہوا تو سرداروں کے جھگڑوں اور ایک تقدیری طوفان سے قوم کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا اور بظاہر کوئی نجات کی صورت باقی نہیں رہی۔ ملک میں اور بھی زیادہ پست ہمتی پیدا ہو گئی۔ اور ڈین ہر طرف بے روک مارتے کاٹتے، جلاتے اور لوٹ مار کرتے پھرے۔ سنہ ۱۰۱۳ء میں خود سوین انگلستان آیا کہ اسے باقاعدہ فتح کر لے۔ اس نے ٹرینٹ کی راہ گینز برو تک کشتیوں میں سفر کیا اور وہاں ٹھہرا اور پانچوں ڈینی اضلاع کے باشندوں نے اس کی اطاعت قبول کی

اور ہر ضلع سے اُس نے یرغمال ساتھ لئے۔ پھر سٹرک واٹلنگ کے پار لوٹ مار کرتا آگے بڑھا

سوین کی بادشاہی کا تسلیم کیا جانا

اور مغربی رفقائے اطاعت قبول کی۔ آخر میں لندن کے باشندوں تک نے مزاحمت کو بے سود سمجھکر سر تسلیم خم کر دیا اور سارے ملک نے اسے کامل بادشاہ مان لیا۔ رعایا کو برگشتہ دیکھکر شاہ اتھل ریڈ نے وطن چھوڑ دیا اور نارمنڈی میں پناہ لی۔ لیکن ایک ہی سال میں سوین مرگیا اور تب انگریزوں نے دوبارہ اتھل ریڈ کو بلوایا اور یقین دلایا کہ "اگر اب وہ سابق کی بہ نسبت ان پر اچھی طرح حکومت کرے تو اُس سے بڑھکر کوئی بادشاہ ہمیں عزیز نہ ہوگا"۔ چنانچہ وہ واپس آگیا لیکن صحت جواب دے چکی تھی اور باقی ماندہ ایام حکومت میں اصلی اختیار اُس کے بیٹے ایڈمنڈ اور ایڈرک (سمیٹو) کے ہاتھ میں تھا۔ ایڈمنڈ کو اُس کی جسمانی قوت اور دلیری کے باعث آہن تن کہتے تھے۔ مگر یہ دونوں آپس میں حسد رکھتے تھے اور ملک میں جو نفاق و نفاق پہلے تھا وہی اب بھی رہا۔ ادھر اسی زمانے میں ڈینوں کی حکومت سوین کے بیٹے کینیوٹ کے ورثے میں آئی جو بہت لائق اور باہمت آدمی تھا۔ اس نے انگریزوں سے پھر لڑائی چھیڑ دی اور دغا باز ایڈرک بھی اسی سے جا ملا۔ نارتھمبریا نے مجبوراً اطاعت قبول کرلی۔

۱۰۱۶ء میں اتھل ریڈ نے وفات پائی تو لندن کے سوا سارے انگلستان میں کینیوٹ کی بادشاہی تسلیم کرلی گئی۔ البتہ بہادر لندن والوں نے ایڈمنڈ کا ساتھ دیا اور اس نے چند ہی روز میں دکھا دیا کہ ایک حقیقی قومی رہنما کیا کچھ کرسکتا ہے۔ وہ سیل وُڈ کے جنگلوں میں ہٹ آیا اور انہی لوگوں کی اولاد سے جنہوں نے ایک زمانے میں الفریڈ اعظم کی جاں نثاری کی تھی، مدد مانگی۔ پین سیل وُڈ کی لڑائی میں اس نے کینیوٹ کو بھگا دیا۔ اس کامیابی سے اور بھی مددگار اُسے مل گئے اور شائر اسٹون کی سخت لڑائی میں اس نے دوبارہ ڈینوں کو شکست دی۔ اِس فتح کی اہمیت کا یوں بھی اندازہ

شائر اسٹون

ہوسکتا ہے کہ ایڈرک ڈینوں کو چھوڑ کر ایڈمنڈ کی طرف آگیا اور لطف یہ کہ پھر مشیر اور کرم سمجھا گیا حالانکہ وقائع میں لکھا ہے کہ "اس سے بڑھکر غلط رائی نہ ہوسکتی تھی"۔ اب دُور دُور کے علاقوں سے لوگ ایڈمنڈ کی فوج میں جمع ہونے لگے اور صحیح معنی میں ایک قومی لشکر لے کے اُس نے ڈینوں کو برنیٹ فرڈ پر

شکست دی۔ لزن کا محاصرہ اٹھوا دیا اور اوٹ فرڈ میں ایک اور معرکہ جیت کر بہت سے ڈینوں کو جزیرہ شپی میں دھکیل دیا۔ پھر ٹیمز اتر کے کینیوٹ کی بڑی فوج پر ایسن ڈان (ایکیس)

ایسن ڈن

میں حملہ کیا مگر عین اس وقت کہ انگریزوں کا پلہ جھکتا جاتا تھا' غدار ایڈرک اپنی فوج لے کے الگ ہو گیا اور کامیابی کی ساری امیدیں جاتی رہیں۔ ایڈرک کی نسبت لوگ کہتے تھے کہ اس نے دشمن سے رشوت لے لی تھی۔ بہر حال رات ہوتے تک چاندنی میں بھی ایڈمنڈ لڑتا رہا اور صرف اس وقت کہ ساتھ کے دلیر ترین جنگجو کام آ گئے' وہ پسپا ہو کر گلوسسٹر شر میں ہٹ آیا۔ ایک اور لڑائی کی تیاریاں تھیں کہ مجلسِ عقلا نے بظاہر ایڈرک کے مشورے سے تقسیمِ ملک کی تجویز پیش کی اور ایڈمنڈ نے بادلِ ناخواستہ اسے مان لیا کہ ویکس اور مشرقی اینگلیہ اُس کے پاس رہیں اور تابع بادشاہ کی حیثیت سے مرسیہ اور نارتھمبریا پر کینیوٹ قابض رہے۔ مگر چند ہی ہفتے میں ایڈمنڈ مر گیا اور ایک روایت یہ ہے کہ ایڈمنڈ نے اسے مروا ڈالا۔ لہذا کینیوٹ سارے انگلستان کا بادشاہ ہو گیا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ ایڈمنڈ زندہ رہتا تو وہ حکمرانی میں وہ الفریڈ کا جواب نکلتا۔ لیکن جنگ آزمائی کی حیثیت سے تو وہ یقیناً اُس کا جواب تھا اور صرف ایڈرک کی ذلیل غداری نے اسے کامل فتح سے محروم رکھا۔ اس کی چند روزہ کامیابی سے یہ بھی بخوبی روشن ہو جاتا ہے کہ ایتھلرڈ ہی کمزور اور مردہ بادشاہ تھا اور اس کے عہد میں جو مصیبتیں آئیں ان کا سبب انگریزوں کا کوئی قومی انحطاط نہ تھا بلکہ صدرِ حکومت کی نالائقی ہے۔

کینیوٹ نے ۱۰۱۷ء سے حکومت شروع کی اور ہر چند اس کی ابتدائی زندگی جور و دغا بازی کے افعال سے داغ دار ہے لیکن عمر کے ساتھ اس کے مزاج میں بھی تبدیلی ہوئی اور آخر میں وہ نہایت عمدہ فرماں روا بن گیا۔ جولیس سیزر کی طرح اس میں یہ وصف

کینیوٹ

بھی تھا کہ مفتوح اقوام کو اپنا گرویدہ بنا لیتا تھا۔ چنانچہ چند ہی روز میں انگریز اس کا ایسا احترام اور اعتبار کرنے لگے گویا وہ انھی کی قوم کا آدمی تھا۔ ادھر کینیوٹ بھی انگریزوں کو اسی طرح اپنا سمجھنے لگا اور اپنے موروثی ممالک میں اس نے بارہا مستعفی کے عہدوں پر انگریزوں کو ترقی دی اور اپنی یورپ کی لڑائیوں میں اُن سے کام لیا۔

انگریزوں نے اسے خود منتخب کیا تھا لہذا کینیوٹ سابق بادشاہوں کے جملہ حقوق کا مدعی تھا۔ اس نے ویلز والوں سے اپنی سیادت منوائی اور میلکم (شاہ اسکوٹ) کو اس کے تمام ماتحت رؤسا سمیت مجبور کیا کہ اُگے اقرار اطاعت کرے مزید برآں وہ برطانیہ کے پار بھی حکومت وسیادت کا تخیل رکھتا تھا اور اس کا منصوبہ یہ تھا کہ ایک شمالی سلطنت قائم کرے جس میں انگلستان، ناروے اور ڈین مارک شامل ہوں جس طرح چارلس اعظم نے ممالک مغرب میں رومی سلطنت کا احیا کر دیا تھا۔ انگلستان اور ڈین مارک اس کے قبضے میں آ چکے تھے اور ۱۰۲۸ء میں اس نے نوروے کو بھی فتح کر لیا اور گو اس کے مرتے ہی یہ سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تاہم اس منصوبے کا یورپ کے معاملات پر اثر ضرور پڑا۔ انگلستان میں کینیوٹ نے سب سے پہلے خاندان شاہی کے پس ماندہ افراد سے پیچھا چھڑانے کی تدبیر کی اور ایڈمنڈ کے شیر خوار بچوں کو سویڈن بھیجدیا وہاں کے بادشاہ نے انھیں ہنگری کے بادشاہ اسٹیفن کے پاس بھجوا دیا تھا مگر اس نے کینیوٹ کی منشا کے خلاف بڑے اہتمام سے ان کی پرورش کی۔ ایڈمنڈ کا بھائی ایڈوی قانون کی حفاظت سے محروم اور تھوڑے ہی دن بعد قتل کر دیا گیا۔ ایتھل ریڈ اور ایما کے دو بیٹے (نارمنڈی میں) تھے ان سے اپنے آپ کو بچانے اور ساتھ ہی نارمنوں کو خوش کرنے کی غرض سے کینیوٹ نے عجیب تدبیر کی کہ ان کی ماں سے شادی کر لی اور وہ اپنے بچوں کو نارمنڈی میں چھوڑ کر انگلستان آ گئی۔ یہ دکھانے کی غرض سے کہ اسے انگریزوں پر کامل بھروسہ ہے کینیوٹ نے اپنے ڈینی بیڑے کو روپیہ دے کر رخصت کر دیا۔ اس رقم کے لیے ایک خاص لگان زمین پر عاید کیا گیا تھا جسے "ڈین جلڈ" کہتے ہیں۔ اپنی مشہور فوج رکاب کے سوا اور کوئی فوج ہی کینیوٹ نے نہ رکھی اور اس میں بھی ڈین اور انگریز بلا امتیاز داخل ہوتے تھے۔ یہ درحقیقت ایک باقاعدہ تنخواہ دار فوج تھی جس کی سخت فوجی ضوابط کے ماتحت غالباً اُس فوج خاصہ کی نقل میں تنظیم ہوئی تھی جیسی کہ قسطنطنیہ کے یونانی بادشاہ رکھا کرتے تھے ؛

کینیوٹ نے نوابیوں کو برقرار رکھا۔ مشرقی انگلیہ کا نواب اُس نے ایک ڈین تھرکل کو مقرر کیا جو اسین ڈن کی لڑائی میں اس کا دست راست تھا۔ نارتھمبریا پر اپنے برادر نسبتی ایرک کو اور مرسیہ میں ایڈرک کو رکھا اور ویسکس کا انتظام اپنے

ہاتھ میں رہنے دیا مگر ۱۰۱۷ء میں ایڈرک کو' ایک وقائع کے الفاظ میں "بالکل بجا طور پر" کینیوٹ نے قتل کرادیا جو اسکے اقتدار و
خصائل سے ضرور خوب واقف ہوگا۔ اس کی جگہ ایک اور انگریز لیوف وائن مقرر
ہوا۔ اسی طرح ۱۰۲۱ء میں تھرکل کو انگلستان سے نکالا دیکر ڈین مارک میں نائب شاہ
بنایا گیا اور نارتھمبریا میں بھی قدیم خاندان امرا کو سابقہ امارت عطا ہوئی مغربی سیکسن
کا امیر بھی ایک انگریز گوڈون مقرر کر دیا گیا؛ یہ شخص جو آئندہ چالیس برس تک
انگلستان کے معاملات میں بہت پیش پیش رہا' بظاہر ذاتی کوشش و قابلیت سے بڑھا تھا۔

گوڈون

اس کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ مشورہ دینے میں نہایت عاقل،
جنگ میں جانباز، داد و ستد میں بہت ہوشیار، تقریر میں باوقار،
شیریں اخلاق اور نہایت عمدہ مزاج کا آدمی تھا۔ اس کی ابتدائی زندگی کا حال معلوم
نہیں لیکن کینیوٹ کی بادشاہی کے شروع ہی میں بہت کچھ موردِ الطاف تھا اور پہلی مرتبہ
بادشاہ' ڈین مارک روانہ ہوا تو وہ بھی بادشاہ کے ہمراہی ندیموں میں چُنا گیا تھا۔
وہاں اس نے اور بھی شہرت حاصل کی اور واپس آکر خود کینیوٹ کی رشتہ دار گیتھا سے
شادی کی۔ پھر وہ ویسکس کی نوابی پر فائز ہوا اور یہ امارت اسی کے خاندان میں رہی
حتیٰ کہ اس کا بیٹا ہیرلڈ آگے چل کے سارے انگلستان کا بادشاہ ہوگیا کینیوٹ کے
باقی ماندہ ایام میں گاڈون اس کا سب سے معتمد علیہ خادم رہا کہ انگلستان میں بادشاہ
ہر کام اس کے مشورے سے کرتا اور کسی ضرورت سے' باہر جاتا تو اسی کو اپنا نائب
بنا جاتا تھا؛

کینیوٹ کے بیرونی کارناموں سے تاریخ انگلستان کا چنداں تعلق نہیں۔ مگر انگلستان
کے حق میں اس کا عہد حکومت کامل امن کا زمانہ تھا کہ ملک میں بہترین انتظام قائم رہا
اور نہ باہر والوں کے حملوں کی مصیبت آئی نہ اندرونی بغاوت سے امن امان میں
کوئی خلل پڑا۔ قانون کی پابندی ڈین اور انگریز ہر ایک سے یکساں کرائی جاتی تھی
اور کینیوٹ نے ایڈگر کے عہد کو اپنا نمونہ قرار دیا تھا اور یہ مشہور محاورے کے مطابق کہ
"اسی کے قانون کی پابندی کا بیڑا اٹھایا تھا"

کینیوٹ کے آخرِ عہد کا سب سے دلچسپ واقعہ اس کا بطریقِ زیارت روما
جانا ہے۔ جب سے انگلستان کا بادشاہ ہوا' اسی زمانے سے اس کی دینداری ظاہر ہونے

لگی تھی۔ ایسن ڈن میں پہاڑی پر اس نے ایک گرجا بنوایا اور دوسرے گرجوں اور خانقاہوں کو فیاضانہ عطیات سے سرفراز کیا۔ پھر ۱۰۲۷ء میں رومہ کی زیارت کے لیئے روانہ ہوا اور وہاں بادشاہ اور پاپا دونوں اس کے ساتھ بڑے اعزاز و اکرام سے پیش آئے۔ وہیں سے اس نے اپنی رعایا کے نام ایک بہت عمدہ خط لکھا جس کا لب و لہجہ ایسا ہے جیسا ایک باپ کے خط کا بیٹوں کے نام ہوتا ہے اور اس میں سفر کے تفصیلی حالات کے علاوہ اپنے آیندہ ارادے بھی تحریر کیئے ہیں ؛

انگریزی شہر اہل الرّائے کا خیال ہے کہ کینیوٹ کا طویل و پُرامن زمانۂ حکومت حضریت کے حق میں ایک مفید انقلاب کا موجب ہوا۔ اب تک سوائے قلعوں کے، انگریزی معاشرت میں شہروں کا کوئی حصہ نہ تھا لیکن کینیوٹ کے عہد میں انگلستان، ڈین مارک اور ناروے کا اتحاد، تجارت کے لیئے بہت مفید ثابت ہوا اگرچہ تجارت کی طبعی صلاحیت، خالص انگریزوں نے اتنی نہ دکھائی جتنی ڈینی آبادکاروں نے۔ بہر حال، لنڈن و یارک تجارت خارجہ کی بڑی منڈیاں ہو گئے۔ آکسفورڈ، چیسٹر اور برسٹل میں رونق پیدا ہوئی البتہ ویکس کے پرانے صدر مقام ون چسٹر کی وقعت کم ہونے لگی اور وہ دوسرے درجے کا شہر رہ گیا ؛

کینیوٹ نے ۱۰۳۵ء میں وفات پائی اور تین بیٹے چھوڑے: سوین، ہیرولڈ اور ہارڈی کینیوٹ (یا ہارتھا نوٹ)۔ یہ آخری ایما کے بطن سے تھا اور پہلے دو ایک انگریز عورت الف گیفو کے بطن سے جسے صحیح معنی میں کینیوٹ کی بیوی کہنا درست نہیں۔ غالباً خود متوفی بادشاہ، ایما ہی کے بیٹے کو جانشین بنانا چاہتا تھا۔ گاڈون اور مغربی سیکسن اسی کے حامی ہو گئے لیکن شمال والوں نے ہیرلڈ کو ترجیح دی جس کا سبب، ممکن ہے یہ ہو کہ انھیں گاڈون اور اہل جنوب کے ساتھ بادشاہ کی خاص مہربانی دیکھکر حسد ہوا۔ آخر آکسفورڈ میں باہمی مباحثے اور مصالحے سے یہ قرار پایا کہ ٹیمز کے اوپر ہیرلڈ آزاد بادشاہ رہے اور جنوب میں ہارڈی کینیوٹ حکمرانی کرے۔ ڈین مارک بھی اسی بادشاہ کے حصے میں آیا اور سوین کو ناروے کا ملک ملا۔ لیکن وہاں کے رئیس اولاف کے بیٹے میگ نس نے بہت جلد اسے نکال باہر کیا اور خود ڈین مارک پر حملے کی تیاریاں کیں۔ اسی اندیشے سے ہارڈی کینیوٹ

ڈین مارک میں رُکا رہا اور ویسکس نہ آسکا جہاں اس کی نیابت میں ایما اور گاڈوِن، حکومت کرتے رہے۔ یہ کیفیت دیکھکر ایتھل ریڈ و ایما کے بیٹوں کو اپنے باپ کا ورثہ لینے کی آرزو پیدا ہوئی۔ ان کے نام الفریڈ اور ایڈورڈ تھے اور یہ نارمنڈی ہی میں پل کر جوان ہوے جیسا کہ اوپر تذکرہ آچکا ہے۔ اس غرض سے کم سے کم الفریڈ (ورنہ ممکن ہے ایڈورڈ بھی) خود انگلستان آیا مگر ہیرلڈ کے آدمیوں کے ہاتھ میں پڑکر کمال سفاکی سے قتل کرا دیا گیا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس گرفتاری میں گاڈوِن کا بھی ہاتھ تھا۔ لیکن اگر وہ ایسا کرتا تو بالکل جائز بلکہ اس کا فرض ہوتا۔ باقی جو کچھ بے رحمی ہوئی اس کے مرتکب گاڈوِن نہیں، بلکہ ہیرلڈ اور اس کے ساتھی تھے۔ بہر حال اس کی نسبت شبہ پیدا کرنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ گاڈوِن کے خاندان اور والیانِ نارمنڈی میں بے لطفی ہوگئی۔

ہارڈی کینیوٹ کا عہد حکومت

دو سال تک مغربی سکسن، ہارڈی کینیوٹ کے آنے کا انتظار کرتے رہے لیکن جب وہ انگلستان نہ آیا تو وہ اپنے شمالی ہموطنوں کے ہم آہنگ ہوگئے اور ہیرلڈ کو اپنا بادشاہ تسلیم کرلیا۔ ایما اور گاڈون کو بھاگ بالڈوِن امیر فلینڈرس کی پناہ لینی پڑی اور وہاں ہارڈی کینیوٹ کے ساتھ مل کر انگلستان پر فوج کشی کے منصوبے باندھے جا رہے تھے کہ خود ہیرلڈ کا، جو کچھ مدت سے علیل تھا، انتقال ہوگیا، اور اب سارے ملک نے ہارڈی کینیوٹ ہی کو اپنا بادشاہ تسلیم کرلیا۔

لیکن یہ بادشاہی بھی زیادہ دن نہ رہی اور اس عہد کے مشہور واقعے صرف دو ہیں۔ ایک تو یہ کہ بادشاہ نے اپنے سردارانِ خاصہ کو ایک جابرانہ محصول وصول کرنے پر مقرر کیا اور دوسرے یہ کہ اپنے علاتی بھائی ایڈورڈ کو خود انگلستان بلالیا۔ اس کے [illegible] بعد ۱۰۴۲ء میں ہارڈی کینیوٹ کسی شادی کے جشن میں شریک تھا کہ مرگِ ناگہاں نے اس کا خاتمہ کردیا اور انگریزوں نے بالاتفاق ایڈورڈ کو بادشاہ منتخب کیا اور قدیم خاندان دوبارہ سریر آرائے دولت ہوگیا۔

مشہور سنین

اہل شمال کے حملوں کی تجدید	سنہ ۹۸۰ء
ڈنسٹن کی وفات	سنہ ۹۸۸ء
ڈینوں کا قتل عام	سنہ ۱۰۰۲ء
ایسن ڈن کی لڑائی	سنہ ۱۰۱۶ء
ہیرلڈ کی تخت نشینی	سنہ ۱۰۱۷ء

بابُ نہم

نارمنوں کی فتح

ملوکِ انگریز

ایڈورڈ (تائب)	سنہ ۱۰۴۱ تا سنہ ۱۰۶۶ء
ہیرلڈ (ثانی)	سنہ ۱۰۶۶ء

ایڈورڈ (تائب) کا عہد بادشاہی

نئے بادشاہ ایڈورڈ (التائب) کی سیرت کو سمجھنا آسان نہیں۔ ذاتی تقویٰ کی بنا پر اسے "التائب" کا لقب ملا اور اس میں وہ ہینری ششم کے مماثل نظر آتا ہے۔ بیرونی لوگوں سے اس کی گرویدگی اس قسم کی ہے جس کا نمونہ بعد میں ہینری ثالث نے پیش کیا۔ بایں ہمہ کبھی کبھی کام کا جوش دکھانے میں وہ اپنے باپ اتھل ریڈ کی یاد دلاتا ہے۔ بادشاہی کے وقت اس کی عمر پختہ اور تجربہ نہایت وسیع تھا، بایں ہم وہ ہمیشہ دوسروں کے زیر اثر رہا اور اس کی جراتِ مردانہ بھی شکار کے

مفرط شوق کے سوا بہت کم کسی دوسرے کام میں آئی ؛

اس کے ابتدائی عہد میں گاڈون، لیوف رک امیر مرسیہ اور سیورڈ امیر نارتھمبریا کا رسوخ واثر قائم رہا۔ گاڈون بوڑھا ہو گیا تھا مگر اس کے بیٹے جوان اور سوین و ہیرلڈ نوابی کے منصب سے سرفراز ہو گئے تھے اور بیٹی، ایڈتھ، بادشاہ سے بیاہی تھی ؛

ایڈورڈ نے نارمنڈی میں ہوش سنبھالا اور طبعاً وہیں کی معاشرت اور آداب کا دلدادہ تھا۔ وہاں کے لوگ عموماً انگریزوں کے بہ نسبت زیادہ شائستہ بھی تھے کیونکہ ہر چند نارمن قوم تیوتانی نسل کے لوگوں میں سب کے بعد آکے سلطنت رومہ کے علاقے میں آباد ہوئی تاہم اس نے رومی تہذیب و تمدن قبول کرنے میں حیرت انگیز قابلیت کا اظہار کیا اور اپنی بولی چھوڑ کر فرانسیسی زبان اختیار کر لی تھی۔ وہ باہر کے لوگوں کا جو علم و فن میں امتیاز رکھتے ہوں دلی مسرت سے خیر مقدم کرتے اور ان سے مستفید ہوتے تھے۔ اسی لیے ایڈورڈ کی خواہش تھی کہ انگلستان میں جہاں تک ممکن ہو نارمن تہذیب کو رواج دے۔ وہ خود فرانسیسی زبان بولتا تھا اور اس نے تھوڑی ہی مدت میں بہت سے فرانسیسی بولنے والے نارمنوں کو اپنے دربار میں بلایا اور ممتاز دینی و دنیاوی عہدوں پر سرفراز کر دیا۔ انھی میں ایک شخص رورٹ جو ڈومیز کا رہنے والا تھا (جمیٹری) ۱۰۴۴ء میں لندن کا اسقف اور ۱۰۵۰ء میں کینٹربری کا صدر اسقف مقرر ہوا۔ بادشاہ کا بھتیجا رالف، ہیریفرڈ شیر کا حکمران امیر بنایا گیا۔ اسی علاقے میں ایک اور نارمن، رچرڈ کو جاگیر دی گئی تھی جس نے انگلستان میں سب سے پہلا ذاتی قلعہ تعمیر کیا اور رچرڈ کاسل نامی گاؤں ابھی تک اس مثالِ بدکی یادگار ہے؛ لیکن بادشاہ کی کوشش کے علاوہ دوسرے اسباب بھی انگلستان کو براعظم یورپ سے مربوط کر رہے تھے۔ پردیسی سوداگر کثرت سے لندن آنے لگے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جس طرح نارمن لوگ فرانسیسی بن گئے اسی طرح انگلستان میں بھی ایسا ہی تغیر پیدا ہونے والا ہے ؛

ان باتوں سے ملک میں لامحالہ بد دلی پیدا ہوئی اور گاڈون اور اس کے بیٹے وطنی جماعت کے سرگروہ بن گئے۔ آخر ۱۰۵۱ء میں علانیہ مخالفت کی نوبت آگئی۔

انگریزوں میں بزدلی

یہ وہ سال تھا جس میں ایڈورڈ کا بہنوئی یوسٹیس (امیر بولون) انگلستان آیا اور واپسی میں قصبۂ ڈوور میں اس طرح داخل ہوا جیسے کسی مفتوح شہر میں داخل ہوتے ہیں اور اپنے ساتھیوں کو زبردستی اہل شہر کا مہمان بنانا چاہا۔ شہر والوں نے مزاحمت کی جس کا نتیجہ لڑائی ہوا اور بیس انگریز اور انیس پردیسی مارے گئے۔ یہ قصہ سنکر ایڈورڈ نے چاہا کہ گاڈون امیر ویسکس کی حیثیت سے شہر والوں کو سزا دے۔ اُس نے یہ واجبی مطالبہ کیا کہ پہلے شہر والوں کے عذرات سنے جائیں۔ اسی کے ساتھ اپنے دونوں بیٹوں سوین اور ہیرلڈ کو طلب کیا اور اب ان تینوں امیروں کی فوج بیورسٹن میں جمع ہوئی جس کے قریب ہی گلوسٹر میں ایڈورڈ ان دنوں مقیم تھا۔ اس فوج کے ہم پلہ جمعیت مہیا رکھنے کی غرض سے ایڈورڈ نے مرسیہ اور نارتھمبریا کے امیروں کو طلب کیا۔ پھر انھی میں سے ایک یعنی لیوفرک امیرِ مرسیہ کی تجویز پر دونوں لشکر واپس کر دئیے گئے اور لندن میں مجلسِ عقلا منعقد ہوئی۔

گاڈون گلوسٹر تک تو سب سے زیادہ اثر و اقتدار رکھتا تھا لیکن سمجھ میں نہیں آتا کس وجہ سے لندن کے جلسے میں وہ اور اس کے بیٹے حفاظتِ قانونی سے محروم کر دئیے گئے اور ملک چھوڑ کر بھاگ گئے۔ خود گاڈون اپنے دو بیٹوں سوین و ٹوس ٹگ کے ساتھ بالڈون رئیس فلینڈرز کے پاس بروژ میں پناہ گزین ہوا اور ہیرلڈ جہاز میں بیٹھکر آئرستان چلا گیا۔ بادشاہ کی بیوی ایڈتھ کو وھرول کی خانقاہ میں جبراً بند کر دیا گیا اور کچھ مدت تک دربار انگلستان میں باہر والوں کا راج رہا۔

انگریزی جماعت کے اسی انتشار کے زمانے میں ولیم والئی نارمنڈی ایڈورڈ سے ملنے انگلستان آیا۔ وہ ایڈورڈ کی خالہ (یعنی ایما کی بہن) کا نواسہ تھا مگر اس رشتے کے سوا انگلستان کے شاہی خاندان سے اس کا کوئی نسلی تعلق نہ تھا۔ اس کا باپ امیر روبرٹ اور ماں ارلیتا، فالیز کے ایک دباغ کی بیٹی تھی۔

ولیم والئی نارمنڈی

ولیم کی عمر آٹھ سال کی تھی جب اس کے باپ کا انتقال ہوا، اور ولیم کو اپنا مشکوک ورثہ، حکومت ملنے میں بڑی دقتیں

پیش آئیں لیکن اس کی ہمّت وتدبیر نے وال اسدیون کے میدان میں سب دشمنوں پر غلبہ پالیا اگرچہ اُس وقت بھی وہ بالکل ایک نوخیز لڑکا تھا۔ اب کہ اُس کی عمر ۲۴ سال کی تھی، وہ نہ صرف اپنی ریاست کا بلا شرکت اور باعب اختیار فرماں روا تھا، بلکہ ابھی سے اپنے عہد کے قابل ترین اشخاص میں شمار ہونے لگا تھا۔

انگلستان میں ولیم کو طمع دلانے کے بہت سے اسباب جمع تھے - وہ جانتا تھا کہ خود انگریزوں نے کینیوٹ کو بادشاہ منتخب کیا اور نمک حلالی سے اس کی خدمت کرتے رہے۔ اِدھر انگریز بادشاہ کے گرد نارمنوں کی کثرت تھی، وہ مذہبی اور دیوانی بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے اور ولیم نے ہر طرف لوگوں کو فرانسیسی زبان بولتے سُنا۔ یہ سب باتیں دیکھکر اگر ولیم کے ذہن میں انگلستان کی بادشاہی کی آرزو پیدا ہوی، تو اس میں تعجب ہی کیا ہے۔ نارمنوں کے واسطے اس قسم کا قبضہ کچھ نئی بات بھی نہ تھی۔ اسی زمانے میں ایک اور نارمن روبرٹ گسکار جنوبی اطالیہ پر پنجے جمار رہا تھا۔ ہارڈراڈا اور الیس ٹرتھ سن کا ناروے اور ڈین مارک پر قابض ہو جانا، ولیم کے آنکھوں دیکھتے کا واقعہ تھا۔ دوسرے انگلستان میں گاڈون اور اس کے بیٹوں سے میدان پہلے ہی خالی ہو چکا تھا؛ اور ولیم کے بہت سے ہوا خواہ موجود تھے لہٰذا امیر نارمنڈی کو کسی سخت مزاحمت کا بھی قوی اندیشہ نہ تھا۔ سب سے بڑھکر یہ کہ قریب قریب یقینی طور پر معلوم ہے کہ خود ایڈورڈ نے ولیم کو جانشین بنانے کا وعدہ کر لیا حالانکہ وہ اس کا حق نہ رکھتا تھا اور نہ اس سے مجلسِ عقلا کی آزادیٔ انتخاب پر کوئی اثر پڑ سکتا تھا۔ تاہم ولیم کو کہنے کے لئے ایک دعویٰ ضرور پیدا ہوگیا اور یہی وعدہ لے کے وہ خوش خوش اپنے وطن واپس آیا۔

لیکن دوسرے سال واقعات کا رنگ بدلا۔ لوگوں کے خیالات میں گاڈون کے موافق تبدیلی پیدا ہوی اور اس کی اتنی ہمت بندھی کہ پہلے تو اس نے وطن آنے کی اجازت چاہی اور جب ایڈورڈ نے انکار کیا تو فوج لے کے، ہیرالڈ کی معیت میں جو آئرستان سے آملا تھا، انگلستان آپہنچا اور اس کے جہاز ٹیمز میں داخل ہو گئے۔ ایڈورڈ نے بھی زیادہ تر شمالی لوگوں کی فوج تیار کرلی تھی۔

باب نہم

اور لڑائی سر پر کھڑی نظر آتی تھی کہ لنڈن کے اُسقف اسٹی گینڈ کی ثالثی سے یہ قرار پایا کہ تمام مقدمہ مجلس عقلا میں پیش کر دیا جائے اور دوسرے دن اس کا اجلاس ہو۔ اسی رات فرانسیسی فرار ہو گئے۔ فساد کی جڑ روبرٹ (ڈومیٹری) اور ڈورچسٹر کا اُسقف الف ان مغروروں کے سردار تھے۔ الف کی نسبت کہا گیا ہے کہ کبھی اس نے کوئی کام اُسقف کی شان کے شایاں نہیں کیا۔ بہر حال یہ لوگ لڑتے بھڑتے ساحل تک پہنچے اور جہازوں میں سوار ہو کے فرانس چلے گئے۔ دوسری صبح بڑی مجلس زیر سما منعقد ہوئی۔ روبرٹ اور الف قابل اخراج اور گشتنی قرار پائے۔ گاڈون اور اس کے بیٹے اپنے اپنے عہدوں پر بحال کئے گئے۔ ایڈتھ کو دھرول سے واپس بلایا گیا اور سب لوگوں کے لئے اچھے قانون کی منادی کر دی گئی۔ اسٹی گینڈ کینٹربری کا صدر اُسقف مقرر ہوا اور انگریزی جماعت کی کامیابی میں کوئی کسر باقی نہ رہی۔

اپنی حکومت کے باقی پندرہ سال تک ایڈورڈ اسی طرح گاڈون کے خاندان کے اثر میں رہا جس طرح پہلے فرانس والوں کے ہاتھ میں تھا۔ گاڈون نے ۱۰۵۳ء میں وفات پائی۔ اس کا بڑا بیٹا سوین روما کی زیارت کے لئے گیا اور راستے میں

خاندان گاڈون کا عروج

فوت ہو چکا تھا۔ لہذا باپ کے مناصب دوسرے بیٹے ہیرالڈ کے ورثے میں آئے جس کی عمر اس وقت ۳۲ سال کی تھی۔ وہ رزم و بزم کے اوصاف میں بھی اپنے باپ کا سچا جانشین تھا اور اسی کے ساتھ اس کے مزاج میں ایک خاص شرافت و فیاضی ایسی تھی جس نے اُسے گاڈون سے بھی خوب تر آدمی بنا دیا تھا۔ ادھر ۱۰۵۵ء میں سیورڈ کے انتقال اور اس کے بیٹے وال تھیوف کی صغر سنی کے باعث منوتی کی امارت بھی گاڈون کے تیسرے بیٹے ٹوسٹگ کو مل گئی جو بادشاہ کا بہت منظور نظر ندیم تھا۔ تین بڑے امیروں میں لیوفرک نے سب سے آخر میں وفات پائی (۱۰۵۷ء) اور یہ امارت چند روز اس کے بیٹے الف گر کے قبضے میں رہ کر پھر لیوفرک کے پوتے ایڈون کے تفویض کر دی گئی۔ مشرقی اینگلیہ میں گاڈون کا چوتھا بیٹا گیرتھ امیر مقرر ہوا اور پانچویں بیٹے لیوف وائن کو ان پرگنوں کی حکومت ملی جو ٹیمز کے شاخ دار دہانے کے ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔

اس طرح چند وسطی اضلاع کے سوائے باقی سارا ملک ہیرلڈ اور اس کے بھائیوں کے تحت آگیا ؛

چونکہ ایڈورڈ لاولد تھا لہذا فیصلہ کیا گیا کہ ایڈمنڈ "فولاد بازو" کے بیٹے ایڈورڈ کو بلوایا جائے جو ہنگری میں جلاوطنی میں اپنی زندگی بسر کر رہا تھا۔ وہ اپنی بیوی اور بچوں کو لیکر آبھی گیا مگر آتے ہی بیمار ہو کر مر گیا۔ اس کی اولادیں مارگریٹ اور کرسٹینا دو بیٹیاں اور ایڈگر نامی ایک بیٹا تھا اور الفریڈ کی نرینہ اولاد میں لے دے کہ اب یہی بچہ رہ گیا۔ مگر جلاوطن ایڈورڈ کے بلائے جانے سے یہ نکتہ بھی بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ انگلستان میں لوگ شاہ ایڈورڈ کے وعدے کو جو ولیم والئی نارمنڈی سے کیا گیا کچھ بہت وقعت نہ دیتے تھے ؛

ان پندرہ سال میں کہ خاندان گاڈون کا دور دورہ رہا ویلز کی انگریزی

ویلز

فتح میں کافی ترقی ہوی۔ پنڈا کے حلیف کیڈویلون (ویلزی) کے زمانے سے ویلز کا کوئی فرماں روا انگریزوں کے حق میں خطرناک نہ ہوا تھا لیکن ۱۰۳۹ء میں گریفتھ (لیسرللی ویلین) شمالی ویلز کا رئیس ہوا اور تھوڑے ہی دن میں جنوبی ویلز پر قابض ہو گیا۔ پھر مرسیہ کے حاکم الف گر کو حلیف بنا کے اس نے اسکاٹ سیورن اور وای کی وادیوں میں وہ طوفان مچایا کہ لوگ اس کے نام سے کانپنے لگے اور ہیریفرڈ کی بستی تک کو جو اسقفی کلیسا کا مقام تھا اس نے لوٹ کے آگ لگا دی ؛ اس توہی دشمن کے استیصال کے لئے تمام ملک انگلستان کی فوج فراہم کرنی پڑی جس کے سردار ہیرلڈ اور ٹوس ٹاگ تھے۔ ان لڑائیوں نے خود گریفتھ کی رعایا کو اتنا بیزار کیا کہ ۱۰۶۳ء میں انھوں نے اپنے حد سے سوا حوصلہ مند فرماں روا کا خود سر کاٹ کے ہیرلڈ کے سامنے پیش کیا۔ اس کی ریاست میں سے بعض زرخیز نشیبی علاقے گم کر دئے گئے اور باقی اضلاع اس کے دو عزیزوں کے سپرد ہوے کہ باج گزار حاکموں کی حیثیت سے ان کا انتظام کریں۔ اس طرح ایک مدت کے لئے ویلز کی قوت توڑ دی گئی ؛

گرو فیڈ کی معزولی سے بھی ہیرلڈ کے دشمنوں میں کمی آگئی لیکن ۱۰۶۵ء میں

باب نہم

ٹوس ٹگ کا اخراج

اس کے بھائی ٹوس ٹگ کو ولایت نارتھمبریا سے نکالا ملا تو ہیرلڈ کی قوت کو بہت صدمہ پہنچا۔ ابتدا ابتدا میں ٹوس ٹگ ایک نیک نیت آدمی تھا گو اس میں موقع شناسی کی صفت بہت ہی کم تھی۔ مگر آگے چل کے سرکش اہل نارتھمبریا کو دبانے کی کوشش میں وہ ظلم وجور بلکہ دغابازی اور خون ناحق پر اتر آیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بار ساجب کہ وہ دربار شاہی میں گیا ہوا تھا، نارتھمبریا کے عمائد نے یارک میں ایک جلسہ کیا اور ٹوس ٹگ کو معزول و گشتنی قرار دے کے اس کی بجائے الف گر کے چھوٹے بیٹے مورکر کو والی منتخب کر لیا۔ پھر اپنے نئے والی کو لے کے وہ وسط انگلستان کے علاقے میں پہنچے جہاں اس کا دوسرا بھائی ایڈون بھی باغیوں سے آملا۔ یہ رنگ دیکھ کر ایڈورڈ اور ہیرلڈ دب گئے۔ ٹوس ٹگ کا اخراج اور مورکر کا انتخاب تسلیم کر لیا گیا۔ البتہ ہنٹنگ ڈن اور نارتھمپٹن کی جاگیریں نارتھمبریا کی ولایت سے جدا کر کے سیورڈ کے بیٹے وال تھیوف کے تفویض کر دی گئیں۔ ٹوس ٹگ فلینڈرز نکل آیا اور آیندہ اس کی خصلت اور بھی بگڑتی گئی اور وہ اپنے بڑے بھائی کا سوء البدل ثابت ہوا۔ اس انقلاب سے ہیرلڈ کو جو سخت نقصان پہنچا، وہ ظاہر ہے کہ ولایت نارتھمبریا اس کے ہاتھ سے ہی نہیں نکلی بلکہ عملاً ایڈون کے زیر اقتدار چلی گئی اور اس طرح خاندان گاڈون کے پاس نہ اتنا بڑا علاقہ رہا نہ ایسا سلسلۂ جتنا اب خاندان لیوفرک کے ہاتھ میں تھا۔ دوسرے ایڈون خلقی سازشی اور اس بات پر تلا ہوا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو شمالی علاقے کی آزادی اور اس کا انتظام جداگانہ اصول ہی پر قائم رکھے۔

ہیرلڈ کی تخت نشینی

ان واقعات کو زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ ۵ جنوری سنہ ۱۰۶۶ء یعنی ویسٹ منسٹر کے عالیشان خانقاہی کلیسا کی تکمیل و افتتاح کے بعد ہی، ایڈورڈ نے وفات پائی اور ساتھ ہی جانشینی کا دشوار مسئلہ سامنے آگیا۔ انگریزی خاندان شاہی میں صرف اینجلنگ ایڈگر باقی تھا۔ مگر وہ ابھی بالکل خردسال تھا اور بڑا ہو کر بھی بہت کمزور آدمی نکلا۔ پھر ایسی صورت میں کہ ٹوس ٹگ انتقام لینے کے درپے

اور ولیم اپنے دعاوی منوانے پر تلا بیٹھا تھا، ایک کمسن بچے کو بادشاہ بنانے میں اسی قسم کے واقعات پیش آنے کا اندیشہ تھا جیسے اتھل ریڈ (نامستعد) کی تخت نشینی سے پیش آئے تھے۔ اور چونکہ خود متوفی بادشاہ نے بستر مرگ پر پوری تاکید کے ساتھ وصیت کر دی تھی کہ اس کا جانشیں ہیرلڈ بنایا جائے لہذا مجلس عقلا نے بلا تاخیر اس پر عمل کیا اور اس امیر اعظم نے بھی اس عزت و خطر کے منصب کو قبول کر لیا۔ دوسرے ہی دن ایل ڈریڈ، صدر اسقف یارک نے ویسٹ منسٹر میں تاجپوشی کی رسم ادا کی اور اس عہد کا آغاز ہو گیا جو اول سے آخر تک۔ اپنی مملکت کے لئے جد و جہد کرنے میں گزرا ہے۔

اہل نارتھمبریا کی اطاعت کا اطمینان کرنے کی غرض سے نئے بادشاہ نے سب سے پہلے یارک کا دورہ کیا اور ایڈون و مورکر کو اپنا بنانے کے واسطے ان کی خوبصورت بہن ایلڈگیتھ سے، جو مقتول گریفتھ کی بیوہ تھی، شادی کر لی۔ شروع سے اسے یقیناً خاندان لیوفرک کی مخالفت کا خوف ہوگا کہ ان لوگوں کی حکمت علمی ہی یہ تھی کہ مغربی سکسنوں کا بادشاہ ہیرلڈ ہو یا ایڈگر یا ولیم شمال والوں کی خود مختاری میں فرق نہ آنے پائے ہے۔

ولیم کا دعویٰ ہیرلڈ کے مقابلے میں

ادھر، ولیم والی نارمنڈی کو، ایڈورڈ (جس نے ہنگری میں ہوش سنبھالا) یا اس کے بیٹے ایڈگر کی تخت نشینی کی صورت میں تو لب کشائی کا موقع کم ملتا یا بالکل نہ ملتا لیکن ہیرلڈ کے مقابلے میں وہ زیادہ معقولیت سے اپنا دعویٰ جتا سکتا تھا۔ ایک قصہ جو سب سے بڑھکر قرین صدق ہے یہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ ہیرلڈ کا جہاز ٹوٹ گیا اور وہ بہتا ہوا پونتھیو کے حاکم کے علاقے میں جا پہنچا جس نے اسے والی نارمنڈی کے حوالے کر دیا۔ چنانچہ کچھ مدت تک وہ ولیم کے دربار میں رہا اور قبائل برتین کے خلاف فوج کشی میں بھی اس کے ساتھ تھا۔ اسی زمانے میں ہیرلڈ نے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ ولیم کا "آدمی" بن کے رہے گا، اس کی بیٹی سے شادی اور تخت انگلستان کے لئے ولیم کے دعوے کی تائید کرے گا۔ یہ حلف ولیم نے چالاکی سے ایسے قدیم متبرکات پر ہاتھ رکھوا کے لیا

باب نہم

جن کا ہیرلڈ کو علم نہ تھا اور جن کی وجہ سے اس کا حلف اور بھی زیادہ پختہ اور قابل احترام ہو گیا تھا۔ ان جزئیات کا تاریخی ثبوت ملنا ممکن نہیں لیکن یہ بات ضرور قابل لحاظ ہے کہ فرانسیسی مصنف اس حلف پر بہت زور دیتے ہیں اور انگریز اس کی قطعی تردید کی کہیں کوشش نہیں کرتے؛

ہیرلڈ اور اس کے بھائیوں نے پردیسیوں کی مخالفت میں جو حصہ لیا اُس کے باعث بھی نارمنوں کو اس سے عناد تھا الفریڈ ایتھلنگ کے قتل کا واقعہ بھی دشمنی کا ایک حیلہ ہو سکتا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ ایک تو انگریزوں نے روبرٹ (ژومیژی) کا خلافِ شرع اخراج کیا دوسرے اس کے جانشین اُسقف اسٹی گینڈ نے پاپا سے سند لینے کی بجائے اس کے حریف بینی ڈکٹ (دہم) کی سند حاصل کر لی جس سے اور بھی پاپا کو ناگواری ہوئی اور اُمید تھی کہ وہ ایسی مہم کی تائید و تبریک پر آمادہ ہو جائے گا جس کا مقصد یہ بتایا جائے کہ روبرٹ کے اخراج پر انگریزوں کو سزا دینی منظور ہے۔ پاپا کا مشیر اُن دنوں ہلڈی براند تھا جو آگے چل کر پاپائے گریگوری ہفتم بنا، اور بہت ممکن تھا کہ وہ بھی پاپا کی تائید روحانی سے ولیم کے انگلستان فتح کرنے میں ہم آہنگ ہو کیونکہ اس فتح سے کلیسائے انگلستان پر پاپائی اقتدار کا بڑھ جانا یقینی نظر آتا تھا؛

ادھر انگلستان کی سیاحت کے بعد سے خود ولیم کی قوت برابر بڑھتی رہی تھی سنہ ۱۰۵۳ء میں اس نے بالڈون، والی فلینڈرز کی بیٹی ماٹلڈا سے شادی کی جس نے یورپ میں اس کا پایہ اور مضبوط کر دیا۔ پانچ سال بعد اس نے والی فرانس اور اُس کے حلیف ڈیوفرے (امیر آنژو) کو کامل شکست دی سنہ ۱۰۶۳ء میں ریاست مین کا الحاق کیا اور چند روز پہلے برٹانی کی لڑائیوں میں بھی فتحیاب رہا۔ ان سب فتوحات سے اس کے علاقے میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہوا اور وہ خطاب فاتح کا مستحق ہو گیا تھا لیکن ایڈورڈ (تائب) کی وفات کے بعد سے اُس نے فرانس میں ملک گیری کا خیال چھوڑ کر پوری توجہ انگلستان کی طرف منعطف کر دی جس کے تخت کا وہ اپنے نزدیک جائز حق رکھتا تھا۔ چنانچہ شروع میں اس نے باضابطہ تخت انگلستان کی درخواست پیش کی۔ پھر اپنے دعاوی کا ایک اعلان شائع کیا اور آخر میں بزور شمشیر

ملک فتح کرنے کی تیاریاں کیں ؛

جنگ کی تیاریاں

ذاتی حق تلفی اور دینی بدعنوانیوں کا عذر ولیم نے نارمن جاگیرداروں کی ایک مجلس میں پیش کیا جن میں ولیم فٹزاوزبرن، اوڈو (رئیس بائیو) روبرٹ (رئیس منٹگمری)، ہیو (رئیس اوراِنش) ہیو (رئیس مونٹ فورٹ) اور ولیم (رئیس وارین) بہت ممتاز تھے اور ان کے نام تاریخ انگلستان میں بھی مدت دراز تک یادگار رہے ۔ ولیم فٹزاوزبرن کی ہمنوائی میں ان جاگیرداروں نے کسی قدر تامل کے ساتھ شرکت جنگ اور فوج و جہاز مہیا کرنے پر آمادگی ظاہر کی ۔ یوس ٹیس امیر بولون اور الان والئ بریٹانی بھی ساتھ دینے پر رضامند ہو گئے اور اطراف یورپ سے قسمت آزماؤں کا ایک لشکر ولیم کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گیا کہ انگریزوں کے خلاف جہاد میں شریک ہو جس میں بہت کچھ اعزاز اور مال غنیمت ملنے کی اُمید تھی ؛

ادھر ہیرلڈ بھی بیکار بیٹھا ہوا نہ تھا ۔ ملک کو بچانے میں سب سے زیادہ تو اُسے بیڑے کا بھروسہ تھا، پھر فوج خاصہ رُفقا اور ان کی جمعیت اور آخر میں عام احرار قوم کی فوج کا ۔ شروع گرمیوں میں جہاز اور فوجیں جنوبی ساحل پر جمع ہوئیں اور مناسب مقامات پر دستے متعین کر دئیے گئے ۔ لیکن یہ اہتمام ذرا وقت سے پہلے تھا کیونکہ ولیم کو جہاز بنوانے تھے اور اگست سے قبل اس کا بیڑا تیار نہ ہو سکا ۔ اِدھر اتنی مدت تک ہیرلڈ کے سپاہی صبر نہ کر سکے ۔ فصل کا زمانہ بھی آ گیا تھا ۔ آخر ہیرلڈ کو، بے شبہہ بادل ناخواستہ، رُفقا اور احرار کو گھر جانے کی اجازت دینی پڑی اور صرف فوج خاصہ کے آدمی چھاؤنیوں میں باقی رہ گئے ۔ بیڑا بھی ہٹ کر لندن چلا آیا ؛

ٹوس ٹاگ اور ہارڈراڈوا

بدقسمتی سے اس وقت صرف نارمنڈی ہی کی جانب سے حملے کا خوف نہ تھا بلکہ ٹوس ٹاگ بھی اپنی امارت واپس لینے کے لئے بیقرار تھا اور وطنی حقوق کو اس درجہ بھول چکا تھا کہ بیرونی امداد حاصل کرنے کی غرض سے مختلف بادشاہوں کے پاس ڈورتا پھرتا تھا ۔ ولیم والئ نارمنڈی

باب نہم

نے اس کی طرف چنداں التفات نہ کی کیونکہ گاڈون کے ایک بیٹے کو ہٹا کر دوسرے کو لانا، اس کے منصوبات میں داخل نہ تھا۔ بر ایں ہم ٹوس ٹگ نے کسی طرح چند جہاز ضرور فراہم کر لئے اور انگلستان کی بعض بندرگاہوں کو لوٹ کر دل ٹھنڈا کیا۔ ہیرلڈ کا بیڑا اس کی طرف بڑھا تو وہ اسکاٹ لینڈ چل دیا اور وہاں قرارداد سے یا محض اتفاقیہ ناروے کے بادشاہ ہیرلڈ الملقب بہ ہارڈریڈا (بمعنی "رہنمائے شوریٰ") سے ملاقی ہوا جو بطور خود انگلستان پر حملے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ یہ شخص اولاف (ولی) کا چھوٹا بھائی، اور اپنی جہاں گرد و جفاکش قوم کا ایک نمونہ تھا۔ جوانی میں وہ اہل شمال کے اس لشکر کے ساتھ تھا جس نے رومی شہنشاہ کو قسطنطنیہ میں گھیرا۔ پھر بیت المقدس اور مصر گیا اور ایک مگرمچھ کو مار کر بہت نام پایا۔ بعد میں لڑ لڑ کے تخت ناروے تک پہنچا اور نہ صرف جنگجوئی میں شہرت پائی بلکہ مشہور تھا کہ ممالک شمالی میں اس سے زیادہ بلند قامت اور طاقتور کوئی نہیں۔ الغرض، اگر ولیم کے لشکر میں سب رومانی بولنے والے ملکوں کے آدمی جمع ہوئے، تو ہارڈریڈا کے زیر قیادت بھی، ممالک شمال (اسکینڈی نیویا) کے ہر خطے کا بہروآزما موجود تھا؛

اس زبردست لشکر کو لیکر ٹوس ٹگ اور ہارڈریڈا سواحل انگلستان پر پہنچے۔ کلیولینڈ کو تاراج کیا، اسکاربرو میں آگ لگا دی اور وادی ہمبر میں داخل ہو گئے۔ نارتھمبریا والوں کا بیڑا اوہارف کے راستے ٹیڈکاسٹر تک ہٹ گیا تھا، لہٰذا حملہ آوروں نے جہاز ریکال پر چھوڑ دئیے کہ وہ ہارف اور آوز کے سنگم کی نگہبانی کرتے رہیں، اور خود خشکی کے راستے یارک پر چڑھائی کی۔ ہیرلڈ کو امید تھی کہ

فلفرڈ اور سٹیم فرڈ برج کی لڑائیاں

ایڈون اور مورکر اپنی ریاست کے لئے جان توڑ کر لڑیں گے اور واقع میں انھوں نے ۲۰ ستمبر، چہارشنبہ کے دن حملہ آوروں پر بہ مقام فل فرڈ شدید حملہ کیا لیکن لڑائی میں انھیں کامل ہزیمت ہوئی اور وہ بہت نقصان اٹھا کے یارک کی طرف دھکیل دئیے گئے۔ اس حملے کی خبر سن کے ہیرلڈ اور اس کی فوج خاصہ شمال کی طرف دوڑی لیکن وہ ۲۵ ستمبر کے دن یارک پہنچ سکی جہاں معلوم ہوا کہ ایک روز پہلے شہر والے شمالی حملہ آوروں کے مقابلے میں ہتیار ڈال چکے ہیں۔ مگر اتفاق سے حملہ آور

شہر کا قبضہ لینے کے باوجود آٹھ میل دُور ڈروِنٹ کے کنارے اسٹیمفرڈ برج میں مقیم ہوے تھے اور وہیں ہیرلڈ بلا تاخیر اُن کے سر پر جا پہنچا اور پڑاؤ کے ایک حصّے پر جو ندی کے دائیں کنارے تھا، یک بہ یک جا پڑا۔ پھر لڑتا بھڑتا تنگ پل سے گزرا اور جمعیت اصلیہ کی پھیلی ہوی قطاروں میں تہلکہ ڈال دیا۔ حملہ آوروں کو ہزیمت کامل نصیب ہوئی ٹوسٹگ اور ہارڈریڈا دونوں اپنے ہزاروں ساتھیوں سمیت مارے گئے اور سالہا سال تک مقتولوں کی ہڈیوں سے یہ میدان سفید رہے۔

ولیم کا ورود

مگر جس وقت ہیرلڈ یہ شاندار لڑائی جیت رہا تھا، بادِ جنوب کے ولیم کو اسی کے چلنے کا انتظار رہتا، نارمنوں کی رسد کی کشتیوں کو رود بار کے پار انگلستان لا رہی تھی۔ اس کے بعد ہی پوری فوج بھی آ پہنچی اور بلا مزاحمت پیون سی کی پتھریلی ریتی پر اُتری جہاں قریب ہی رومیوں کے ویران قلعے انڈریڈا کی شکستہ دیواریں ایک قدیم ترفتح کی داستان سنا رہی تھیں۔ بادپا سواروں نے یہ خبر یارک پہنچائی۔ ہیرلڈ کے منہ سے بے اختیار نکلا "اگر میں وہاں ہوتا تو وہ ساحل پر قدم نہ دھر سکتے تھے"۔ بہر حال، اب بھی جس قدر جلد ہو سکا وہ اپنے بھائیوں، گیرتھ اور لیوف وائن اور فوج خاصہ کو لیکر لندن کی طرف روانہ ہو گیا اور ایڈون و مورکر سے تاکیدی ہدایت کر دی کہ بلا تاخیر اپنی جمعیت لیکر آ جائیں۔ جنوبی اضلاع اُس کے دونوں بھائیوں کے علاقے اور وال تھیوف (پسر سیورڈ) کے علاقے سے فوج کی بھرتی میں کوئی تساہل نہ ہوا۔ کارن وال سے نارفوک اور ورسٹر سے کینٹ تک ہر مقام کے رفقا اور احرار، مقررہ مقام پر آ پہنچے مگر ایڈون اور مورکر نے اس وقت بھی الگ رہنے کی روش نہ چھوڑی۔ وہ بھول گئے کہ خود انھی کی فلفرڈ کی شکست کے باعث انگریزی فوجیں شمال میں آئیں ورنہ شاید ولیم ساحلِ انگلستان پر نہ اُترتا۔ خلاصہ یہ کہ وہ رُکے رہے اور ہیرلڈ حملہ آوروں کی غارتگری کے قصے سنکر صبر نہ کر سکا اور مجبوراً اُن کے بغیر فوج لے کے چل پڑا۔

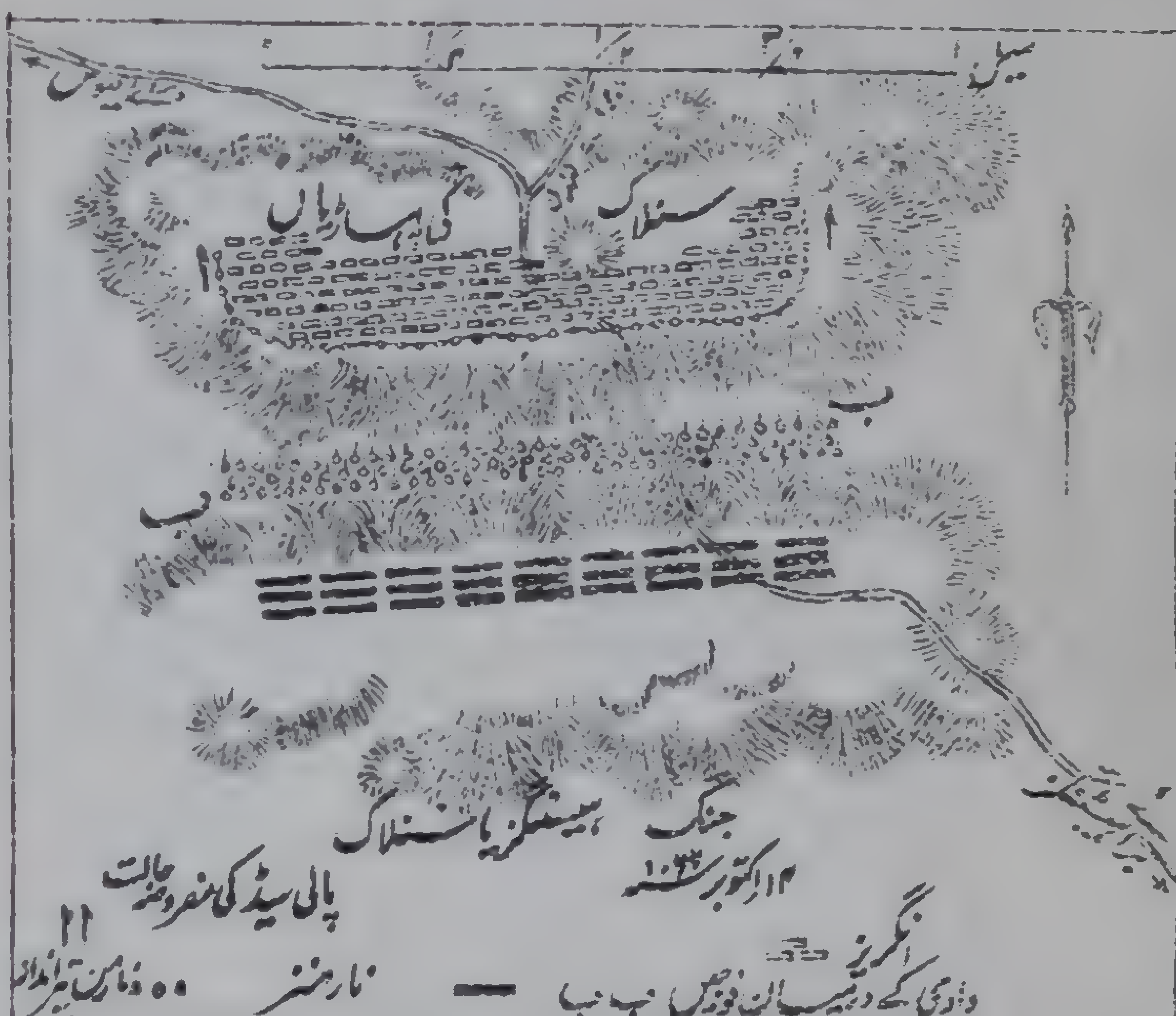
جنگ ہیسٹنگز

اس اثنا میں ولیم ہیسٹنگز تک بڑھ آیا تھا۔ انگلستان کے جنوبی ساحل اور لندن کے مابین پہاڑیوں کے دو سلسلے ہیں

ایک ساحل کے قریب اور دوسرا ٹیمز سے نزدیک تر ہے اور ان پہاڑیوں کے درمیان اُن دنوں ویلڈ کے جنگل پھیلے ہوئے تھے۔ غالباً سپہ سالاری کی عمدہ مہارت مقتضی تھی کہ انھی پہاڑیوں کے درمیان بڑھنے پر مجبور اور شمالی پہاڑیوں پر مقابلہ کیا جائے۔ لیکن ہیرلڈ نے اپنے ملک کے اتنے وسیع قطعات کی پامالی گوارا نہ کی اور گیرتھ کو بطور ہراول آگے بھی نہ جانے دیا بلکہ ملک کی پوری قوت ایک ہی فیصلہ کُن میدان میں جمع کر دی۔ اسی پہلی لڑائی کو اس نے طاقت آزمائی کا اصلی موقع قرار دیا اور سنلیاک کی پہاڑی پر بتاریخ ۱۴ اکتوبر ۱۰۶۶ء جو سینٹ کیلکسٹس کے تہوار کا دن تھا، لڑنے کی ٹھان لی۔ جس قسم کی لڑائی ہیرلڈ کے ذہن میں تھی کہ نبر اور سانگ سے مسلح پیادوں پر تیر انداز و سوار حملہ کریں گے، اس کے لحاظ سے مقام کا انتخاب نہایت عمدہ تھا۔ یہ جگہ کئی اعتبار سے واٹرلو کے میدان جنگ کی یاد دلاتی ہے۔ یہ ایک ٹیکرا ہے جہاں سے ہیسٹنگز سے لندن آنے والا راستہ زد میں ہے، اور ہیسٹنگز سے قریب ہونے کے باعث ولیم کو سے طے کئے بغیر چارہ نہ تھا، ورنہ اسے رسد نہ مل سکتی۔ اس طرح ہیرلڈ جنگی اصول کی رو سے بڑی حیثیت میں رہا کہ دشمن مجبور ہو گیا کہ وہیں آکر جہاں ہیرلڈ اسے لانا چاہتا تھا، اور اُسی طرح لڑے جس طرح ہیرلڈ کا منشا تھا۔ یہ ٹیکرا یا سنلیاک کی پہاڑی (جہاں اب قصبۂ بیٹل آباد ہے) میل بھر کے قریب لمبی ہے اور انگریزوں کو کافی فرصت مل گئی کہ خندق کھود کے، اور شاید باڑھ کھڑی کر کے اپنا محاذ مضبوط کر لیں۔ آخری پچاس سال سے انگلستان کے سپاہی پیشہ جنگ آزما دو دستی تبر استعمال کرتے تھے اور تیروں سے بچنے کے لیے لمبی لمبی ڈھالیں ہوتی تھیں۔ صف جنگ میں فوج خاصہ کے سپاہی جن کی نسبت عام خیال تھا کہ ایک ایک دو دو معمولی سپاہیوں کے برابر ہوتا ہے، قلب میں ایستادہ ہوئے اور بازوؤں پر احرار و رفقا، جن میں سے بعض نبر سے بعض سانگ اور قدیم دو دستی تلواروں سے مسلح تھے۔ ڈھالوں کے علاوہ پیشہ ور سپاہی گھٹنوں تک پہنچی، اور کہنیوں تک آہنین کی زرہیں پہنے ہوئے تھے۔ بادشاہ سے لے کے معمولی سپاہی تک ساری فوج پیادہ تھی، اور اس موقع کے لئے تعداد میں نہ بلحاظ ہر کم تھی نہ ضرورت سے زیادہ لیکن اگر

باب نہم

اسٹیمفرڈ برج میں فوج خاصہ کے اتنے آدمی نہ مارے جاتے اور بعض احرار کی بجائے ہیسٹنگز میں بھی وہی صف آرا ہوتے تو بہتر ہوتا کیونکہ جوش اور دلاوری کے باوصف احرار ہی سے صف جنگ میں کمزوری پیدا ہوئی ہے



ادھر ولیم نے بھی اس عرصے میں اپنے لشکر کو بہترین طریق پر مرتب کر لیا تھا۔ اس کی فوج کا مایۂ قوت وہ زرہ پوش جنگ آزما تھے جو زیادہ تر سانگ یا چھوٹی برچھی سے لڑتے اور اسے پھینک کر مارتے یا قریب آ کر گھونپ دیتے اور تیر انداز جن کو ولیم نے اس فن میں بہت کچھ مشاق و ماہر بنا لیا تھا۔ لیکن چونکہ لڑائی پہاڑی والوں سے کرنی تھی لہٰذا یہ دونوں بہت دقت اور خسارے میں رہے۔ ولیم کا منصوبہ یہ تھا کہ پیادوں کو تیر اندازوں کی مدد سے سامنے بڑھائے اور زرہ پوشوں کو مناسب وقت پر کام لینے کے لئے محفوظ رکھے۔ اس نے اپنے مرکب لشکر کی ترتیب، قومیت کے اعتبار سے کی تھی کہ میسرے پر برٹیانی، قلب میں نارمن اور میمنے پر مطوّعین تھے۔ یہ سب لوگ پیشہ ور سپاہی اور دل کر لڑنے کے اصول سے یقیناً خوب واقف تھے،

اور زیادہ تر اسی میں ولیم کی کامیابی کی اُمید مضمر تھی۔ دوسرے انھیں یہ بھی فائدہ تھا کہ انگریزوں میں تیرانداز نہ تھے اور اس لئے جب تک دست بہ دست لڑائی نہ ہو دشمن انھیں کچھ نقصان نہ پہنچا سکتا تھا؛

صبح کے نو بجے لڑائی شروع ہوئی اور ہر چند زرہ پوش سوار، تیرانداز اور پیادے سبھی جان توڑ کر لڑے تاہم تین بجے سہ پہر تک انگریزی صف میں کوئی خلل نہ آیا۔ خود ولیم جوشِ مردانگی کا نمونہ بنا ہوا تھا اور گیرتھ کو اس نے اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ ادھر ہیرلڈ بھی استقامت کی مثال بنا، اپنی جگہ پر کھڑا تھا، جہاں ویسکس کا اژدرمی اور خود اُس کا 'شمشیرزن' کا علم اُڑ رہا تھا۔ حملہ آوروں کی ہمتیں پست ہونے لگی تھیں اور بعض تو واپس ہٹنے کے مشورے بھی دینے لگے تھے کہ اتنے میں ایک اتفاقی واقعے نے ولیم پر غنیم کی کمزوری عیاں کر دی۔ دراصل انگریز احرار انتظار کرتے کرتے تھک گئے تھے اور بعض نارمن سپاہیوں کو بھاگتے دیکھ کر اُن سے صبر نہ ہوا اور بائیں طرف سے صفیں توڑ کر پیچھے دوڑ پڑے جس سے ان کی قطار میں فصل خالی رہ گیا۔ ولیم نے ذہانتِ خداداد سے فوراً فیصلہ کیا اور فریب سے فراری کا حکم دے دیا۔ اس کے آزمودہ کار سپاہیوں نے ان احکام پر بڑی خوبی سے عمل کیا اور پھر یکایک پلٹ کر دشمن کی خالی صف میں جا گھسے اور بازو سے قلب لشکر پر حملہ کیا۔ ایسی خرابی خود واٹرلو میں ولنگٹن کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیتی اور یہی انجام ہیسٹنگز میں ہیرلڈ کے منصوبوں کا ہوا۔ تاہم کچھ دیر تک فوج خاصہ کی ڈھالوں کی دیوار اپنی جگہ پر جمی رہی اور ممکن تھا کہ تھوڑی دیر میں پسپائی کا موقع نکال لے کہ اتنے میں ولیم نے تیراندازوں کو اُوپر کے رُخ تیر چلانے کا حکم دیا تاکہ ان کے تیر انگریزوں کے سر پر گریں اور یہ چال بھی پہلی کی طرح پوری کامیاب ثابت ہوئی۔ ہیرلڈ کے بھائی، گیرتھ اور لیوف وائن پہلے مارے جا چکے تھے اب وہ خود کام آیا اور رات ہوئی تو میدانِ قتال نارمنوں کے قبضے میں تھا اگرچہ شکست خوردہ انگریز خوف زدہ نہ ہوئے تھے بلکہ پسپائی میں بھی کڑاپن دکھاتے اور جہاں اچھا موقع ملتا، پیچھا کرنے والوں پر پلٹ پڑتے تھے۔ اس قیامت کی لڑائی چار سو برس تک انگلستان کی سرزمین میں نہ ہوئی اور ٹاوٹن کے معرکے تک اتنے آدمی کسی انگریزی میدان میں کھیت نہیں رہے۔ ٹاوٹن کی طرح، یہاں بھی

صرف حکمت نے لڑائی جیتی اور فاتح اور مفتوح دونوں نے ایسی جانبازی دکھائی کہ دونوں کے اخلاف معرکہ سنلیک پر ناز کریں تو بجا ہے اور اب جب کہ انگریز و نارمن واحد قوم کی صورت میں متحد ہو چکے ہیں، وہ اسی جنگ کے حملے اور دفاع کو پیش کر کے کہہ سکتے ہیں کہ برطانی فوج کیا کچھ کمال دکھا سکتی ہے؛

ہیسٹنگز کی شکست میں گرانی اس لئے پیدا ہوئی کہ بہترین انگریز سردار مارے گئے۔ ہیرلڈ اور اس کے بھائیوں کی جگہ لینے والا کوئی سامنے نہ آیا۔ ایڈگر محض خورد سال بچہ اور ایڈون و مورکر بیکار سے بدتر تھے ورنہ بہت ممکن تھا کہ لڑائی جاری رہتی۔ ہیسٹنگز کے باقی ماندہ سپاہی پھر جمع ہو سکتے تھے بحالیکہ نارتھمبریا اور مرسیہ پر تو ہنوز کوئی آنچ ہی نہ آئی تھی۔ مگر ہوا یہ کہ کوئی قیادت کرنے والا ہی نہ رہا اور ولیم کو آزادی مل گئی کہ جو چاہے وہ کرے؛

ولیم کی پیش قدمی لندن پر

سب سے اول تو اس نے اپنی واپسی کا راستہ محفوظ کیا کہ ڈوور، رومنی اور ونچسٹر پر قبضہ کر لیا۔ پھر کینٹربری کے راستے ساؤتھ ورک پر بڑھا اور اس بستی کو جلا دیا۔ مگر لندن کے پل کو یہاں اترنے کی بجائے وہ ٹیمز کے کنارے کنارے والنگ فرڈ تک لوٹ مار کرتا ہوا اور وہاں سے ندی اتر کے برک ہیم اسٹیڈ میں خیمے ڈال دئے۔ اس نے یہ جگہ نہایت موزوں منتخب کی تھی کہ واٹلنگ، ارمائن اور اک نیلڈ تینوں شاہراہیں یہاں آکر ملتی تھیں اور اس کے زد میں آجانے سے لندن کا باہر سے تعلق بالکل ٹوٹ گیا؛

ولیم بادشاہ منتخب ہوتا ہے

اس اثنا میں مجلس عقلا نے ایڈگر ایتھلنگ کو بادشاہ منتخب کر لیا تھا لیکن شمال والوں کی مدد کے بغیر وہ بالکل بے دست و پا تھا اور ولیم سد راہ نہ بھی ہو تو بھی ایڈون اور مورکر ایڈگر کو بچانے کا جوکھم لینے پر آمادہ نہ تھے۔ یہ بات روز بروز عیاں ہوتی گئی تو شاید یہ سوچ کر کہ ممکن ہے ولیم دوسرا کینیوٹ ثابت ہو، جنوب کے اکثر عمائد نے جن میں ایڈگر بھی شامل تھا، باضابطہ تخت و تاج ولیم کے سامنے پیش کیا اور اس کے قبول کر لینے سے تاریخ انگلستان کا ایک نیا دور شروع ہوا؛ مجموعی طور پر ہمیں ہیسٹنگز کے نتیجے کا غم نہ ہونا چاہیے۔ برطانی قوم کی تخلیق و تکمیل میں یہ بھی ایک

ضروری، اگرچہ رنج دہ جزو تھا۔ جس طرح کلیسائے رومہ کے ساتھ مل جانے سے انگلستان کو بہت سے فوائد پہنچے اسی طرح اس ملک کا اقوام یورپ کے گروہ کا ایک اہم فرد بن جانا بھی کچھ کم نتیجہ خیز نہ تھا۔ نارمن فاتح ملک داری کی بہترین قابلیت اور اُن کے دینی علما یورپ کی اعلیٰ سے اعلیٰ شائستگی اپنے ساتھ لائے اور ہر چند کسی قوم کا مفتوح ہونا اس کے دل پر بہت گراں ہوتا ہے تاہم سچ یہ ہے کہ ہیرلڈ کی شکست سے فریقین جنگ کی اولاد کو جیسے بڑے بڑے فائدے پہنچے، وہ اس کی فتح پانے کی صورت میں پہنچنے ممکن نہ تھے ؛

خاص خاص سنین

ولیم کی سیاحت انگلستان .... سنہ ۱۰۵۱ء

ٹوسٹگ کا اخراج نارتھمبریا سے .... سنہ ۱۰۶۵ء

اسٹیمفرڈ برج کی لڑائی .... سنہ ۱۰۶۶ء

ہیسٹنگز کی لڑائی .... ۱۴ اکتوبر سنہ ۱۰۶۶ء



مقابل صفحہ ۱۱۶

جزو دوم

انگلستان کے نارمن بادشاہ

سنہ ۱۰۶۶ تا سنہ ۱۱۵۴ء

شجرۂ ملوک نارمن

ولیم فاتح و ماٹلڈا
سنہ ۱۰۶۶ تا ۱۰۸۷ء

- روبرٹ، والیٔ نارمنڈی
  - ولیم
- ولیم روفس، سنہ ۱۰۸۷ تا ۱۱۰۰
- ہنری اوّل، سنہ ۱۱۰۰ تا ۱۱۳۵
  - ولیم
  - ماٹلڈا زوجۂ (۱) ہنری پنجم (۲) جیوفری (امیر انجو)
    - ہنری ثانی، سنہ ۱۱۵۴ تا ۱۱۸۹
  - روبرٹ
- اڈیلا زوجہ اسٹیفن امیر بلوے
  - اسٹیفن، سنہ ۱۱۳۵ تا ۱۱۵۴
    - یوس ٹیس وغیرہ
  - ہنری

ملوک اسکوٹ لینڈ
سنہ ۱۰۶۶ تا ۱۲۱۴ء

ڈنکن اوّل

- میل کوم
  - (ڈنکن)
  - ایڈگر
  - الیک زنڈر
  - (ماٹلڈا) (زوجہ ہنری اوّل شاہ انگلستان)
  - ڈیوڈ اوّل
    - (ہنری امیر ہنٹنگ ڈن)
      - میل کوم چہارم
      - ولیم (الاسد)
      - ڈیوڈ
- ڈونالڈ بین

بابِ اوّل

ولیم اوّل

سنہ ۱۰۶۶ تا سنہ ۱۰۸۷

(ولادت سنہ ۱۰۲۷ء ـ بن کتخدائی با ماٹلڈا شہزادیِ فلینڈرس) سنہ ۱۰۵۳ء

ملوکِ معاصر؛ اسکاٹ لینڈ............میل کوم ثالث سنہ ۱۰۵۶ تا سنہ ۱۰۹۳ء

فرانس ....فلپ اوّل سنہ ۱۰۶۰ تا سنہ ۱۱۰۸ء

شہنشاہ ....ہنری رابع وفات سنہ ۱۱۰۶ء

پاپا: الگزنڈر ثانی و گرگجوری ہفتم

ولیم فاتح

ولیم فاتح کی تاجپوشی کی رسم سنہ ۱۰۶۶ کے میلادِ مسیحؑ کے دن، ویسٹ منسٹر میں ادا ہوئی۔ رسمی طور سے اسے مجلسِ عقلا نے انتخاب کیا اور حقیقت میں اس کا حقِ حکمرانی ہیسٹنگز کی فتح سے حاصل ہوا تھا لیکن تمام سرکاری کاغذات سے ہیرلڈ کا نام اُڑا دیا گیا اور ولیم کو ایڈورڈ (تائب) کے جانشین کی حیثیت سے یاد کیا جانے لگا۔ یہ بات کہ اس کی بادشاہی صرف انتخاب پر مبنی نہ تھی بلکہ اس میں تلوار کا بھی دخل تھا، تاجپوشی ہی کے روز ایک

باب اول

خوف انگیز واقعے سے ظاہر ہو گئی۔ یعنی عمارت کے اندر حسب معمول تاج پہنانے وقت صدر اسقف نے حاضرین سے تائید چاہی تو عمارت کے باہر جو نورمن سپاہی پہرے پر تھے وہ تائیدی نعروں کو سنکر یہ سمجھے کہ اندر کوئی فساد یا بلوہ ہو گیا اور انھوں نے آس پاس کے مکانوں میں آگ لگادی اور یہ دن اسی کشت و خون اور تباہی میں ختم ہوا۔ بایں ہمہ رسمی انتخاب و تاجپوشی فوائد سے خالی نہ تھی کیونکہ ان سے ولیم صحیح معنی میں بادشاہ جائز ہو گیا اور اس کے خلاف ہر قسم کی سعی و تدبیر قانون کی نظر میں جائز لڑائی نہیں رہی بلکہ بغاوت و غداری بن گئی۔

گو پورا ملک فتح ہونے میں ابھی بہت کسریں تھیں ہیسٹنگز میں ولیم نے ہیرلڈ کی تنخواہ دار فوج اور صرف جنوبی اور جنوب مشرقی اضلاع کی جمعیتوں کو ہزیمت دی تھی۔ اور نہ صرف نارتھمبریا اور مرسیہ بلکہ جنوب مغربی اضلاع سے لڑنا باقی تھا۔ ایڈون و مورکر کے ارادے پہلے تو پردۂ خفا میں تھے لیکن چند ہی ہفتے میں انھوں نے حاضر دربار ہو کر ولیم کی بادشاہی تسلیم کر لی اور اس طرح ۱۰۶۷ء کے اوائل میں نئے بادشاہ کو قریب قریب وہی مرتبہ حاصل ہو گیا جو ایڈورڈ (کبیر) کو ڈینی لا یعنی ڈینی اضلاع کی فتح سے قبل میسر تھا۔ ولیم نے بھی اس اظہار اطاعت کو قبول کر لیا اور ان امیروں کو اپنی ریاستوں میں برقرار رہنے دیا اور صرف خاندان گاڈون یا ان لوگوں کی جاگیریں اپنے نارمن ساتھیوں میں تقسیم کرنے پر قناعت کی جو ہیسٹنگز میں حملہ آوروں کے خلاف آکے لڑے تھے۔

بغاوتیں

مارچ ۱۰۶۷ء میں ولیم چند روز کے لئے نارمنڈی گیا اور انگلستان کا انتظام اپنے علاتی بھائی اوڈو (اسقف بائیو) اور اپنے عزیز دوست ولیم فٹز اوزبرن کے حوالہ کر گیا۔ اوڈو اپنے ہم قوموں کی نظر میں محبت و احترام دونوں کا مستحق تھا اور اوزبرن جب تک زندہ رہا ولیم ہر دشوار کام میں اسے ضرور طلب کرتا تھا۔ ان سب باتوں کے باوجود بادشاہ کے غیاب میں ظاہر تا بوطلب نارمنوں کی خود دماغی سے اہل انگلستان تنگ آکر لڑنے پر تیار ہو گئے۔ ہیریفرڈ شر میں ایڈرک (وحشی) کے زیر قیادت اور کینٹ میں یوس ٹیس (امیر لو بون) کی مدد سے لوگوں نے بغاوت کردی۔ مگر

ان کا آپس میں کوئی تعلق نہ تھا اور چونکہ ولیم، ایڈگر، ایڈون، مورکر وغیرہ ممتاز اشخاص کو اپنے ساتھ لے گیا تھا، لہذا ان بغاوتوں کو ایک متحدہ قومی تحریک بنانے والا کوئی نہ تھا اور اسی لئے وہ آسانی سے فرد کرلی گئیں۔ لیکن واپس آکر ولیم نے باضابطہ پورے جزیرے کی فتح پر کمر باندھی اور سب سے اول ایکزیٹر پر توجہ کی جہاں گاڈون کی بیوہ گیتھا اور اس کے پوتے یعنی ہیرلڈ کے بیٹوں نے پناہ لے رکھی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایکزیٹر والوں کے ذہن میں کچھ اس قسم کا بھی خیال تھا کہ ان کا شہر آزاد چھوڑ دیا جائے۔ مگر ولیم نے ایسی نیم الطاعت کو قبول نہ کیا اور اٹھارہ دن کے محاصرے میں شہر والوں نے ہتیار ڈال دیے۔ ہیرلڈ کے گھر والے بچ کے نکل گئے۔

اسی سال ایڈون، مورکر، اور ایڈگر (اتھیلنگ) دربار سے نکل بھاگے اور برائے نام ایڈگر کی سرداری میں شمال والوں نے بغاوت کی۔ چونکہ باغیوں کو شاہ ڈنمارک سے بھی مدد ملنے کی امید تھی، لہذا معاملہ زیادہ سنگین بن گیا تھا اور ولیم کو اس کا قلع قمع کرنے کی غرض سے خود شمال کی طرف جانا پڑا۔ وہ آہستہ آہستہ بڑھا مگر ہر قدم پر مضبوطی کرتا ہوا۔ یعنی ایڈورڈ (کبیر) کی طرح اس نے وسطی اضلاع میں ایک ایک شہر تسخیر کیا اور ان میں مضبوط حصار بنا دیے جن میں ضروری ساز سامان کا عمدہ انتظام اور ایسی طاقتور مقامی فوج متعین تھی کہ کوئی باغی اپنی اراضی کو اس سے محفوظ نہ سمجھ سکتا تھا۔ دوسرے شہروں کی تل، وارک اور ناٹنگھم کے ساتھ بھی یہی عمل ہوا۔ ولیم کی آمد آمد سنکر ایڈون و مورکر کی ہمت ٹوٹ گئی۔ انھوں نے نے اطاعت قبول کرلی اور ایڈگر اسکاٹ لینڈ فرار ہو گیا۔ ولیم نے بھی یارک میں ایک بالا حصار بنانے پر اکتفا کی، اور ولیم میلٹ کو قلعہ دار مقرر کیا۔ پھر جنوب کی طرف پلٹ کر اس نے لنکن، اسٹیمفرڈ اور کیمبرج میں قلعے تعمیر کئے۔ ہیسٹنگز، ڈوور، ونچسٹر، لنڈن، ناریچ، ایکزیٹر اور برسٹل میں وہ پہلے قلعے بنوا چکا تھا۔ لہذا اب جنوبی علاقے پر مستقل تسلط کے انتظام میں کوئی کسر نہ رہی اور ہیرلڈ کے بیٹوں نے دو مرتبہ مغربی اضلاع کو بھڑکانے کی جو کوششیں کیں، وہ بالکل ناکام رہیں۔

لیکن شمال حقیقت میں ابھی مطیع و منقاد نہ ہوا تھا اور ۱۰۶۹ء میں ڈرہم والوں نے

روبرٹ (کومینی) کو مار ڈالا جس نے ناعاقبت اندیشی سے ولیم کے کہنے پر نارتھمبریا کی نوابی قبول کر لی تھی۔ اس واقعے سے یارک والوں کو بھی تحریک ہوئی اور انھوں نے بادشاہ سے انحراف کیا۔ دوبارہ ولیم یارک گیا اور آوز کے مقابل اُس نے ایک اور قلعہ بنوایا۔ لیکن سردیوں میں ڈین مارک والوں کا ایک بڑا بیڑا ہمبر میں داخل ہو گیا والتھیوف کے انگریز سپاہی بھی انھی لوگوں سے مل گئے اور یارک کے دونوں چوبی قلعے جلا کے مقامی سپاہیوں کو ہلاک یا قید کر لیا۔ اس لڑائی میں والتھیوف نے ذاتی دلیری اور قوت کی بنا پر بڑی ناموری پائی۔

ولیم نے تیسری مرتبہ یارک پر چڑھائی کی۔ وہاں والوں کی سرکشی سے پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا تھا لہٰذا اب کے اس نے ٹینیز اور ہمبر کے درمیان سارے مزروعہ علاقے کو پامال کر ڈالا کہ اُس کے جنوبی ملک اور شمالی باغیوں کے بیچ میں ویران علاقہ پڑا رہ جائے۔ والتھیوف نے مایوس ہو کر اطاعت قبول کر لی۔ ڈین مارک کے بیڑے کو روپیہ دے دیا گیا کہ وہ لڑائی میں کوئی حصہ نہ لے اور اس طرح شمال کی شورش فرو کر کے ولیم پہاڑیوں کے پار چیسٹر آیا اور چیسٹر کو مسخر کیا کہ انگریزی شہروں میں اب تک آزادی کا دم بھرنے والا صرف یہی ایک شہر باقی رہ گیا تھا۔ اس عرصے میں ایڈگر شاہ اسکاٹ لینڈ کے پاس پناہ گزیں تھا مگر سوائے اس کے کہ ٹویڈ کے پار اتر کے شمالی پرگنے تاراج کرے اُس نے اور کچھ نہ کیا اور اُس غارتگری کا نتیجہ یہ ہوا کہ ولیم کی رحمدلی یا تساہل سے شمال میں جو کچھ باقی رہ گیا تھا وہ شاہ اسکاٹ لینڈ میل کم کی دست درازی کا شکار رہا اور یہ پورا خطہ جو جنوب کی نسبت ہمیشہ سے کم آباد و کم زرخیز تھا اب ایسا تباہ ہوا کہ اٹھارھویں صدی کے آخری نصف میں صنعتی ترقی کے دوبارہ فروغ عظیم پانے سے قبل شاید اسے کبھی فلاح و بہبود یا متناسب تہذیب و تمدن کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔

چیسٹر کی تسخیر (۱۰۶۹ء) نارمن فتح کی تکمیل ظاہر کرتی ہے لیکن اسی سال فینس کے باشندے ہیرو وارڈ کے زیر علم اٹھ کھڑے ہوئے اور اُس نے جزیرۂ ایلی کو اپنا جنگی مامن قرار دیا۔ ۱۰۷۱ء میں ایڈون و مورکر کو بھی بغاوت کی ہمت ہوئی مگر ایڈون تو اسکاٹ لینڈ نکل جانے کی کوشش میں غالباً اپنے ہی ساتھیوں کے

ہاتھ سے مارا گیا اور مُور کر نے ہیروارڈ کی شرکت اختیار کی۔ پھر بھی یہ بغاوت دیرپا نہ نکلی۔ ولیم نے کیمبرج کو مستقر بنا کے ایلی پر خشکی اور تری، دونوں طرف سے حملہ کیا۔ ہیروارڈ تو بظاہر بچ نکلا مگر مُور کر پکڑا گیا اور عمر قید کی سزا پائی۔ پھر ہیروارڈ نے بھی اطاعت قبول کر لی اور والتھیوف کی طرح مورد الطاف بن گیا؛ ایلی کی یہ بغاوت انگریزوں کی، قومی آزادی بہ حیثیت ایک انگریز قوم کے قایم رکھنے کی راہ میں آخری کوشش تھی۔

جب یہ بغاوتیں ختم ہو گئیں تو ولیم ملک کے اندرونی معاملات پر متوجہ ہوا اور اپنی حکمت عملی کے خاص خاص مقصد یہ قرار دیے کہ (۱) ملک پر قبضہ محفوظ و مستقل قائم ہو (۲) اس کے نارمن رفیقوں کو مناسب انعام و اکرام دیا جائے۔ اور (۳) نارمن امرا حد سے زیادہ طاقتور نہ ہونے پائیں؛ پہلا مقصد بہت کچھ تو جنوب میں قلعے بنانے اور شمال کو تاراج کرنے سے حاصل ہو چکا تھا لیکن اب اس نے خود اپنی طرف سے نارمنوں کو پٹے پر زمینیں دیں جس سے ہر ضلعے میں نارمن جاگیرداروں کی حکمراں جماعت مرتب ہو گئی جو گویا بادشاہ کے نائب ہوتے تھے اور سوائے چند پرگنوں کے ہر جگہ انگریز باشندے انھی نارمنوں کے محض کاشتکار رہ گئے۔ چند آزاد انگریز زمیندار جو باقی رہ گئے تھے، انھیں بھی مجبور کیا گیا کہ اپنے حق ملکیت کی تصدیق بادشاہ سے کرائیں اور اس طرح جنوبی ساحل سے ٹوئڈ تک ساری زمین کی اصلی ملکیت بادشاہ کے ہاتھ میں آ گئی۔ ان عطیات یا جاگیروں کی شرط یہ ہوتی تھی کہ پٹہ دار سال میں چالیس دن کے لئے، غالباً پانچ یا پانچ کے پہاڑے ہی کا ایک عدد مبارزین مہیا کرنے کا ذمہ دار ہوتا تھا، جو بادشاہ کی ذاتی خدمت انجام دیتے تھے۔

لیکن اصلی دشواری بڑے امرا کو قابو میں رکھنا تھی جن سے ایک طرف تو یہ اندیشہ تھا کہ بادشاہ سے سرتابی کرنے لگیں گے اور دوسری طرف یہ کہ عوام الناس کی آزادی کا شائبہ تک مٹانے پر تل جائیں گے۔ جرمانیہ اور فرانس میں یہی ہو چکا تھا اور انگلستان میں اگر اس کی نوبت نہ آئی تو یہ ولیم فاتح ہی کے

ولیم کی حکمت عملی

تدبر کا نتیجہ تھا۔ وہ خود والیِ نارمنڈی رہ چکا تھا اور چاہتا تھا کہ خود اُس کے
ماتحتوں میں کوئی شخص انگلستان میں اتنا اقتدار حاصل نہ کر سکے۔ اسی بنا پر اپنے رفیقوں
کو خطابات اور جاگیریں دیتے وقت اُس نے بڑے غور و فکر سے ایک تدبیر سوچی
اور اسی کے مطابق عمل کیا۔ امیر (ارل) کا خطاب معدودے چند اشخاص کو
دیا گیا اور اگر اس کے پاس دو پرگنے تھے تو وہ ایک دوسرے سے متصل نہ رہنے
دئے۔ انعام دینے کے لئے زمینوں کی کچھ کمی نہ تھی کیونکہ ہیسٹنگز میں جو لوگ لڑے
ان سب کی زمینیں ولیم نے ضبط کر لی تھیں اور یہی بعد کی بغاوتوں میں بھی عملدرآمد
کیا تھا۔ مزید برآں شاملات کی زمینیں جو کچھ باقی تھیں وہ بھی سب بادشاہ کی
جاگیر شمار ہونے لگی تھیں۔ یہ وسیع اراضی ولیم نے اپنے ساتھ والوں میں تقسیم کر دیں
مگر خیال رکھا کہ اگر کسی کو کئی کئی مقطعے ملیں تو وہ مختلف اطرافِ ملک میں ہوں۔ مثلاً
خود ولیم کے علاتی بھائی روبرٹ (امیر مورٹین و کارنول) کو ۹۳، مقطعے یا گاؤں ملے۔
مگر یہ بیس اضلاع میں بٹے ہوئے تھے۔ پھر یہ کہ شیرف یا بادشاہی عامل کے اختیارات
بجنسہ رہنے دئے اور اب اگر کوئی امیر یا جاگیردار اپنی جمعیت فراہم کرنی چاہتا
تو سرکاری عامل کے لئے اُس کے دستوں کا الگ الگ قلع قمع کر ڈالنا مشکل
نہ تھا۔

تفصیلی صحت کے ساتھ نظر ڈالئے تو اس کلیئے میں تین مستثنیات بھی تھیں۔
ایک تو ڈرہم کی اسقفی دوسرے کینٹ اور تیسرے چیسٹر کی امارت۔ جہاں پورا ضلع
ایک ایک امیر کے قبضے میں تھا۔ اور بادشاہی پٹہ داروں کی بجائے تمام زمیندار
وہاں کے امیروں کے پٹہ دار تھے۔ بجز پادریوں کے۔ رہی ڈرہم کی اسقفی تو
اس کا منشا یہ تھا کہ اسکاٹ لینڈ کی طرف سے حملوں کی پاسبانی کریں۔ اور چونکہ یہ
منصب موروثی نہ تھا لہذا خالی ہونے پر ہر دفعہ بادشاہ ایسا آدمی مقرر کر سکتا تھا
جو اس کے ساتھ حسن عقیدت رکھتا ہو۔ کینٹ کی امارت بھی اوڈو کو دی گئی تھی جو
ایک مذہبی آدمی تھا اور اُس کے بعد کوئی جانشین مقرر نہیں کیا گیا۔ البتہ صرف
چیسٹر کی با اختیار امارت ہیو (امیر آورانش) کو ملی جس کا کوئی کلیسائی منصب
نہ تھا۔ اسی طرح روبرٹ (امیر منٹگمری) شروزبری اور ولیم فٹز اوزبرن ہیریفرڈ

میں با اختیار امیروں کی حیثیت رکھتے تھے اور ویلز کی سرحد کے یہی تین امیر بادشاہ کی رعایا میں سب سے طاقتور تھے مگر خوش نصیبی سے ان کا زیادہ تر وقت اپنے ہمسایہ ویلز یوں سے جنگ و جدال میں گزر جاتا تھا؛

نو تعمیر قلعے بھی ولیم نے، بہ استثنائے چند، سب اپنے ہاتھ میں رکھے۔ ان کے قلعہ دار خود نامزد کرتا اور وہاں کی مقامی فوجوں کو شاہی خزانے سے تنخواہ ملتی تھی۔ یہی سبب تھا کہ ممالک یورپ میں تو قلعے، رہزنی اور شورشوں کا گھر بن گئے تھے اور اس کے برخلاف ولیم کے زمانے میں یہ قلعے اپنی نواح میں نارمنوں اور انگریزوں میں قیام امن کے ضامن تھے؛

جس طرح ولیم نے نارمنوں کو ہر جگہ زمینداری میں فوقیت دی اسی طرح کلیسائی عہدوں کے صدر بھی نارمن یا پردیسی مقرر کئے۔ خانقاہوں اور اسقفی حلقوں میں جو جگہ موت یا معزولی سے خالی ہوئی اس پر انگریز کی بجائے کسی پردیسی کا تقرر عمل میں آیا۔ سنہ ۱۰۷۰ء میں اسٹی گینڈ جس کی صدر اسقفی ہمیشہ سے تذبذب میں تھی، ہٹا دیا گیا اور اس کی بجائے ولیم نے اپنے دوست اور مشیر **لین فرینک** کو مقرر کیا جو کاٹن کی خانقاہ **سینٹ اسٹیفن** کا متولی تھا۔ اسی کے قریب زمانے میں ٹامس (متوطن بائیو) یارک کا صدر اسقف مقرر ہوا یہ اپنے زمانے کے علمائے کبار میں شمار ہوتا تھا۔ مگر **لین فرینک** نہایت مدبر آدمی تھا اور اس نے انگریزی کلیسا میں جو ردّ و بدل کئے وہ مجموعی طور پر فائدہ مند ثابت ہوئے۔ اس نے بار بار جلسے کر کے اخلاقی حالت درست کی حصول علم کی تحریص کی اور راہبوں کو از سر نو ضوابط کا پابند بنایا۔ اس زمانے میں سب سے بلند خیال اشخاص کی جو رائے تھی اس کے مطابق لین فرینک نے پادریوں میں تاہل کو بھی ممنوع کر دیا۔ یہ سب تغیرات ایسے تھے جن سے علمائے مذہب کا ایک جداگانہ فرقہ تیار ہونے لگا۔ ادھر ولیم نے پرگنے کی پنچائت میں اسقف کو جاگیر دار یا نواب کے پہلو بہ پہلو مسند صدارت پر بیٹھنے سے روک دیا اور خود اسقفی عدالتیں علیحدہ بنا دی تھیں، جن میں کلیسائی یا دینی جرائم کی تحقیقات ہوتی تھی؛ لہٰذا اس حکمت عملی کا مجموعی اثر یہ ہوا کہ مذہب و سیاست نمایاں طور پر

ایک دوسرے ممتاز اور جدا ہو گئے؛

ان تبدیلیوں کی بدولت تمام موقر عہدوں پر انگریزوں کی بجائے پردیسی اشخاص مامور ہو گئے لیکن قدیم انگریزی آئین و قوانین کو کالعدم نہ کیا گیا بلکہ مجلس عقلا سے لے کر نیچے تک کی تمام انگریزی پنچائتیں وغیرہ بجنسہ قائم رہیں اگرچہ ان کی وقعت میں بہت کچھ فرق آگیا۔ بڑے آدمیوں کی زبان بے شبہ فرانسیسی تھی لیکن انگریزی کا استعمال ترک کرانے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی اور خیال کیا جاتا ہے کہ خود بادشاہ نے اپنی رعایا کی زبان ورساً ورساً سیکھی تھی۔ اس میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ وہ انگریزی قوانین معلوم کرنے چاہتا تھا اور اسی غرض سے سنہ ۱۰۷۰ء میں ہر ضلع سے ۱۲، ۱۲ چیدہ اشخاص طلب کئے تھے کہ بحلف ملک کے رواج اور معمولات بیان کریں؛

خارجی حکمت عملی اس اندرونی حکمت عملی پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ ولیم قدیم انگریز بادشاہوں کے حقوق کی پوری طرح حفاظت کرتا رہا۔ اس نے اسکاٹ لینڈ پر یورش کی اور ٹے کے کنارے ابرنتھی تک بڑھے چلا گیا۔ اور میل کم کو مجبور کیا کہ (سنہ ۱۰۷۲ء میں) اس کی رفاقت کا اقرار کرے۔ غالباً اسی معاہدے کی روسے اس نے ایڈگر ایتھلنگ کا اخراج کرایا جس کا ذکر آئندہ ہم یہ پڑھتے ہیں کہ وہ امیر فلینڈرس کے ساتھ رہتا ہے؛ اس واقعے سے ایک سال پہلے میل کم نے ایڈگر کی بہن مارگریٹ سے شادی کر لی تھی جس سے اسکاٹ لینڈ کی تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا کیونکہ اب تک یہاں کے رئیسوں نے اپنی قلطی خصائص کو خالص محفوظ رکھا تھا لیکن میل کم کا قیام سیوارڈ کے ساتھ رہا اور وہ انگریزی طور طریق سیکھ کر انھیں بہت پسند کرنے لگا جس کی تصدیق مذکورہ بالا شادی سے ہو گئی۔ اسی زمانے سے لوتھین کی انگریزی امارت اسکاٹ لینڈ میں سب سے باوقعت سمجھی جانے لگی۔ بادشاہ اور درباریوں نے انگریزی عادات اختیار کر لیں۔ برسہا برس تک شاہ اسکاٹ لینڈ، دربار انگلستان میں اول درجے کا منصب دار مانا جاتا تھا اور ویلز کے رئیسوں پر بھی انگریزی بادشاہ کی سیادت پوری پابندی سے جتائی جاتی تھی۔ اسی کے ساتھ آئرستان میں بھی رسوخ حاصل کرنے کی کچھ نہ کچھ کوشش ہوتی رہی۔ ڈبلن کے دو ڈینی صدر اسقف یکے بعد دیگرے دستار بندی

باب اول

کے لئے لین فرینک کے پاس آئے اور کہا جاتا ہے کہ ولیم یک بہ یک فوت نہ ہو جاتا تو وہ اس جزیرے کو فتح کرنے کی ضرور سعی کرتا۔

ولیم کے تعلقات پاپا سے

پاپا گریگوری ہفتم (یعنی مشہور ہلڈیبرانڈ) کے ساتھ ولیم کے بہت کچھ تعلقات رہے لیکن انگلستان کو ایک پاپائی ملک یا جاگیر تسلیم کرنے سے اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ اس کے کسی پیش رو نے ایسا نہیں مانا تھا۔ اسی کے ساتھ وہ شرائط اختیارات سے تکلم بند کر دیں جن کے ماتحت پاپا کا کلیسائے انگلستان پر اقتدار قائم رہ سکتا تھا۔ اس غرض سے کہ انتخابات میں جھگڑے نہ پڑیں، یہ اصول نافذ ہوا کہ "پاپا کا کوئی حکم انگلستان میں واجب العمل نہ ہوگا تاوقتیکہ بادشاہ کی طرف سے اس کا نفاذ نہ ہو" اور اس خیال سے کہ کہیں پاپائی فرامین خود بادشاہی اختیارات میں رخنہ اندازی کریں، یہ قرار پایا کہ کوئی پاپائی فرمان وصول ہی نہ کیا جائے گا جب تک کہ بادشاہ اس کا معائنہ نہ کر لے؛ مزید برآں علمائے دین کا کوئی جلسہ بغیر شاہی منظوری کے، اور کوئی قانون یا ضابطہ بغیر شاہی استصواب کے مرتب نہ ہو سکتا تھا۔ انگلستان کے باہر شاہی عہدہ داروں کو مذہب سے خارج اور مردود کیا جا سکتا تھا اور اس رواج سے طرح طرح کے جھگڑے پیدا ہوتے تھے، لہذا ولیم نے حکم دیا کہ کلیسائی عدالتیں اس کے منصب داروں یا عاملوں کو کسی گناہ کے باعث مذہب سے خارج نہیں کر سکتیں نہ مقدمہ چلا سکتی ہیں جب تک کہ بادشاہ صراحتہً اس کی منظوری نہ دیدے۔

جاگیرداروں کی بددلی اور پہلی بغاوت

بادشاہی اقتدار کی حفاظت اور جاگیرداروں کو قابو میں رکھنے کا ولیم نے پختہ ارادہ کر لیا تھا اور یہ چیز ان لوگوں کے واسطے بہت مایوس کن تھی جو اس اُمید کے ساتھ انگلستان کی فوج کشی میں شریک ہوئے تھے کہ جب اُن کا امیر بادشاہی کے رتبے پر پہنچے گا تو وہ خود بھی با اختیار امراء اور رؤسا کا مرتبہ حاصل کر لیں گے۔ چنانچہ آیندہ سو برس تک وہ اور ان کے اخلاف جدوجہد کرتے رہے کہ ولیم فاتح نے جو قیود عائد کی تھیں ان سے آزادی حاصل کر لیں جس سے ممالک یورپ

کے جاگیردار بہرہ مند تھے۔ لیکن ان کی روک تھام کے لئے بادشاہ عموماً علمائے دین، انگریز باشندوں اور خصوصاً شہر والوں سے بخوبی کام لے سکتا تھا۔ نارمن فتح سے قبل ہی ہم شہروں کو ترقی اور فروغ پاتے دیکھ چکے ہیں۔ عہد جدید کے حالات ان کے نشو ونما میں اور بھی مساعد ہوئے۔ پردیسیوں نے نیا ذوق پیدا کیا۔ مال کی ولیم کے زمانے میں بڑے اہتمام سے حفاظت کی جانے لگی۔ انگلستان و نارمنڈی کی بندرگاہوں پر آمد ورفت بڑھی۔ اور یہ سب اسباب فروغ تجارت میں ممد ہوئے اور انگریزی قریوں نے بہت جلد وہ رونق حاصل کرلی کہ پہلے اس کا عشر عشیر بھی نہ تھی ؛

اس عرصے میں جاگیرداروں کی بددلی نے سب سے پہلے ۱۰۷۴ء میں انحراف وسرکشی کی صورت اختیار کی۔ ان کے سرغنہ رلیف (گوآدری) اور روجر (بری تیوکی) تھے کہ پہلا تو نورفوک کا رئیس اور ایڈورڈ تائب کے ایک بریتانی سردار کا بیٹا تھا اور دوسرا ولیم فٹز اوزبرن کا منجھلا بیٹا جو اپنے باپ کی وفات پر ہیرفرڈ کا رئیس بنادیا گیا تھا۔ رلیف نے بادشاہ کے حکم کے خلاف روجر کی بہن ایما سے شادی کی اور وال تھیوف (پسر سیوارڈ) جو قبولِ اطاعت کے بعد نارتھمبریا کا رئیس بنایا گیا اور بادشاہ کی بھانجی جوڈتھ اسے بیاہی، شادی میں شریک تھا۔ اسی شادی میں رلیف و روجر نے بغاوت کی ٹھانی کہ جس زمانے میں بادشاہ نارمنڈی گیا ہوا ہو، اس وقت شروع کی جائے اور وال تھیوف کو بھی شرکت پر آمادہ کیا۔ شرط یہ تھی کہ کامیابی کی صورت میں انھی تینوں میں سے ایک بادشاہ ہوگا اور باقی دو امیر کبیر بنادئے جائیں گے۔ وال تھیوف اس وقت تو نادانی سے رضامند ہوگیا مگر بعد میں پشیمان ہوا اور لین فرینک سے سازش کا حال بیان کردیا۔ قرارداد کے مطابق ۱۰۷۵ء میں مشترکہ بغاوت ظہور میں آگئی لیکن اس کے فرو کرنے میں ولیم، اہل کلیسا اور انگریز باشندوں پر بھروسہ کرسکتا تھا چنانچہ ووسٹر کے انگریز اسقف ولفسٹن نے تو وہاں کے عامل کی مدد سے روجر کی خبر لی اور اوڈو (اسقف بایوتو) وغیرہ رلیف کے مقابلے میں بڑھے۔ اس نے بھاگ کر ڈین مارک میں پناہ لی مگر اس کی نئی دلھن

ناریچ کیس میں قلعہ بند ہوکر تین ہفتے تک مقابلہ کرتی رہی۔ روجر گرفتار ہو گیا اور وال تھیوف کے ساتھ مجلس عقلا میں، اس کا مقدمہ پیش ہوا۔ اس کا جرم آشکارا اور وال تھیوف کی شراکت مشتبہ تھی پھر بھی روجر کو قید کی اور وال تھیوف کو موت کی سزا ملی حالانکہ وہ مجرم تھا بھی تو اتنا نہ تھا۔ لیکن ونچسٹر میں اسے حسب فیصلہ مروا دیا گیا اور بہت سے لوگ اسے شہید یا بے گناہ مقتول سمجھتے رہے۔ اس کی بیٹی ڈیوڈ سے بیاہی جو آگے چل کے اسکاٹ لینڈ کا بادشاہ ہوا اور اسی مادری ورثے سے ملوک اسکاٹ لینڈ مدت تک ہنٹنگ ڈن کے جاگیردار رہے۔

خانگی قضیے ولیم کو آیندہ خود اپنے کنبے میں لڑائی جھگڑوں سے سابقہ پڑا۔ اس کے تین بیٹے جوان ہو گئے تھے:۔ روبرٹ (ولادت ۱۰۵۶ء) ولیم (ولادت ۱۰۶۰ء) اور ہنری۔ (ولادت ۱۰۶۸ء) بادشاہ کی حکمت عملی کا ایک جزو یہ بھی تھا کہ اس نے ان میں سے کسی کو انگلستان میں جاگیر نہ دی اور کہا جاتا ہے کہ اسی بنا پر روبرٹ کو غصہ آیا جو اپنی ماں کا چہیتا بیٹا تھا اگرچہ خود ولیم اسے تلون اور محض تفریح پسند سمجھتا تھا۔ بہر حال ۱۰۷۸ء میں روبرٹ نے باپ کا دربار چھوڑ کے چند نوجوان یاروں کے ساتھ آوارہ گردی شروع کی۔ اس کے ساتھیوں میں شروزبری کے رئیس کا بیٹا روبرٹ (بلیمی) بھی تھا۔ ۱۰۷۹ء میں شاہ فرانس نے اس شہزادے کو ژربروا کے سرحدی قلعے کا حاکم بنا دیا اور وہیں اس کے باپ ولیم نے اسے آگھیرا۔ باپ بیٹوں میں یک بیک رزم کی نوبت بھی آئی جس میں ولیم کی پٹ ہی ! کھڑ گئی اور ایک انگریز رفیق کی دلیری سے جان بچی جو اس وفاداری کی بدولت خود جان سے گیا۔ کچھ روز بعد روبرٹ باپ سے مَن گیا لیکن ولیم کی اس کے مزاج سے بدگمانی آخر تک باقی رہی۔ تاہم اسکوٹوں کے خلاف یورش میں اسے بھی بھیجا گیا اور شمال میں اپنے قیام کی یادگاریں رومی فصیل کے سرے پر نیوکاسل اون ٹائن کا قلعہ اسی نے تعمیر کرایا۔

۱۰۸۲ء میں اپنے علاتی بھائی اوڈو کی نخوت و بیباکی سے ولیم بہت ناراض ہوا۔ وال تھیوف کی موت کے بعد سے ولیم کی توجہ بیشتر ممالک یورپ کے معاملات پر رہی اور بادشاہ کے نارمنڈی جانے کے زمانے میں اوڈو ہی اس کی نیابت کرتا تھا۔

مگر اس کا طرز حکومت، ولیم کو مطلق پسند نہ آیا کیونکہ وہ غریبوں کو ستاتا اور ناواجب زر ستانی سے ساری رعایا کو ناراض کئے دیتا تھا۔ ڈرہم کا اسقف خونیوں کے ہاتھ سے مارا گیا تو اوڈو نے اس کی سزا میں گناہگار و بے گناہ سبھی کو پیس ڈالا۔ ڈرہم کا اسقفی عصا بھی اُڑا لایا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اب پاپائی کے خواب دیکھ رہا اور کوہ الپس کے پار لڑنے کے لئے سپاہی بھرتی کر رہا تھا۔ اس آخری حرکت پر ولیم مداخلت کئے بغیر نہ رہ سکا اور انگلستان واپس آکر اُس نے اوڈو کو "اسقف بائیو کی حیثیت سے نہیں بلکہ رئیس کینٹ کی حیثیت سے" حراست میں لے کر نارمنڈی بھیجا اور قلعہ روآن میں مقید کر دیا۔ ایک سال بعد ماٹلڈا نے وفات پائی۔ ۱۰۸۵ء اس لئے یادگار ہے کہ اس سال ڈین مارک کی طرف سے حملے کا اندیشہ تھا جو محض اس وجہ سے زائل ہوا کہ ڈینی بادشاہ (کینیوٹ) کو خود اس کی رعایا نے مار ڈالا۔

پھر بھی ولیم کو انگلستان کی طرف خاص طور پر توجہ کرنی پڑی اور ۱۰۸۵ء میں بہت غور و خوض اور اپنی مجلس میں مدبرانہ تقریر کرنے کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ پورے ملک کی پیمائش کرا کے معلوم کیا جائے کہ اُس کی ساخت اور آبادی کیا ہے۔ ہر شخص کتنی کتنی زمین پر قابض اور کیا مالگزاری بادشاہ کو ادا کرتا ہے۔ اس تحقیقات میں ایک سال خرچ ہوا۔ پرگنوں کی پنچایتوں میں شاہی ناظر بھیجے گئے جہاں انھوں نے ہر پرگنے کی تقسیم معلوم کی اور آخر میں ہر مقطعے سے مقدم، ملکے کا پادری اور ۶، ۶ کاشتکار ان کے سامنے پیش ہوئے جس سے وہ یہ سوال کرتے تھے۔ مقطعے یا دیہ کا نام کیا ہے؟ شاہ ایڈورڈ کے وقت میں اُس کا مالک کون تھا؟ اب کون ہے؟ جاگیردار کی زمین میں کتنے ہائڈ[۱] اور کتنے کمیت ہیں؟ آبادی کتنی ہے؟ دخیل کار، مستقل کاشتکار، غلام، موالی اور زمیندار (اُمرا کے علاوہ) کتنے ہیں۔ جنگل، سبزہ زار، اور چراگاہوں کا رقبہ کیا ہے۔ چکیاں اور مچھلی تال کتنے ہیں۔ کمی یا بیشی

[۱] ہائڈ کا صحیح رقبہ معلوم نہیں۔ ہنری ثانی نے سو ایکڑ قرار دیا تھا۔ اسی طرح کمیت کا صحیح تعین نہیں ہو سکتا۔

کس قدر ہوی مجموعی قیمت کیا ہے اور کس طرح جوڑی گئی۔ موالی اور آزاد زمینداروں کی فرداً فرداً املاک وفارغ کتنی ہے؛ ہر بات کا جواب تین زمانوں کے متعلق لیا جاتا تھا۔ اول، عہد ایڈورڈ۔ دوم، وہ زمانہ جب کہ موجودہ مقطع دار کو مقطع دیا گیا۔ اور سوم، تحریر کتاب کا زمانہ۔ اور آخر میں یہ بھی دریافت ہوتا تھا کہ آیا اسے زیادہ لگان پر اٹھایا جاسکتا ہے یا نہیں؛ دیہات کی طرح بسنے والوں سے بھی ایسے ہی سوالات کیے گئے اور ان کے جوابات احتیاط سے ایک کتاب میں قلمبند کر لیے جو بعد میں "ڈومزے ڈے بک" (کتاب بندوبست) مشہور ہوی۔ اس معلومات کے فراہم کرنے میں مشکلات بھی پیش آئیں۔ ایسی ہیتدی کی جیندی بو پوچھنے سے ہر شخص بگڑ جاتا تھا اور پیٹر برو کے وقائع میں لکھا ہے کہ لوگ جس بات کے کرنے سے شرم نہ کرتے تھے اس کے بتانے میں انہیں شرم آتی تھی لیکن ولیم کی سطوت سے یہ کام انجام کو پہنچ گیا۔ کمبرلینڈ، ویسٹ مورلینڈ، یا نارتھمبرلینڈ اور ڈرہم کی تشخیص و پیمایش نہ ہو سکی کہ پہلے دو پر تو اسکاٹوں کا قبضہ تھا اور باقی دو بالکل ویران پڑے تھے۔ بایں ہمہ جو کچھ قلمبند ہو گیا وہ محفوظ ہے اور آٹھ سو برس پہلے کے انگلستان کی اتنی صحیح اور مفصل کیفیت دکھاتا ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی قوم کے پاس نہ ہوگی؛

کتاب بندوبست "ڈومزے ڈے بک"

خود ولیم کے حق میں اس تحقیقات کے نتائج نہایت بیش بہا تھے۔ کتاب کی تکمیل ہوتے ہی اس نے جملہ زمینداروں کو سالسبری میں طلب کیا اور وہاں کی قدیم پہاڑی ساروم کے دامن میں ہر شخص سے اپنی اطاعت کا حلف لیا۔ اس فعل کی اہمیت پر جس قدر زور دیا جائے، بجا ہوگا کیونکہ ممالک یورپ میں، زمیندار بجز اپنے مقامی امیر کے اور کسی کی اطاعت کا حلف نہیں لیتے تھے مثلاً نارمنڈی کے لوگوں کو جو کچھ محصول یا مالیہ ادا کرنا ہوتا وہ صرف اپنے مقامی والی یا امیر کو دیتے تھے اور شاہِ فرانس کا ان پر کوئی حق نہ تھا۔ اگر والی خود بادشاہ سے منحرف ہو جائے تو اس علاقے کی رعایا کو اپنے والی یا امیر ہی کے ساتھ ہو کر لڑنا پڑتا اور یہ فعل بغاوت یا غداری میں شمار نہ ہوتا تھا۔ اس کے برخلاف انگلستان میں بالکل دوسری صورت تھی کہ امیر ہو یا اس کی رعایا جو بادشاہ کے

خلاف لڑنے آتا اس کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکا لگ جاتا تھا۔ سب سے بڑھ کر یہی دُہری ذمہ داری کا اصول تھا جس نے یہاں امیروں کی قوت کو توڑ دیا۔ دوسرے اسی کی بدولت ولیم اپنے سب پیش رو بادشاہوں سے زیادہ اقتدار کا مالک ہو گیا۔ وہ اپنی رعایا کے سامنے جو مرتبہ رکھتا تھا الفریڈ، ایڈگر یا کینیوٹ، کسی کو یہ بات حاصل نہ تھی۔ اسی کے ساتھ اِس عمل سے پورے ملک کا اتحاد اور انگریزی باشندوں کی واحد قومیت جتنی مضبوط بنیادوں پر قائم ہو گئی، پہلے قائم نہ تھی۔

نظام جاگیرداری

یہی نہیں کہ یہ حلف جاگیرداری طریقے سے الگ تھا، بلکہ فی الواقع اس کی بنیاد اکھاڑنے والا تھا۔ بر ایں ہم سالسبری کے اسی جلسے کو اگر اُس نظام کی ابتدا قرار دیا جائے جسے بالتعین معنی جاگیرداری نظام کہنے لگے ہیں تو سہولت کا موجب ہوگا۔ اِس نظام تمدن کی بنیاد تین مرکزی مفروضات پر مبنی ہے، (۱) یہ کہ ساری زمین کی ملکیت آخر میں بادشاہ کی ہے (۲) یہ کہ اُسے بادشاہ کسی خدمت کی شرط پر اور کسی ملک کے عوض میں عطا کیا جاتا ہے (اور خدمات میں سب سے معزز، فوجی خدمت کی شرط ہے) اور (۳) یہ کہ جو لوگ زمین براہِ راست بادشاہ سے پاتے ہیں، وہ آپس میں ایک آئینی اور نیز ہمچشمی کا رشتہ رکھتے ہیں؛ مزید براں ایسے اشخاص جنھیں براہِ راست بادشاہ سے زمین ملے اور جو "صدر کاشتکار" کہلانے کا امتیاز رکھتے ہیں، اسی قسم کی شرطوں پر زمین (شکمی طور پر) دوسروں کو دے سکتے تھے اور وہ شکمی کاشتکار اپنی نوبت پر اور دوسروں کو۔ اگرچہ سب سے نیچے کے مرتبے میں جنگی خدمت کی شرط ہو تو بھی کاشتکار کا اصلی کام عموماً یہ ہوتا تھا کہ ہل چلائے، بیج بوئے وغیرہ کی خدمات انجام دے اور اُسے "غلامی کا پٹہ" کہتے تھے۔ بادشاہ اور صدر کاشتکار کا یہ بھی معمول تھا کہ اپنی عدالت منعقد کرتے جس میں ان کے کاشتکاروں کا حاضر ہونا لازم تھا اور وہیں قانونِ ملک کی رو سے اُن کے مقدمات فیصل ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ بادشاہ یا صدر کاشتکار اپنی رعایا یا کاشتکاروں سے محصول وصول کر سکتے تھے جنھیں رسوم یا زمین کی مالگزاری کہا جاتا تھا۔

جاگیرداری کی اصلی شان یہ تھی لیکن انگلستان میں مکمل طور پر کبھی یہ نظام مروج نہ ہوا۔ نارمنوں کی فتح سے پہلے اس کے آثار ملتے ہیں اور بے شبہ فتح کے بعد بھی ساری زمین بادشاہ کی منظوری سے عطا ہوتی تھی لیکن دوسرے امور میں رواج مختلف تھا۔ سالسبری کے حلف کی اہمیت ہم اوپر بتا چکے ہیں۔ اس کے ماسوا مجلس عقلا اور پرگنوں وغیرہ کی پنچایتوں کے سلامت رہنے سے بھی جاگیرداروں کو فصل خصومات میں اپنے حقوق سے تجاوز کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اور نارمن بادشاہوں اور ان کے جانشینوں کو ایک ہی نظر میں اندازہ ہو گیا کہ اُن کا اپنا فائدہ اسی میں ہے کہ ان آئین و محاکم کو محفوظ رکھیں جن سے بڑے بڑے باج گزاروں کا اقتدار قابو میں رہ سکتا تھا۔ تاہم سو برس تک بادشاہ اور جاگیرداروں میں یہ کشاکش رہی کہ جاگیردار کس حد تک ممالک یورپ کے جاگیرداری اصول انگلستان میں مروج کرا سکتے ہیں۔ ان کے منصوبوں پر پہلی ضرب تو جاگیروں کی تقسیم سے لگی اور دوسری سالسبری کے حلف سے؛

اپنے سارے عہد حکومت میں ولیم کی فلپ شاہِ فرانس سے بھی خاصی علانیہ دشمنی کا سلسلہ جاری رہا۔ فلپ کو طبعاً اپنے طاقتور باج گزار کی فتوحات سے تردد و تعرض تھا۔ ۱۰۷۳ء میں ایک انگریزی فوج نے نارمنڈی اور آنژو کے درمیان، ایک فرانسیسی علاقے مین پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ ۱۰۷۹ء میں ہم فلپ کو ولیم کے باغی بیٹے کی مدد و سرپرستی کرتے دیکھتے ہیں۔ ۱۰۸۷ء میں ولیم شاہِ فرانس کے ایک جھگڑے سے اتنا برہم ہوا کہ نارمنڈی و پیرس کے درمیان، ویکزین کے علاقے پر چڑھائی کی اور وہاں کے صدر مقام مانت کو جو سین کے کنارے واقع تھا۔ جلا ڈالا۔ اسی موقع پر بازار سے گزرتے وقت ولیم کا گھوڑا اتفاقاً جلتی بھوبل میں جا گھسا اور اس کے تڑپنے سے ولیم اچھل کر زین کے ہرنے پر زور سے گرا جس سے مہلک اندرونی ضرب آ گئی۔ پھر وہ ۶ ہفتے تک روآں میں رنجھتا رہا۔ دونوں بیٹے ولیم و ہنری مصروف تیمارداری تھے۔ آخر میں قیدیوں کو رہا اور مال متاع کی تقسیم کر کے وہ راہی ملک عدم ہوا؛

ولیم کے خصائل ولیم سخت گیر حاکم تھا۔ اخلاقی اعتبار سے انگلستان پر اس کے

حلے اور اس سلسلے میں جو مظالم ہوئے ان کا جواز ثابت کرنا بھی غیر ممکن ہے بایں ہمہ اُس کا بڑا احسان ہے کہ انگلستان کو ایک ایسی متحدہ مملکت بنا دیا کہ پہلے کبھی ان معنی میں وہ متحدہ نہ ہو سکا تھا۔ وہ تاریخ انگلستان کے ایک نازک موقع پر وارد ہوا جب کہ بڑے امرا اپنی خود مختاری کی طرح ڈال رہے تھے جو غالباً وہی روش اختیار کرتی جیسی کہ اسی قسم کی تحریکیں فرانس و جرمانیہ میں کر چکی تھیں اور یہاں بھی اقتدار شاہی میں اسی طرح کی کمزوری اور عوام الناس کے حق میں ویسے ہی ظلم و جبر کا دور آجاتا۔ ایسا حشر ہونے سے ولیم نے انگلستان کو بچایا اور بادشاہی کو قوی کرنے، جاگیرداروں کے مقابل میں انگریز باشندوں اور علمائے دین پر بھروسہ کرنے اور یکساں قانون اور واحد اطاعت منوانے سے ملک کو محکم و متحد بنانے میں بہت بڑا کام انجام دیا۔ اس میں شک نہیں کہ اس کی سیرت جرائم سے بے داغ نہیں رہی۔ دال تھیوف کا عدالتی قتل، جہاں تک ہماری معلومات ہے کسی طرح قابل حمایت نہیں نظر آتا۔ اسی طرح نیا جنگل بنانے کی خاطر ہیمپ شہر کی مزروعہ زمینوں کو ویران کر دینے کا وحشیانہ فعل بھی تمدن کے حق میں دشمنی کے مرادف تھا۔ اد پنچے ہرن کی افزائش نسل کی خاطر گرجا اور دیہات دونوں مسمار کرا دیے گئے کہ ان ہرنوں سے بادشاہ کو اتنی محبت بتائی جاتی ہے جیسے باپ کو بچوں سے ہوتی ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود ولیم کو ان لوگوں میں شمار کرنا چاہیے جو اپنی عقل و فہم کے مطابق بہتری کی کوشش کرتے ہیں اور جن کی حسنات سیئات سے زیادہ ممتاز و دیرپا ثابت ہوئی ہیں۔

ولیم کے عہد شاہی میں ایک نئی بات یہ بھی ہوئی کہ دیہ یا قصبے کی غیر مزروعہ اراضی جنگل کہلانے لگیں اور بادشاہ کے سیر و شکار کے لئے مخصوص ہو گئیں۔ دوسرے اسقفی کے مستقر جو انگریزوں نے دیہات میں رکھے تھے اب قصبوں میں منتقل کر دیے گئے جیسے ڈورچیسٹر سے لنکن اور کرے ڈیٹن سے ایکز بیٹر میں۔ قصبے کا نام تو باقی رہا لیکن موضع اس سے پہلے شمار ہونے لگا۔

مشہور سنین

فتح انگلستان کی تکمیل	سنہ ۱۰۷۱ء
نارمن امیروں کی سازش	سنہ ۱۰۷۴ء
کتاب بندوبست کی تیاری	سنہ ۱۰۸۶ء
سالسبری کا بڑا جلسہ	سنہ ۱۰۸۶ء

باب دوم

ولیم ثانی: ۱۰۸۷ء تا ۱۱۰۰ء

(ولادت تخمیناً ۱۰۶۰ء)

ملوک معصر:	اسکاٹ لینڈ	میل کم ہالٹ
	فرانس	فلپ
	شہنشاہ	ہینری چہارم
	پاپائے رومہ	اربن ثانی

اپنی املاک کی تقسیم میں ولیم نے اس زمانے کے عام خیالات کی پیروی کی جو اس کے ذاتی خیالات کے موافق تھے۔ بڑے بیٹے روبرٹ کو اس نے نارمنڈی کی موروثی امارت دی جس میں مین کا ہمسایہ ضلع بھی شامل تھا۔ دوسرے بیٹے ولیم کو اس نے انگلستان بھیجا اور کین فرینک صدر اسقف سے مرتے وقت وصیت کی کہ تخت بادشاہی کے لئے اسے منتخب کرائے۔ تیسرا بیٹا ہینری ۱۹ سال کا نوجوان لڑکا تھا۔ اسے بالفعل صرف پانچ ہزار اشرفی کے ترکے پر قناعت کرنی پڑی۔

لین فرینک نوجوان ولیم کا اتالیق رہ چکا تھا۔ اس شہزادے کے خطاب نائٹ پانے کی رسم اسی کے ہاتھوں سے ادا ہوئی تھی۔ وہ اپنے شاگرد کے اچھے برے اوصاف سے خوب واقف تھا۔ چنانچہ شاہ متوفی کی وصیت کے بموجب مجلس عقلا کا انعقاد اور اس میں ولیم کے انتخاب کی تحریک تو کی، مگر اسی کے ساتھ از راہ دوراندیشی نئے بادشاہ سے بھی باضابطہ یہ حلف لوایا کہ وہ کسی معاملے میں عدل و انصاف اور خدا ترسی کو ہاتھ سے نہ دیگا۔ اور کلیسا کے امن و آزادی اور تحفظ کی حمایت کریگا اور ہر معاملے میں خود لین فرینک کے مشورہ و رائے پر عمل پیرا ہوگا۔

ولیم کی تخت نشینی

ولیم ثانی، جسے چہرے کی سرخی کے باعث روفس کہتے تھے عام طور سے بدالطوار آدمی مانا جاتا ہے اگرچہ اس کی سیرت کا بیان کرنے والے راہب ہیں جن کے ساتھ کبھی اس کی نہ بنی۔ بایں ہمہ اس میں بڑی (خاص کر جنگی) قابلیتیں ضرور تھیں اور ۱۳ سال کے مختصر عہد حکومت میں وہ نومفتوحہ علاقے پر باپ کی طرح قابض و متصرف ہی نہیں رہا بلکہ مختلف حیثیتوں سے باپ سے بھی زیادہ صاحب اقتدار اور مطمئن ہوگیا۔ بقائے ذاتی کی فطری خواہش نے اسے طبعاً جاگیرداروں کا دشمن بنا دیا تھا کیونکہ ان لوگوں کا میلان ہی یہ تھا کہ اپنے اپنے علاقے میں بالکل مختار کار ہو جائیں جس سے عام تمدن کو سخت نقصان پہنچ سکتا تھا۔ ولیم برابر انھیں قلعے وغیرہ بنوانے سے روکتا اور ملکی قوانین پر سختی سے عمل کراتا رہا جس سے شہری آبادی نے بہت فائدہ اٹھایا اور غور سے دیکھیے تو اسی آبادی کی فلاح و بہبود پر ملک کی ترقی کا انحصار تھا۔ مزید برآں جاگیرداروں سے کشاکش کے باعث وہ مجبور تھا کہ جہاں تک ممکن ہو انگریز باشندوں کو رضامند رکھے اور بالارادہ یا بلا ارادہ اس قسم کی تدابیر اختیار کرے جن سے ملک کے اتحاد و خوشحالی میں ترقی ہوتی تھی

روبرٹ کا فساد

پہلے ۶ سال تک ولیم کو اپنی توجہ بیشتر اپنے بھائی روبرٹ اور اس کے حلیف جاگیرداروں کی نقل و حرکت پر مبذول رکھنی پڑی تھی ان کی جاگیریں انگلستان اور نارمنڈی دونوں ملکوں میں تھیں لہذا ایک طرف تو وہ ان دونوں میں لڑائی کو روکنا چاہتے تھے اور دوسری طرف یہ بھی ان کی اغراض سے

خلاف تھا کہ انگلستان کا کوئی تعلق نارمنڈی سے باقی نہ رہے۔ لیکن چونکہ اکثر کی رائے یہ تھی کہ خوش مزاج اور لاابالی روبرٹ اپنے بھائی کے برابر سخت گیر نہ ہوگا، اس لئے ولیم کے خلاف لڑنے والے بلا دقت بہم پہنچ گئے۔

ان سب میں زبردست چار شخص تھے: اوڈو (اسقف بائیو اور امیر کینٹ) جو ولیم فاتح کی وفات پر قید سے چھوٹا۔ روجر (امیر منٹگمری) اور اس کا متبنیٰ بیٹا روبرٹ (بلیمی) اور چوتھا روبرٹ موبری۔ اوڈو اِن سب کا سرگروہ بنا اور روبرٹ سے نارمن فوج کی امداد کا اقرار لیکر، انگلستان میں ایک وسیع سازش کا جال بچھایا جس میں یک وقت پورے سات اضلاع میں شورش بپا کرنے کا سامان کیا گیا تھا۔ کینٹ کے باغیوں کی قیادت خود اُس نے کی اور روچسٹر کو یوس ٹیس (امیر بولون) کے سپرد کرکے ارنڈل کاسل میں روبرٹ کے لشکر انداز ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

ولیم نے سب سے پہلے اوڈو کو پکڑنے کی فکر کی اور سات ہفتے کے محاصرے میں قلعہ ارنڈل فتح کرلیا۔ اوڈو کو روچسٹر بھیجا گیا تھا کہ خود جاکے اس قلعے کو بھی بادشاہ کے حوالے کرادے مگر اس نے دغابازی سے قلعے میں گھس کر سرکشی کی اور زبردست مدافعت کی۔ یہ رنگ دیکھکر ولیم کو بہتر یہی صورت نظر آئی کہ انگریز باشندوں سے امداد کی استدعا کریں کیونکہ انھیں اکیلے بادشاہ کی نسبت جاگیرداروں کے سارے گروہ کا جور و استبداد خواہی نخواہی ناگوارتر تھا۔ غرض اُس نے "شریف و دلیر انگریزوں" کو بلاکر فرمائش کی کہ بادشاہ کی مدد کے لئے اپنے (انگریز) ہموطنوں کو جمع کریں اور یہ بھی کہہ دیا کہ اس موقع پر جو منہ چھپائے گا، اُسے "نتھنگ" (یعنی نالائق) کے خطاب سے یاد کیا جائے گا جسے انگریز قابلِ عار سمجھتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انگریز باشندے جوق در جوق اس کے زیرِ علم جمع ہونے لگے۔

اسی لشکر کی مدد سے روچسٹر تسخیر ہوا مگر اس پر بھی ولیم کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ اپنے چچا کو انتہائی سزا دے۔ چنانچہ انگریز باشندوں کو جو اُسے سولی دلوانا چاہتے تھے یہ دیکھکر مایوسی ہوئی کہ بادشاہ نے محض جلاوطنی کی سزا کافی تصور کی اور اوڈو کو ذلت کے ساتھ ملک سے نکلوا دیا۔

اس عرصے میں ولیم کا بھائی روبرٹ نارمنڈی ہی میں لیت و لعل کرتا رہا۔

اس کا سبب کچھ تو سستی تھی اور کچھ یہ کہ روپیہ کافی نہ تھا۔ اس کے بہت سے ساتھی جو بطور خود ہمت کر کے سمندر عبور کر آئے تھے، وہ اُن خانگی جہاز رانوں کے ہاتھ پڑے جنہیں ولیم نے انگریزی بندرگاہوں میں تیار و مسلح کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ الغرض یہ سازش بالکل ناکام رہی کیونکہ مقامی فتنوں کو شاہی عمال نے فرو کر دیا۔ روجر منگمری نے اطاعت قبول کر لی۔ موبرے شمال میں ہونے کے باعث ابھی تک مطیع نہ ہوا تھا مگر جنوبی انگلستان پوری طرح ولیم کے قبضۂ قدرت میں آگیا۔

اسے بھائی سے قوی تر دیکھ کر بعض جاگیردار اب اس بات پر تیار ہو گئے کہ روبرٹ کو خود نارمنڈی سے بے دخل کرنے میں ولیم کی مدد کریں اور ۱۰۹۱ء میں ولیم فوج لے کر اس ولایت میں جا بھی پہنچا تھا مگر فلپ شاہ فرانس نے ثالثی کرنے کی خود آمادگی ظاہر کی اور جاگیرداروں نے بھائیوں کے درمیان ان شرطوں پر مصالحت کرا دی کہ روبرٹ کو آئندہ تختِ انگلستان کا کوئی دعویٰ نہ رہے گا اور بعض وہاں کی جاگیروں کے عوض میں وہ نارمنڈی کے چند مضبوط قلعے ولیم کے قبضے میں رہنے دے گا۔ یہ شرط بھی بڑھا دی گئی تھی کہ جو بھائی دوسرے کے بعد تک زندہ رہے وہ انگلستان و نارمنڈی دونوں کا فرماں روا ہو۔ لیکن عہدنامے کے باوجود ولیم نے روبرٹ کی جاگیریں دینے میں لیت و لعل کی جس سے دوبارہ جنگ چھڑ گئی اور ولیم فتح پاتا آگے چلا آتا تھا کہ شاہ فرانس نے پھر مداخلت کی۔ ولیم نے اس ناگہانی ضرورت کے لیے ہیسٹنگز میں انگریز پیادے جمع کیے مگر جب وہ آئے تو اس کے میر عدالت انولف نے جنگی خدمت کے بدلے میں دس شلنگ فی کس لے کر یہ رقم بادشاہ کو بھیج دی اور اسی سے ولیم نے شاہ فرانس کو رشوت دے کر ٹالا اور خود روبرٹ کو دبا کر بالکل مغلوب کر رہا تھا کہ ۱۰۹۴ء میں سرحد ویلز کے خطرناک واقعات سن کر واپس انگلستان آنے پر مجبور ہو گیا۔

محاربات ویلز

اس کی موجودگی نہایت ضروری تھی کیونکہ اہل ویلز نے قلعہ منگمری پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور اس سدِّ راہ کے دور ہوتے ہی اپنی پہاڑیوں سے نکل نکل کے چیشر، شراپ شر اور ہیریفرڈ شر میں آ کے ٹوٹ پڑے تھے۔ ولیم نے اس خطرے کے انسداد کی غرض سے خود اُن کے پہاڑوں پر حملے کا اہتمام کیا

باب دوم

لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا کیونکہ اسے ابھی تک یہ تجربہ نہ تھا کہ زرہ پوش سوار، ویلز کے ان سبک پا پیادوں کا جوڑ نہیں ہو سکتے جو ایک میدان میں جم کر لڑنے سے بھاگتے اور صرف بھولے بھٹکے سپاہیوں کو پہاڑیوں یا گھاٹیوں میں موقع پا کے کاٹ جانے ہی پر قانع تھے۔ ۱۰۹۷ء میں دوسرے حملے سے بھی اِن پہاڑیوں کا کچھ نہ بگڑ سکا اور ولیم کو چار و ناچار بے قاعدہ، مگر زیادہ کارگر طرز جنگ اختیار کرنا پڑا اور یہ انتظام کر کے کہ ویلز والوں کی جو زمین ہاتھ آئے، وہ بطور معافی قبضہ کرنے والے ہی کو دیدی جائے، وہ خود یہاں سے رخصت ہو گیا۔ اس تدبیر نے سرحد کے شوریدہ پشت جاگیرداروں کو بہت اچھا مشغلہ بہم پہنچا دیا اور اتنی کامیاب ہوئی کہ تھوڑی ہی مدت میں ویلز کے تقریباً تمام نشیبی میدان اور جنوبی ساحل نارمن چیلوں کے قبضے میں پہنچ گئے جن کے قلعے اب سرحد کی پہاڑی چوٹیوں پر نظر آنے لگے۔

اسکاٹ لینڈ پر حملہ

اسکاٹ لینڈ کے معاملے میں ولیم کا شروع سے قسمت نے ساتھ دیا۔ ولیم کے نارمنڈی جانے کے زمانے میں میل کم نے موقع پا کے انگلستان کے شمالی پرگنوں پر حملہ کر دیا تھا۔ لہذا واپس آکر ولیم نے اس کے ملک پر چڑھائی کی اور میل کم کو اس کی اطاعت قبول کرنی پڑی جس طرح وہ پہلے اس کے باپ کا مطیع تھا۔ واپس آتے وقت ولیم کو شہر کارلائل کا عمدہ جنگی موقع بہت پسند آیا جہاں سے ایڈن (زیریں) کے راستے کی حفاظت ہو سکتی تھی۔ نظر براں اس نے یہاں استحکامات بنوا کے جنوبی انگلستان کے لوگوں کو بسا دیا جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اصل میں نیو فورسیٹ کے باشندے تھے۔ یہ نیا قلعہ رومی فصیل کے مغربی سرے کے قریب واقع اور گویا مشرقی سرے کے قلعۂ نیو کاسل کا جواب تھا اور مدت دراز تک یہی دونوں شمالی سرحد کے سب سے بڑے قلعے مانے جاتے رہے۔ لیکن اسٹریتھ کلائڈ کا علاقہ شاہ ایڈمنڈ کے عطیے کے وقت سے اسکاٹ لینڈ کے بادشاہوں کے ہاتھ میں تھا، لہذا کارلائل کی قلعہ بندی اور اسی کے ساتھ کمبرلینڈ کا نقصان، لامحالہ ان کی ناگواری کا موجب ہوا اور جب شکایتوں پر کوئی اعتنا نہ کی گئی تو میل کم نے دوبارہ ہتھیار سنبھالے۔ لیکن خود اپنے لوگوں کے ہاتھ سے، جو ۱۰۹۳ء میں الن وک کے قریب گھات لگا کے حملہ آور

ہوئے اپنے سب سے بڑے بیٹے ایڈورڈ سمیت مارا گیا اور اس کی موت سے تخت اسکاٹ لینڈ کے متعلق ملک میں ایک مدت تک جو باہمی لڑائیاں ہوتی رہیں ان کے باعث شمالی انگلستان کو امن مل گیا۔ اسکوٹوں اور ویلزیوں سے فرصت ملی تو ولیم کی فوجوں نے روبرٹ موبری کی طرف رُخ کیا کہ یہ امیر بھیر ولیم کو معزول کرا دینے کی سازشیں کر رہا تھا۔ اس کا قلعہ بیم برو اتنا مستحکم تھا کہ یورش سے فتح نہ ہو سکا اور وہاں سمندر کی جانب سے آمد و رفت کے راستے ایسے آسان تھے کہ سامانِ رسد کا روکنا بھی ممکن نہ تھا لہٰذا ولیم نے اس کے قریب ایک اور قلعہ بنا دینے پر قناعت کی جس کا نام مال ووازین (یعنی بُرا ہمسایہ) تھا۔ یہ تدبیر کامیاب ہوئی۔ موبری دھوکا کھا کے اپنے کوہستانی مامن سے نکلا اور شاہی قلعے کی فوج کے ہاتھ پڑ گیا اور جب اس کی بیوی کو ر لگا کے اس کی آنکھیں نکال لینے کی دھمکی دی گئی تو وہ قلعہ بیم برو حوالہ کر دینے پر مجبور ہوگئی (۱۰۹۵ء)۔ دوسرے سال روبرٹ نے دس ہزار مارک (تقریباً ۸ ہزار روپیہ) کے عوض نارمنڈی کو بھائی (ولیم) کے پاس مکفول کر دیا اور اس واقعے سے ان کی باہمی جنگ جو اتنے زمانے سے جاری تھی ختم ہوگئی۔

لین فرینک نے ۱۰۸۹ء میں وفات پائی۔ اسقف کی حیثیت سے نامور ہو یا نہ ہو اور مختلف اعتبار سے وہ یقیناً بڑا آدمی تھا۔ اور جب تک زندہ رہا اس وقت تک لوگ سمجھتے تھے کہ نوجوان بادشاہ کی روک تھام وہی کرتا ہے۔ اس کے بعد چار سال تک کوئی صدر اسقف (کینٹربری) مقرر نہیں ہوا مگر ملکی معاملات میں بادشاہ کا معتمد علیہ انولف ہو گیا جس کا لقب "فلیم بارڈ" (یعنی مشتعل) تھا اور جو نہایت ہوشیار زندہ دل پادری تھا اگرچہ اسے دیانت و صداقت کی چنداں پروا نہ ہوتی تھی اور ہیسٹنگز میں پیادوں سے فوجی خدمت کے عوض روپیہ لے لینا بھی اسی کی کارروائی تھی جس کا حال ہم اوپر پڑھ چکے ہیں۔ وہ ایڈورڈ (نائب) کے وقت سے انگلستان میں رہا تھا اور کتاب بندوبست کی تیاری میں بھی شریک رہا۔

محاصل شاہی اس زمانے میں بادشاہ کی آمدنی کا بڑا ذریعہ وہ جاگیری مالیہ تھا جو جاگیردار ادا کرتے تھے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ اس منصب داری یا جاگیرداری نظام کی ابتدا اس طرح ہوئی تھی کہ جاگیردار معقول سوار فوج فراہم کرنے کے

ذمہ دار ہوتے تھے اور چونکہ وہ اپنے اپنے کاشتکاروں کی قیادت کرتے، اس لئے ان کی حیثیت ایک حد تک زمانۂ حاضرہ کے کمیدانوں یا کرنیلوں سے ملتی جلتی تھی۔ جب ان میں سے کوئی فوت ہو جاتا تو اس کے وارث کو ایک خاص محصول جسے ریلیف (زر بازستانی) کہتے تھے، ادا کرنا پڑتا کیونکہ پہلے جاگیردار کے مرتے ہی زمین قانوناً بادشاہ کی ملکیت میں چلی جاتی تھی۔ وارث خرد سال اور اپنے فرائض انجام دینے کے ناقابل ہو تو بادشاہ ایک اتالیق مقرر کر دیتا تھا کہ بادشاہ کی طرف سے جاگیر کا انتظام کرے اور نابالغ کی تعلیم و تربیت کا نگران ہو۔ اسے "وارڈ شپ" (یعنی ایالیت) کہتے اور یہ بہت نفع کی چیز تھی۔ سن رشد کو پہنچنے پر حسب معمول "زر بازستانی" ادا کرنا ہوتا تھا۔ وارث عورت ہو تو بادشاہ اس عذر پر کہ مبادا وہ بادشاہ کے کسی مخالف سے رشتۂ ازدواج قائم کر لے اپنی رائے سے اس کی شادی کر دینے کا حق رکھتا تھا اور اس پیرائے میں بھی اپنے خیر خواہوں کو فائدہ پہنچاتا تھا۔ اگر خود اس بی بی کو مجوزہ رشتہ پسند نہ ہو تو بعض اوقات بادشاہ کچھ روپیہ لے کر اس کا عذر قبول کر لیتا تھا۔ بہر حال زر بازستانی، ایالت اور ازدواج کے یہ تین حق تھے جن سے ولیم روفس اور اس کے اخلاف سخت اہتمام اور پابندی سے کام لیتے رہے اور ان تین محاصل کے علاوہ جن کا تعلق جاگیرداروں کی زندگی سے تھا، تین ضمنی محصول اور مروج ہو گئے جو خود بادشاہ کی ذات سے متعلق تھے اور اس کے جاگیرداروں سے وصول کئے جانے لگے۔ یہ (۱) آقا کو قید سے نجات دلانے کی غرض سے زر فدیہ، (۲) اس کی بڑی بیٹی کے جہیز کے لئے روپیہ اور (۳) بڑے بیٹے کے سن رشد کو پہنچنے کے وقت پر نذرانہ، تھے ان میں پہلے حق سے شاہ رچرڈ اول کے معاملے میں فائدہ اٹھایا گیا لیکن تینوں کا رواج سب سے اول ہنری اول کے زمانے میں ہوا۔ شاہی جاگیردار اپنے اپنے زمینداروں سے اسی قسم کے محاصل وصول کرتے تھے مگر چھوٹے زمینداروں سے جو زر بازستانی لیا جاتا اس کا نام "ہیریوٹ" تھا اور وہ ایک قدیم تر رسم کو یاد دلاتا ہے جب کہ سردار فوج اپنے کسی رفیق کی وفات پر اس کا نذرانۂ جنگ (وار گیر) خود لے لیا کرتا تھا۔ ان جاگیری مطالبات کو (بشرطیکہ ان کی مقدار معقولیت سے مقرر کی جائے۔ اور زمینداروں کے حقوق و فوائد نظر انداز نہ کئے جائیں) لوگ بلا قیل و قال تسلیم کرتے تھے لیکن ولیم اور رنولف نے روپے کے لالچ میں ایسی

باب دوم

ظالمانہ زیادہ ستانی سے کام لیا جو رواج و دستور سے بالکل مطابقت نہ رکھتا تھا، لہذا سخت شکایتیں پیدا ہوئیں۔

علمائے دین کی زمینیں بھی اکثر و بیشتر عام زمینداروں کی شکل جاگیری شرائط پر عطا ہوتی تھیں البتہ وہاں خرد سالی یا دختری وراثت کا سوال پیدا ہی نہ ہوتا تھا اور اس لئے ایالت و ازدواج کے محصولات وصول کرنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ مگر اس کمی کو ولیم اور اس کے مصاحب رنولف (فلیم بیر) نے یوں پورا کیا کہ اسقف یا خانقاہ کا متولی فوت ہوتا تو وہ اس عہدے کو خالی رہنے دیتے اور خود مالگزاری وصول کرتے اور جب کوئی دوسرا آدمی مقرر کرتے تو زر بازستانی کی بجائے بہت معقول نذرانہ اینٹھ لیتے تھے۔ مثلاً لین فرینک نے وفات پائی تو چار سال تک اس کا کوئی جانشین ہی مقرر نہ ہوا اور اس وقت بھی جب ولیم کو بیماری سے جاں بری کی امید نہ رہی تو اس نے این سلم کو صدر اسقف نامزد کیا۔ این سلم

این سلم اطالوی نژاد پادری تھا جو بیک کی خانقاہ میں آ رہا اور وہاں لین فرینک کا جانشین مقرر ہوا۔ وہ لین فرینک کا بڑا معتمد علیہ اور تقرر کے وقت امیر چیسٹر کا مہمان تھا۔ اس کی قابلیت، دلیری اور زہد و تقوی مسلّم تھے اور اس کی تصنیف "کور دیوس ہومو" سے ثابت ہے کہ معاصرین میں ایسا عالم دین بھی دوسرا نہ تھا۔ غرض یہ انتخاب ہر طرح اچھا تھا لیکن ولیم کو صحت ہوگئی تو تجربے سے معلوم ہوا کہ اسے ایسے صدر اسقف سے سابقہ پڑا ہے جس کی انتہائی راست بازی کسی قسم کی بدکاری کو روا رکھنے پر آمادہ نہیں ہے۔ ایسے آدمی کے ساتھ ولیم کوئی ہم آہنگی نہ رکھتا تھا اور ادھر این سلم، ولیم کی بدأطواریاں یا کلیسا کے مال کی خورد برد دیکھ کر اغماض نہ کر سکتا تھا۔ نتیجہ یہ کہ باہم نزاع کا سلسلہ چھڑ گیا اور آخر این سلم ولیم کی خباثت کی تاب نہ لا سکا اور ۱۰۹۷ء میں روم روانہ ہوا کہ سارا مقدمہ پاپائے اربن ثانی کے سامنے پیش کرے۔

اسی زمانے میں پہلی جنگ صلیبی (۱۰۹۶ء) کی تیاریوں سے سارے یورپ میں ہنگامہ برپا تھا۔ اصل میں تو بیت المقدس کو پیغمبر اسلام (علیہ التحیۃ والسلام) کے عرب پیروؤں نے ۶۳۵ء میں فتح کر لیا تھا لیکن اسلام کے اثر سے عرب نسبتہً مہذب لوگ ہو گئے

محاربات صلیبیہ

جیسا کہ الف لیلہ نے ان کا نقشہ پیش کیا ہے اسد پہلی فتح کے بعد وہ نصاریٰ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے لگے تھے۔ شہر میں آنے جانے کی یا زیارت و تجارت کی انھیں روک ٹوک نہ تھی اور عربی تسلط ہی کے زمانے میں معراج مسیح کا میلا تجارتی دنیا کا ایک مشہور تہوار بن گیا تھا جس میں اطالی یعنی جنوہ اور آگے چل کے وینس (بندقیہ) کے اطالی سوداگر مشرقی تاجروں سے ملاقی ہوتے اور یورپ کی مصنوعات کے معاوضے میں ریشم اور مصالحے لیکر مغرب میں آتے تھے۔ یہ مشرقی اشیائے قافلوں کے ذریعے صحرا کے پار ممالک عرب و ہند بلکہ چین تک سے آتی تھیں۔ لیکن ۱۰۷۶ء میں بیت المقدس پر پہاڑی مسلمانوں کی ایک جنگلی قوم[علہ] یعنی سلجوقی ترکوں کا قبضہ ہوا جو وسط ایشیا کی پہاڑی بلندیوں سے نکل کے جنوبی میدانوں میں پھیلے اور جس طرح گوتھ اور ونڈال یورپ میں داخل ہوئے تھے ان تاتاریوں نے ایشیا کے متمدن ممالک پر یورش کی ان کے تسلط نے حالات میں بڑا تغیر پیدا کر دیا کیونکہ یہ لوگ قدیم مسلمانوں کا مجنونانہ جوش نصرانیت سے نفرت رکھتے تھے۔ تجارت کی انھیں اصلا پروا نہ تھی اور انھوں نے مسیحی زائرین اور تاجروں کو ستانا اور لوٹنا شروع کیا۔ مزید برآں ان کا ایشیائے کوچک میں تسلط برابر بڑھتا جاتا تھا اور مشرقی سلطنت رومہ کے بعض بیش بہا علاقوں کی خیر نظر نہ آتی تھی بلکہ خود قسطنطنیہ معرض خطر میں تھا۔ غرض ستائے ہوئے زائرین کی داد فریاد، دوالیے سوداگروں کے گلے شکوے اور مشرقی سلطنت کے بادشاہ الکسیوس کومنیوس کی بار بار صدائے استمداد بلند کرنے سے یورپ میں سخت ہیجان پیدا ہوا۔ نارمن قوم کے لوگوں نے گزشتہ نصف صدی میں عربوں کے ہاتھ سے جنوبی اطالیہ اور صقلیہ واپس لی تھی لہذا یہ بھی ایشیا میں شمشیرزنی دکھانے

علہ۔ بظاہر لائق مصنف نے چنگیز خانی مغلوں اور سلجوقی ترکوں میں خلط مبحث کر دیا ہے حالانکہ یہ ترک اس زمانے کی یورپی اقوام سے تہذیب و تمدن میں بہرحال کہیں افضل تھے۔ (اس کے آئندہ صلیبی جنگ کے مختصر بیان میں بھی جابجا تاریخی لغزشیں ہیں اور جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے اس کی تحریر پایۂ اعتبار سے گری ہوئی نظر آتی ہے۔ مترجم۔

م مشتاق نہ تھے ۔ اور اُس ہنگامہ و شورش میں سبھی قومیں شریک ہو گئی تھیں جیسے
راہب نے مشتعل کیا جو خود مسلمانوں کا ستایا ہوا تھا اور یورپ میں جا بہ جا
لگا رہا تھا کہ نصاریٰ کو بیت المقدس اور تربت مسیحؑ کے واپس لینے کے لئے جہاد
کرے ۔ پاپائے اربن ثانی نے دیکھا کہ اس تحریک سے پاپائی کی ناموری میں
ور دنیائے مسیحی میں اتحاد کی صورت پیدا ہو گی لہٰذا وہ اس کا سرخیل بن گیا۔
ں کی مجلس میں مسیحی فوج کا نعرۂ جنگ : Dieu le volt (یعنی خدا یہی
ہے) انتخاب ہوا۔ ہزاروں سپاہی بعض خالصتہً للہ بعض دنیاوی
سے اور بعض محض شوق جنگ کے باعث مہم میں شرکت کے لئے بیقرار تھے۔
اور انگلستان کے بادشاہوں نے بھی اسے پسند کیا کیونکہ اس میں ان کی رعایا
ت سے خطرناک جنگجو افراد شریک ہو کر ملک سے ٹل گئے ۔ چنانچہ ولیم نے
ڈی کی کفالت پر دس ہزار مارک (یا ۶۶۶۶ پونڈ) خوشی سے ادا کر دئے کہ
کلیف وہ بھائی روبرٹ ایشیا جانے کا سازو سامان کر سکے صلیبیوں کا اصلی
ہمنڈ (امیر ترنتو) گوڈفرے (امیر بوئلون) روبرٹ (امیر نارمنڈی)
ن (امیر بلوا) اور دوسرے رئیسوں کی قیادت میں قسطنطنیہ روانہ ہوا اور ایشیا
ل ہوکے ترکی سواروں کو نیکیا میں شکست دی اور بعد محاصرہ انطاکیہ فتح کر لیا
ہ میں بیت المقدس فتح ہو گیا اور گوڈفرے کے ماتحت وہاں جاگیرداری اصول پر
ں بادشاہی قائم کر دی گئی ۔ چند سرداروں کے سوا، جیسے بوہمنڈ جسے انطاکیہ
ں ملا، باقی ماندہ مجاہدین کو اس جد و جہد کا بجز ناموری کے، اور کوئی مادی
ت نہ آیا لیکن حقیقت میں اس جنگ کی اہمیت، بیت المقدس کی چند روزہ
ہی کی شان و شوکت یا مسیحی بہادروں کی شہرت میں محدود نہیں ہے جیسا کہ
سے بیان کیا جاتا ہے ۔ بلکہ اس کا بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ایک مدت کے لئے
ں کی فتوحات کا سیلاب کا رُخ پھر گیا اور مشرقی سلطنت روما کو اور کچھ
یے کو مل گئے ۔ جنگ میں اشتراک سے مختلف ممالک یورپ میں جواب تک
یر مربوط تھے، یورپی ہونے کا خیال پیدا ہوا اور جو قومیں ادنیٰ تمدن رکھتی
تھیں ایک اعلیٰ تمدن کے دیکھنے کا موقع ملا۔ مشرقی اسباب عیش و تنعم کے

ذوق نے سارے مغربی تمدن کا معیار بلند کر دیا۔ علوم اور ادب تک مستفید ہوئے۔ بڑی بڑی مملکتوں کے استحکام نے امن و انتظام کو مزید تقویت بخشی اور اطالیہ کی جمہوری ریاستوں کے سوداگروں نے ممالکِ مشرق سے دوبارہ تجارت قائم کر لی؛ نارمنڈی کے ہاتھ آنے سے ولیم مغربی یورپ کا سب سے طاقتور فرماں روا ہو گیا تھا جن باج گذاروں نے سر اٹھایا یا ان کا اس نے بخوبی قلع قمع کر دیا اور ان کے مال سے اپنی جیبیں بھریں۔ اسکوٹ اور ویلز کی ہمسایوں سے اب مطلق خطرہ نہ رہا تھا اور آئیرستان پر حملے کی تیاریاں تھیں کہ ولیم فاتح کا پرانا منصوبہ پورا ہونے پائے اور جزائر برطانیہ کو تقویت پہنچے۔ اور اس مہم میں کوئی خاص دشواری بھی پیش نہیں آرہی تھی۔ اُدھر والی گیئین یعنی امیر پوائیٹو فی الواقع اپنا علاقہ انگلستان کے ممتول بادشاہ کے پاس گروی رکھنے پر آمادگی ظاہر کر رہا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ولیم جس کی عمر ابھی بمشکل چالیس سال کی تھی، اپنا ایک نیا دور شروع کرنے والا ہے کہ اتنے میں موت نے اس کا یک بہ یک خاتمہ کر دیا؛

اس کی موت کے بہت سے اور نہایت مرصّع قصّے بیان کئے جاتے ہیں لیکن یہ ٹھیک معلوم نہیں کہ حقیقت میں وہ کس طرح واقع ہوئی۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ ہنسی خوشی کھانا کھا کر وہ اپنے مصاحبوں کے ساتھ نیو فورلیسٹ میں شکار کو گیا اور شام کو اس کی لاش ایک غریب لکڑ ہارے کو اس حالت میں ملی کہ ایک تیر سے دل چھدا ہوا تھا۔ یہ مطلق پتہ نہ چل سکا کہ تیر چلانے والا کون تھا اور یہ اتفاقی طور پر آلگا یا کسی نے بالارادہ چلایا۔ ایک روایت تھی کہ یہ موت کا پیام بلا ارادہ والٹر ٹیرل کی کمان سے چھوٹا تھا لیکن اس نے حلف اٹھا کر انکار کیا اور کوئی شہادت اس کے تیر چلانے کی نہ مل سکی۔ بادشاہ کی لاش گاڑی پر ڈال کر ونچسٹر لائے اور وہیں دفن کی گئی۔ پھر نئے عہد حکومت کے ہنگامے میں بہت کم لوگ ایسے رہ گئے جنہوں نے یہ بھی پوچھا ہو کہ ولیم رُوفس کس طرح مرا؟

مشہور واقعات

لین فرینک کی وفات	سنہ ۱۰۸۹ء
کمبرلینڈ کو شاہ اسکاٹ لینڈ سے واپس لیا جاتا ہے	سنہ ۱۰۹۲ء
اینسلم کا تقرر صدر اسقفی پر	سنہ ۱۰۹۳ء
بیت المقدس پر نصاریٰ کا قبضہ	سنہ ۱۰۹۹ء

باب سوم

ہنری اول

سنہ ۱۱۰۰ء تا سنہ ۱۱۳۵ء

ولادت: سنہ ۱۰۶۸ء - ازدواج: سنہ ۱۱۰۰ء مالڈا (اسکوٹی)
سنہ ۱۱۲۱ء اڈلن (لووینی)

معاصرین: - ڈیوڈ اول .... شاہ اسکاٹ لینڈ
فلپ اول و لوئی ششم .... فرانس
ہنری چہارم و ہنری پنجم .... شہنشاہ

ولیم کی ناگہانی موت اور روبرٹ کے ایشیا میں ہونے سے تخت بادشاہی ایتھلنگ ہنری کے لئے خالی رہ گیا۔ وہ اپنے باپ کا سب سے چھوٹا اور ایک ہی بیٹا تھا جو ولیم فاتح کے بادشاہ انگلستان ہونے کے بعد پیدا ہوا تھا۔ گو باپ نے مرتے وقت اسے کوئی ملک نہیں دیا، تاہم ہنری کی دوربینی اور ٹھنڈے مزاج نے اسے بخوبی سکھا دیا تھا کہ بھائیوں کے باہمی جھگڑوں اور کمزوریوں سے خود کیونکر فائدہ

اٹھایا جا سکتا ہے۔ باپ کے ترکے میں سے اُس نے تین ہزار اشرفی دے کے، اپنے فضول خرچ بھائی روبرٹ سے مونٹ سینٹ مچل اور اس کی نواح کا پرگنہ خریدا اور چند ہی روز میں ولیم کو بتا دیا کہ روبرٹ سے لڑائی کی صورت میں ہینری کو دوست بنائے رکھنا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ دشمن کی طرف رہے۔ چنانچہ ولیم نے اسے بلا لیا اور ۱۰۹۵ء سے وہ زیادہ تر انگلستان ہی میں مقیم رہتا تھا۔ اور اب موقع آتے ہی اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے تیار تھا۔ سب سے پہلا کام تو اُس نے یہ کیا کہ بگ ٹٹ گھوڑا دوڑا کے ونچسٹر پہنچا اور خزانے پر قبضہ کر لیا۔ پھر اُس نے بہ عجلت مجلسِ عقلا کا جلسہ کر کے انتخاب شاہی کی رسم ادا کرا دی۔

ہینری کا انتخاب بادشاہی پر

ابتدا سے وہ خوب جانتا تھا کہ اسے بادشاہی کے لئے روبرٹ سے اور شاہی وقار قائم رکھنے کے لئے جاگیرداروں سے لڑنا پڑے گا لہٰذا اب اس نے اپنے طرفداروں کا ایک خاص فریق مرتب کرنے کی تدبیر کی۔ اس معاملے میں اسے زیادہ توقع انگریزوں سے تھی اور انہیں دوست بنانے کی غرض سے اس نے اسکاٹ لینڈ کی رئیس زادی ماٹلڈا سے شادی کر لی جو اڈگر ایتھلنگ کی بھانجی اور پرانے انگریزی خاندانِ شاہی کی وراثت کی دعویدار تھی۔ مطلب یہ تھا کہ اس کی اولاد ولیم فاتح اور الفریڈ دونوں کی وارث اور انگریز و نارمن دونوں قوموں کی نظر میں یکساں قابل اطاعت و محبت ہو۔ جاگیرداروں کو خوش کرنے کی غرض سے اُس نے رنولف کو قید کر دیا اور ایک منشور آزادی شائع کیا۔ اور اہل کلیسا کو بھی درویش مزاج این سلم کے واپس بلانے سے مسرور کر دیا۔

منشور آزادی

ہینری کا منشور بڑی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اس سے ضمناً معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں امرا اور اہل کلیسا کی شکایتیں کیا تھیں اور ان کو رفع کرنے کی کیا شکل ہو سکتی تھی۔ منشور میں ہینری نے دلیری سے یہ جتا کر کہ مجھے پورے ملک کے جاگیرداروں نے باہمی مشورے سے منتخب کیا، اعلان کرتا ہے کہ کلیسا کو معافی حاصل ہوگی اور اس کے کسی عہدہ دار کے مرنے پر بادشاہ کوئی نذرانہ وغیرہ ان کی اراضی کے کارندوں سے وصول نہ کرے گا جب تک کہ جانشین مقرر و متصرف نہ ہو جائے

جاگیرداری محاصل کے بارے میں بھی وارثوں کو بڑی بڑی رقمیں زبردستی دینی نہ پڑیں گی جیساکہ "میرے بھائی کے زمانے میں ہوتا تھا" بلکہ صرف واجبی "زر بار ثانی" پر اکتفا کی جائے گی اور جاگیرداریہی کل اپنے کاشتکاروں کے ساتھ کریں گے۔ جاگیردار اپنے زنانہ رشتہ داروں کی شادی کی اطلاع بادشاہ کو دیں گے لیکن بادشاہ نہ کوئی محصول لے گا اور نہ مانعت کرے گا بجز ایسی صورت کہ مجوزہ شوہر کوئی دشمن ہو۔ جاگیر کی وارث لڑکیاں ہوں تو ان کی شادی جاگیرداروں کے مشورے سے ہوگی اور لاولد بیوگان کو دوبارہ شادی پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ جاگیردار یہی برتاو اپنے ماتحت زمینداروں سے کریں گے؛ سکہ ضرب کرنے کا مخصوص حق حسب سابق بادشاہ کے پاس رہے گا؛ ذاتی املاک ومال کو ہر شخص بروئے وصیت منتقل کرسکے گا۔ سرکار کی طرف سے پوری جائداد کی ضبطیاں نہ کی جائیں گی جیساکہ سابق دونوں بادشاہوں کے زمانے میں ہوا کرتا تھا بلکہ معقول حد کے اندر نقد جرمانے وصول کئے جاسکیں گے اور آخری وعدہ یہ تھا کہ شاہ ایڈورڈ کا قانون ولیم فاتح کی ترمیمات کے ساتھ بحال کیا جائے گا۔"

یہ جملہ انتظامات بلاشبہ اصلاحِ حال کی تدبیریں تھے اور ان سے بادشاہ کا بہترین وصف کہ وہ مختلف طبقاتِ رعایا میں قیامِ عدل وحقوق کا ذریعہ ہے، نمایاں ہوتا ہے۔ لیکن ایک معاملے میں اسی منشور کی رو سے ایک نئی رعایت کا آغاز کیا گیا جو بڑی خطرناک تھی۔ یعنی فوجی خدمت کے لئے جو اراضی دی جاتی تھیں، وہ ہر قسم کے محاصل وخدمات سے معاف کردی گئیں بشرطیکہ جاگیردار اپنی جمعیت کو گھوڑوں اور اسلحہ سے بادشاہی محاربات کے واسطے آراستہ رکھے۔ اس قاعدے میں بڑی خرابی یہ تھی کہ محاصل سے مستثنیٰ لوگوں کی ایک جماعت تیار ہوگئی۔ کہ اگر فوجی خدمت کا رواج جاتا رہے، جیساکہ آئندہ جاتا رہا، تو پھر ان کا ملک کے مصارف میں مطلق حصہ نہ ہوتا اور فرانس میں واقعۃً یہی ہوا کہ جاگیردار جملہ محاصل سے آزاد رہ گئے۔

مؤلف (ولیم بارڈ) کی گرفتاری سے اہل کلیسا، امرا اور عام لوگ سبھی خوش ہوئے۔ کہا جاتا تھا کہ اس نے گلے کی اُون ہی نہیں بلکہ کھال تک اتار لی تھی۔ لیکن اِن

دبیروں سے جو ناجائز دولت اس نے جمع کر لی تھی وہ قید میں کام آئی اور شراب کے سبو میں چھپا کر اُسے ایک رسّی بُرج کے اندر پہنچا دی گئی جس کے ذریعے وہ اتر کے نکل بھاگا اور نارمنڈی پہنچ گیا اور بلا تاخیر ہینری کے خلاف سازباز میں مصروف ہوگیا۔

وبرٹ کا دعوی بادشاہی

ہینری نے انگلستان والوں کے ساتھ جو رعایتیں کی تھیں ان کی ضرورت بخوبی ثابت ہوگئی جب کہ سنہ ۱۱ کے اواخر میں روبرٹ نارمنڈی واپس آیا۔ اور آتے ہی رنولف اور بہت سے انگلستان کے جاگیرداروں نے اسے دعوت دی کہ آئیے اور انگلستان کے تخت پر قبضہ کیجئے۔ اور ہمیں "گوڈرک" اور "گوڈیوا" سے نجات دلائیے۔ یہ انھوں نے ہینری اور ماٹلڈا کے نام رکھے تھے اور اس میں کسی پرانی انگریزی کہانی کی تلمیح تھی۔ لیکن جاگیرداروں کی بے وفائی کے باوجود اینسلم اور انگریز باشندوں نے ہینری کا ساتھ نہ چھوڑا کہ وہ اس کی شادی سے بہت خوش تھے اور اُس کی انگلستان میں ولادت کو بھی بہت اہمیت دیتے تھے۔ انھوں نے صاف کہدیا کہ ہینری ہماری سرداری کرے تو ہم نارمنوں کے ساتھ لڑنے سے ذرا نہیں ڈریں گے۔ چنانچہ روبرٹ پورٹس متھ میں لنگرانداز ہوا تو ہینری (بمقام الٹن) ایسی زبردست فوج لے کے مقابلے میں آیا کہ روبرٹ کو کامیابی کا وثوق نہ رہا اور بھائیوں میں صلح کی شرطیں طے ہوگئیں۔ یعنی روبرٹ نے دو ہزار پونڈ سالانہ کے عوض میں تخت کے دعوے سے دست برداری کر لی۔ اور ہینری نے نارمنڈی کی ساری املاک اُس کے حوالے کر دی۔ یہ بھی قرار پا گیا کہ دونوں میں جو پہلے لاولد فوت ہو جائے وہ دوسرے کے ملک کا وارث ہو۔ تب روبرٹ واپس نارمنڈی چلا آیا؛ مگر اس حملے سے ہینری کو معلوم ہوگیا کہ کون کون سے جاگیردار بے وفا ہیں اور اس نے باقاعدہ تدبیر سے ان کے اندیشہ ناک اقتدار کا خاتمہ کرنے کی ٹھان لی۔ ان سب میں قوی اور

وبرٹ بلیمی

متفنّی روبرٹ (بلیمی) تھا جو اب شروزبری کا امیر ہوا اور سسیکس و سرحد ویلز پر متعدد قلعوں کا مالک تھا۔ ان قلعوں میں برج نارتھ کی ملکیت نے اسے خصوصیت کے ساتھ زبردست بنا رکھا تھا۔

اس کے خلاف وہم غداری کے الزام لگائے گئے اور جب وہ بلائے سے حاضر نہ ہوا تو ہنری نے فوراً برج نارتھ پر چڑھائی کی اور تین ہفتے میں یہ قلعہ مفتوح ہو گیا۔ شروزبری اور ارنڈیل پر بھی بہت جلد یہی گزری اور ۱۱۰۲ء میں رابرٹ کو وطن سے نکلنا پڑا۔ اس ظالم کے دفع ہونے سے ملک بھر میں خوشیاں منائی گئیں اور لوگوں نے بالاتفاق نعرے لگائے کہ "اے بادشاہ خدا کا شکر کرو اور خوشیاں مناؤ کہ روبرٹ (بلیمی) پر تم نے فتح پائی اور اسے ملک سے نکال دیا اور اب تمہاری حکومت کو پورا اختیار حاصل ہوا۔" دوسرے امیروں نے بھی اسی طرح اپنے کیے کی سزا پائی۔ گرانٹ میس ل کا جاگیردار، ایو وہ بہت شیخیاں ہانکتا تھا کہ "انگلستان میں پہلا شخص میں ہوں جس نے ہمسائے کے خلاف اعلانِ جنگ کیا" اس پر بھاری جرمانہ کیا گیا کہ دوسرے ایسی حرکت نہ کر سکیں۔ امیر کبیر روبرٹ کے ناخلف بیٹے ولیم امیر مورٹین کو جلاوطنی کی سزا ملی۔ غرض ولیم فاتح کے بڑے بڑے امرا میں سے صرف ڈرہم کی اسقفی اور چسٹر کی امارت بحالہ قائم رہیں ہ

مگر نارمنڈی کا قضیہ ابھی تک طے نہ ہوا تھا۔ چالاک روبرٹ (بلیمی) نے والیٔ نارمنڈی کے ساتھ سازش کی اور ۱۱۰۴ء میں بھائیوں میں دوبارہ جنگ کی آگ بھڑک اٹھی۔ کچھ مدت تک کوئی بڑی لڑائی نہ ہوئی لیکن ۱۱۰۶ء میں ہنری کی مخلوط فوج نے، جس میں نارمن جاگیردار اور انگریز پیادے شامل تھے، روبرٹ کی سوار فوج کو شکست دی

نارمنڈی پر حملہ

اور خود بادشاہ انگریزی طرز پر سب کے آگے پیادہ لڑائی لڑا۔ یہ لڑائی جو تانشن برای سے منسوب ہے، ۲۹ ویں ستمبر کو ہوئی اور یہی ولیم فاتح کے انگلستان میں اترنے کی چالیسویں سالگرہ کا دن تھا چنانچہ کہتے ہیں اس فتح کو انگریزوں نے ہیسٹنگز کا بہت اچھا بدلا خیال کیا۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ انگلستان و نارمنڈی کی ان لڑائیوں کی اصلی اہمیت یہی ہے کہ ان سے نارمن قومیت کے مقابلے میں انگریزی قومیت کے جذبے نے پرورش پائی اور خود فاتحان ہیسٹنگز کے پوتے پروتے نارمنڈی والوں کے مقابلے میں آئے تو اپنے تئیں انگریز سمجھ کر آئے۔ مذکورۂ بالا لڑائی میں روبرٹ اسیر کر کے قلعہ کارڈف میں بھیج دیا گیا اور اپنی وفات

(واقعہ ۱۱۳۵ء) تک وہیں رہا۔ ہینری اب بلا شرکت انگلستان کا بادشاہ اور نارمنڈی کا والی بن گیا۔ اسکاٹ لینڈ کے بادشاہ کا وہ بہنوئی تھا لہٰذا اس ملک سے پہلے ہی دوستانہ تعلقات تھے۔ ویلز کے رئیس اپنے پہاڑوں میں قلعوں کے ایک حلقے سے گھیر لئے گئے تھے اور زیادہ دق نہ کرتے تھے ۱۱۰۵ء میں فلیمنگز کی بستی کی بستی، جسے سمندر کی ناگہانی طغیانی نے بے گھر کر دیا تھا پیم بروک شائر میں آباد ہوئی جہاں ہینری نے فیاضی سے انھیں زمینیں عطا کی تھیں اور اس طرح سیورن کے مغرب میں تیوتانی عنصر اور بھی قوی ہو گیا۔ غرض دس سال سے زیادہ عرصے تک ہینری کے ملک میں کامل امن امان رہا۔

مناقشۂ خرقہ پوشی

۱۱۰۷ء میں اُسقف اور متولیوں کے مقرر کرنے کے طریقے میں ایک خاص تغیر واقع ہوا۔ بادشاہوں اور پاپاؤں میں یہ مسئلہ کئی سال سے کشاکش پیدا کر رہا تھا اور "مناقشۂ خرقہ پوشی" کے نام سے مشہور ہے۔ اینسلم بھی باہر رہنے کے زمانے میں اس بارے میں پاپائی خیالات سے متاثر ہو گیا تھا۔ اصل میں اُن دنوں اُسقف یا متولی کی دو مختلف حیثیتیں ہوتی تھیں۔ مذہبی مقتدی ہونے کے اعتبار سے وہ دینی معاملات میں دخل دیتا اور بزرگوار مانا جاتا تھا لیکن زمیندار ہونے کے لحاظ سے اس کی حیثیت بادشاہ کے خراج گزار جاگیردار اور فوجی جمعیت کے سردار کی سی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں آپس میں کوئی مطابقت نہ رکھتی تھیں مگر جب تک صورتِ حال یہ تھی اس وقت تک بادشاہ کو تو لامحالہ دیکھنا پڑتا تھا کہ کوئی اُسقف اس کا بدخواہ نہ ہو اور اہل کلیسا کو فکر رہتی تھی کہ کہیں بادشاہ محض کسی فوجی آدمی کو دینی مقتدی نہ بنا دے۔ یہ دشواری بھی کچھ اسی قسم کی تھی جیسی جاگیر کی وارثہ کے معاملے میں پیش آئی کہ بادشاہ اور خود عورت دونوں کو دعویٰ تھا کہ شوہر کا انتخاب ہماری مرضی سے ہونا چاہیئے۔ نارمن فتح سے قبل اساقفہ وغیرہ کا انتخاب مجلس عقلا میں عملاً بادشاہ کی رائے کے مطابق ہو جاتا تھا اور ولیم فاتح کے زمانے میں بھی یہی عمل رہا۔ مگر اب اینسلم کی خواہش تھی کہ ان عہدوں کا انتخاب پادری کیا کریں اور جو شخص منتخب ہو، وہ بادشاہ کی بجائے صدر اُسقف کے ہاتھ سے اپنے عہدے کا چِلّا اور

عصا حاصل کرے۔ بہت دن تک ہنری اور انسلم اپنی اپنی رائے پر اڑے رہے اور انسلم دوبارہ انگلستان چھوڑ کر یورپ چلا آیا لیکن چونکہ یہ دونوں معقولیت پسند اور دور اندیش آدمی تھے اور جانتے تھے کہ جھگڑے سے دونوں کا نقصان ہے لہذا سنہ ۱۱۰۷ء میں ان کی مصالحت ہوگئی اور قرار پایا کہ انتخاب تو پادریوں کی، یا کینٹربری کے معاملے میں راہبوں کی، پوری جماعت کرے لیکن یہ اجتماع بادشاہ کے دربار میں ہو اور انتخاب کے بعد نیا اسقف، جاگیر کے لئے تو بادشاہ کی سلامی بجا لائے اور اس کے بعد صدر اسقف اور اساقفہ خرقہ پوشی کی رسم ادا کریں اور انھی کے ہاتھ سے چھلا پہنے اور عصا حاصل کرے۔ اس طرح کلیسا کے دینی حقوق بھی محفوظ رہے اور اس کے مقتداؤں کی مذہبی اہلیت کی طرف سے اطمینان ہوگیا اور ادھر انتخاب میں بادشاہی اثر بھی غالب رہا اور مالکِ اراضی کی حیثیت سے اس کے حقوق کی بھی پوری پوری رعایت کرلی گئی۔ خود یورپ میں کچھ روز بعد ہنری کے داماد، شہنشاہ ہنری پنجم اور پاپائے کیلکسٹس ثانی کے درمیان انھی شرائط پر مصالحت ہوئی۔ یاد رہے کہ یہ مناقشہ حقیقت میں اس وسیع تر بحث کا کہ کلیسا اور سلطنت کا باہمی تعلق کیا ہو، محض ایک جزو تھا۔ قرونِ وسطیٰ میں علمائے نصاریٰ کی کوشش برابر یہ رہی کہ جہاں تک ہوسکے کلیسا، سلطنت کے اثر سے آزاد اور اندرونی معاملات میں جماعت بااختیار بن جائے۔ اسی منصوبے کی تکمیل میں وہ چاہتے تھے کہ اپنے عہدہ داروں کا خود انتخاب کریں۔ اپنے قوانین خود بنائیں، اپنے مجرموں کو خود سزا دیں اور اپنے ہی کلیسائی عمال کو مالیہ وغیرہ ادا کریں۔ چنانچہ ایک نہ ایک وقت میں یہ مسائل ایک ایک کرکے انگلستان میں بھی چھڑے اور یہاں کے بادشاہوں اور اہل کلیسا میں مابہ النزاع بنے رہے۔ اسی منصوبے کا ایک جزو یہ بھی تھا کہ پادریوں کو جہاں تک ممکن ہو بیرونی علائق سے الگ رکھا جائے اور اس غرض کے لئے ان میں جو زیادہ بلند خیال تھے وہ پادریوں کے مجرد رہنے پر بڑا زور دیتے تھے۔ سنہ ۱۱۰۲ء میں انسلم نے بھی یہ کوشش کی تھی کہ یہ قاعدہ انگلستان میں واجب العمل قرار دیا جائے لیکن کامیابی نہ ہوئی اور بہت مدت کے بعد جاکر اتنا ہوا کہ روز بینہ یاب پادری پوری طرح اس قاعدے کے پابند ہوگئے۔ انگلستان میں دیہی حلقوں کا دیا جانا عموماً گاؤں کے جاگیردار کے اختیار میں ہوتا تھا

اس لئے یہاں آخر تک ادنیٰ اعلیٰ ہر حیثیت کے پادریوں پر دنیاداروں کا کافی اثر قائم رہا۔

نئے طریق کے بموجب پہلا انتخاب سالسبری کے اسقف کا ہوا۔ اور اسی سے جدید انتظام کی عملی صورت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ عہدۂ مذکور پر خود ہنری کا امام اور خزانچی، روجر، منتخب ہوا جسے بادشاہ نے اس بنا پر اپنے ہاں مقرر کیا تھا کہ وہ بہت جلدی نماز پڑھا دیتا تھا جو ان دنوں عموماً روزانہ ادا کی جاتی تھی۔ بعد میں ثابت ہوا کہ ہر قسم کی داد و ستد کے معاملے میں جو اس کے تفویض کیا جائے وہ نہایت ہوشیار و کامیاب شخص ہے اور جب ہنری بادشاہ ہوا تو وہ اس کا دست راست اور ملک کے کاروبار میں مشیر خاص بن گیا۔ خود ہنری تنظیم و ترتیب کو بہت پسند کرتا تھا اور تانشی برای کی جنگ کے بعد کئی سال کے مسلسل امن میں اسے حسب دلخواہ موقع ملا کہ ملک کی مقامی اور مرکزی حکومت کو صحیح نظم و ترتیب کے ساتھ مرتب کرے۔

نظر برایں (۱۱۰۸ء کے بعد اور ۱۱۱۲ء سے قبل) احکام جاری ہوئے کہ پرگنے اور صدی کی عدالتیں اسی طرز پر منعقد ہوں جیسے شاہ ایڈورڈ (تائب) کے زمانے میں ہوتی تھیں اور اس میں کوئی فرق نہ آئے۔ اس میں دو بڑے فائدے تھے، ایک تو یہ کہ عدالت گویا ہر شخص کے دروازے تک پہنچ گئی اور دوسرے یہ تحقیقات جرائم وغیرہ کا کام جاگیرداروں کے قبضے میں جانے کی بجائے، جیسا کہ ممالک یورپ میں ہوا، بادشاہ کے تحت میں آگیا کیونکہ ان عدالتوں کی صدارت شاہی عامل شیرف کرتا تھا شخصی حقوق کے معاملات جملہ حاضرین عدالت کی رائے سے تصفیہ پاتے تھے جن کو عدالت میں حاضر رہنے کا حق حاصل تھا جرائم کی صورت میں استشہاد (کمپرگیشن) اور ابتلا کے پرانے طریقے ابھی تک جاری تھے لیکن نارمن قوم کے لوگ ملزم و مستغیث یا ان کے قائم مقاموں کے باہم لڑ کر فیصلہ کر لینے کو ترجیح دیتے تھے۔

نارمن فتح کے بعد مجلس عقلا کی جگہ "میگنم کونسی لیم" یا "مجلس اعلیٰ" نے لے لی تھی لیکن یہ محض نام کا فرق تھا ورنہ اس مجلس میں بھی اساقفہ وغیرہ دینی مقتدی اور امراہی شریک ہوتے تھے۔ البتہ شاہی رفقا بشرطیکہ ان کی زمینداری قائم ہو،

بیرن کہلانے لگے اور نارمن فتح کے وقت سے انھیں جاگیرداری اصول کی شرطوں کے مطابق، براہ راست بادشاہ سے جاگیریں ملنے لگی تھیں۔ چونکہ اہل کلیسا جو مجلس میں شریک ہوتے، وہ بھی انھی شرطوں پر مالکانِ اراضی ہوتے تھے۔ لہذا مجلس اعلیٰ حقیقت میں شاہی جاگیرداروں ہی کی ایک جماعت رہ گئی اور اسی میں رفتہ رفتہ مجلس عقلا کی قدیم خصوصیات غائب ہو گئیں؛ مگر اس پوری مجلس کا انعقاد بہت کم اور کسی ایسے خاص موقع پر ہوتا تھا جیسے سالسبری کا اجتماع ۱۰۸۶ءمیں۔ اور ملک کے معمولی معاملات مجلس شاہی ("کیوریا ریجیس") میں طے ہو جاتے تھے۔

مجلس شاہی

اس مجلس کی صحیح کیفیت تو معلوم نہیں مگر عموماً اس میں بادشاہ اور بڑے بڑے عہدہ دار جیسے میر عدالت، میر منشی، خزینہ دار، حاجب، بخشی، اور سپہ سالار، شامل ہوتے اور بطور خاص بادشاہ جسے چاہتا طلب کر لیتا تھا۔ نارمن اور شروع کے انژوی بادشاہوں کے عہد میں میر عدالت سب سے اعلیٰ عہدہ دار تھا اور بادشاہ کی عدم موجودگی میں جب کہ اسے نارمنڈی جانا پڑتا تھا وہی نیابت اور مجلس شاہی کی صدارت کرتا تھا۔ نواب صدر عدالت کے نام سے، جواب تک انگریزوں کے قانونی نظام کا صدر ہے اس قدیم عہدے کی یادگار باقی ہے۔ میر منشی یا صدر معتمد (چانسلر) بادشاہ کا معتمد خاص ہوتا اور شاہی مہر اسی کی تحویل میں رہتی تھی۔ حاجب محلاتِ شاہی کے کاموں کا ذمہ دار تھا۔ بخشی (کونس ٹیبل) اور سپہ سالار زیادہ تر جاگیرداروں کی افواج کے معاملات سے تعلق رکھتے تھے؛

اس مجلس کے فرائض مختلف تھے۔ جب ملکی معاملات میں مشورہ دینے کی غرض سے منعقد ہوتی، تو اسے بادشاہ کی معمولی مجلس کہتے کہ مجلس اعلیٰ سے جو خاص خاص موقعوں پر منعقد ہوتی امتیاز رہے۔ بعض اوقات وہ عدالت عالیہ کا کام دیتی اور بڑے بڑے جاگیرداروں کے تصفیے چکاتی جیسا کہ زمانہ سابق میں مجلس عقلا کرتی تھی۔ نیز اُن مقدموں کے مرافع جو پرگنے کی پنچایت سے آئیں، سماعت کرتی تھی۔ اس موقع پر اسے صرف "مجلس شاہی" کہتے۔ اُس کے وقت کا معقول حصہ وصول مالگزاری کے کاموں میں خرچ ہوتا اور اس غرض سے اجلاس ہو تو اسے

باب سوم

عدالت مالیہ کہتے تھے۔ اس کے حسابات بہت احتیاط سے رکھے جاتے تھے اور ۱۱۳۰ء کا ہی کھاتہ یا حساب بجنسہ محفوظ رہ گیا ہے جس سے عدالت مذکور کے عمل درآمد کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ ہر چیز کی نہایت روپیہ معلوم ہوتی ہے کیونکہ ہنری کا خزانچی روجر بھی شاہی مداخل کا پیسہ پیسہ وصول کرنے میں ایسا ہی سخت تھا جیسے رنولف (فلیم بارڈ)۔ اور حسابات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زر بازستانی، ایالت، ازدواج وغیرہ کے نذرانے آمدنی کی کتنی معقول مد تھے۔ اور وہ آمدنی الگ رہی جو قانونی کارروائی میں تاخیر یا تعجیل کے لیے شاہی اثر سے کام لینے کی غرض سے، معاہدات وموجبات سے معافی چاہنے کے واسطے، عہدے پر مقرر یا علیحدہ ہونے کے وقت کے، نذرانوں سے وصول ہوتی تھی کیونکہ ہنری کے عہد میں ہر چیز کی قیمت تھی اور زندگی کا کوئی کام ایسا نہ تھا جس سے کسی نہ کسی پیرائے میں شاہی خزانے کے لیے کچھ نہ کچھ رکھوا نہ لیا جائے۔

مجلس کے ان مختلف وظائف کی بدولت، بادشاہ نظم ونسق کے ہر جزو پر کامل نگرانی رکھ سکتا تھا اور زیادہ تر اسی مجلس کی بدولت انگلستان کی مقامی حکومت پر نارمن صدر حکومت کی وہ مرکزیت تعمیر ہو سکی جو ولیم فاتح کے خاندان کا بڑا آئینی کارنامہ ہے۔ مگر اس نظام کی تکمیل کے لیے ضرورت تھی کہ مجلس شاہی اور مقامی عدالتوں یا پنچایتوں میں کوئی قریبی رشتہ پیدا کیا جائے اور ۱۱۲۴ء میں اس کی ایک تمہید اس طرح ڈالی گئی کہ مجلس شاہی نے اپنے اعضا کا ایک خاص وفد تیار کیا کہ دیہات میں اجلاس کرے اور اس نے اتنے چوروں کو پھانسی کی سزا دی کہ پہلے کبھی نہ ملی تھی۔ چنانچہ اسی تھوڑے سے عرصے میں ۴۴ آدمی لٹکا دیئے گئے"۔ بادشاہ کی اس پُرزور عدل وسیاست نے اسے "شیر عدالت" کا لقب دلوایا اور حقیقت میں اس کا آہنی پنجہ جس طرح انگلستان کی سب قوموں کو ایک دوسرے کے قریب تر لایا وہ ملک کے حق میں ایک بڑی نعمت ثابت ہوا۔

۱۱۱۸ء میں ملکۂ ماٹلڈا نے، ایک سولہ سال کی لڑکی ماٹلڈا اور ایک پندرہ سال کا لڑکا، ولیم چھوڑ کر وفات پائی۔ اس لڑکی (ماٹلڈا) کی شادی ۸ برس کی عمر میں شہنشاہ ہنری پنجم سے کر دی گئی تھی اور اس تقریب پر بادشاہ نے اپنے

جاگیرداروں سے جہیز کے لئے جو رقم وصول کی وہ تین شلنگ فی ہائڈ[1] تھی۔ بیوی کی وفات کے وقت ہینری دوبارہ مصروف جنگ تھا کیونکہ لوئی ششم، شاہ فرانس نے اس کے خلاف ایک جتھا تیار کیا جس میں بالڈون امیر فلینڈرس اور فلک، امیر آنژو شریک تھے اور مقصد یہ تھا کہ روبرٹ والی نارمنڈی کے اکلوتے بیٹے ولیم کلیٹو کی پشتی بانی کی جائے۔ مگر بالڈون اسی سال مرگیا اور فلک اس قرارداد پر کہ شاہ انگلستان کے بیٹے سے اس کی بیٹی کی شادی ہو جائے، جتھے سے الگ ہوگیا۔ پھر ۱۱۱۹ء میں ہینری کی شاہ فرانس اور کلیٹو سے برین ویل میں جو مٹ بھیڑ ہوئی اس میں ہینری غالب آیا۔ جتھا ٹوٹ گیا اور تھوڑے ہی دن بعد پاپا نے ثالثی کرکے صلح کرادی۔

آیندہ وراثت کا مسئلہ

اب ہینری کی یہ کوشش تھی کہ اپنے بیٹے کی آیندہ تخت نشینی کا اطمینان کرلے۔ نارمن جاگیرداروں سے وہ اطاعت کا حلف اٹھوا چکا تھا اور فاتحانہ انگلستان آرہا تھا کہ خود بیٹا ہی ڈوب کر ہلاک ہوگیا۔ وہ "وھائٹ شپ" میں سوار تھا جسے مخمور ملاحوں کی غفلت نے ایک چٹان پر چڑھا دیا اور شہزادے کی ہلاکت کا باعث ہوئے۔ ہینری نے اس کے بعد پھر شادی کی مگر کوئی اولاد نہ ہوئی اور اب اپنے خاندان میں بادشاہی رکھنے کی ساری امیدیں اس پر منحصر ہوگئیں کہ امرا اس کی بیٹی ماٹلڈا کو ملکہ تسلیم کریں جو لاولد رہی اور ۱۱۲۵ء میں بیوہ ہوکر انگلستان آگئی تھی، چنانچہ ۱۱۲۶ء میں ہینری نے مجلس اعلیٰ کو آمادہ کرلیا کہ ماٹلڈا کو آیندہ فرماں روا بنانے کی قسم کھائیں۔ لیکن ابھی ایک زبردست حریف یعنی ولیم کلیٹو زندہ تھا۔ وہ عمدہ اخلاق اور اچھی خاصی قابلیت کا نوجوان تھا اور اس نے اپنے چچا کی وراثت کی امید ابھی تک نہیں چھوڑی تھی۔ ۱۱۲۳ء میں اس نے امیر والراں کی مدد سے نارمنڈی میں خروج کیا اور جب اس میں ناکامی ہوئی تو پھر شاہ فرانس سے رشتۂ اتحاد جوڑا اور چونکہ اس کی نانی فلینڈرس کے حکمراں خاندان سے تھی،

[1] ہائڈ = قیاساً سو ایکڑ۔

لہٰذا وہاں کا امیر چارلس (نیکدل) مرا تو شاہ فرانس نے ولیم کلیٹو کو فلینڈرس کا امیر نامزد کر دیا۔ چچا نے یہاں بھی دشمنی سے پیچھا نہ چھوڑا اور شورہ پشتوں کو بغاوت میں مدد دی یہاں ولیم کلیٹو فتحمند ہوا لیکن بدنصیبی سے برچھے کا ایک معمولی زخم غفلت سے بڑھکر پیام موت بن گیا اور عین اس وقت کہ تقدیر یاوری پر آمادہ نظر آتی تھی ۱۱۲۸ء میں وفات پائی۔

ماٹلڈا کی شادی جیفری سے

اُس کی وفات سے چند ماہ پہلے ہینری نے اپنی بیوہ بیٹی کی شادی فلک امیر آنژو کے بڑے بیٹے جیفری سے کر دی۔ واضح رہے کہ شمالی فرانس کی تاریخ میں امرائے آنژو بہت ممتاز حصّہ لیتے رہے تھے۔ آنژو کے علاوہ وہ قریبی اضلاع مین اور ٹورین پر بھی حق فرماں روائی جتاتے اور اکثر قابض بھی ہو جاتے تھے۔ نارمنڈی، بریٹانی، اکوئیٹین اور خود شاہ فرانس کی حدود اُن کے علاقے سے ملتی تھیں۔ اس گھرانے کے لوگوں نے جنگی اور ملکی دونوں قسم کے کام انجام دینے کا بڑا سلیقہ پایا تھا۔ اور عام طور پر ممتاز تھے کہ جس کام کو انھوں نے اٹھایا، اسے خوبی سے انتہا کو پہنچا دیا۔ اسی کے ساتھ علم و فن کا بھی کافی ذوق تھا؛ خود فلک بہت کامیاب حاکم مانا جاتا تھا اور اب ولیعہد انگلستان کے ساتھ اُس کے بڑے بیٹے کی شادی، اس خاندان کی ایک نمایاں کامیابی تھی۔ نوشاہ جیفری، ابھی بالکل لڑکا تھا مگر نہایت ذہین، قبول صورت اور دلکش۔ اگرچہ اِس میں شک نہیں کہ اُس کی تیز مزاجی اور دولہا دلہن کی عمر میں اتنے زیادہ تفاوت کے باعث یہ شادی حقیقت میں کچھ بہت خوشدلی کا موجب نہ رہی۔ اور ۱۱۳۳ء تک جیفری اور ماٹلڈا سے کوئی اولاد بھی پیدا نہیں ہوی؛ ادھر انگریز و نارمن دونوں قوم کے آدمی اس شادی سے خوش نہ تھے۔ کیونکہ انگریز تو بادشاہ کے مواعید کے خلاف، وطن سے باہر کا رشتہ سمجھکر اسے پسند نہ کرتے تھے اور نارمنوں کو خاندان آنژو سے نفرت تھی اور ایک آنژوی فرماں روا کی حکومت قبول کرنا باعثِ عار معلوم ہوتا تھا۔ لیکن ہینری برابر ماٹلڈا کے لئے حلف لیتا رہتا تھا اور جب اس کے بطن سے ہینری (آیندہ ہینری ثانی) پیدا ہوا تو حلف میں ماں کے نام کے ساتھ

اس بچے کا نام بھی اُس نے نثال کر دیا۔ نواسے کی ولادت کے بعد ہینری انگلستان سے نارمنڈی چلا آیا اور ۱۱۳۵ء میں یہیں (ایک حد تک ناگہانی) وفات پائی ۞

ہینری کے اوصاف و خصائل

ہینری اول انگلستان کے ممتاز بادشاہوں میں داخل ہے۔ مصلحت کے باعث اُس نے وہی طرز عمل اختیار کیا جو رعایا کے حق میں سب سے اچھا تھا کیونکہ عام لوگ سب سے زیادہ جس شے کے محتاج و متمنی تھے وہ یہ تھی کہ بڑے بڑے زمینداروں کے جور سے انہیں بچایا جائے۔ بتیس برس تک جو تقریباً ایک نسل کی مدت کے برابر ہے اُس نے انگلستان میں امن قائم رکھا اور اس امن دوست بادشاہ کے کام کی قدر و قیمت کا اندازہ خود اُس مادی اور دماغی ترقی سے ہو سکتا ہے جو اتنی مدت میں ملک نے حاصل کی۔ بہ نسبت سابق کے تجارت چند در چند بڑھتی گئی اور برّاعظم کے ساتھ انگلستان کے روابط کا یہ فائدہ ہوا کہ محاربات صلیبی کی بدولت یورپ میں تجارت کی جو گہما گہمی ہوئی انگلستان بھی اس میں حصہ دار بن گیا۔ نارمنڈی اور انگلستان کے ایک ہی فرماں روا کے ہاتھ میں ہونے سے مدتوں تک رودبارِ انگلستان' ایک انگریزی جھیل بنی رہی۔ انگریز سوداگر نہ صرف ہینری کے مقبوضات سے بلکہ آئرستان' بریٹانی' فلینڈرس' ڈین مارک بلکہ ان سے بھی آگے بڑھ بڑھ کے باضابطہ لین دین کرنے لگے۔ ممالک یورپ میں شخصی جنگ و مجادلت کی وبا پھیلی ہوئی تھی لہذا انگلستان کے امن عام اور خصوصاً اس بلا سے محفوظ ہونا سن کر مختلف ملکوں کے بہت سے دستکار و صناع اپنا وطن چھوڑ چھوڑ کے ہینری کی پناہ میں آگئے اور ان کی دستکاری سے متوسط طبقے کی تعداد و قوت میں اضافہ ہوتا چلا ۞

شہروں کا فروغ

اب شہری لوگوں کو فکر ہوئی کہ بادشاہ سے اس قسم کے آئینی حقوق حاصل کئے جائیں کہ انہیں کسی حد تک وہی مقامی حکومت میسر آجائے جس سے ممالک یورپ کے آزاد شہر بہرہ مند تھے۔ اس کی ابتدا بہت ہی معمولی اختیارات سے ہوئی۔ شہر والوں کے خاص خاص مقاصد یہ تھے کہ (۱) خاص شہری خراج (برگی فرما) فیرف

کو دینے کی بجائے براہ راست بادشاہ کے خزانے کو ادا کریں تاکہ وہ پرگنے کی عام مالگزاری میں شامل نہ سمجھا جائے۔ (۲) اپنے عامل خود منتخب کریں اور شہر کے مقدمات بھی خود وہیں کی مقامی عدالتوں میں فیصل ہوا کریں۔ (۳) بڑے سوداگروں کو ایسی انجمن بنانے کی اجازت ملے جسے جاگیرداری آئین کا جزو تسلیم کر لیا جائے؛ اکثر شہر بادشاہی اراضی میں واقع تھے۔ بعض اساقفہ اور امرا کی جاگیروں میں۔ مگر ان میں لنڈن و یورک کے شاہی منشور جو ہنری اوّل کے زمانے میں عطا ہوئے ابھی تک محفوظ ہیں، اور ان سے قیاس ہو سکتا ہے کہ دوسرے شہر بھی ان کی مثل کیا حقوق طلب کر رہے تھے۔

خانقاہیں وغیرہ

اس عہد امن میں خانقاہی گروہوں نے جو ترقی کی وہ شہر کے وسطی طبقے سے کم اہمیت نہیں رکھتی۔ نارمن قوم کے انگلستان کو فتح کرنے کا زمانہ قریب قریب وہی تھا جب کہ ممالک یورپ میں مذہبی زندگی کا بہت کچھ احیا ہوا اور گریگوری ہفتم کی منصب پاپائی میں اصلاحات، خرقہ پوشی کے مناقشے، صلیبی جنگ کا جوش خروش اور پرانے خانقاہی گروہوں کی اصلاح اور نئے گروہوں کا وجود میں آنا، اسی احیائے دین کے مختلف شواہد تھے۔ آخر الذکر تحریک کا آغاز کلگنی کی خانقاہ سے ہوا اور اس کی شاخوں کے طور پر اس قسم کے زاویے (پرائری) بنے جیسے پونٹ فریکٹ، ریڈنگ اور لیوز میں تھے۔ اور ان کے ذریعے یہ خیالات انگلستان میں پھیلے۔ کلگنی راہب نمازوں کی پابندی اور گرجوں کی آراستگی پر بہت زور دیتے تھے اور انھیں رسوم رہبانیت کا بڑا حامی سمجھنا چاہیے۔ ان کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ سب سے پہلے انھی نے کئی کئی خانقاہوں کو ایک سلسلے میں منسلک کیا اور ان سب کو یکساں نظم و نسق کا پابند بنایا؛ ان کی دیکھا دیکھی دوسری خانقاہوں نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا اور تھوڑے ہی دن میں دو اور گروہ تیار ہو گئے جو کلگنی کے مقاصد کو اپنے نزدیک ترقی دینا چاہتے تھے۔ ان میں سے پہلا گروہ تو آسٹن کینینز کا تھا جو حلقے کے عام پادریوں اور راہبوں میں رشتۂ وحدت قائم کرنا چاہتے تھے اور ان کی پہلی خانقاہ "ہولی ٹری نٹی" لنڈن کے علاقہ آلڈگیٹ میں تعمیر ہوی۔ دوسرا اور

زیادہ باوقعت گروہ سسٹرسی راہبوں کا تھا (جو سی تو (برگنڈی) سے منسوب تھے۔ اس گروہ کا اصلی بانی ایک انگریز اسٹیفن ہارڈنگ تھا اور سب سے مشہور رکن سینٹ برنارڈ گزرا ہے۔ یہ لوگ اہل خانقاہ میں سخت زہد و تقویٰ کے حامی تھے۔ بینی ڈکٹائن فرقے کی بڑی بڑی خانقاہیں تو صنعت و حرفت کا مرکز اور بارونق شہروں کا گہوارہ بن گئی تھیں مگر ان کے خلاف سسٹرسی ویران اور دور دست پہاڑیوں میں اپنے زاویے بناتے اور کلیسا والوں کی شان گرجوں کی آرائش و زیبائش کو بھی مکروہ جانتے تھے۔ وہ نہ رنگین شیشے لگاتے نہ گھنٹہ گھر بناتے اور سفید لباس پہن کر گویا بتانا چاہتے تھے کہ ہم سیاہ پوش بینی ڈکٹائن فرقے سے کوئی تعلق نہیں رکھتے ہیں۔

نئی خانقاہی زندگی کے اس جوش نے دوسرے فرقوں میں بھی تحریک و تازگی پیدا کی اور ولیم متوطن مامزبری، جو خود بینی ڈکٹائن تھا گواہی دیتا ہے کہ "سسٹرسی راہب محنت کا آئینہ، اہل غفلت کے لئے تازیانہ اور سب کے لئے ایک نمونہ تھے۔" خانقاہیں عام طور پر شہروں کے قریب یا نارمن قلعوں کی نواح میں تھیں اور سرائے کا کام دیتی تھیں جہاں امیر غریب ہر طبقے کے آدمی رات کو آرام پاتے تھے لہٰذا ہوش گوش والا راہب اپنے زمانے کی ہر قسم کی تحریک سے آگاہ و آشنا ہوتا تھا اور ہنری کے عہد میں زندگی کے ہر شعبے میں جیسی کچھ اصلاح و بہتری ہوئی، اور جس طرح سیکسن و نارمن سرعت کے ساتھ ایک متحدہ قوم بننے لگے، اسی کی ایک نہایت روشن دلیل یہ بات بھی تھی کہ انگلستان کی تاریخ سے از سر نو لوگوں کی دلچسپی تازہ ہوئی۔ شاہ الفریڈ کی باقاعدہ وقائع نویسی کی تجویز پر اگر کہیں عمل ہوتا رہا تو وہ صرف ایک مقام، یعنی ورسسٹر کی خانقاہ تھی سنہ ۱۱۲۰ء کے قریب انہی وقائع کی ایک نقل پیٹربرو کے راہبوں کے واسطے تیار کی گئی تھی اور اصل نسخے کے تلف ہو جانے کے بعد یہ نقل اب تک سلامت رہ گئی ہے جس کا پیٹربرو والوں نے سنہ ۱۱۵۴ء تک سلسلہ آگے بھی جاری رکھا۔ اس کے علاوہ کلیسائے ہنٹنگڈن کے صدر داروغہ ہنری نے اسی سال انگلستان کی مکمل تاریخ کا مواد فراہم کرنا شروع کیا۔ اور ولیم (متوطن مامزبری) نے جو بیڈ کے بعد سب سے

بڑا انگریز مورخ تھا" "قوانین اساقفہ" اور "قوانین ملوک انگلستان" قلمبند کئے اور اپنے زمانے تک تاریخ کا سلسلہ پورا کر دیا۔ خود شاہ ہنری اوّل ذی علم آدمی تھا اور انگریزی فرانسیسی اور لاطینی بول سکتا تھا۔ اولاد کو بھی اچھی تعلیم دلائی اور اس کا ولد لطفی رو برٹ (رئیس گلوسسٹر) مورخ ولیم کا دوست تھا۔ لاطینی زبان کی مستند کتابیں انگلستان میں نایاب نہ تھیں اور اقلیدس کا کم سے کم ایک نسخہ اس ملک میں پہنچ گیا تھا۔

آکسفرڈ کی ابتدا

آکسفرڈ کے دار العلوم کے آغاز کا بھی ہنری کے زمانے سے سراغ ملتا ہے۔ قصبے کے شمال میں، بومنٹ پر ہنری نے ایک محل تعمیر کیا تھا اور ممکن ہے اسی کے قیام سے اہل علم یہاں کچھ جمع کرآنے لگے ہوں۔ بہر حال یہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ ۱۱۱۷ء اور ۱۱۲۱ء کے درمیان ایک نارمن عالم، تھیبو دستامپ یہاں کوئی سو یا کم سے کم ساٹھ طلبہ کو تعلیم دیتا تھا۔ ۱۱۳۳ء میں رو برٹ پولین (جو بعد میں کارڈنل ہوا) یہاں کتاب مقدس کے درس دیتا تھا۔ ایک اور استاد، رو برٹ گرک لیڈ کا نام بھی معلوم ہوا ہے اور آیندہ بادشاہ کے عہد میں درس کے دائرے میں مزید توسیع یہ ہوئی کہ دکاریوس نے قانون دیوانی کی تعلیم دینی شروع کی۔ اس کے بعد سے معلوم ہوتا ہے آکسفرڈ میں یکے بعد دیگرے علما اور اساتذہ کا سلسلہ برابر قائم رہا۔

غرض مجموعی طور پر عہد ہنری کے انگلستان میں ہر طرف مادی اور دماغی فلاح، آئینی ترقی اور وطنی جذبات کے فروغ کے آثار نظر آتے ہیں جو اس کے ذی علم فرماں روا کی کامیابی کا بہترین کارنامہ ہے۔

مشہور سنین

روبرٹ (ابیلیسی) کا اخراج ۱۱۰۲ء

جنگ تانش برای	سنہ ۱۱۰۶ء
مسئلۂ خرقہ پوشی کا تصفیہ	سنہ ۱۱۰۷ء
معرکۂ برین ویل	سنہ ۱۱۱۹ء
مالڈا کی شادی جیفری سے	سنہ ۱۱۲۸ء
ہنری (آنژوی) کی ولادت	سنہ ۱۱۳۳ء

باب چہارم

اسٹیفن: ۱۱۳۵ء تا ۱۱۵۴ء

ولادت۔ قیاساً ۱۰۹۴ء، شادی ۱۱۲۴ء میں ماٹلڈا (بولونی) کے ساتھ

معاصرین: ڈیوڈ و میل کوم رابع۔ شاہ اسکاٹ لینڈ
لوئی ششم و ہفتم۔ شاہ فرانس۔
فریڈرک (باربروسہ) شہنشاہ

ہینری کی وفات کے وقت اس کی بیٹی ماٹلڈا، سسرال (یعنی آنژو میں) تھی اور اُس نے اور اُس کے شوہر نے بجائے اس کے کہ فوراً انگلستان آئیں اور جس طرح بن پڑے پہلے وہاں کی بادشاہی کا اطمینان کر لیں، فاش غلطی یہ کی کہ اوّل نارمنڈی کا رُخ کیا۔ شاید وہ یہ سمجھے ہوں کہ متوفی بادشاہ جو انتظام کر چکا ہے، اُس کی بموجب ماٹلڈا کی جانشینی گویا طے شدہ امر ہے تو یہ اُن کی سخت غلط فہمی تھی۔ کیونکہ ایک رقیب پہلے ہی میدان میں پہنچ چکا تھا اور انتہائی سرعت و مستعدی سے کام کر رہا تھا کہ ماٹلڈا نارمنڈی میں کچھ کرنے بھی نہ پائی ہوگی کہ وہ انگلستان کے تخت پر جا دھمکا تھا۔

یہ رقیب ولیم فاتح کی چالاک بیٹی اڈیلا کا منجھلا لڑکا اسٹیفن تھا جس کا باپ بلوا کا موروثی امیر تھا۔ مورٹین ہینری نے اسے عطا کیا اور بولون، یوس ٹیس رمنغیرا کے زر کے میں اس کی بیوی اڈیلا کو مل گیا تھا۔ خود اسٹیفن اس قسم کا آدمی تھا کہ بادشاہ نہ ہوتا تو بھی لوگ اسے اوصافِ شاہی سے متصف ضرور سمجھتے۔ ہینری کی وفات کے وقت اس کی عمر چالیس سال کے قریب تھی۔ وہ نہایت وجیہ، قوی الجثہ اور فنون سپاہگری کا ماہر تھا۔ اس کی ہمت و دلاوری مسلم تھی اور اطوار پسندیدہ رکھتا تھا۔ ملکہ ماٹلڈا کی چھوٹی بہن کی بیٹی کرسٹینا اسے بیاہی تھی لہذا اس کی اولاد میں قدیم انگریز بادشاہوں کا خون تھا۔ دوسرے ہینری کی بیٹی ماٹلڈا سے تو انگلستان میں بہت کم لوگ واقف تھے بخلاف اس کے اسٹیفن ہینری ہی کے پاس پل کر جوان ہوا ساری عمر انگلستان ہی میں رہا اور انگریزی دربار میں شاہانِ اسکاٹ لینڈ کے بعد سب سے بلند رتبے کا جاگیردار مانا جاتا تھا۔ غرض ماٹلڈا کی نسبت کہیں بہتر اور تخت انگلستان کے لئے موزوں ترین آدمی وہی نظر آتا تھا کیونکہ ماٹلڈا اول تو عورت (اور مغربی یورپ کے بہادروں پر ابھی تک کسی عورت کی کبھی حکومت نہ ہوئی تھی) پھر تعلیم و تربیت کے اعتبار سے جرمن اور شادی کی رو سے آنژوی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جاگیرداروں کی نگاہ میں وہ اسی گھرانے کی قائم مقام ہوتی جس نے جبر و زبردستی کا ایسا سخت نظامِ حکومت مرتب کیا کہ رنولف (فلیمبارڈ) اور روجر (اسقف سالسبری) جیسے لوگوں کو اسی کی بدولت لوگوں کے ستانے کا موقع ملا۔

اسٹیفن کا انتخاب لیکن سب سے اول اسٹیفن کا انتخاب امرا نے نہیں کیا بلکہ بولون سے سمندر کے راستے وہ بلاتاخیر لندن آیا اور وہاں کے باشندوں نے جوش و خروش کے ساتھ اسے اپنا بادشاہ مان لیا۔ ادھر سے اطمینان ہوا تو وہ ونچسٹر گیا اور وہاں اس کے بھائی ہینری (اسقف ونچسٹر) نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور شاہی خزانے کی کنجیاں حوالے کر دیں۔ بادشاہ کے مرنے سے ملک میں جو خلفشار پیدا ہوا اس نے پہلے ہی ثابت کر دیا تھا کہ کسی نہ کسی کو جلد بادشاہ بنانے کی ضرورت ہے اور غالباً اسی مصلحت سے روجر اسقف سالسبری اور عدالت و امنِ عامہ کا ذمہ دار حاکم، اسٹیفن کے ساتھ ہو گیا۔ اس کے بھتیجے نیجل، اسقف ایلی نے جو خزانچی تھا چچا کی

تقلید کی اور انھی کے ہمراہ اُس کا ولد لُطفی روجر لو پوٹر وزیر مال بھی اسٹیفن کی طرف آملا۔ کینٹربری کے صدر اُسقف ولیم نے تاجپوشی کی رسم ادا کی اور عوام، اہل کلیسا اور عمال سلطنت کے اس طرح تائید کرنے سے اسٹیفن کی بادشاہی بظاہر بالکل پکی ہو گئی۔ بعض جاگیردار زیادہ دن تک تامل کرتے رہے۔ خصوصاً روبرٹ (امیر گلوسٹر) جو دراصل متوفی بادشاہ کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ لیکن بالآخر اسٹیفن کے فیاضانہ وعدوں نے سب کو اپنا بنا لیا۔ نارمن جاگیردار آنشوی فرماں روا سے بچ جانا غنیمت سمجھے اور انھوں نے بھی اطاعت قبول کر لی اور چند روز تو ایسا نظر آنے لگا گویا انگلستان و نارمنڈی میں ایک شخص بھی ماٹلڈا کا علانیہ ساتھ دینے والا نہیں ہے۔

لیکن کچھ زیادہ مدت نہ گذری تھی کہ اسٹیفن کی بہ حیثیت بادشاہ اصلی کمزوریاں ظاہر ہونے لگیں۔ داد و دہش اور وعدے وعید میں وہ ضرورت سے زیادہ فیاض تھا۔ تاجپوشی کے وقت دو فرامین میں اُس نے اجمالاً وعدہ کیا کہ ایڈورڈ (تائب) اور ہینری کے اچھے قوانین و معمولات کی پابندی کرے گا اور اپنی پہلی مجلس کے اجلاس میں بھی اس وعدہ کو دہرایا۔ مگر اسی کے ساتھ اس دریا دلی سے زمینیں لوگوں کو عطا کیں کہ بادشاہی مداخل میں معقول کمی آگئی اور طرفہ تر یہ کہ جن لوگوں کو عطیات ملے ان پر نہ تو کسی قسم کے فرائض عائد کئے گئے اور نہ وہ اس انعام و اکرام کی بنا پر بادشاہ کے فی الواقع جاں نثار بن گئے۔ بلکہ عجب نہیں اسٹیفن کے اسراف بیجا ہی کو دیکھ کر یہ مقولہ کہا گیا ہو جو ملکہ ماٹلڈا کی زبان پر بہت چڑھا ہوا تھا کہ "کام لینا ہے تو شکرے کو حلق تک نہ بھرو"۔

بہر حال سب سے اول ڈیوڈ شاہ اسکاٹ لینڈ نے ماٹلڈا کی تائید میں تلوار اٹھائی۔ اسٹیفن نے اسے کارلائل کی امارت اور اس کے بیٹے ہینری کو کمبرلینڈ کی جاگیر دے کے کچھ روز کے لئے منہ بند کیا مگر ۱۱۳۸ء میں اس نے پھر ہتھیار سنبھالے اور ڈرہم و نارتھمبرلینڈ کو کمال بے رحمی سے خراب و پامال کر کے یارک شر میں داخل ہو گیا۔ ادھر اس عرصے میں اسٹیفن کے چند اور دشمن بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ روبرٹ امیر گلوسٹر اور مائلز امیر ہیریفورڈ شر نے سرکشی کی اور اسٹیفن کو انھیں اور ان کے دوستوں کو ہوش میں لانے کے لئے بہت روز تک قلعہ گیریوں میں الجھنا پڑا۔ غنیمت تھا کہ شمال کے اضلاع بہت اچھے ہاتھوں میں تھے چنانچہ یارک کے صدر اسقف تھرسٹن اور ری وول کی

خانقاہ کے بانی والٹر لیس پک نے اہل شمال کو یارک میں جمع کیا۔ سن رسیدہ تھرسٹن تو عقب میں چھوڑ دیا گیا اور والٹر، کاوٹور کے مقام تک بڑھا، جہاں ہمبلڈن کی پہاڑیاں، سلسلۂ پنائن کی پست چوٹیوں کے قریب تک آگئی ہیں اور نارتھ الرٹن دو میل پیچھے واقع ہے۔ تمام انگریزی فوج پیادہ اور ایک گاڑی کے گرد اسکوٹوں کے حملے کے انتظار میں صف آرا تھی اور اس گاڑی

معرکۂ نارتھ الرٹن

پر بلیاں جما کے، عام جھنڈے کی بجائے، سینٹ پیٹر، سینٹ ولفرڈ اور بیورلی کے سینٹ جون کے مقدس نشان چڑھا دیے تھے۔ اسکوٹوں نے حملہ تو غضب کا کیا اور جم کر لڑتے رہے لیکن نیزہ برداروں کی پیوستہ صفوں کا کچھ نہ بگاڑ سکے اور ادھر تیر اندازوں نے، جو انگریزی معرکوں میں حصہ لینے لگے تھے، غیر زرہ پوش اسکوٹوں میں تیر مار مار کے تہلکہ ڈال دیا۔ آخر کار ایک ہزار مقتول اور تمام مال غنیمت اور اسباب چھوڑ کے حملہ آور پسپا ہوئے اور تقریباً دو صدی تک "جنگ علم" کی یاد نے یارک شر کو ان کے حملوں سے محفوظ کر دیا۔

جنوب میں اسٹیفن کی جنگی کاردانی کام آئی۔ برسٹل پر تو زور نہ چلا مگر ہیر یفرڈ اور شروز بری فتح ہو گئے۔ اس کی بیوی نے ڈوور کو فتح کیا۔ روبرٹ اور مائلز ملک چھوڑ کر بھاگ گئے اور بعض قلعوں کے باغی سپاہیوں کو پھانسیاں دینے سے دوسروں کو بھی سبق مل گیا۔ غرض سنہ ۱۱۳۸ء اسٹیفن کے حق میں سازگار سال ثابت ہوا مگر سنہ ۱۱۳۹ء نے اسی نسبت سے بے وفائی کی۔ اب تک اسٹیفن عقلمندی سے روجر کے ساتھ بہت اچھی طرح پیش آتا رہا، اور اس کی درخواست پر بے حساب خرچ کرنے میں بھی دریغ نہ کرتا تھا کیونکہ نظم ونسق کی باگ روجر کے ہاتھ میں تھی۔ لیکن سوء اتفاق سے ایک موقع پر وہ روجر سے جھگڑ پڑا اور اس کے رشتہ داروں سے سالسبری، ایلی اور ڈیوائزز کے قلعے چھین لیے بلکہ ان کے اسقف ہونے کی بھی پروا نہ کی اور انھیں قید میں ڈال دیا۔ یہ سخت بے عقلی کا فعل تھا۔ روجر کی معزولی سے انتظامات کی ساری کل بگڑ گئی اور ادھر اسقفوں کے ساتھ اتنا شدید برتاؤ، ولیم فاتح کے وقت میں تو شاید گوارا کر لیا جاتا، اس کے پوتے کے زمانے میں گوارا نہ ہو سکا اور خود ونچسٹر کا اسقف ہنری اور تمام اہل کلیسا اسٹیفن سے بگڑ کر ماٹلڈا کے موئید ہو گئے۔ ۲۹ اگست کو ہنری نے اپنے بھائی

(یعنی بادشاہ) کے پاس بُلا وا بھیجا کہ کلیسا کی مجلس میں آکے اپنے طرزِ عمل کی جوابدہی کرے۔ گو اسٹیفن نے اس موقع پر اپنے کو بچانے کے لئے اطاعت کا عار قبول کرنے کی آمادگی ظاہر کی لیکن ستمبر کی آخری تاریخ ماٹلڈا اور اس کا بھائی روبرٹ ارنڈیل میں لنگر انداز ہوئے اور شاہ متوفی (ہنری اول) کی بیوہ اڈیلا نے ان کا استقبال کیا۔ روبرٹ، جلد برسٹل چلا آیا تھا مگر ماٹلڈا کا اسٹیفن نے ارنڈیل ہی میں محاصرہ کر لیا پھر غالباً یہ سمجھکر کہ روبرٹ زیادہ خطرناک دشمن ہے کچھ روز بعد اس نے ماٹلڈا کو اپنے بھائی سے جا ملنے کی اجازت دے دی۔ پھر وسط انگلستان کے مغربی اضلاع سے بھی جہاں روبرٹ (امیر گلوسٹر) اور مائلز (امیر ہیریفرڈ) کا اثر غالب تھا اس نے کچھ تعرض نہیں کیا اور اسی پر اکتفا کی کہ بیک دویر ہام کے خطے مغرب میں جو پرگنے تھے ان پر قبضہ اور ٹیمز کے دریائی راستے کو محفوظ رکھے اور دوسرے جاگیرداروں کو ماٹلڈا کی طرف نہ جانے دے جس کے ساتھ ۱۱۳۹ء سے ۱۱۴۲ء تک اس کا مقابلہ جاری رہا۔

ماٹلڈا کا ورود

۱۱۴۰ء کے جاڑوں میں رالف امیر چیسٹر نے قلعۂ لنکن پر قبضہ کر لیا۔ انگلستان میں اسی امیر کی حیثیت یورپ کے طاقتور جاگیرداروں سے ملتی جلتی تھی اور اسٹیفن نے اسے اپنا بنائے رکھنے کی حتی الامکان پوری سعی کی تھی لیکن اب چیسٹر کے اسقف الیکزنڈر اور باشندوں کی فریاد پر اسے لنکن جانا پڑا۔ معلوم ہوا کہ رالف قلعے کو اپنی بیوی کے حوالے کر کے خود چیسٹر گیا ہوا ہے کہ تازہ فوج بھرتی کرے، لنکن کا قلعہ کلیسا کے ساتھ ایک اونچی چٹان پر واقع اور نہایت مضبوط تھا۔ اسی پہاڑی کے شمال میں خالی میدان سے وٹہم کی ندی گزری اور بوسٹن پر سمندر میں جا گری ہے۔ اسٹیفن قلعہ فتح کرنے نہ پایا تھا کہ رالف اسے چھڑانے آ پہنچا۔ راستے میں فوس وے کے مقام پر امیر گلوسٹر بھی اس سے آملا تھا اور ان کی مشترکہ جمعیت نے وٹہم کو گھوڑے تیرا کے عبور کیا اور قلعے اور ندی کے درمیان، نشیبی میدان میں اسٹیفن کی فوج پر حملہ آور ہوئے۔ دونوں امیروں کے سپاہی ایک دوسرے سے بڑھکر سرگرمی دکھا رہے تھے۔ اسٹیفن کا فلمنگی دستہ ولیم (امیر آمیرلی) کے ماتحت تھا، وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ اسٹیفن بڑی خونخواری سے پیادہ جنگ کرتا رہا

اسٹیفن کی اسیری

اور اپنا ایک تیر بھی ایرل چسٹر کے خود پر توڑا لیکن آخر کار اسیر کر لیا گیا اور فتحمندوں نے اہل شہر کو جنھوں نے بادشاہ سے فریاد کی تھی یہ سزا دی کہ شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ یہ فروری ۱۱۴۱ء کا واقعہ ہے اور اس کے بعد ماٹلڈا ہر جگہ غالب آتی رہی۔ قلعہ آکسفرڈ کے حاکم روبرٹ (دویلی) نے وہ محکم قلعہ بھی اس کے حوالے کر دیا۔ ہینری (اسقف ونچسٹر) بھائی کی غلط کاری سے بیزار اور کلیسا کے حقوق کی طرف سے مشوش ہو گیا تھا۔ اس نے پاپائی قائم مقام کی حیثیت سے اپنا رسوخ صرف کیا کہ پادری بھی ماٹلڈا کا ساتھ دیں۔ لندن والوں نے بھی اسی کی تقلید کی اور

ماٹلڈا کی تخت نشینی

ماٹلڈا کو باضابطہ ملکۂ انگلستان تسلیم کر لیا گیا۔ لیکن اقتدار شاہی حاصل کرتے دیر نہ ہوئی تھی کہ ماٹلڈا نے بھی اسٹیفن کی طرح ثابت کر دیا کہ وہ بادشاہی کی کتنی کم اہلیت رکھتی تھی۔ اسٹیفن اگر بے تامل بے وقوف مشیروں کے کہے میں آ جاتا تھا تو ماٹلڈا کسی کا کہا سنتی ہی نہ تھی حتیٰ کہ اسکاٹ لینڈ کے بوڑھے بادشاہ اور اسقف ونچسٹر کی بھی اس کے ہاں پذیرائی نہ تھی۔ اپنے مخالفوں کی اراضی کو اس نے بے تکان ضبط کرنا شروع کیا، کلیسا کی املاک جس کو جی چاہا حوالے کر دیں، لندن کے شہریوں کی درخواست کہ ایڈورڈ کے قوانین نافذ کئے جائیں مسترد کر دی اور وصول زر کی خاطر معزز سے معزز شہریوں کو علانیہ ذلیل کیا۔

ادھر اسٹیفن کی بیگم ماٹلڈا (بولونی) ثابت کر رہی تھی کہ وہ ایڈمنڈ (فولاد پہلو) کی سچی پروتی ہے۔ ولیم (امیر ایپرے) کی کمک لئے ہوئے وہ کینٹ میں لنگر انداز

شہر لندن اسٹیفن کا ساتھ دیتا ہے

ہوئی اور لندن کی طرف اس کی پیش قدمی نے اہل شہر کو بغاوت پر آمادہ کر دیا۔ وہ بالاتفاق ملکۂ وقت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کی آکسفرڈ کو فراری نے اس چندروزہ بادشاہی کا خاتمہ کر دیا۔ ہینری (اسقف ونچسٹر) دوبارہ اسے چھوڑ کر اسٹیفن کی طرف آ گیا اور ملکہ ماٹلڈا نے اس بے وفائی پر جھلا کر اسے اپنے نئے قلعے میں، جو ونچسٹر میں بنایا تھا، محصور کر لیا۔ اس کی مدد کے لئے ماٹلڈا (بولونی) اور ولیم (اپیرے)، لندنی اور فلیمنگی دستے لیکر بڑھے اور ملکہ کو دوبارہ بھاگنا پڑا۔ اسی پسپائی کی نگہبانی کی کوشش میں روبرٹ (امیر گلوسٹر) اسیر کر لیا گیا اور نومبر میں اسٹیفن کے

بدلے میں اُسے رہائی ملی۔

سنہ ۱۱۴۲ء میں یہی امیر فرانس گیا کہ جیفری کو اپنی بیوی کی مدد کے لئے انگلستان آنے کی ترغیب دے۔ اس کے غیاب میں اسٹیفن نے ملکہ ماٹلڈا کو قلعۂ آکسفرڈ میں گھیر لیا۔ اس قلعے کی اہمیت تو یہ تھی کہ بالائی ٹیمز کی جہازرانی اس کی زد میں تھی اور وجہ استحکام یہ کہ ٹیمز ستارول کے درمیان زمین کی تنگ پٹی پر واقع تھا اور سوائے ایک طرف کے، ہر جانب دلدلیں تھیں۔ اسٹیفن بڑی دقت سے دریا کو پایاب اتر کے قلعے کا محاصرہ کر سکا تھا لیکن تھوڑے ہی دن میں ژالہ باری نے دریا اور دلدلوں کو جما کر سخت کر دیا اور قلعے کی پوری ناکہ بندی کی صورت نکل آئی۔ قبل اس کے کہ روبرٹ مدد کو پہنچ سکے، قلعے والوں کا دم لبوں پر آگیا لیکن چار منتخب جاں بازوں کو لیکر جو سفید لباس میں تھے، ملکہ نکل گئی اور برف و یخ کو طے کرتی ہوئی والنگ فرڈ پہنچ گئی جہاں برائن فٹز کاونٹ نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا جو اس کے نہایت پختہ وفاداروں میں تھا۔ آکسفرڈ نے بلا تاخیر اطاعت قبول کر لی اور اس کے بعد ہی ملکہ کی اقدامی کوششیں سب ختم ہوگئیں تاہم روبرٹ کی وفات واقعہ سنہ ۱۱۴۷ء تک وہ انگلستان میں رہی مگر بعد میں نارمنڈی چلی آئی۔

جیفری کی کامیابی نارمنڈی میں

اس عرصے میں ماٹلڈا کے شوہر جیفری کو کہیں زیادہ کامیابی حاصل ہوئی کہ جب بیوی انگلستان گئی تو وہ نارمنڈی پر حملہ آور ہوا تھا۔ یہاں اس کی انجنیری نے بڑا کام دیا اور اس کی کلون کی بدولت قلعے پر قلعہ مسخر ہوگیا تا آنکہ سنہ ۱۱۴۴ء میں پوری ولایت اس کے ہاتھ میں تھی۔ سنہ ۱۱۵۰ء تک جیفری نے اسے اپنے قبضے میں رکھا لیکن اس کے بیٹے ہینری کی عمر پندرہ سال کی ہوگئی تو نارمنڈی کو اسی کے تفویض کر دیا گیا۔

ہینری کی ابتدائی زندگی

نوجوان ہینری نے کچھ اپنے علم دوست باپ کی اور کچھ روبرٹ (امیر گلوسٹر) کی نگرانی میں، جو کم لائق نہ تھا، بہت عمدہ تعلیم حاصل کی تھی اور لوگوں کے خیال میں اب وقت تھا کہ وہ عملی میدان میں اپنے جوہر دکھائے۔ سنہ ۱۱۴۹ء میں وہ انگلستان آیا مگر اپنے رشتے کے دادا ڈیوڈ شاہ اسکاٹ لینڈ

سے نائٹ کا خطاب حاصل کر کے واپس چلا گیا اور ۱۱۵۲ء تک ولائت نارمنڈی ہی کے معاملات میں مصروف رہا جس پر لوئی (سابع) حملے کر رہا تھا؛ ۱۱۵۱ء میں سینٹ برنارڈ نے بیچ میں پڑ کر خاندان آنژو اور شاہ فرانس میں مصالحت کرا دی۔ اسی سال جیفری نے وفات پائی اور نارمنڈی کے علاوہ آنژو مین اور تورین کے اضلاع جوان سال بیٹے کے ترکے میں چھوڑے۔ آئندہ بہار میں ہنری نے لوئی کی مطلقہ بیوی ایلینر سے شادی منظور کر لی جو رکوی ٹین کی والیہ اور پواتو، سان تونژ اور لیموزین کی رئیسہ تھی۔ گویا اس شادی نے ہنری کو مغرب میں بلا ناج کے سب سے قوی حاکم بنا دیا۔ شاہ فرانس کے ساتھ ایک اور جنگ ٹھنی جس میں ہنری یقیناً چیرہ دست رہا اور ۱۱۵۲ء کے موسم بہار میں اس نے اتنی قوت بہم پہنچائی تھی کہ اسٹیفن سے لڑنے کے لئے برّ اعظم سے روانہ ہو گیا؛

خانہ جنگی کے مصائب

آکسفرڈ کے محاصرے کے وقت سے انگلستان میں باقاعدہ جنگ تو جاری نہ تھی مگر بدنصیب باشندوں کو جنگ کے خوفناک مصائب سے مطلق نجات نہ ملی تھی کیونکہ ملک میں جتنے شورہ پشت تھے، سب اس انتشار و پراگندگی سے خود فائدہ اٹھانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ جگہ جگہ گڑھ تیار کر لئے گئے تھے اور ان کی فوجوں کا مدار ہی ہمسایوں کی لوٹ مار پر تھا۔ تاریخ انگلستان میں یہی ایک موقع ایسا ہے کہ لوگ جہاں اور جب کبھی بھرتے ہوتے وہیں قلعہ بنا لیتے اور اسٹیفن کے عہد حکومت میں ظلم و تعدی کے ایسے ٹھکانے بارہ سو سے کم تیار نہ ہو گئے تھے، جس سے فی ضلع تیس کی اوسط پڑتی تھی۔ ان حالات سے وحشت و بربریت دوبارہ سرعت کے ساتھ عود کر رہی تھی۔ وقائع نویس لکھتا ہے کہ تین سواروں کو آتا دیکھ کر قصبے کے سارے باشندے بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔ دن دن بھر کے سفر میں سوار کو کہیں کوئی شخص زمین کاشت کرتا نظر نہ آتا تھا۔ زراعت و تجارت دونوں تباہ ہو گئی تھیں اور لوگ کہتے تھے کہ (نعوذ باللہ) "خدا اور اولیا سب سو گئے ہیں"۔ بعض جاگیرداروں نے تعذیب و عقوبت کے عجیب عجیب آلے ایجاد کئے تھے جنہیں "زے شن تاژ" (یا گلو بند) کہتے اور اسے پہنا دیا جاتا تو آدمی نہ سو سکتا تھا نہ لیٹ سکتا تھا اور نہ سیدھا کھڑا رہ سکتا تھا

اور لوہے کا پورا بوجھ اس کے اوپر رہتا تھا۔ بعض اپنے قیدیوں کو ایسے ایسے زندانِ بلا میں ڈال دیتے جہاں چوہوں اور مینڈکوں کے شور سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی۔ بعض لوگوں کو لٹکا کے اس طرح دھونی دلواتے کہ دم گھٹتا رہتا اور موت نہ آتی تھی۔ فرانس و جرمانیہ میں یہ چیزیں بالکل عام تھیں مگر انگلستان میں ان کا پہلی ہی مرتبہ قدم آیا اور اہلِ ملک کو یہ سبق سکھا گیا کہ مرکزی حکومت کے قوی ہوئے بغیر جاگیردار قابو میں نہیں رہ سکتے۔

رابرٹ (امیر گلوسٹر) کی وفات کے وقت سے اسٹیفن کا اقتدار بڑھنے لگا تھا اور ۱۱۵۲ء کے جاڑوں میں برائن فٹز کاونٹ کو اس نے والنگ فرڈ کے قلعے میں گھیر لیا تھا۔ اسی کو بچانے کی غرض سے برائن کے دوستوں نے ہینری (آنٹ اوی) سے فریاد کی اور وہ خود انگلستان آگیا۔ ماہ مئی میں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا

ہینری کا ورود

لیکن اسٹیفن میدان سے ہٹ گیا اور لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ دونوں طرف کے جاگیردار کامل فتح کی بجائے اپنا فائدہ اسی میں سمجھتے تھے کہ لڑائی طول کھینچے۔ مگر اسی نازک موقع پر اسٹیفن کا فرزند اکبر یوسٹس فوت ہو گیا۔ اسٹیفن نہ صرف اپنے بلکہ بہت کچھ اسی بیٹے کے لئے لڑائی لڑ رہا تھا، لہذا صدر اسقف تھیو بالڈ نے اس واقعے سے فائدہ اٹھایا اور فریقین میں مصالحت کی تجویز کی چنانچہ نومبر ۱۱۵۳ء میں بمقام والنگ فرڈ یہ قرار پایا کہ اسٹیفن زندگی بھر بادشاہ رہے مگر ہینری کو متبنیٰ اور جانشین بنالے۔

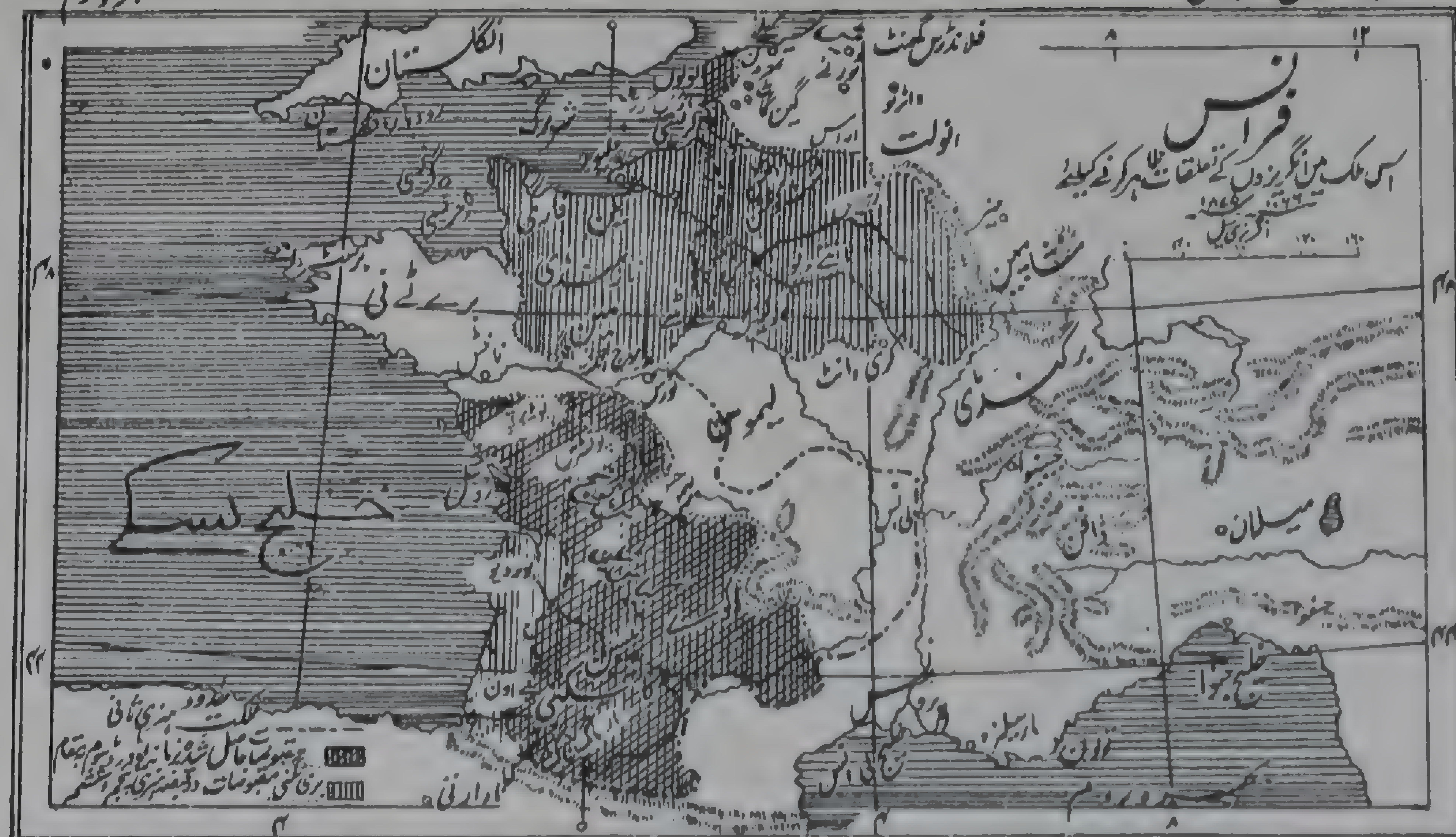
اسٹیفن کی وفات

والنگ فرڈ کے صلحنامے سے ایک طویل نزاع ختم ہو گئی۔ ولی عہد کی حیثیت سے (اور ایک روایت میں ہے کہ وہ میر عدل بھی مقرر کر دیا گیا تھا) ہینری نے امن امان بحال کرنے کا کام اپنے ہاتھ میں لیا، اور اس خوبی سے انجام دیا کہ کہتے ہیں اسٹیفن کو لا نو حکومت کے انھی آخری دو سال میں اصلی بادشاہی کا مزا ملا۔ یہ کام اس حد تک ہو گیا تھا کہ ہینری اپنے فرانسیسی مقبوضات کی دیکھ بھال کے واسطے انگلستان سے ادھر آسکا اور ۱۱۵۴ء تک وہیں تھا جب کہ اسٹیفن کی وفات نے اسے انگلستان کا مسلمہ طور پر بادشاہ بنا دیا۔

اسٹیفن کے عہد کے مصائب و شدائد کے باوجود خانقاہی اصلاح و ترقی برابر جاری رہی بلکہ ممکن ہے ان آفتوں سے اسے تقویت پہنچی ہو۔ سینٹ جان اور ٹمپل کے جنگی نائٹوں نے ملک میں جا بہ جا اپنے مرکز قائم کیے۔ پری مون ٹرامینی راہبوں کا فرقہ قائم ہوا۔ اور گلبرٹ (متوطن سیم پرنگ ہم) نے ایک خالص انگریزی رنگ کی خانقاہ زنانہ و مردانہ راہبوں کے لیے تعمیر کی۔ کلیسا کو بھی قوت حاصل ہوی اور ہنری (اسقف ونچسٹر) کی ساری حکمت عملی میں اگر استقامت کا کوئی عنصر تھا تو وہ یہی کہ کلیسا کی حمایت کو اس نے کبھی فراموش نہیں کیا۔ پھر انھی مقاصد کے حصول کی صدر اسقف تھیو بالڈ نے زیادہ معقولیت کے ساتھ کوشش کی اور یہ وہ شخص تھا جسے پاپا بھی انگلستان میں اپنا "پیدائشی قائم مقام" تسلیم کرنے پر رضامند ہوگیا تھا۔ تھیو بالڈ نے اپنے گرد اس عہد کے بعض بہترین نوجوان جمع کیے تھے اور انھی میں ٹامس (لندنی) ہے جو آگے چل کے کینٹربری کا مشہور و معروف صدر اسقف بنا۔

مشہور سنین

معرکۂ نارتھ الرٹن .... سنہ ۱۱۳۸ء
اسقف سالسبری کی گرفتاری .... سنہ ۱۱۳۹ء
ماٹلڈا کا انگلستان پہنچنا .... سنہ ۱۱۳۹-۴۲ء
ہنری (آنژوی) کا عقد الینر سے .... سنہ ۱۱۵۲ء
صلحنامۂ والنگ فرڈ .... سنہ ۱۱۵۳ء



مقابل صفحہ (۱۷۵)

جزو سوم

خاندان آنژوی

شجرۂ ملوک آنژوی (ابتدائی)

ہینری ثانی
سنہ ۱۱۵۴ء تا سنہ ۱۱۸۹ء

- ہینری
- رچرڈ اول سنہ ۱۱۸۹ تا سنہ ۱۱۹۹ء
- جیفری
  - آرتھر
- جان سنہ ۱۱۹۹ تا سنہ ۱۲۱۶ء
  - ہینری ثالث سنہ ۱۲۱۶ تا سنہ ۱۲۷۲
    - ایڈورڈ اول سنہ ۱۲۷۲ تا سنہ ۱۳۰۷ء
    - ایڈمنڈ
    - مارگریٹ (زوجۂ الگزنڈر ثالث)
  - جوآن (زوجۂ الگزنڈر شاہ اسکاٹ لینڈ)
  - ایلینر (زوجۂ سائمن ڈی مونٹ فرٹ)
  - رچرڈ (شاہ رومیاں)
- ایلینر (زوجۂ شاہ کیسٹیل)
  - بلانش (زوجۂ لوئی شاہ فرانس)

شجرۂ ملوک اسکاٹ لینڈ

ہینری (امیر ہنٹنگڈن)

- میل کوم رابع سنہ ۱۱۵۳ تا سنہ ۱۱۶۵ء
- ولیم (الاسد) سنہ ۱۱۶۶ تا سنہ ۱۲۱۴
  - الگزنڈر ثانی (زوج جوآن خواہر ہنری ثالث) سنہ ۱۲۱۴ تا سنہ ۱۲۴۹ء
    - الگزنڈر ثالث (زوج مارگریٹ دختر ہنری ثالث) سنہ ۱۲۴۹ تا سنہ ۱۲۸۶ء

شجرۂ ملوک فرانس

ہیوکاپیت
سنہ ۹۸۷ تا سنہ ۹۹۶ء

روبرٹ اوّل
سنہ ۹۹۶ تا سنہ ۱۰۳۱ء

ہینری اوّل
سنہ ۱۰۳۱ تا سنہ ۱۰۶۰

فلپ اوّل
سنہ ۱۰۶۰ تا سنہ ۱۱۰۸ء

لوئی (سادس)
سنہ ۱۱۰۸ تا سنہ ۱۱۳۷ء

لوئی (سابع)
سنہ ۱۱۳۷ تا سنہ ۱۱۸۰

زوجہ (۱) ایلینر (مطلقہ سنہ ۱۱۵۲ء)
(۲) کونسٹینس (کیستیلیہ)
(۳) الائس (شمپانیہ)

فلپ آگسٹس
سنہ ۱۱۸۰ تا سنہ ۱۲۲۳ء

لوئی (ثامن) حملہ آور انگلستان سنہ ۱۲۱۶ زوجہ بلانش (کیستیلیہ)
سنہ ۱۲۲۳ تا سنہ ۱۲۲۶ء

لوئی (تاسع) معروف بہ "ولی"
سنہ ۱۲۲۶ تا سنہ ۱۲۷۰ء

فلپ ثالث
سنہ ۱۲۷۰ تا سنہ ۱۲۸۵ء

روبرٹ
(ملوک بوربون کا جدّامجد)

باب اول

ہینری ثانی ۱۱۵۴ء تا ۱۱۸۹ء

ولادت: ۱۱۳۳ء ازدواج از ایلینر ۱۱۵۲ء۔
معاصرین: میل کم رابع و ولیم (الاسد)، شاہان اسکاٹ لینڈ۔
لوئی سابع و فلپ آگسٹس شاہان .... فرانس
فریڈرک .... شہنشاہ
ہیڈریان واگزنڈر ثالث .... پاپائے روم

تخت انگلستان کے ہاتھ آنے سے ہینری ثانی کی وقعت تمام شاہان یورپ سے بڑھ گئی۔ انگلستان کی بادشاہی نے اسکاٹ لینڈ کے شاہ اور شمالی ویلز کے رئیس کو اس کا باج گزار بنا دیا۔ نارمنڈی کا وہ پہلے ہی والی، اور انزو اور مین کا رئیس تھا اکوی ٹین کی امارت، بیوی کے حق سے اسے مل گئی تھی جس میں پواتو وغیرہ اضلاع کی حکومت کے علاوہ اون کے مغرب میں قریب قریب سارے علاقے کی سیادت شامل تھی اور اس علاقے میں تولوز سب سے بڑا پرگنہ تھا۔ ۱۱۶۰ء میں اس نے اپنے بیٹے جیفری کی کونسٹینس سے شادی کرا دی جو برٹنی کی ولیعہد تھی اور اس طرح اپنے وسیع

مقبوضات میں علاً بری تانی کا بھی اضافہ کر لیا۔ اب سین، لوآر اور گارون کے دہانے اور انھی کے ساتھ فرانس کی ساحلی تجارت کا بڑا حصہ اُس کے احاطۂ اقتدار میں آگیا۔ یہ مقبوضات جس کسی کے ہاتھ آتے، وہ خواہی نخواہی صاحب قوت واقتدار ہو جاتا لیکن ہینری نے انھیں محض فطری قابلیت سے حاصل کیا اور موروثی محنت و ہوشمندی کی بدولت ان موقعوں سے بہرہ مند ہوا۔ کیونکہ یہ پتہ چلانا کچھ مشکل نہیں ہے کہ اس کے دماغی اور جسمانی اوصاف بزرگوں سے ورثے میں ملے تھے۔ طبیعت کا میلان آنژوی تھا اور اس میں کام کا وہی شوق وسلیقہ اور اسی کے ساتھ ہمہ رنگی پائی جاتی ہے،

ہینری کے اوصاف وخصائل

جو رؤسائے آنژو کی خصوصیت تھی۔ گٹھا ہوا، تیار ومضبوط جسم تھا جسے ددھیال یا ننھیال کسی طرف کا ورثہ قرار دے سکتے ہیں۔ اپنے جدِ اعلیٰ کی مثل، وہ فنونِ جنگ میں عمدہ مہارت اور سیاسی داد وستد کی خاص قابلیت رکھتا تھا اور ادھر آئین وانتظام کے شوق میں اس کا مزاج ہینری اوّل کی طبیعت کے مماثل تھا۔ اس کی جفاکشی حیرت انگیز تھی کہ ایک لمحے کے واسطے بھی بیکار نہ رہتا اور سارا وقت جنگ، شکار، سرکاری کاروبار یا پرجوش بحث مباحثے میں گزارتا۔ وہ بہت کم بیٹھتا اور نچلا بیٹھنا تو اتنا مشکل تھا کہ گرجا میں دعا خوانی کے وقت وہ عموماً بیٹھا تصویریں بناتا رہتا کہ کوئی تو شغل رہے ایسا آدمی نوکروں کو بھی آرام سے نہیں رہنے دیتا اور ہینری کے درباری دن رات کام میں لگے رہتے یہاں تک کہ تھک کر چور ہو جاتے تھے۔ ایسا بہت کم ہوتا کہ بادشاہ ایک ہی مقام پر دو راتیں گزار دے اور سفر اتنا تیز کرتا کہ سارے ملک میں مشکل سے کوئی بادشاہی عامل ایسا ہوگا جسے یہ یقین ہو کہ بادشاہ آج اس کے مقام پر نہیں پہنچ جائے گا۔ اس زمانے میں جب کہ سارے نظم ونسق کا مدار بادشاہ کے ذاتی اثرات پر تھا، یہ اوصاف نہایت مفید تھے اور اسٹیفن کے عہد حکومت میں اس کا بخوبی تجربہ ہو چکا تھا۔ ہینری اس شاہی وصف سے بھی متصف تھا کہ ایک دفعہ صورت دیکھنے کے بعد پھر نہ بھولتا تھا مگر ان سب اوصاف کو کسی حد تک اس عیب نے ضرور بدرنگ کر دیا تھا کہ آنژوی غصہ اور بدمزاجی بھی ہینری کو ورثے میں ملی تھی جس کے باعث وہ بارہا ایسے کام کر گزرتا جن سے بعد میں

سخت نقصان اٹھانے پڑے۔

ابتدا ہی میں اس نے جو کام کئے اُن میں ایک یہ تھا کہ روجر اسقف سالسبری کے بھتیجے نجل (اُسقف الی) کو خاص طور پر بلا کے اپنا خزانہ دار مقرر کیا اور ہدایت کی کہ خزانے کو اسی حالت میں لایا جائے جیسا کہ کبھی ہینری اوّل کے زمانے میں تھا۔ اسی فعل سے نئے بادشاہ کے طرز عمل کا اندازہ ہوتا ہے۔ نئے خزانہ دار نے بھی مفوضہ خدمت کی انجام دہی میں کوتاہی نہ کی اور ۱۱۳۰ء کے بعد سے پہلا کھاتہ جواب تک محفوظ ہے ۱۱۵۶ء سے متعلق ہے جس کے حسابات سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اسٹیفن کے عہد میں کیسی تباہی پیدا ہو گئی تھی۔ ملک کی آمدنی میں دو تہائی کی کمی تھی اور شاہی عمارات وغیرہ کی مرمت کے واسطے زر کثیر درکار تھا جس سے اِن کی خراب حالت کا پتہ چلتا ہے۔ مگر نجل کے وقت سے برابر اصلاح و ترقی ہوتی رہی تا آنکہ اس نے قلمدانِ وزارت اپنے بیٹے رچرڈ (اسقف لندن) کے حوالے کیا جو مکالمات سکا کاریو Dialogus de scaccario کا مصنف اور اپنے عہد کی وزارتِ خزانہ کے حالات بہت دلچسپ اور پُر لطف پیرائے میں لکھ گیا ہے؛ ہینری نے میر عدل کی خدمت پر دو آدمی مقرر کئے۔ ایک تو رچرڈ ڈی لوسی، جو بُرج لندن اور قلعہ ونڈسر کا باوفا قلعہ دار مشہور ہوا؛ اور دوسرا، روبرٹ (امیر لیسٹر)۔ پیش کاری کی خدمت اُس نے ٹامس (لندنی) کو دی جو ان سب سے زیادہ دلکش شخصیت رکھتا ہے؛

ٹامس لندنی

ٹامس، گلبرٹ بکٹ؛ باشندہ رواں، اور روہیسیہ (باشندہ کان) کا فرزند تھا اور ۱۱۱۸ء میں بہ مقام لندن پیدا ہوا۔ بکٹ لندن ہی میں مستقل طور پر آبسا اور ایک زمانے میں یہاں کا عاملِ بندر بھی رہا تھا۔ بیٹے نے سرے کی خانقاہ مرٹن میں آسٹن فرقے کے راہبوں سے تعلیم پائی اور کچھ روز پیرس میں بھی درس حاصل کیا۔ اُس نے تجارت شروع کی تھی لیکن دوستوں نے صدر اُسقف تھیو بالڈ کی ملازمت میں داخل کرا دیا جو اس کے زیادہ مناسب مزاج تھی۔ صدر اسقف نے اس کی قابلیت کی پوری قدر کی اور اپنا مشیرِ خاص بنا لیا۔ اسی کے ہمراہ ٹامس ۱۱۴۳ء میں روما اور پھر

(۱۱۴۴ء) مجلس ریمز میں گیا۔ انھی دو تاریخوں کے درمیان اس کا ایک سال اور آدک زیر ویولونا میں ملااللہ کتب میں گزرا۔ ۱۱۵۵ء میں اسے داروغۂ کلیسا کا رتبہ ملا اور کنٹربری کا صدر داروغہ مقرر ہوگیا اور ہنری کی تخت نشینی پر صدر اسقف تھیوبالڈ نے بزور سفارش کی کہ اُسے پیشکار بنالیا جائے۔ نئے پیشکار کی عمر ابھی صرف ۴۴ سال کی تھی۔ وہ نہایت خوش رو اور دلکش اخلاق کا آدمی تھا اور اسی کے ساتھ معاملت کرنے میں بڑا سلیقہ رکھتا تھا۔ چنانچہ تھوڑے ہی دن میں وہ ہنری کی نظر میں بھی ایسا ہی ضروری ہوگیا جیسا پہلے صدر اسقف تھیوبالڈ کی نظر میں تھا؛

اصلاحات

تخت نشینی کے وقت اور پھر اپنی مجلس شوریٰ کے پہلے اجلاس میں ہنری نے اصلاحِ حالات اور عام لفظوں میں نانا کے عہدِ حکومت کو پھر تازہ کرنے کا وعدہ کیا تھا اور اس کے ابتدائی کئی سال اسی کام میں صرف ہوئے۔ اسٹیفن اور مالٹڈا دونوں نے بادشاہی اراضی کو بیدریغ تقسیم کیا تھا۔ وہ سب واپس لی گئیں۔ عہدِ اسٹیفن کے بنے ہوئے گیارہ سو پندرہ "ناجائز قلعے" حکماً توڑ کر زمین کے برابر کر دیئے گئے۔ بے ضابطہ ٹکسالوں سے جو کھوٹے سکے ڈھل کر ملک میں رواج پاگئے تھے' ان کی بجائے ۱۱۵۸ء میں کھرے سکے جاری ہوئے۔ فلیمنگ اور دوسرے اجرتی سپاہی جو روپے کے لئے کبھی اس فریق کی طرف سے لڑتے کبھی دوسرے کی طرف سے' اور لوٹ مار سے ہاتھ رنگتے تھے' وہ ملک سے نکال دیئے گئے۔ اور ۱۱۵۵ و ۵۶ء میں شاہی عدالت کے ارکان نے ۱۲ پرگنوں کا دورہ کیا جیسے ہنری اول کے وقت میں ہوا کرتا تھا۔ سب سے زیادہ دقت اور جھگڑے کی چیز یہ تھی کہ جاگیرداروں نے جن بادشاہی قلعوں پر قبضہ جمالیا تھا۔ وہ واپس لئے جائیں چنانچہ ہنری کو بعض متمردوں کے خلاف خود جانا پڑا۔ مثلاً ولیم اول (امیر ہولڈرنس) سے اسکاربرو کا قلعہ اسی طرح واپس لیا گیا اور یہ دیکھ کر پیک کے جاگیردار ولیم پلے ورل اور ہیریفرڈ کے رئیس روجر نے بھی اطاعت قبول کر لی ہیو مورٹی مر کو کلیوبری' وگ مور' اور برج نارتھ کے قلعوں پر غرہ تھا مگر مقابلے میں بالکل ناکامی ہوئی اور سب سے قوی جاگیرداروں کا یہ حشر ہوا تو باقی دوسروں نے سر تسلیم خم کر دیا؛

اسکاٹ لینڈ اور ویلز

اسی سلسلے میں ہنری نے حقوق شاہانہ پر بھی زور دیا اور اپنے عزیز قریب میل کم (شاہ اسکاٹ لینڈ) کو مجبور کیا کہ کمبر لینڈ، ویسٹ مور لینڈ اور نارتھمبر لینڈ، جن میں نیو کاسل، بیم برو اور کارلائل کے مضبوط قلعے بھی داخل تھے، واپس دئیے جائیں کہ گزشتہ عہد حکومت سے ان پر اسکوٹوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ مزید براں میل کم نے اسی طرح اظہار رفاقت بھی کیا جس طرح اس کا دادا ہینری اول کے وقت میں کر چکا تھا، مگر شمالی ویلز کے رئیس اوئن کی بدولت ہینری کو کافی دردسری اٹھانی پڑی۔ اور ۱۱۵۷ء میں فلنٹ کے قریب بمقام کون سلٹ اس کے ساتھ ایک لڑائی بھی ہوئی جس میں ہار جیت کا کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ لیکن آخر میں اوئن یہ سنکر بہت گھبرایا کہ انگل سی پر فوج بھیجی گئی اور ساحل پر لنگر انداز ہوئی اور شاہ انگلستان کی سیادت ماننے پر آمادہ ہو گیا۔ اس اطاعت میں جنوبی ویلز کے رئیسوں کی اطاعت بھی مضمر تھی جو اوئن کے باج گزار تھے۔

انگلستان کو جھگڑوں سے فرصت ملی تو ہینری کو ۱۱۵۸ء میں فرانس آنے اور ۶ برس ٹھیرے رہنے کا موقع ملا۔ اس مدت میں اس نے یورپی مقبوضات میں اپنے حقوق منوائے۔ دو سال پہلے بھی وہ رواروی میں ادھر آیا تھا کہ اپنے بھائی جیفری کی ریشہ دوانی کا سدِ باب کرے جو باپ کی وصیت کی بنا پر آنژو و تورین وغیرہ کا اسی وقت سے مدعی تھا جب سے انگلستان کا ملک ہینری کے قبضے میں آیا۔ مگر ہینری نے ان دعاوی کو تسلیم نہیں کیا اور بھائی سے خود اس کے قلعے بھی چھین لئے اور مجبور کیا کہ وہ دعوئ ریاست سے دست بردار ہو جائے۔ اس مرتبہ ادھر آنے کی غرض یہ تھی کہ نانت پر قبضہ اور تولوز کے علاقے پر سیادت منوائی جائے۔ امرائے اکوی ٹین کا یہ دعوی مسلّم نہ تھا مگر جب تک الینر، لوئی سابع کے عقد میں رہی، یہ بادشاہ یہ حق جتاتا رہا۔ لیکن طلاق کے بعد سے وہ اس حق سے منکر ہو گیا اور تیار تھا کہ ہینری کے مقابلے میں تولوز کے رئیس کا ساتھ دے۔ اسی لئے ہینری نے بہت بڑی فوج تیار کی لیکن تولوز پہنچنے پر معلوم ہوا کہ خود لوئی شہر کے اندر آگیا ہے اور چونکہ از روئے قانون وہ ہینری کا بادشاہ، ولی نعمت تھا، لہذا ہینری نے اپنے آقا پر حملہ کرنے کی مثال قائم کرنے سے احتراز کیا اور واپس پلٹ گیا اگرچہ یہ اہتمام

ضرور رکھا کہ جو قلعے پیش قدمی کے وقت ہاتھ آگئے تھے' ان پر قبضہ رہے۔ آخر کئی سال بعد ۱۱۷۳ء میں رئیس تولوز نے ہینری کی سیادت تسلیم کر لی؛

تولوز کی ۱۱۵۹ء والی مہم سے انگریزی قوم کے لئے بالواسطہ ایک اہم نتیجہ برآمد ہوا۔ واضح رہے کہ جاگیرداری قانون کی روسے ہر جاگیردار کا فرض تھا کہ سال میں چالیس دن اصالتاً یا نیابتاً اپنے آقا کی خدمت انجام دے۔ اس مدت میں آمد و رفت کے دن شمار نہ ہوتے تھے۔ ویلز یا خود انگلستان کے کسی سرکش جاگیردار پر فوج کشی کرنے کی صورت میں تو یہ طریقہ بخوبی کام دیتا رہا لیکن لڑائی میں طوالت ہو یا دُور کے مقام پر فوج کشی کرنی ہو۔ تو اس سے جاگیرداروں یا اُن کے زمینداروں کو یقیناً بڑی زحمت ہوتی تھی۔ نظر براں ۱۱۵۹ء میں جب ہینری اپنے بھائی جیفری سے لڑنے نارمنڈی چلا تو اس نے کلیسائی زمینداروں کو حاضری سے معاف کر دیا اور اس کے عوض میں فی کس ایک سوار کے مصارف کے برابر زر سپر لے لیا۔ ۱۱۵۹ء میں اس نے یہ رعایت نارمنڈی اور انگلستان کے سب جاگیرداروں کے واسطے عام کر دی اور اس طرح جو ایک لاکھ اسی ہزار اشرفی کی رقم حاصل ہوئی اس سے اجیر سپاہی بھرتی کئے۔ البتہ اپنے باپ کے علاقے اور اکوی تین والوں کو خود حاضر ہونے کا حکم دیا۔ یہ نیا محصول جسے "زرِ سپر بدل" (Scutage) کہتے ہیں' ظاہر میں تو بادشاہ اور جاگیرداروں کی سہولت کے واسطے وجود میں آیا تھا لیکن حقیقت میں اُس نے جاگیرداری نظام پر بڑی کاری ضرب لگائی۔ کیونکہ اوّل تو فن دان سپاہیوں کو اُجرت پر بہم پہنچانے سے بادشاہ جاگیرداروں کی مدد سے مستغنی ہو گیا دوسرے ہینری نے ناعاقبت اندیشی سے اپنے ایک فرمان میں یہ رعایت لکھدی تھی کہ جو زمیندار فوجی خدمت انجام دیتے ہیں' ان پر کوئی اور بار نہ ڈالا جائے گا' وہ اس جدید قاعدے سے منسوخ ہو گئی۔ اِدھر یہ زرِ سپر بدل کا طریقہ ایک مرتبہ چلا تو پھر بہت جلد مستقل آئین بن گیا جو زمیندار لڑائی کے زیادہ دلدادہ نہ تھے' وہ اس سے استفادہ کرنے لگے اور مجموعی طور پر انگلستان میں جو میلان پایا جاتا تھا کہ جاگیرداری طریقے کو یورپ کے دوسرے ممالک کی طرح ساری سیاست مدن کی بنا نہ بنایا جائے بلکہ منجملہ اور

> زرِ سپر بدل"

چار طریقوں کے محض پٹے پر زمین دینے کا ایک طریقہ سمجھا جائے۔ اس میلان کو نئے آئین سے اور بھی تقویت پہنچی ۔

زرِ سپر بدل کا یہ قاعدہ اگر ٹامس بکٹ کی ایجاد نہ تھا تو کم سے کم اسی کے ہاتھوں نافذ و رائج ہوا۔ یوں بھی اس نے پیشکاری کی خدمت بڑی خوبی سے

ٹامس کا انتخاب صدر اسقفی پر

انجام دی اور بادشاہ کی ہر تجویز کو اپنی فطری مستعدی سے حیزِ عمل میں لانے کی کوشش کی۔ حتیٰ کہ ان خالص دنیاداری کے کاموں میں شاید یہ بھی یاد نہ رکھا ہوگا کہ وہ کلیسائی عامل اور صدر اسقف کا ساختہ پرداختہ ہے۔ کم سے کم پادریوں کا فرقہ تو یہی سمجھتا تھا کہ زرِ سپر بدل کی وصولی میں ٹامس خود اپنے فرقے پر زیادہ سختی کرتا ہے۔ تولوز کی فوج کشی میں وہ پورا اوپچی بن کر شریک جنگ ہوا اور تنہا مقابلے میں ایک فرانسیسی شہسوار کو زمین پر پٹخ دیا تو اس وقت بھی وہ دورِ قدیم ہی کے جنگی پادریوں کا نمونہ نظر آتا تھا۔ بہرحال ہینری اس سے بالکل خوش تھا اور ۱۱۶۱ء میں تھیوبالڈ نے وفات پائی تو بادشاہ نے ارادہ کرلیا کہ پیشکاری کے ساتھ یہ خدمت بھی اسی کو دی جائے تاکہ دیوانی اور کلیسائی انتظام اس کے بہترین معتمد علیہ کے ہاتھ میں آجائیں۔ خود تھیوبالڈ کی خواہش تھی کہ بکٹ اس کا جانشین ہو چنانچہ کینٹربری کی بڑی مجلس میں خانقاہ اوگسٹائن کے راہبوں نے اسے صدر اسقف منتخب کیا (۱۱۶۲ء) اور ونچسٹر کے معمر اسقف ہینری نے رسم خرقہ پوشی ادا کی۔ انتخاب کے وقت صرف ہیریفرڈ کے اسقف گلبرٹ فولیوٹ نے "زرِ سپر بدل" کی بنا پر اعتراض کیا ورنہ سب ٹامس بکٹ کے تقرر پر متفق تھے۔ مگر حق یہ ہے کہ اس انتخاب میں خود بادشاہ نے بڑی غلطی کھائی جیسا کہ بکٹ کے جاننے والوں کا خیال تھا، صدر اسقف ہونے کے بعد اس نے اپنے آپ کو تھیوبالڈ کا سچا شاگرد ثابت کیا اور عہدے پر آتے ہی اس کی عظمت و شان

لہ۔ لگان کے چار طریقے یہ تھے: فوجی خدمت، سادہ لگان، مذہبی انعام (جس پر کلیسا کو بعض اراضی دی جاتی تھیں) اور معمولی یا رعیت واری خدمات۔

بڑھانے کی کوشش میں لگ گیا۔ حتیٰ کہ اپنی نئی روش کے ثبوت میں چانسلری کی خدمت سے مستعفی ہوگیا کہ یہ کام بھی اس کلیسائی منصب کی مقتضیات کے خلاف تھا۔ ہینری کو اس فعل سے بہت کراہت ہوئی لیکن دراصل وہ ابھی پوری طرح اس کا مطلب ہی نہ سمجھا تھا کہ یہ اسی کلیسائی احیا کا آغاز ہے جس کا این سلم ہینری (اسقف ونچسٹر) اور تھیو بالڈ (صدر اسقف کینٹربری) اپنے اپنے طور پر راستہ صاف کر چکے تھے۔ اور جس کے بعد کلیسا اور سلطنت میں پرانے تعلقات کا قائم رہنا غیر ممکن تھا۔ اس اختلاف کے بہت سے اسباب تھے اور لڑائی کا ہونا لابد ہوگیا تھا البتہ دیر تھی تو اس بات کی کہ کس موقع اور کس مسئلے پر یہ نزاع چھڑتی ہے؟

پہلا معاملہ جس پر بادشاہ اور صدر اسقف میں اختلاف ہوا، محصول سے متعلق تھا جولائی ۱۱۶۳ء کی ایک مجلس منعقدہ وُڈاسٹاک میں ہینری نے تجویز کیا کہ ۲ شلنگ فی مقطع (= ہائڈ) کا وہ محصول جس کا بڑا حصہ شیرف کی تنخواہ وغیرہ میں صرف ہوتا تھا، براہ راست بادشاہی خزانے میں داخل ہونا چاہیے۔ ٹامس بکٹ

ٹامس بکٹ اور بادشاہ کی نزاع

نے کسی وجہ سے اس پر اعتراض کیا اور صاف کہدیا کہ میں آیندہ کلیسائی اراضی سے یہ محصول ادا نہ ہونے دوں گا۔ اس بحث کی تفصیل معلوم نہیں مگر آخر میں بادشاہ دب گیا اور بظاہر اس محصول کی قدیم صورت منسوخ کردی گئی۔ لیکن یہ واقعہ نارمن فتح کے بعد محاصلِ شاہی سے کامیاب مخالفت کرنے کی پہلی مثال ہے۔ مگر، کلیسائی اراضی کے لگان، یا زرِسپر بدل وغیرہ کی بجائے آخر میں اس نزاع کا موضوع یہ ہوگیا کہ کلیسائی ملزمین کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ کیا جائے۔ نارمن فتح سے قبل، پرگنے کی پنچائت میں بڑے زمیندار کے ساتھ اسقف بھی موجود ہوتا تھا اور عدالتِ صدی میں داروغۂ کلیسا مقدمات پیش کرتا تو پادری غیر پادری کی کوئی تخصیص نہ کی جاتی تھی۔ ولیم فاتح غالباً انگریز اساقفہ کا زور توڑنا چاہتا تھا اور محض اسی خیال سے اُس نے پنچائت سے اسقف کو خارج کرکے اُس کی علیحدہ عدالت بنانے کا حکم دیا تھا۔ اور کلیسائی داروغہ کو بھی عدالتِ صدی میں مقدمات کے پیش کرنے سے روک دیا تھا۔ اُس زمانے سے پادریوں، کے جملہ مقدمات کلیسائی

قوانین کی رو سے طے ہوتے اور شاہی عمال کو ہدایت تھی کہ ان مذہبی عدالتوں کے فیصلے بجالانے میں کلیسا کی مدد کریں۔ لیکن اس تغیر کے اثرات اتنے وسیع نکلے کہ ولیم کا خیال بھی وہاں تک نہ گیا ہوگا۔ چنانچہ ایک لازمی نتیجہ اس نئے طریقے کا یہ ہوا کہ انگریزی کلیسا کے فیصلوں کا مرافعہ پاپائی عدالت میں پہنچنے لگا۔ رومی قوانین کے مطالعے سے، جس کا اسی زمانے میں از سر نو رواج ہوا، کلیسائی قوانین کی صورت بدلی اور وہ قانون کی ایک جداگانہ شاخ بن گئے۔ اسی کے ساتھ لازماً اہل کلیسا کا فرقہ، عام لوگوں سے علیحدہ اور ممتاز ہوتا گیا؛ ایک اور دقت یہ پیش آئی کہ کلیسائی عدالتیں، آتش و قتل کی سزا تو دیتی نہ تھیں، ان کے فیصلے جرمانے خانقاہی قید، یا مجرم کو کلیسائی مراتب سے محروم کر دینے تک محدود ہوتے تھے۔ لیکن لفظ "پادری" میں نہ صرف اساقفہ، امام، دار وغہ، بلکہ چھوٹے سے چھوٹے کلیسائی عامل، راہب، طالب علم اور وہ اشخاص تک داخل تھے، جنھوں نے "اہلی حجامت" بنوائی ہو یعنی ابتدائی سبق پڑھے ہوں، اگرچہ ان کا کلیسا سے اور کوئی تعلق نہ ہو۔ بہ الفاظ دیگر باقاعدہ سپاہیوں کے سوا، اور قریب قریب تمام پیشہ ور طبقے اس تعریف میں آ سکتے تھے۔ اور ہینرئ ثانی سے عدالت عالیہ کے عہدہ داروں نے شکایت کی تھی کہ اس کی تخت نشینی کے زمانے سے اب تک کم از کم سو خونی اور صدہا چور اور ڈاکو یہ کہہ کر سزا پانے سے بچ گئے کہ ہم کلیسا سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ واقعات سب کے علم میں تھے مگر پادریوں کو خوف تھا کہ اگر اہل کلیسا پر عام عدالتوں کا اختیار ایک مرتبہ تسلیم کر لیا گیا تو پھر لازماً پادریوں کی آزادی میں فرق آتا چلا جائے گا۔ لہذا ان کے نزدیک مذکورۂ بالا خرابی کا اصلی علاج یہ تھا کہ امیدواران درس کو گرجا میں لیتے وقت بہت احتیاط کی جائے اور ان کے چال چلن کا سختی سے امتحان کر لیا جائے۔ چنانچہ بکٹ نے صدر اسقف ہو کر پوری توجہ سے یہ کام ہاتھ میں لیا۔ لیکن ہینرئ ثانی اس قدر بطی الاثر دوا کا انتظار کرنا نہ چاہتا تھا اس نے تجویز کی کہ آئندہ جو مجرم کلیسائی ہونے کا دعویٰ کرے اس کی تحقیقات کے وقت اسقفی عدالت میں ایک شاہی عامل موجود رہے۔ اور جرم ثابت ہو جائے تو خرقہ و جبہ اتار کر اسے شاہی عمال کے حوالے کر دیا جائے کہ وہ اسے عام قانونی سزا دیں۔ بکٹ نے یہ تجویز منظور نہیں کی اور

کہا کہ کسی پادری کا کلیسا سے نکال دیا جانا کافی سزا ہے اور دوسری مرتبہ وہ کوئی خطا کرے گا تو معمولی آدمی کی حیثیت سے سرکاری عدالت میں اپنی سزا پائے گا۔ ۱۱۶۳ء میں ایک پادری فلپ دِبروا ایک الزام میں ماخوذ ہوا تو اس مسئلے پر اور بھی توجہ معطوف ہوگئی اور پہلے ویسٹ منسٹر کی مجلس (منعقدہ اکتوبر ۱۱۶۳ء) میں اور پھر کلے رنڈن میں (جنوری ۱۱۶۴ء) اس پر بحث چھڑی جہاں بکٹ نے دب کر یہ تسلیم کر لیا کہ ملک کے رواج کے مطابق عمل ہوا کرے۔ تب رواج کا سوال پیدا ہوا اور ہینری نے ایک جماعت خاص مقرر کی کہ وہ رواج کی تحقیقات کرے۔ اس جماعت کا صدر رچرڈ دِ لوسی تھا اور اس نے نوروز میں اپنی تحریری رائے لکھکر پیش کر دی جو "آئین کلے رنڈن" کے نام سے مشہور ہے:۔

آئین کلے رنڈن یہ تعداد میں سولہ آئین تھے اور ان میں مجرم پادریوں کی تحقیقات کے علاوہ اور بھی مسائل طے کرنے کی کوشش کی گئی تھی جو سلطنت اور کلیسا میں اُن دنوں مابہ النزاع تھے۔ مثلاً، ان آئین کی رو سے کلیسائی روزینے اور عطائے معاش کے قضیئے طے کرنا شاہی عدالت کا کام تھا۔ پادری بغیر بادشاہ کی اجازت کے ملک سے باہر نہ جا سکتے تھے۔ کلیسائی عدالتوں کے خلاف مرافعے بادشاہ سماعت کرتا اور جب تک وہ اجازت نہ دے وہ اور کہیں نہ جا سکتے تھے اور اہل مقدمہ کو صدر اسقف کے فیصلوں پر قناعت کرنی ہوتی تھی۔ ولیم فاتح کا پرانا قاعدہ کہ بادشاہی جاگیر دار یا امیر وزیر بغیر شاہی منظوری کے خارج از کلیسا نہیں کیا جا سکتا، نیز یہ کہ پادری اپنی اراضی پر بطور جاگیر دار متصرف ہوں اور دربار کی حاضری اور دوسرے فرائض کی عام جاگیرداروں کی طرح پابندی کریں۔ اُس کی تصدیق کی گئی۔ اساقفہ اور متولیوں کا انتخاب بادشاہ کے حکم سے شاہی عبادت خانے میں ہونا لازم قرار دیا گیا اور یہ کہ وہ بہ حیثیت شاہی زمیندار کے آداب بجا لائیں اور اس کے بعد انھیں کلیسائی عہدے کا خرقہ وغیرہ پہنایا جائے۔

واضح رہے کہ یہ سب وہی مروجہ رسوم تھیں جو این سلم اور ہینری (اوّل) کے زمانے میں طے ہوئیں۔ البتہ ایک قاعدہ جدید یہ تھا کہ کسی کاشتکار کا بچہ اُس کے آقا یا زمیندار کی اجازت کے بغیر کلیسا میں داخل نہ کیا جا سکے گا اور اس کی ایک

غرض تو زمیندار یا مالکان دیہ کے حقوق کی مخالفت تھی جن کا اپنے کسانوں کے داخل کلیسا ہو جانے سے نقصان ہوتا تھا، اور دوسرے ادنیٰ طبقے کے لوگوں کو کلیسائی مراتب حاصل کرنے سے ایک حد تک روکنا منظور تھا۔ باقی، عملاً ایک قلیل رقم ادا کرکے زمیندار کی اجازت بلا دقت حاصل کی جا سکتی تھی۔

مذکورۂ بالا آئین کے معرض تحریر میں آنے کے معنی یہ تھے کہ ایک مستقل مجموعہ قوانین مدون ہوگیا اور یہی وہ بات تھی جس کا ٹامس بکٹ کو اندیشہ تھا کہ مبادا "رواج" کے عملدرآمد پر آمادہ ہو جانا اسے اُن چیزوں کا پابند نہ بنا دے جن سے وہ بچنا چاہتا تھا۔

بکٹ کی مخالفت اور فراری

۶ روز تک مجوزہ آئین کی ایک ایک دفعہ پر بحث ہوتی رہی اور آخر بکٹ نے ان کی تائید کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر اسی سال گرمیوں میں دو مرتبہ اس نے انگلستان سے نکل جانے کی کوشش کی کہ پاپائے رومہ سے فریاد کرے لیکن جانا نہ ہو سکا اور اُدھر دربار میں اُس کے دشمن برابر بادشاہ کو اس سے بگاڑنے کی ساز باز کرتے رہے۔ چنانچہ نومبر میں نارتھمپٹن کی مجلس میں صاف ظاہر ہوگیا کہ دشمنوں کی یہ سعی کس حد تک کامیاب ہو چکی ہے۔ بکٹ پر بہت سے الزام عائد کئے گئے، اور آخر میں یہاں تک مطالبہ کیا گیا کہ چیشکار کی حیثیت سے جتنا روپیہ اس کے ہاتھوں خرچ ہوا ہے، اس سب کا حساب دے۔ اُدھر معلوم ہوتا ہے لوگوں کے تنگ کرنے سے بکٹ کو اتنا غصہ آگیا کہ اعتدال و معقولیت کی بھی پروا نہ رہی اور اُس نے ایسا طرز عمل اختیار کیا جس کی بنا پر گلبرٹ فولیو نے (جو اُن دنوں لندن کا اُسقف ہوگیا تھا) اسے احمق کے لفظ سے یاد کیا۔ دوسرے ساتھی اُسقف بھی ہزار سمجھاتے رہے مگر وہ بادشاہ سے مصالحت کے لئے کسی قدر دب جانے پر مطلق آمادہ نہ ہوا۔ دوسری طرف بادشاہ صدر اُسقف کی یہ اکڑ دیکھکر سخت برہم ہوا۔ آخر بکٹ شہر سے نصف شب میں چھپ کر بھاگا اور جہاز میں بیٹھکر رود بار انگلستان سے پار ہوگیا۔ ہینری کے لئے یہ فراری کچھ کم تشویش انگیز نہ تھی کیونکہ ایک تو بکٹ کے ممالک یورپ میں پہنچ جانے سے اندیشہ تھا کہ شاہ انگلستان کے شاہ فرانس کے ساتھ تعلقات میں اور زیادہ پیچیدگی پیدا ہوگی دوسرے اس نزاع کے علانیہ ظاہر ہو جانے کے معنی یہ تھے کہ نارمن فتح کے وقت سے بادشاہ اور کلیسا میں

جو ارتباط قائم رہا، اس کا خاتمہ ہو جائے گا اور جاگیر داروں کو اس واقعے سے خواہی نخواہی تقویت پہنچے گی۔

مگر بکٹ نے پاپا کو اپنی حمایت پر زیادہ آمادہ نہ پایا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اسی زمانے میں پاپا الگزنڈر ثالث کو ایک مدعی رقیب سے مقابلہ درپیش تھا جس کی حمایت شہنشاہ فریڈرک باربروسہ نے اپنے ذمے لی تھی۔ اور الگزنڈر کو خوف ہوا کہ بکٹ کی طرفداری میں زیادہ سرگرمی دکھائی تو کہیں ہینری شاہ انگلستان بھی اُسی طرف نہ ہو جائے۔ غرض بادشاہ اور صدر اسقف کی چھ سال تک لڑائی ٹھنی رہی۔ ہینری نے کینٹربری کی ساری املاک ضبط کر لیں اور بکٹ کے عزیز و اقارب کو ملک سے نکال باہر کیا۔ اس کے جواب میں صدر اسقف نے بادشاہ کے سات بااثر طرفداروں کے خارج از ملت ہونے کا فتویٰ صادر کیا (۱۱۶۶ء) جن میں سب سے اول رچرڈ ڈی لوسی (میر عدل) کا نام تھا۔ دوسرے سال بکٹ کی ملاقات ہینری سے ہوئی مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا اور اس کے بعد ہی صدر اسقف نے گلبرٹ فولیوٹ کو خارج از ملت قرار دیا۔ لیکن رفتہ رفتہ بادشاہ اور صدر اسقف، دونوں اس مناقشے سے تنگ آ گئے۔ بکٹ تو واپس آنے کی فکر میں تھا اور ہینری دیکھ رہا تھا کہ بکٹ کے شاہ فرانس کے ساتھ ہو جانے سے اُسے کافی نقصان پہنچ رہا ہے۔ غرض آئین جدید کے بارے میں کوئی تصفیہ ہوئے بغیر ۱۱۷۰ء میں ان کی صلح ہو گئی اور کچھ تاخیر کے بعد یکم دسمبر کو بکٹ انگلستان واپس آ گیا۔

دوبارہ نزاع اور بکٹ کا قتل

ظاہر ہے کہ ایسی کمزور صلح پائیدار نہ ہو سکتی تھی دوسرے سوئے اتفاق سے بکٹ کو آمادہ بہ جنگ رکھنے کا ایک اور سبب پیدا ہو گیا۔ وہ یہ کہ ہینری کئی سال سے اپنے بڑے بیٹے ہینری کو اپنی زندگی میں انگلستان کا بادشاہ بنانے کی تجویز میں تھا اور بکٹ کے ساتھ مصالحت ہونے سے کچھ روز پہلے اُس نے ارادہ کیا کہ یہ تجویز عمل میں لائے۔ رسم قدیم کی رُو سے تاجپوشی کی رسم کینٹربری کے صدر اسقف کے ہاتھوں ادا ہوتی ہے لیکن بکٹ کی غیر حاضری میں بادشاہ نے فیصلہ کیا کہ یہ خدمت یارک کا صدر اسقف روجر انجام دے جو بکٹ کا پرانا حریف تھا۔

بکٹ کو یہ حال معلوم ہوا تو بہت جھلّایا اور ایک پاپائی فرمان حاصل کیا جس میں روجر کو اس رسم کے ادا کرنے سے روکا گیا تھا۔ اس ممانعت کے باوجود روجر اپنے ارادے پر جما رہا اور لندن و سالسبری کے اسقفوں کی تائید سے اس نے ہینری کے رو برو تاجپوشی کی رسم ویسٹ منسٹر کی خانقاہ میں ادا کی۔ اس واقعے کے بعد جب بادشاہ سے مصالحت ہوئی اور بکٹ انگلستان واپس آیا تو پاپا کے خطوط ساتھ لایا جن میں تمام اسا قفہ کو جو مذکورۂ بالا رسم میں شریک ہوئے معطل کر دئے جانے کے احکام تھے۔ اس کی مراجعت پر عوام الناس یقیناً خوش ہوئے لیکن اونچے طبقے کے پادری اور شہری سرد مہری سے پیش آئے اور اسے نئے بادشاہ سے ملاقات کی بھی اجازت نہ ملی اس کے باوجود وہ کچھ بے دل نہ ہوا اور اپنے معتوب اسقفوں کو معافی دینے کی بجائے اس نے یوم میلاد مسیح کے روز رالف ڈی بروک کو بھی خارج از ملت قرار دیا جو بکٹ کی جلا وطنی کے زمانے میں کینٹربری کی اراضی کا بادشاہ کی طرف سے انتظام کرتا تھا۔ ادھر لندن سالسبری اور یارک کے اسقف اپنا مقدمہ لیکر بادشاہ (ہینری ثانی) کے پاس نارمنڈی دوڑے ہوئے گئے اور ساتھ ہی طرح طرح کی مبالغہ آمیز خبریں پہنچیں کہ بکٹ طرفداروں کا ایک دستہ لئے ہوئے ملک میں گشت کرتا پھرتا ہے۔ اسقفوں کی فریاد اور یہ افسانے سنکر ہینری سخت برہم ہوا اور اس کی زبان سے یہ لفظ نکل گئے کہ کیا ان نامردوں میں جو میرا نمک کھاتے ہیں کوئی ایسا نہیں کہ مجھے اس متفنی پادری سے نجات دلا سکے؟" بادشاہ کا مطلب غالباً اس جملے سے صرف سخت ناراضی کا اظہار کرنا تھا اور اس نے بارہا اسی قسم کے الفاظ پہلے بھی کہے تھے۔ اس نے باقاعدہ مجلس شوری کا جلسہ کیا کہ اس معاملے پر غور کرے اور غدّاری کے الزام پر بکٹ کو گرفتار کرزنے کی تدبیریں بھی کی جانے لگیں لیکن ان سب باتوں کے باوجود شدنی امر پیش آئے بغیر نہ رہا اور بادشاہ کے چار سرداروں نے جن کے نام ہیو دی مورویل، ولیم دی ٹراسی، ریجی نلڈ فٹز ارس اور رچرڈ لو بریتاں تھے، ہینری کے اس غضب آلود جملے کے لفظی معنی لئے اور چپکے سے نارمنڈی سے الگ الگ روانہ ہو کے انگلستان میں رالف کے مکان پر جمع ہوئے۔ پھر ۲۹ دسمبر کے دن وہ کینٹربری پہنچے اور صدر اسقف کے محل میں گھس کے سخت لب و لہجہ میں مطالبہ کیا کہ اسقفوں کے

خلاف جو فتویٰ دیا گیا ہے وہ مسترد کر دیا جائے۔ بکٹ نے اسی طرح کلیہ انکاری جواب دیا اور کلیسا کے اندر داخل ہو گیا۔ پیچھے پیچھے چاروں سردار بھی اندر آ گئے اور تھوڑی دیر پھر تکرار ہوتی رہی جس میں دونوں طرف سے سخت الفاظ استعمال ہوئے۔ سرداروں نے تلواریں میان سے نکال لیں۔ ایڈورڈ گرم کے سوائے بکٹ کے سب ساتھی اور خدمت گار فرار ہو گئے اور اپنے کلیسا کی عین قربانگاہ کے زینے پر صدر اسقف کو ذبح کر دیا گیا۔ گرم صدر اسقف کا صلیب بردار تھا اور اسی نے بعد میں یہ سارا قصہ بیان کیا؛

ہینری اور انگلستان کے لئے اس سے بدتر کوئی فعل ہو نہ سکتا تھا۔ زندگی میں بکٹ کو لوگ کچھ محبت کی نظر سے نہ دیکھتے تھے مگر قتل نے رائے عامہ کو اس کا طرفدار بنا دیا۔ ہینری نے افواہوں کو روکنے کی بہتری کوشش کی مگر بکٹ کی قبر کی کرامتیں شائع ہوئے بغیر نہ رہیں اور وہ ایک ولی اللہ اور شہید مشہور ہو گیا۔ یہ بات عام طور سے مسلم تھی کہ ہینری بالارادہ اس قتل میں شریک نہ تھا اور جب اس نے اپنی بیگناہی کا حلف اٹھایا تو پاپائی وکلا نے اس کی کامل براءت بھی کر دی۔ بایں ہمہ آئین جدید کا نفاذ ناممکن ہو گیا اور تین صدی تک خاطی پادریوں کے مقدمات کلیسائی عدالتوں ہی میں فیصل اور ان کے مرافعے پاپا کی عدالت روما میں پیش ہوتے رہے۔ کلیسائی معاملات میں بادشاہی اقتدار کو قطعی طور پر صدمہ پہنچا اور پاپائی اثر کے قوی ہونے کی بخوبی گنجائش مل گئی جس سے پاپائی گروہ نے پورا فائدہ اٹھایا۔ بکٹ سینٹ ٹامس (یعنی ولی) بن گیا اور برسوں تک اس کی قبر کینٹربری میں زیارت گاہ عام و خاص رہی بلکہ یہ میلا انگلستان میں نہایت مقبول تہوار کی طرح منایا جاتا رہا۔ پھر ٹامس بکٹ کے قاتلوں نے جوش میں بے قابو ہو کر سلطنت کے اقتدار کو جو نقصان پہنچایا تھا اس کی تلافی میں بڑی دیر لگی اور مدت میں بہ تدریج سلطنت کو اہل کلیسا پر وہ گرفت حاصل ہو سکی جو اس قتل سے پہلے حاصل تھی؛

عدالتی اصلاحات	بکٹ کے ساتھ مناقشے کے زمانے میں بھی ہینری ان تجاویز کو عمل میں لانے کی برابر کوشش کرتا رہا جو عدالتوں کی اصلاح کے متعلق

اس نے مرتب کی تھیں۔ اپنے نانا کے اس طریقے پر تو اُس نے ۱۱۵۵ء ہی سے عمل شروع کر دیا تھا کہ مجلس شاہی کے چند ارکان دیہات میں جا کر اجلاس کرتے۔ یہ طریقہ گویا قدیم انگریز بادشاہوں کے دورے کا کام دیتا تھا کہ ایک طرف تو مقامی عدالتیں مرکزی حکومت سے وابستہ رہتیں، دوسری طرف بڑے بڑے جاگیر دار و امرا بادشاہ کے قابو سے باہر نہ ہونے پاتے اور تیسرے یہ کہ ملک میں ہر کس و ناکس بڑی سے بڑی عدالت تک بلا وقت اپنی داد و فریاد پہنچا سکتا تھا۔ ان ارکان عدالت کو "گشتی حاکمان عدالت" موسوم کرتے تھے مگر ان کا کام فصل خصومات تک محدود نہ تھا بلکہ شاہی مالگزاری کی وصولی کی نگرانی رکھنا بھی ان کے اہم فرائض میں داخل تھا ساتھ ہی وہ خیال رکھتے تھے کہ حفظِ امن کی ضروری تدابیر کی جا رہی ہیں یا نہیں۔ جن لوگوں کو حلفِ الطاعت اٹھانا چاہیئے، انھوں نے یہ رسم ادا کی یا نہیں؛ نیز یہ کہ ہر شخص حفاظت باہمی کے واسطے کسی ٹولی میں شریک ہوا یا نہیں؛ واضح رہے کہ یہ قدیم طریقہ تھا کہ لوگ دس دس کی ٹولیاں بنا لیتے تھے کہ مل کر مجرموں کو گرفتار کر سکیں اور ہر شخص کے چال چلن کی ایک جماعت ذمہ دار ہو جائے؛ ۱۱۷۳ء میں گشتی حکام کے چھ حلقے بنائے گئے: پائے تخت، اضلاع وسطی، مشرقی، مغربی، شمال مشرقی اور شمالی، اور قریبی عہد تک یہ تقسیم قائم رہی؛ اس حلقہ بندی کے علاوہ ہینری نے دیوانی اور فوجداری عدالتوں کے طریقِ عمل میں بھی بعض اصلاحیں کیں۔ قدیم انگریزی طریقہ یہ تھا کہ دیوانی یا شخصی مقدمات میں، جاننے والوں کی حلفیہ شہادت پر، پوری پنچائت فیصلہ کرتی تھی۔ جاننے والوں میں اس قسم کے لوگ شامل ہوتے جن کے کھیتوں کی سرحد فریقین کی اراضی سے ملی ہوئی ہو، یا جو کسی جنگل کے مالک ہوں۔ وغیرہم۔ نارمن بادشاہوں کے وقت میں جنگ کا طریقہ رائج ہوا کہ فریقین یا ان کے قائم مقام آپس میں لڑتے اور جو غالب آتا، اسی کے حق میں فیصلہ ہو جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ کچھ عدل و انصاف پر مبنی نہ ہوتا تھا اور لوگ خصوصاً شہری اسے نہایت ناپسند سمجھتے تھے۔ چنانچہ ہینری (ثانی) نے اسے چھوڑ کر ایک بہتر طریقہ مروج کیا۔ نارمن فتح کے زمانے سے، اور ممکن ہے اس سے بھی پہلے سے، حلفی تحقیقات کا بھی ایک طریقہ جاری تھا

جس میں چند اشخاص کو حلف دے کر کسی خاص معاملے کی تحقیقات سپرد کر دی جاتی تھی۔ ۱۰۸۶ء میں ولیم فاتح نے بڑے انگریزی قوانین کی تحقیقات اسی طریقے کی اور دوبارہ کتاب بندوبست کی تیاری میں بھی اسی سے کام لیا تھا۔ اب ہنری نے دیوانی مقدمات میں اسی اصول کو اختیار کر لیا، اگرچہ وہ محض ایک اختیاری صورت تھی۔ اس جدید ضابطے کا اعلان عدالت کبیر میں ہوا جس کی تاریخ ٹھیک معلوم نہیں مگر وہ ضرور ۱۱۶۴ء سے قبل کا واقعہ ہے کیونکہ آئین کلیرنڈن میں کلیسائی املاک کے جھگڑے طے کرنے کے لئے اسی تدبیر کو کام لانے کی ہدایت مرقوم ہے؛

۱۱۶۶ء میں کلیرنڈن ہی کی عدالت نے فوجداری مقدمات کے طریق عمل کا مسئلہ ہاتھ میں لیا۔ اب تک قدیم انگریزی طریقہ "استشہاد" اور "ابتلا" یا نارمنوں کا اصول کہ لڑ کر فیصلہ کر لیا جائے، مروج تھا۔ مگر اب ہنری نے حکم دیا کہ جب شاہی حکام عدالت دورے پر آئیں تو ہر قصبے سے چار اور ہر قصبے سے ۱۲ قانونی اشخاص، مشہور رہزنوں، خونیوں یا اُن کے مددگاروں کو حلف اٹھا کر عدالت میں پیش کریں اور اگر شاہی حاکم اس علاقے کے باہر کسی قریبی مقام میں ہوں، تو اس قسم کی تحقیقات شیرف کرے اور شاہی حکام کو اس کی اطلاع دے۔ اس اطلاع کے بعد بھی ملزموں کا اُبلتے پانی کے ذریعے امتحان کیا جاتا تھا اور اس میں وہ ناکام رہتے تو سولی یا حکام عدالت کے فیصلے کے مطابق سزا پاتے۔ لیکن اگر مذکورۂ بالا "ابتلا" سے وہ بچ نکلتے تو بھی اس بنا پر کہ ہمسائے اُن کی نسبت ایسی بُری رائے رکھتے ہیں۔ انھیں محض نالائق سمجھ کر چالیس دن کے اندر ملک سے نکل جانے کا حکم ہو جاتا تھا۔ اس طریقے میں وہ سولہ قانونی اشخاص جو ملزموں کو پیش کرتے، دراصل بڑی جوری کا کام انجام دیتے تھے جن کی رائے پر زمانۂ حال کی زبان میں، استغاثہ دائر ہو جاتا تھا۔ پھر بھی گناہ و بیگناہی کا فیصلہ "ابتلا" ہی کے طریقے پر تھا۔ یہی تجاویز نارتھمپٹن کی عدالت نے ۱۱۷۶ء میں از سر نو نافذ کیں اور سزاؤں کو زیادہ سخت کر دیا؛ لیکن ۱۲۱۶ء میں مشہور پاپائے روما انوسنٹ (ثالث) نے مجلس لاتران منعقد کی اور اس نے فیصلہ کیا کہ ابتلائے ملزمین کا طریقہ وحشیانہ اور پیروان مسیح کے لئے نامناسب ہے اور

چھوٹی جوری

اس کی بجائے چھوٹی جوری کا آئین ایجاد کیا گیا۔ اس میں مقام واردات بالنواح کے ۱۲ اشخاص، جن کی نسبت یقین کیا جاتا کہ واردات سے بخوبی آگاہ ہوں گے حلف کے ساتھ شریک کئے جاتے اور اگر ان میں اختلاف رائے ہوتا تو دوسرے بلائے جاتے حتیٰ کہ بارہ اشخاص کی متفقہ رائے موافق یا مخالف حاصل ہو جاتی تھی۔ گو یہ بہت بھونڈا طریقہ تھا اور آگے چل کر زائد شرکا کی حیثیت محض عدالت کے گواہوں کی سی ہو گئی اور فیصلہ انھی ابتدائی ۱۲ اشخاص پر منحصر رہ گیا جن کو متفقہ رائے دینی پڑتی۔ ابتلا کا فیصلہ خدائی فیصلہ مانا جاتا تھا اور چونکہ یہ چھوٹی جوری اس کی جگہ قائم ہوی لہذا اس کا فیصلہ بھی آخری اور قطعی ہوتا تھا۔ اور یہ فرض کر لیا جاتا تھا کہ اگر جوری کو کسی کے جرم کا کامل یقین نہ ہوگا تو شبہے کا فائدہ مجرم کو پہنچے گا۔ لیکن عمل میں کبھی کبھی اس کے خلاف ہوتا تھا۔

فتح آئرستان

ادھر جن دنوں بکٹ کے ساتھ مناقشہ ہو رہا تھا، اسی زمانے میں فتح آئرستان کی ایک کارروائی عمل میں آئی۔ اس ملک کی حالت مدت سے مداخلت کی متقاضی ہو رہی تھی۔ وہاں کا تمدن اور زمینداری نظام ابھی تک قدیم برادری کے اصول پر مبنی تھا حالانکہ یورپ کی سب آریہ اقوام اس سے ترقی کر کے آگے بڑھ چکی تھیں۔ گو آئرستان میں برادری کا فرد ہونا اور معاشرتی تعلق، تمام تر اس بات پر مبنی تھا کہ آدمی کسی سردار قبیلہ سے واقعی یا فرضی رشتہ رکھتا ہو۔ اور علاقے کی ساری زمین قبیلے یا برادری ہی کی مشترکہ ملکیت سمجھی جاتی تھی اور شخصی ملکیت جو زراعت یا تمدن کی ہر معقول ترقی کے لئے لازمی ہے، اس کا یہاں وجود نہ تھا۔ ان برادریوں کے چھوٹے چھوٹے سردار تو بے شمار تھے مگر ان میں چار سب سے ممتاز اور السٹر، کوناٹ، لینسٹر اور منسٹر کی بادشاہی کے دعویدار تھے۔ گو ان کی حکومت کا رنگ آئے دن بدلتا رہتا۔ آرد ریا گھ یا صدر شاہ کا اقتدار بالکل برائے نام تھا اور ملک میں ان رئیسوں کی باہمی عداوت ورقابت سے برابر جنگ وفساد کا سلسلہ چلا جاتا تھا۔ ڈبلن، واٹرفرڈ، کارک اور لمیرک کے ساحلی مقامات پر قدیم اہل شمال کی

بستیاں تھیں اگرچہ قبائل اوسٹ مین اندرونی اضلاع کو فتح کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوئے۔

ایک وقت میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اہلِ شمال کا تازہ حملہ ملک میں شمالیوں کی یا خود اہلِ ملک کی کوئی مضبوط حکومت قائم کرا دے گا۔ مگر یہ وقوع میں نہ آیا اور کلون ٹارف کی بڑی لڑائی (واقعہ ۱۰۱۴ء) میں دیسیوں نے شمالیوں کو شکست دی۔ اگرچہ عین فتح کے وقت آئرستان کا سب سے بڑا مقتدر بادشاہ برائن بورو مارا گیا اور حملہ آوروں کے نکال دئے جانے کے باوجود ملک میں برادری کا وہی قدیم نظام جاری رہا۔ انگلستان میں ملک کے اتحاد کا ایک قوی ترین سبب اتحادِ کلیسا تھا لیکن آئرستان میں اُس کے بنائے کچھ نہ بنی۔ وھٹ بی کی مجلس کلیسا کے وقت سے اس کا تعلق ہی مغربی کلیساؤں سے منقطع ہو گیا اور اسے کوئی تھیوڈور بھی میسر نہ آیا کہ کلیسا کی از سرِ نو تنظیم کر دیتا۔ نتیجہ یہ کہ وہاں نہ پرانے خانقاہی طریقے کے نقائص دور ہوئے نہ کلیسائی حلقوں کی کوئی حد بندی ہوئی اور جب اہلِ شمال نے ملک کی بڑی بڑی خانقاہوں کو (جن میں علم کے ایسے مشہور مرکز بھی شامل تھے جیسے بین گور و کلون میک نوئز) تباہ و تاراج کیا تو تمام کلیسائی انتظامات درہم برہم ہو گئے۔ نارمنوں کے انگلستان فتح کرنے کے وقت سے آئرستان میں دوبارہ اصلاحِ حال کی کوشش کی گئی۔ لین فرینک و اینسلم دونوں نے تنظیم جدید کی بنا اس اصول پر رکھی کہ آئرستان کے اسقف کینٹربری کے مطیع ہوں۔ سینٹ ملاکی کی سعی سے جو ۱۱۳۴ء میں ارماگ کا صدر اسقف ہوا، پاپائی وکیل بھی آئرستان میں مقرر کر دیا گیا اور ارماگ، ٹوام، کیسل اور ڈبلن میں چار صدر اسقفیاں قائم ہوئیں۔ اسی کے ساتھ کلیسائی حلقوں کی مناسب تقسیم عمل میں آئی۔ اس عرصے میں طبعاً شاہانِ انگلستان کو تکملہ فتح کے طور پر آئرستان کی تسخیر کا کئی بار خیال آیا۔ ۱۱۵۵ء میں جب نکولاس بریک اسپیئر پاپائے رومہ منتخب ہوا اور صرف وہی ایک خوش قسمت انگریز تھا، جس نے اس منصب تک ترقی کی، تو ہنری ثانی نے اس کے انتخاب سے فائدہ اٹھا کر ایک فرمان حاصل کیا کہ "حدودِ کلیسا کی توسیع، اخلاق کی درستی، نہی عن المنکر اور امر بالمعروف"

کے لیے آئرستان کو فتح کرنے کی اجازت ہے۔ لیکن ملکہ ماٹلڈا نے زور دیا کہ ابھی کوئی کارروائی نہ کی جائے اور اس ارادے پر عمل کی نوبت نہ آئی۔ بعد میں بھی در حقیقت خود آئرستان کے رئیسوں کی باہمی نزاع و تکرار ملک کی آزادی کھونے کا باعث ثابت ہوئی نہ کہ شاہانِ انگلستان کی ہوسِ ملک گیری ٭

آئرستان کے رئیسوں کے جھگڑے

شرح اس اجمال کی یہ ہے کہ یہ قضیہ تو بہت پہلے یعنی ۱۱۵۲ء ہی میں پیدا ہو گیا تھا کہ ڈرموٹ میک مروشاہ لینسٹر قبیلۂ برفنی کے سردار اورروارک کی زوجہ ڈورگل کو جبراً بھگا کے لے گیا اور اٹھارہ برس تک انتقام کی آگ ستم رسیدہ شوہر کے دل ہی دل میں سلگتی رہی۔ یہاں تک کہ اس کے دوست اوکنور شاہ کوناٹ نے السٹر کے رئیس پر فتح پائی اور ملک میں سب سے قوی حاکم ہو گیا۔ اب اورروارک کو موقع ملا کہ ڈرموٹ کو ملک سے نکلوا دے۔ چنانچہ اسے فرار ہونا پڑا۔ گروہ برسٹل سے ہینری کے دربار میں پہنچا اور اس کی اطاعت کا اقرار کر کے التجا کی کہ دشمنوں کے مقابلے میں مدد دی جائے۔ یہ ۱۱۶۶ء کا ذکر ہے اور اس وقت ہینری خود اپنے جھگڑوں میں اتنا مصروف تھا کہ وہ کوئی مہم آئرستان پر نہ لے جا سکتا تھا تاہم اس نے ڈرموٹ کی اطاعت قبول کر لی، آئندہ مدد کا وعدہ کیا، اور ایک خط لکھ کر دے دیا کہ ”ہماری رعایا میں سے جو شخص چاہے اس آئرستانی رئیس کی مدد کر سکتا ہے“۔ یہ خط لیکر ڈرموٹ جنوبی ویلز میں پہنچا جہاں کے نارمن جاگیردار ناتحانِ انگلستان کے اس گروہ کے لوگ تھے جو ملک گیری اور پیش قدمی کا حامی تھا۔ ڈرموٹ کی تگ و دو نے انھی میں سے کئی سرداروں کو اس کی مدد پر آمادہ کر دیا۔ ان میں اسٹری گوئل کا امیر رچرڈ ڈی کلیر تھا جو ”اسٹرانگ بو“ کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ ڈرموٹ نے مدد کے عوض میں اپنی بیٹی ایوا کو اس کے ساتھ بیاہ دینے کا اقرار کیا اور لینسٹر کے تاج شاہی کی امید دلائی۔ اس کے علاوہ دو علاتی بھائی ”موریس فٹنز جیرلڈ اور روبرٹ فٹنز اسٹیفن بھی اس کے حامی ہو گئے جنھیں ویکس فرڈ کی حکومت ہاتھ آنے کی امید تھی اور یہ قول قرار کر کے ڈرموٹ، چھوٹی سی جمعیت لے کر واپس آئرستان آیا (۱۱۶۷ء)

اُسے تو آتے ہی اوکنور نے شکست دے کر چھپنے پر مجبور کر دیا لیکن اگلے سال روبرٹ اس کے ساتھ آملا اور ویکس فورڈ کو فتح کرلیا۔ ڈرموٹ کے خاص خاص دشمنوں پر یورشیں ہوتی رہیں اور ۱۱۶۹ء میں دوسرے بھائی مورس کے آجانے کے بعد ان حلیفوں نے ڈبلن پر قبضہ کرلیا۔ ۱۱۷۰ء میں اسٹرانگ بو نے بھی خلیج کو عبور کیا اور اس کے آتے ہی واٹرفرڈ فتح ہوگیا اور اس امیر کے ساتھ ایوا کی شادی کی رسم ادا ہوئی۔ ۱۱۷۱ء میں ڈرموٹ نے وفات پائی تو ایوا کے رشتے سے اس کے جملہ حقوق داماد کی طرف منتقل ہوگئے مگر اس عرصے میں آئرستان والوں نے اپنے رشتہ داروں کو جزیرۂ مین اور مغربی جزائر سے بلوایا تھا اور ان کے ہاتھ سے ڈبلن کو بچانے میں نووارد فاتحوں کو کافی دردسری اٹھانی پڑی۔ ان شمالی حملہ آوروں کو بہ مشکل دفع کیا تھا کہ اوکنور نے فوج کشی کی۔ اور ادھر ہینری کو صاف نظر آنے لگا کہ یہ نارمن منچلے اسی طرح ابھر کر ایک نیم آزاد حکومت قائم کرلیں گے تو خود اُس کے لیے سخت تردد کا سامان پیدا ہوجائے گا۔ نظر برایں اس نے مداخلت کا ارادہ کرلیا اور ۱۱۷۱ء میں ایک بڑی فوج لیکر آئرستان آیا جہاں پہلے تو نووارد نارمن امیروں نے اس کی اطاعت کا اقرار کیا، پھر خود آئرستان کے رئیسوں نے ان کی تقلید کی جن میں سب سے اول شمالی منسٹر کا بادشاہ ڈرموٹ مکارتھی تھا۔ اس کی دیکھا دیکھی جنوبی منسٹر کے بادشاہ او برائن نے سر تسلیم خم کیا اور ۱۱۷۲ء میں کوناٹ کے اوکنور نے بھی اطاعت قبول کرلی جسے تمام آئرستان کی بادشاہی کا دعویٰ تھا؛ ہینری نے واٹرفرڈ اور ویکس فرڈ میں چھاؤنیاں بنا کے قصبۂ ڈبلن، برسٹل کے انگریز سوداگروں کو عطا کردیا لیکن اسی زمانے میں اُسے انگلستان واپس آنا پڑا اور اس لیے اُس جزیرے کی فتح حسب دلخواہ مکمل نہ ہوسکی اور نہ دوبارہ ہینری کو ادھر آنے کی مہلت ملی۔ ۱۱۷۷ء میں اُس نے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے جان کو والیٔ آئرستان بنانے کی تجویز کی تھی مگر ملک کے نظم و نسق کی عملاً کوئی درستی نہ ہوسکی اور ڈبلن، واٹرفرڈ، ویکس فرڈ اور ان کے مضافات کو بھی انگریز بہ مشکل اپنے قبضے میں رکھ سکے۔ البتہ یہ مقامات انگریزی تسلط کے باعث "علاقۂ انگریز" کہلانے لگے۔

جاگیرداروں کی سازش

ہینری کے آئرستان آنے میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ بکٹ کے قتل کا ہنگامہ دب دبا جائے لیکن اس کے غیاب میں ایک زبردست سازش کا جال بچھایا گیا جو ۱۱۷۳ء و ۱۱۷۴ء میں برروئے کار آگئی، اور بادشاہ کو اپنی ساری قوت اس کے سدباب میں خرچ کرنی پڑی۔ سازش کی بنا دو اسباب پر تھی: ایک تو جاگیرداروں کی وہ ناراضی جو ہینری کے نظام جاگیرداری پر پے در پے ضربیں لگانے سے پیدا ہوئی اور دوسرے، خود ہینری کے بیٹوں کی مجوزہ تقسیم میراث سے بددلی۔ ہینری کی تخت نشینی کے وقت سے جاگیردار محسوس کر رہے تھے کہ ان کے حقوق و امتیازات کو ہر طرف سے صدمہ پہنچایا جا رہا ہے۔ قلعوں کے دوبارہ بادشاہی قبضے میں چلے جانے سے، ان کی جنگی قوت کم ہو گئی۔ زرِ سپر بدل سے ان کی فوجی جمعیت کو الگ نقصان پہنچا۔ اور اس سے بڑھکر یہ کہ عام محصول سے مستثنیٰ رہنے کی جو خاص امید تھی، وہ باقی نہ رہی۔ ضرب سکہ کا حق چھن گیا۔ ولی عہد کے سن رشد کو پہنچنے اور بڑی شہزادی کی شادی کے موقع پر جو نذرانے مقرر ہوئے، وہ بڑی سختی سے وصول کئے جانے لگے۔ سب سے بڑھکر یہ کہ آئین کلیرنڈن کی تدوین سے ظاہر ہو گیا کہ بادشاہ ہر بات کا کامل اختیار اپنے قبضے میں رکھنا چاہتا ہے اور عدل و انصاف کے معاملے میں کسی جاگیرداری امتیاز و منصب کا مطلق روادار نہیں ہے۔ چیسٹر کے امیر کبیر ہیو بگوڈ، مشہور میر عدل کے ناخلف بیٹے روبرٹ، امیر لیسٹر اور روبرٹ موبری وغیرہ جنھیں دعویٰ تھا کہ وہ انگلستان کے فتح کرنے والے نارمن سرداروں کے جانشین ہیں، بادشاہ کے طرزِ عمل کو اپنے پورے طبقے کی تذلیل و توہین سمجھتے تھے اور تاک میں تھے کہ موقع ملتے ہی تخت ہنگامہ برپا کر دیں؛

خانگی نزاعات

دوسرے خود اپنے گھر میں کہ باہم رضامند و متحد رکھنے میں ہینری کو بڑی ناکامی نصیب ہوئی۔ اول تو ثابت ہوا کہ اپنے نوجوان بیٹے ہینری کو زندگی میں تخت نشین کرنا بڑی غلطی تھی کیونکہ باپ کا منشا تو محض اس کی آئندہ وراثت کا انتظام و اطمینان کرنا تھا اور نوجوان ہینری اس کا مطلب کچھ اور ہی سمجھا۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ اس کی شادی شاہ فرانس کی بیٹی سے

ہوی اور وہ اپنے سازشی خسر کے اثر میں آئے بغیر نہ رہ سکا۔ چنانچہ نوجوان ہنری ہی کے طور بے طور سے کر بادشاہ کو آئرستان سے واپس آنا پڑا تھا۔ نوجوان ہنری ۱۱۷۳ء میں شاہ فرانس کا مہمان تھا اور دربارِ فرانس کے اسی قیام کے بعد اُس نے بوڑھے باپ سے درخواست کی کہ انگلستان، نارمنڈی اور آنژو کو ایک علیحدہ مملکت قرار دے کے اس کے حوالے کر دیا جائے۔ گر ہنری کو شاہ لیبر کا تماشا دکھانا منظور نہ تھا، اُس نے صاف انکار کر دیا۔ دوسرے بیٹوں (یعنی رچرڈ اور جیفری) کے واسطے ہنری نے اپنے نزدیک کافی و شافی انتظام کر دیا تھا کہ رچرڈ تو اپنی ماں کی ریاست اکوی ٹین کا امیر ہو اور جیفری، جسے کونان، امیر بری تانی کی بیٹی کونس ٹانس بیاہی تھی، بری تانی کا وارث بنایا جائے۔ لیکن اس انتظام میں گڑبڑ اس لئے ہوی کہ ۱۱۶۷ء میں ہنری کا سب سے چھوٹا بیٹا، جان تولد ہوا اور باپ نے اسے "تہی زمین" نامزد کیا۔ گر حقیقت میں اسی بچے کے لئے آیندہ انتظام کی تدبیریں ہنری کی پریشانی کا موجب ہوئیں۔ وہ شی نان اور میرابو کے قلعے اُس کے نام لکھنا چاہتا تھا لیکن نوجوان ہنری نے امیر آنژو کی حیثیت سے یہ تجویز منظور کرنے سے انکار کر دیا اور راتوں رات باپ کے پاس سے بھاگ کر فرانس پہنچا۔ رچرڈ اور جیفری بھی اس کے ساتھ آملے اور ان کی ماں الینر بھی مردانہ بھیس بدل کر فرار ہو رہی تھی کہ راستے میں پکڑی اور قید کر دی گئی۔ تاہم دربار فرانس ریشہ دوانیوں کا مرکز بن گیا اور نوجوان شہزادوں نے باپ کے خلاف جتھا تیار کرنے میں ہر قسم کی رشوت کے وعدے وعید شروع کئے۔ مگر براعظم کے باج گزاروں میں تو بہت کم کوئی شخص ان کے باپ کی مخالفت پر کمربستہ ہوا البتہ انگلستان کے جاگیردار اس خداداد موقع سے فائدہ اٹھانے پر فوراً تیار ہو گئے اور ہیو، روبرٹ وغیرہ امیروں نے مل کر بڑی زبردست سازش مرتب کی اور نارتھمبرلینڈ کا لالچ دے کے شاہ اسکاٹ لینڈ ولیم (الاسد) کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ اہلِ کلیسا میں سے صرف ہیو ڈپوی سے جو ڈرہم کا اسقف اور جاگیردار بھی تھا اہلِ سازش کا حامی ہو گیا۔ فلپ امیر فلینڈرس کو کینٹ کی اور رئیس بولون کو مورٹین کی طمع نے سازشیوں کی مدد پر آمادہ کر دیا۔

اس خطرناک جتھے کا مقابلہ کرنے کے لئے ہینری کو اپنے یورپی مقبوضات کی حفاظت کے لئے تو اپنے برابنتی سپاہیوں پر بھروسہ تھا کہ اس کی دولت نے اس قوم کے بیس ہزار جنگجو فراہم کر لئے تھے۔ اور انگلستان میں رچرڈ ڈی لوسی (میرعدل) ولیم مینڈویل، امیر ایکس اور بہت سے چھوٹے جاگیردار و عمال اس کی قوت بازو تھے۔ ڈرہم کے سوا تمام مقامات کے اسقف، بڑے قصبات و شہر اور سب سے بڑھکر یہ کہ خود عوام الناس دل سے اس کے ساتھ تھے اور شاہ اسٹیفن کے عہد کے مصائب اور بدنظمیوں کے اعادے کے خوف سے آمادہ تھے کہ بادشاہی فوج میں بھرتی ہوں اور شاہی عمال کو مدد دینے میں کوتاہی نہ کریں۔ پہلی ضرب بھی شاہ پسندوں نے لگائی کہ چیسٹر و لیسٹر کے امیروں کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھاکر لیسٹر کو گھیر کر فتح کر لیا (جولائی ۱۱۷۳ء) اسی جولائی میں امیر بولون کا ایک اتفاقی تیر نے کام تمام کیا۔ اگسٹ میں ہیو، امیر چیسٹر اپنے قلعے ڈول میں گرفتار کر لیا گیا۔ اس وقت شاہ فرانس تو صلح کرنے پر خوشی سے تیار تھا مگر چونکہ ہینری اپنے مقبوضات کی زمام حکومت چھوڑنے کا روادار نہ ہوا لہذا اس کے بیٹے برابر جنگ و پرخاش پر تلے رہے

ہینری کی کامیابیاں

چنانچہ روبرٹ امیر لیسٹر انگلستان آیا اور سازش کے دوسرے سرغنہ ہیو بگوڈ سے اس کے قلعے فریم لنگھم (علاقہ سفک) میں جاملا۔ مگر ان دونوں امیروں کی فوج کو شاہی سر ہمفری نے فورن ہیم کے میدان میں شکست فاش دی اور ان کے امیر فلیمنگی سپاہیوں کو کسانوں نے مار مار کے تقریباً ختم کر دیا۔ امیر لیسٹر اسیر کر لیا گیا اور ملکہ الینیر اور رالف امیر چیسٹر کے ساتھ فالیز کے شاہی قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ ادھر شاہ اسکاٹ لینڈ کے راستے میں کارلائل سے نیوکاسل تک جنگی قلعوں کا سلسلہ حائل تھا اور انہیں توڑے بغیر وہ جنوب میں بڑھکر اپنے حلیفوں کی مدد نہ کر سکتا تھا۔ ان کے فتح کرنے میں بہت دیر لگی اور ابھی وہ سب مسخر ہونے نہ پائے تھے کہ ۱۱۷۴ء میں ہینری نے اتنی قوت بہم پہنچائی کہ نارمنڈی سے انگلستان آ گیا۔ شاہی قیدیوں اور نوجوان ہینری کی بیوی مارگریٹ کو بھی وہ ساتھ لیتا آیا۔ انگلستان پہنچ کر اس نے بکٹ کے قتل کا ایسا کفارہ ادا کرنے کی تدبیر سوچی جس سے عوام الناس پر خاص اثر

پڑے گو قانون اور کلیسا کی نظر میں وہ بہت پہلے بے گناہ ثابت ہو چکا تھا۔ تاہم اب وہ سیدھا کینٹربری گیا اور برہنہ پا کلیسا میں داخل ہو کر اس نے مقتول کی قبر کے روبرو کمر خم کر دی کہ اُس پر تازیانے لگائے جائیں اور تمام رات وہیں نماز و عبادت میں بسر کی۔ یہاں سے وہ لندن گیا تو یہ مسرت انگیز خبر سنی گئی عین اس وقت جب کہ وہ کینٹربری میں گھٹنوں کے بل گڑگڑا رہا تھا، اسکاٹ لینڈ کے بادشاہ کو جسے کامیابی نے ضرورت سے زیادہ دلیر بنا دیا تھا، این وک میں یارک شہر کے شیرف (روبرٹ اسٹٹ ویل) نے اچانک جالیا اور گرفتار کرلائے۔ اس عجیب اتفاق کا اخلاقی اثر اور گرفتاری سے جو عملی فائدہ ہینری کو حاصل ہوا وہ نہایت بیش بہا تھا اور اسی سلسلے میں اس نے بلا تاخیر فرنگھم پر فوج کشی کر کے ہیو بگوڈ کو ہتیار ڈالنے پر مجبور کیا۔ پھر جب سرغنہ پکڑے گئے تو ان کے قلعے فتح ہونے میں بھی زیادہ دیر نہ لگی ہیو امیر ڈرہم نے ڈرہم اور راینے دد اور قلعے حوالے کر دئے۔ موبرے نے قلعہ تھرسک کی کنجیاں پیش کر دیں۔ مختصر یہ کہ ہینری کے رود بار انگلستان عبور کرنے کے بعد تین ہفتے کے اندر اندر تمام باغی مغلوب اور ملک میں دوبارہ امن و سکون ہو گیا؛

انگلستان کی بغاوت کا اس طرح "کلیتہً" قلع قمع ہو جانے سے ثابت ہو گیا کہ باشندگانِ انگلستان پوری طرح اس ہینری کی حکمت عملی کے موئد ہیں اور بکٹ کے ساتھ اس کے تنازعے نے اہلِ کلیسا کی وفاداری میں کوئی خلل نہیں ڈالا ہے، ان واقعات سے خواہی نخواہی اُس کے یورپی حریفوں کی ہمت پست ہو گئی۔ چند ہی روز میں لوئی کو صلح کی درخواست کرنی پڑی۔ نوجوان ہینری اور اس کے بھائیوں نے اطاعت قبول کر لی اور سال بھر پہلے ان کے باپ نے جو شرطیں پیش کی تھیں انھیں مان لینا پڑا اسی کے ساتھ عفو عام کی قرارداد ہو گئی۔ اس طرح انگلستان کے جاگیرداروں کی یہ آخری کوشش کہ یہاں بھی یورپ کی مثل جاگیرداری نظام مروج کرنے پر بادشاہ کو مجبور کیا جائے، ناکام ختم ہوی اور اتفاق سے اسی قسم کی پہلی کوشش سے پورے ایک سو برس کے بعد یہ واقعات پیش آئے؛

ولیم (الاسد) کی گرفتاری سے ہینری نے فوری فائدہ یہ اٹھایا کہ انگلستان و اسکاٹ لینڈ

کے تعلقات کو واضح اور معین کر دیا۔ سب سے اوّل اسکاٹ لینڈ کے بادشاہ کونسٹنٹائن نے اپنے ہم وطنوں کی رضامندی سے ایڈورڈ (کبیر) کو اپنا باپ اور ولی نعمت تسلیم کیا اور اُس وقت سے اب تک مختلف موقعوں پر اسکاٹ لینڈ کے بادشاہ شاہانِ انگلستان کی سیادت مانتے چلے آتے تھے۔ لیکن چونکہ اپنے ملک کے علاوہ وہ گیلووے پر بھی قابض تھے جسے شاہ ایڈمنڈ نے عطا کیا تھا اور انگلستان کے ایک امیر کی حیثیت سے لوودین پر تصرف رکھتے تھے، لہٰذا اس اقرارِ اطاعت کا مطلب صاف نہ تھا اور قدرتی طور پر اسکوٹ تو اس کے معنی بہت محدود لیتے تھے اور انگریز بہت وسیع۔ ہینری نے قصد مصمم کر لیا کہ یہ قضیہ قطعی طور پر چکا دیا جائے چنانچہ عہدنامہ فالیز کی رو سے ولیم نے اپنی اور اپنے اخلاف کی طرف سے اقرار کیا کہ اسکاٹ لینڈ اور دوسرے مقبوضات کے مالک کی حیثیت سے بھی شاہانِ انگلستان کے مطیع رہیں گے اور اپنی روش ٹھیک رکھنے کی ضمانت میں اڈن برو، اسٹرلنگ روکس برو جدبرو اور بیروک کے قلعے ہینری کے سپرد کر دئے۔

آئین نارتھمپٹن

بغاوت فرو ہونے کے بعد ہینری کو پھر ملکی اصلاحات کی طرف توجہ کرنے کا موقع ملا۔ مختلف اور پیہم تدبیر سے ملک کے سارے قلعے یا بادشاہ کے ہاتھوں میں آگئے یا مسمار کرا دئے گئے۔ ۱۱۷۶ء میں آئین کلیرنڈن کی آئین نارتھمپٹن کے ذریعے تجدید کی گئی اور حفظِ امن کی غرض سے متعدد نئے ضوابط کا ان میں اضافہ ہوا۔ ۱۱۷۸ء میں مجلسِ شاہی میں وہ تغیر و تبدل کیا گیا جو حقیقت میں نظامِ عدالت کے نشو و نما کے لئے نہایت مفید تھا۔ ہینری اول کے عہد میں مجلس شاہی ہر قسم کے ملکی معاملات میں بادشاہ کو مدد و مشورہ دیتی تھی لیکن جس قدر کام بڑھتا گیا، اُسی قدر اس مجلس کو مختلف شعبوں میں تقسیم کرنے کی ضرورت بڑھی چنانچہ سب سے اوّل مالی معاملات کے واسطے "عدالتِ خزانہ" (کورٹ اوف اکیس چیکر) کا جداگانہ محکمہ مرتب ہوا۔ ۱۱۷۸ء میں بادشاہ نے مجلس شاہی کے پانچ ارکان عدالت کو صرف مقدمات کی سماعت کے واسطے علیحدہ منتخب کر لیا ورنہ پہلے یہ مقدمے پوری مجلس کے روبرو پیش ہوتے تھے۔

شاہی عدالتیں

یہی شعبہ کچھ روز بعد شاہی کچہری (کنگز بینچ) اور عدالت عوام (کومن پلیز) کی دو عدالتوں میں تقسیم ہو گیا۔

مالی مقدمے اصولاً عدالت خزانہ کے روبرو پیش ہوتے۔ جن مقدمات میں بادشاہ کا تعلق تھا، وہ شاہی کچہری میں اور عام لوگوں کے باہمی تنازعے عدالت عوام میں لائے جاتے۔ مگر عملاً یہ تقسیم صاف اور واضح نہ تھی۔ اور مرافعہ حسبِ معمول بادشاہ کی مجلس شوریٰ میں ہوا کرتا تھا۔

آئین فوج انگلستان میں ہینری کی آخری اصلاح "آئین فوج" کو سمجھنا چاہیے جو ۱۱۸۱ء میں نافذ ہوا۔ پہلے انگریزوں کے زمانے میں ملک کی مدافعت فیرڈ یا ہنگامی فوج کے سپرد تھی جس میں ۱۶ سے ۶۰ سال کی عمر تک قوم کے ہر مرد کا فرض تھا کہ عند الطلب فوجی خدمت انجام دے۔ ڈین قوم کے بادشاہوں نے اس میں پیشہ ور سپاہیوں کی ایک جمعیت کا اضافہ کیا اور گو یہ دستہ ہیسٹنگز کی لڑائی میں بالکل نابود ہو گیا تاہم نارمن فتح کے وقت سے انگلستان کا کوئی بادشاہ ایسا نہ تھا جس کی ملازمت میں اجیر سپاہی، قلعوں کی حفاظت یا انگلستان و یورپ کے معرکوں میں حصہ لینے کی غرض سے موجود نہ رہے ہوں۔ پھر جب سے زرِ سپر بدل کا رواج ہوا تو (ہینری ثانی کے وقت میں) فوج کی زیادہ تعداد انھی تنخواہ دار سپاہیوں پر مشتمل ہو گئی۔ دوسرے نارمن بادشاہوں کے عہد میں خود جاگیرداری فوج ملک کی عام فوج کا جزو بن گئی جس کی ابتدا اس سے بھی پہلے ہو چکی تھی۔ تاہم، زرِ سپر بدل سے ہینری نے فوج فراہم کرنے کی بجائے، زیادہ تر روپیہ مہیا کرنے کا کام لیا تھا۔ وہ طبعاً ہر ایسے آئین سے بدظن تھا جس سے جاگیرداروں کی جنگی استعداد میں اضافہ ہو۔ علاوہ ازیں تجربے سے فیرڈ کے آزاد متطوعین کی کارکردگی اور جاں نثاری ثابت ہو چکی تھی۔ اسکوٹوں کے مقابلے میں، نارتھ الرٹن اور ایل وِک کے مقام پر اس فوج نے نہایت عمدہ کام کیا اور ۱۱۷۳ء و ۱۱۷۴ء میں جاگیرداروں کی سرکشی کے وقت یہی فوج میرِ عدل کی قوت بازو تھی۔ ایسی قابلِ اعتبار جمعیت ہر طرح قدر افزائی کی مستحق تھی اور ۱۱۸۱ء کے آئین فوج میں، انھی آزاد باشندوں کی اسلحہ بندی کے تفصیلی ضوابط بتائے گئے تھے کہ حسبِ حیثیت وہ کیا کیا ہتھیار رکھ سکتے ہیں اور ان کا کس طرح مقررہ اوقات میں معاینہ ہونا چاہیے۔ پنج ذات کے کسانوں کو اس ملکی فوج میں بھرتی ہونے کی اجازت نہ تھی۔ خلاصہ یہ کہ

اب بادشاہ کی دو فوجیں مرتب ہوگئیں :۔ ایک تنخواہ دار، جس سے وہ قلعوں کی حفاظت اور براعظم کی لڑائیوں میں کام لیتا تھا۔ دوسری ملکی فوج، جو بیرونی دشمنوں سے لڑنے یا اندرونی شورشوں کا سدباب کرنے کی غرض سے بوقت ضرورت مرتب کی جا سکتی تھی۔ اس وقت سے لیکر جاگیرداری نظام بتدریج محض پٹہ داری کا ایک طریقہ بنتا گیا؛

اس زمانے میں فوجوں کی تعداد شاذونادر ہی کثیر ہوتی تھی۔ لڑائی کبھی بیشتر مدافعت یا محاصرے کی صورت میں ہوا کرتی اور میدان میں جم کر بہت کم لڑائی کی نوبت آتی تھی۔ ہینری اور اس کے بیٹے رچرڈ کی جنگی ناموری بھی میدانی معرکوں میں نہیں بلکہ محاصرے سے قلعہ گیری کی بدولت حاصل ہوئی تھی؛ اس طرز جنگ کا لازمی نتیجہ تھا کہ قلعہ سازی کا فن بہت کچھ ترقی کر گیا اور اسی نسبت سے قلعہ شکن کلیں بھی بڑے اہتمام سے تیار ہونے لگیں۔ ایسی زبردست منجنیقیں اور فلاخن بنائے گئے جو بڑی بڑی چٹانوں کو پھینک کر مار سکتے تھے اور اسی طرح سرنگ کاوی اور جوابی سرنگ بنانے میں بہت کچھ ترقیاں ہوئیں۔ حتیٰ کہ یہ کہنا کچھ غلط نہ ہوگا کہ باروت کی ایجاد سے ان آلاتِ ہلاکت کی نوعیت اور سنگ باری کی شدت میں نسبتاً بہت کم قوت کی بیشی ہوئی؛

ہینری کے بیٹے

۱۱۷۴ء کی بغاوت کے بعد ہینری کو انگلستان کے جاگیرداروں کی طرف سے تو کوئی تکلیف نہ پہنچی گر اس کا باقی زمانہ بیٹوں کی وجہ سے برابر تشویش و پریشانی میں بسر ہوا۔ اس کا ایک سبب اکوی ٹین کے شورہ پشت جاگیردار بھی تھے جن پر حکومت کرنے میں طبعی دشواریاں موجود تھیں۔ یہ حکومت ہینری نے اپنے دوسرے بیٹے رچرڈ کے سپرد کی تھی جسے وہ ماں کا جانشین یعنی اکوی ٹین کا امیر بنانا چاہتا تھا۔ رچرڈ نے سترہ سال کی عمر میں یہ کام سنبھالا اور اپنی فطرتی مستعدی کے ساتھ پوری قوت قیام امن میں صرف کی۔ وہ بظاہر کامیاب بھی ہوگیا لیکن جنوب کے جاگیردار جن کی گھٹی میں خانہ جنگی پڑی تھی، اس روک تھام سے نہایت ناخوش ہوئے اور ان میں ایک ذہین ترین شخص برٹرانڈ (ڈی بورن) نے فتنہ انگیزی پر کمر باندھی۔ برٹرانڈ کو سیاسی

رلیشہ دوانی کے ساتھ ہجوگوئی میں ملکۂ تام حاصل تھا اور اس نے نہ صرف جاگیرداروں کو بھڑکانے کا، بلکہ رچرڈ اور اس کے بھائیوں میں فساد ڈلوانے کا بھی بیڑا اٹھایا۔ اور حقیقت میں ان کی باہمی رقابت و خصومت چند ہی روز میں اتنی بڑھی کہ ہینری بمشکل انھیں علانیہ لڑنے سے روک سکا۔ نوجوان ہینری کو پہلے اپنے خسر لوئی سے اور جب وہ ۱۱۸۰ء میں فوت ہوگیا، تو برادر نسبتی، فلپ اوگسٹس سے برابر مدد ملتی رہتی تھی۔ جیفری سے عام و خاص اتنے ناخوش تھے کہ خود اپنی ریاست بریتانی کے جاگیرداروں کو قابو میں رکھنا اُسے دشوار ہوگیا تھا۔ یہ قضیئے چلے جا رہے تھے کہ ۱۱۸۳ء میں نوجوان شہزادہ ہینری نے وفات پائی۔ وہ اکوی ٹین کا علاقہ رچرڈ سے لیکر جان کو دینے کی فکر میں تھا اور اسی لیئے رچرڈ کو بڑے بھائی سے بغض ہوگیا۔ اور وہ یہاں تک تیار تھا کہ فلپ شاہ فرانس کی اکوی ٹین اور آنژو وغیرہ اپنے تمام جدی علاقوں پر سیادت تسلیم کرکے اُسے اپنا بنالے۔ لیکن بڑے بھائی کی وفات سے اُس کی مشکلات دفع نہ ہوئیں بلکہ ان میں کچھ اور اضافہ ہی ہوگیا۔ ۱۱۸۶ء میں جیفری بھی مرگیا مگر اس کی وارث بیٹی کونس ٹانس تھی اور مرنے کے بعد بیٹا آرتھر پیدا ہوا لہذا اس کی وفات سے صورتِ معاملات میں کوئی خاص فرق نہ پڑا۔

ایک تازہ پیچیدگی یہ پیدا ہوئی کہ آئندہ سال تیسری صلیبی لڑائی کی تجویزیں ہونے لگیں۔ ترکوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں الگ الگ تو مسیحی مجاہدین کا مقابلہ نہ کرسکتی تھیں لیکن اسی زمانے میں انھیں نورالدین اور اُس کے فرزند صلاح الدین کی بیدار مغزی نے ایک طاقتور سلطنت کی صورت میں متحد کرلیا، جو فرات سے نیل تک وسیع تھی اور اس قوت کے مقابلے کی بیت المقدس کے مسیحی تاب نہ لاسکے۔ طبریاس کے معرکے (جولائی ۱۱۸۷ء) میں انھیں شکست ہوئی اور بیت المقدس ہاتھ سے نکل گیا۔ اس خبر نے سارے یورپ میں سخت جوش و خروش پیدا کیا۔ پاپائے گریگوری (سابع) نے فی الفور تیسری صلیبی جنگ کا اعلان کیا اور ۱۱۸۹ء میں شہنشاہ فریڈرک باربروسہ مشرق کی طرف روانہ ہوگیا۔ ہینری کے واسطے بیت المقدس کا ہاتھ سے نکلنا، خاص طور پر صدمہ و اندوہ کا موجب تھا کیونکہ جب اُس کی ماں ملکہ ماٹلڈا کی اس کے باپ جیفری سے شادی ہوئی تو فلک

امیر آنژو (یعنی ہنری کا دادا) فلسطین چلا گیا اور وہیں بالڈون اول کی بیٹی سے جو مملکت بیت المقدس کی ولیۂ عہد تھی، شادی کر لی تھی۔ اس طرح انگلستان و فلسطین دونوں ملکوں میں آنژوی خاندان کی حکومت تھی اگرچہ ۱۱۸۶ء میں بیت المقدس کے آنژوی امیر فوت ہوا تو اولاد نرینہ نہ ہونے کے باعث وہاں کی حکومت اس خاندان میں باقی نہ رہی۔ کیونکہ ان کی تنہا وارث ایک لڑکی سبیل ہوئی جس نے اپنے نفس اور تخت دونوں کو ایک منچلے نوجوان گائی (باشندۂ لوسینیاں) کے حوالے کر دیا تھا۔ صلاح الدین رح کی فاتحانہ پیش قدمی کے وقت اسی گائی نے آخری مقابلہ کیا اور شکست کھائی۔ بہرحال ان وجوہ سے بیت المقدس کی فتح ہنری کی نظر میں ایک خاندانی مصیبت کے مرادف تھی اور اعلان جنگ کے ساتھ ہی اس کے دل میں پہلے تو خود شرکت کرنے کی امنگ اٹھی اور اس نے روپے کی فراہمی کی غرض سے حکم دے دیا کہ انگلستان کے ہر باشندے کی متاع کا دسواں حصہ وصول کیا جائے۔ آئینی اعتبار سے یہ محصول، جسے عشر صلاح الدین موسوم کرتے تھے، ایک اہمیت رکھتا ہے کہ اب تک تو سارے محاصل زمینوں پر لیے جاتے تھے مگر یہ محصول ہر شخص کے مال منقولہ پر عائد کیا گیا۔ ہنری کا بہت پہلے یعنی ۱۱۸۵ء ہی میں قصد تھا کہ فلسطین میں جو خاندان آنژو کی ذریات ایڑیاں رگڑ رہی تھی، اس کی مدد کو پہنچے مگر ایک مجلس کبیر میں اس سے التجا کی گئی کہ اپنی رعایا کو چھوڑ کر نہ جائیے اور یہ ارادہ ترک کر دیا گیا۔ اب دوبارہ وہ فکر میں تھا کہ اسے ضرور جانا چاہیے لیکن اس موقع پر بھی بہت سی مشکلات سد راہ ہو گئیں۔

ہنری کی وفات

اصل یہ ہے کہ فلپ (شاہ فرانس) اور رچرڈ دوبارہ متحد ہو کر کوشش کر رہے تھے کہ ہنری کو فلپ کی بہن اڈیلا کے ساتھ رچرڈ کی شادی کر دینے پر مجبور کریں۔ اڈیلا لڑکپن سے رچرڈ کی منسوبہ تھی اور ہنری ہی کے زیر عاطفت تعلیم و تربیت پا کر جوان ہوئی۔ اسی لیے ہنری مذکورہ بالا انتہا پسندانہ تجویز کی بابت اس کی کوئی خاص مزاحمت نہ کر سکا اور آخری ضرب اس پر یہ لگی کہ اس کے آنژوی مقبوضات پر یکایک فلپ اور دوسری طرف سے رچرڈ چڑھ دوڑے۔ ہنری بیمار تھا اور انگریز سپاہی موجود نہ تھے۔ اجیر سپاہی تنخواہ نہ ملنے کی وجہ سے ساتھ چھوڑ کر چل دیے تھے

اور اس حال میں جیفری اور ولیم مارشل کے سوا اس کے پرانے رفیقوں میں سے بھی کوئی نہ تھا جو رفاقت کا حق ادا کرتا۔ یہ جیفری ہینری کا نا جائز بیٹا تھا اور مارشل پہلے نوجوان ہینری کا وفادار دوست تھا۔ اس شہزادے کی وفات کی بعد زمانہ زوال و انحطاط میں اس کے باپ کے دامن دولت سے وابستہ ہوگیا۔ القصہ ہینری کے ہاتھ پاؤں مارنے کے باوجود تور اور بومانس دونوں قلعے نکل گئے اور مایوسی میں یہ بیمار و مضمحل بادشاہ مجبور ہوا کہ بالکل بھکاری کی طرح ایک مقررہ مقام پر ملاقات کے لئے جائے، فلپ و رچرڈ کے جملہ مطالبات بلا کم و کاست تسلیم کرے اور ایک ذلت آمیز معاہدے پر دستخط ثبت کر دے۔ ان شرطوں میں ایک یہ بھی تھی کہ ہر شخص جس نے رچرڈ کا ساتھ دیا ہے، بادشاہ کی بجائے آئندہ رچرڈ سے وابستہ تسلیم کیا جائے گا اور ان اشخاص کی فہرست میں سب سے اوپر خود ہینری کے چاہیتے بیٹے جان کا نام تھا۔ اسے دیکھکر ہینری کی آنکھوں میں دُنیا تاریک ہوگئی، اس نے بخار کو بڑھنے دیا اور تیسرے دن مرگیا۔

مشہور سنین

ٹامس بکٹ، کینٹربری کا صدر اسقف مقرر ہوتا ہے	۱۱۶۲ء
مجلس اور آئین کلیرنڈن	۱۱۶۴ء - ۱۱۶۶ء
بکٹ کا قتل	۱۱۷۰ء
آئرلینڈ پر نارمن فوج کشی	۱۱۶۹ء - ۱۱۷۲ء
جاگیرداروں کی بڑی بغاوت اور عہد نامہ فالیز	۱۱۷۴ء
آئین فوج	۱۱۸۱ء

باب دوم

رچرڈ اول: ۱۱۸۹ء تا ۱۱۹۹ء

ولادت: ۱۱۵۷ء۔ ازدواج برن گاریا کے ساتھ ۱۱۹۱ء

معاصرین: اسکاٹ لینڈ.................ولیم الاسد

فرانس.................فلپ اوگسٹس

شہنشاہ........فریڈرک (اول) وہنری (سادس)

پاپا.............انوسینٹ (ثالث)

باپ کے مرتے ہی رچرڈ کو سب نے بادشاہ تسلیم کر لیا۔ ان میں ہنری کے ایسے جاں نثار بھی شامل تھے جیسے ولیم مارشل جو چند ہی روز پہلے رچرڈ سے دست بدست لڑ چکا تھا۔ رچرڈ نے اپنی ماں ایلینر کو بلا تاخیر انگلستان روانہ کیا اور خود فلپ اوگسٹس سے عہد و پیمان کرنے کی غرض سے ٹھہر گیا۔ کیونکہ ہنری کی موت نے شریک کار دوست کی بجائے اب اسے ایک حاسد رقیب بنا دیا تھا۔ یہ قضیہ طے ہو گیا تو رچرڈ نے رود بار انگلستان کو عبور کیا اور غیر معمولی تزک و احتشام کے ساتھ ویسٹ منسٹر میں اس کی تاج پوشی کی رسم ادا ہوئی۔

اوصاف و خصائل | رچرڈ کی فطرت اپنے اسلاف سے جداگانہ قسم کی تھی۔ بڑا ڈیل ڈول لمبے لمبے

باب دوم

ہاتھ پاؤں اور دیوزادوں کی سی قوت، لوگوں کو اس کے جد امجد ولیم فاتح کی یاد دلاتی تھی اور اسی کی جنگی قابلیت اور خود رائی بھی رچرڈ کو ورثے میں ملی تھی "تازہ رنگ اور سنہری بال اس کے شمالی نسل سے ہونے کی شہادت دیتے تھے اور مشرق جاکے بحری معاملات میں اس نے جو فطری مہارت دکھائی، وہ صاف بتاتی تھی کہ اپنے وائی کنگ اجداد کے خصائل بھی اسے ورثے میں عطا ہوئے ہیں۔ اکوی ٹین میں جس قوت کے ساتھ اس نے آئین و قوانین کی پابندی کرائی، اس سے ظاہر ہوگیا کہ وہ اسٹیفن جیسا کمزور حکمراں نہیں ہے۔ لیکن ان اوصاف کے باوجود، آنزوی خاندان کا سلیقہ داد و ستد اور سیاست کے نازک مسائل میں عقدہ کشائی کی فراست اسے عطا نہ ہوئی تھی۔ قیام امن اور لشکر کی سپہ سالاری کی قابلیت، یا ذاتی شان و وجاہت کے علاوہ، اس میں بہت کم وہ اوصاف پائے جاتے تھے، جن سے انگلستان کے تاجدار کا متصف ہونا ضروری تھا۔ غنیمت یہ ہے کہ خود رچرڈ اپنی ان کوتاہیوں سے آگاہ تھا اور اس میں اتنی عقل تھی کہ پورے عہد حکومت میں ملکی معاملات ماتحتوں کے تفویض رکھے اور ماتحت بھی عموماً ایسے چنے جو اس کے معاملہ فہم باپ کے طور طریق سے واقف اور تربیت یافتہ تھے۔

۱۱۸۷ء ہی میں رچرڈ صلیب اٹھا چکا تھا اور جلد سے جلد صلیبی جنگ میں شریک ہونا چاہتا تھا۔ لہذا اوائل عہد میں وہ روپے کی فراہمی اور اپنی عدم موجودگی میں عمدہ نظم و نسق کے ضروری انتظامات میں مصروف رہا۔ مدت سے دستور چلا آتا تھا کہ سرکاری عمال رخصت پر جاتے تو اپنی جگہ کام کرنے والے کی تنخواہ ادا کرتے اور اپنے فرائض سے سبکدوشی کی اجازت حاصل کرتے۔ رچرڈ نے اس رواج سے فائدہ اٹھایا اور بہت سے دیوانی اور کلیسائی عہدوں کو نئے عمال سے پُر کیا۔ جن لوگوں نے نذرانے دئے ان کو خاص خاص حقوق اور معافیاں عطا کی گئیں۔ انھی نئے تقررات کے سلسلے میں رچرڈ فٹز نجل خزانچی (اور مصنف "مکالمات سکاکاریو") کو لندن کا اسقف، ولیم لانگ شان کو ایلی اور ہیوبرٹ والٹر کو سالسبری کا اسقف بنایا گیا رالف گلین ویل جنگ صلیبی پر جارہا تھا۔ اسے میرعدل کے عہدے سے دست بردار ہوتے وقت روپیہ ادا کرنا پڑا اور اس کی بجائے ڈرہم کا اسقف ہیو اور ولیم منڈویل مقرر ہوئے جنہوں نے عہدہ پانے کی نذر مشترکہ ادا کی۔ بہت سے شیرف بدلے گئے۔ قصبات کو فرامین خاص

باب دوم

عطا ہوئے۔ اور سب سے بڑھکر یہ کہ اسکاٹ لینڈ کے ساتھ فالیز[؟] جو معاہدہ ہوا تھا، اسے منسوخ کر دیا گیا۔ دس ہزار مارک کے عوض روکس برو اور بیرک کے قلعے شاہ اسکاٹ لینڈ کو واپس دے دیے گئے اور اسے اور اس کی اولاد کو اسکاٹ لینڈ خاص کے بادشاہ ہونے کی حیثیت سے حلفِ اطاعت لینے کے عہد سے آزاد کر دیا گیا۔

ان تدبیروں سے روپیہ وصول کر کے رچرڈ ملک کے نظم و نسق کی طرف متوجہ ہوا۔ اسے بڑی دشواری اپنے بھائی جان کی وجہ سے پیش آئی جس کی طبعی کیا دہی سے وہ خوب واقف تھا۔ بہترین صورت غالباً یہ ہوتی کہ بادشاہ اسے اپنے ہمراہ فلسطین لے جائے لیکن اسے یورپ ہی میں چھوڑنے کا فیصلہ کیا گیا اور حلفیہ شرط کر لی گئی کہ وہ تین سال تک انگلستان میں قدم نہ دھرے گا۔ شکر گزار بنانے کی غرض سے اس کے رہنے سہنے کا بڑی فیاضی سے انتظام کر دیا گیا یعنی مورٹین کے علاوہ قریب قریب ایک تہائی انگلستان اس کی جاگیر میں عطا ہوا جس میں مارل برو وغیرہ متعدد قلعے اور ڈاربی، کورن وال، ڈیون، سمرسٹ اور ڈورسٹ کے اضلاع اور ان کی پوری مالگزاری شامل تھی۔ ملک کے انتظام کی عام نگرانی رچرڈ نے اپنی ماں ایلینور کے سپرد کی جس کی اصابت رائے اور محل شناسی پر اسے اعتماد تھا لیکن نظم و نسق کا عملی کام، ولیم منڈویل کی ناگہانی وفات اور بعض تبدیلیوں کے بعد، جیشکار یا صدر اعظم ولیم لانشان کے تفویض ہوا اور یہ سب بندوبست کر کے بادشاہ بتاریخ ۱۱ر دسمبر ۱۱۹۰ء انگلستان سے روانہ ہو گیا۔

یہودیوں پر جور و تعدی

صلیبی جنگ کے جوش و خروش کے زمانے میں یہودیوں پر جور و تعدی کرنا بھی معمول ہو گیا تھا چنانچہ اس موقع پر بھی وہ ظلم و ستم سے محفوظ نہ رہے۔ انگلستان میں یہ لوگ بادشاہ کے خاص طور پر دست نگر سمجھے جاتے تھے اور وہ اُن سے جتنا چاہتا روپیہ وصول کر لیا کرتا تھا۔ ان کی دولت زیادہ تر سود کی ہوتی تھی اور چونکہ سود در سود کی شرعاً ممانعت تھی نیز قیام امن کی طرف سے اطمینان نہ تھا، لہذا یہ لوگ بہت بھاری شرح سود پر روپیہ قرض دیتے۔ اور اس زمانے کی دہقانی معاشرت میں زراعت پیشہ یا سوداگر اس بات کو نہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ وقت پر قرض مل جانا بھی ایک خاص قدر و قیمت رکھتا ہے۔ پس ان قرض دینے والوں سے سبھی کو بڑی نفرت تھی۔ بہت سے شہروں میں اُن کے محلے سب سے الگ

باب دوم

چار دیواری کے اندر سفر کیے جاتے اور رات کو ان کے پھاٹک پر قفل ڈال دیا جاتا۔ انھیں خاص قسم کا لباس پہننے پر مجبور کیا جاتا اور قرض دار تاک میں رہتے تھے کہ ذرا موقع ملے اور ان یہودیوں پر ہلہ بول دیا جائے۔ رچرڈ کی تخت نشینی کے روز اسی قسم کا ایک بلوہ خود ویسٹ منسٹر میں ہوا اور اسی خزاں اور سرما کے موسم میں بارک، اسٹیم فرڈ، نارج، سینٹ ایڈمنڈ اور دوسرے شہروں میں یہودیوں کے خلاف ہنگامے برپا ہوئے جن میں کشت و خون کی نوبت آئی۔ یارک میں ان بدنصیبوں کو پہلے تو بالا حصار میں جانے دیا اور پھر باقاعدہ اس کی ناکہ بندی کر لی کہ زندگی سے عاجز آکر انھوں نے عورتوں بچوں کو خود مار ڈالا اور قلعے میں آگ لگا کر اپنے آپ آگ میں کود کر ہلاک ہو گئے۔ مجموعی طور پر اس موقع پر پانچ سو آدمی تلف ہوئے اور پیشکار کا پہلا فرض ہو گیا کہ پہلے یہاں کے بلوائیوں کو سزا دے۔

ولیم لال شاں کئی سال تک رچرڈ کی پیشکاری انجام دے چکا تھا اور اپنے آقا کا سچا جان نثار تھا۔ اس کے پاؤں میں لنگ اور کم نسبی کے باعث وجاہت ظاہری سے محروم تھا۔ اس کی معاملہ فہمی، محنت کشی، تن دہی اور جدت طرازی مسلم تھی لیکن انگلستان اور انگریزوں سے واقف نہ تھا اور اس کے آداب و اخلاق میں مطلق دلکشی نہ تھی چنانچہ عہدے پر آنے کے تھوڑے ہی دن بعد سخت بدنام ہو گیا۔ اس واقعے نے جان کو فتنہ پردازی کا بہت اچھا موقع بہم پہنچا دیا۔ اسے رچرڈ نے ایلینر کی مخالفت کے باوجود، انگلستان آنے جانے کی بھی اجازت دے دی تھی چنانچہ ۱۱۹۱ء میں ایلینر کو انگلستان سے آنا پڑا، تو جان نے اپنے انگریزی اضلاع میں پورے بادشاہی خدم و حشم کے ساتھ اس طرح حکومت شروع کی گویا رچرڈ ہمیشہ کے لئے ملک سے جا چکا ہے۔ اس روش نے ڈرہم کے اسقف ہیو اور دوسرے سرکشوں کو بھی سرکشی کی ترغیب دی اور چونکہ ولیم لال شاں کے ذاتی دوست کم اور دشمن بہت تھے لہذا بہت جلد سارے ملک میں بغاوت و نافرمانی کی چنگاریاں سلگنے لگیں۔ رچرڈ راستے ہی میں تھا جب یہ خبریں ملیں اور اس نے روآن کے مرنجان مرنج صدر اسقف اور ہنری ثانی کے پرانے عہدہ دار والٹر (باشندہ کوتانس) کو انگلستان بھیجا کہ جو کچھ ہو سکے، اصلاح کی تدبیر کرے۔ وہ اپریل ۱۱۹۱ء میں انگلستان آیا اور اس وقت ملک میں بظاہر کوئی

ولیم لال شاں

فتنہ و فساد نہ تھا۔ لیکن تھوڑے ہی دن میں **لال شاں** کی **جیفری** کے ساتھ بدسلوکی نے ایک تازہ ہنگامہ برپا کر دیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ **جیفری** جو **ہنری ثانی** کا ناجائز بیٹا تھا، رچرڈ کی سرپرستی سے یارک کا صدر اسقف مقرر ہو گیا تھا۔ جان کی طرح اس سے بھی قسم لی گئی تھی کہ انگلستان کے باہر رہے گا مگر بعد میں جان ہی کی طرح اس شرط سے بری کر دیا گیا تھا اور اسی بنا پر وہ اگست سنہ ۱۱۹۱ء میں انگلستان آیا۔ **لال شاں** نے ممانعت سے معافی مل جانے کا قصہ باور نہ کیا اور ڈوور کے ایک گرجا میں **جیفری** کو گرفتار کر لیا۔ پھر اس صدر اسقف کو ہاتھ، پاؤں کے بل گھسیٹتے ہوئے قلعے میں لے گئے۔ وہ اپنی صلیب سے لپٹا اور ایذا دینے والوں پر کفر کے فتوے صادر کرتا رہا۔ اس واقعے نے بکٹ کے جھگڑوں کی یاد تازہ کر دی اور جان تو فوراً ہی **جیفری** کی حمایت پر کمربستہ ہو گیا تب والٹر (کوتانسی) نے شاہی احکام سے کام لیا اور انتظامات کی باگ اپنے ہاتھ میں لی۔ **ولیم لال شاں** انگلستان سے چلا گیا اور اس تغیر کو سب نے بخوشی تسلیم کر لیا۔

رچرڈ کا سفر اور معرکہ آرائیاں

اس عرصے میں رچرڈ کی مشرقی معرکہ آرائیوں نے اُسے تمام یورپ میں مشہور کر دیا تھا۔ وہ سنہ ۱۱۹۰ء کی گرمیوں میں شاہ فرانس سے **وزمی لا** میں پر ملا، پھر اُسے تو خشکی کے راستے جانے دیا اور خود مارسیلز سے جہاز میں بیٹھ کر صقلیہ میں ٹین کریڈ کا مہمان ہوا جو صقلیہ کا لے تاج بادشاہ اور نسلاً نارمن تھا۔ یہاں آئندہ مارچ تک اس کا قیام رہا اور یہیں اس کی ماں چار روز کے لئے ملنے آئی اور نوار کی رئیس زادی برن گاریا کو ساتھ لائی جس سے رچرڈ کی اسی وقت نسبت ہو گئی اور پھر وہ جہاز میں قبرس آیا اور وہاں کے حاکم آئی زک کومنی نس سے حکومت چھین لی کیونکہ اس نے چند انگریز ملاحوں کو جو شکستہ جہاز پر بہتے ہوئے اس جزیرے میں آگئے تھے، مروا ڈالا تھا۔ اسی جزیرے میں اس نے برن گاریا سے شادی کی اور پھر جون سنہ ۱۱۹۱ء میں عکہ پہنچ گیا۔

عکے کا مضبوط قلعہ ایک پہاڑی راس پر واقع ہے جو خلیج عکہ کے شمال میں نکل آئی ہے اور جنوبی پہلو پر کوہ کارمل ہے۔ یہ قلعہ ترکوں کے پاس تھا اور اگست سنہ ۱۱۸۹ء سے نصاریٰ نے **گائی (لوسینیانی)** کی قیادت میں اس کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ مگر محاصرین کچھ نہ بنا سکے اور سنہ ۱۱۹۰ء میں **فریڈرک باربروسہ** ان کی مدد کے لئے روانہ ہوا تھا مگر

باب دوم

اسی سال کی جولائی میں ایشائے کوچک کی ایک ندی میں ڈوب کر طعمۂ اجل ہوا اور اس کی جرمن فوج کا صرف ایک حصہ شام تک پہنچ سکا۔ **فلپ اگسٹس** اپریل ۱۱۹۱ء میں عکے آگیا لیکن رچرڈ، گائی اور فلپ باہم مل کر مستعدی سے کام نہ کر سکے۔ لشکر گاہ کی ترتیب بے ڈھنگی تھی پانی کے بہ کر نکلنے کا کوئی انتظام نہ تھا نتیجہ یہ ہوا کہ بیماری پھوٹ پڑی اور کینٹربری کا صدر اسقف **بالڈون** اور **رانولف گرین ویل** تو رچرڈ کے آنے سے قبل ہی راہی ملک عدم ہوئے۔ ادھر صلاح الدین عکے کو محاصرے سے آزاد کرنے کے لئے ایک بڑی فوج لے آیا اور بری رخ نصاریٰ کو چاروں طرف سے اس نے ایسا گھیرا کہ یہ کہنا مشکل تھا کہ محاصرہ کون ہے اور محصور کون ہے؟

ان یاس انگیز حالات میں رچرڈ کے عکہ پہنچنے سے محاصرین کی ہمت تازہ ہو گئی کیونکہ اس کی جنگی قابلیت مسلم تھی۔ اب جنگی کلوں کے استعمال میں زیادہ ہوشیاری اور زیادہ مستعدی سے کام لیا جانے لگا۔ لڑائی میں رچرڈ کمان لئے سب سے اگلی صفوں میں جنگ کرتا اور چند روز کی سخت علالت کے باوجود، آخر ایک مہینے میں شہر پناہ میں روزن پڑ گیا اور شہر پر یورش کر کے قبضہ کر لیا گیا۔ اس موقع پر سخت کشت و خون ہوا[1]۔ اور یہ فتح بہت مہنگی پڑی کہتے ہیں ایک ہی قبرستان میں سال بھر کے اندر ایک لاکھ چوبیس ہزار مجاہدین صلیبی کی لاشیں دفن ہوئیں اور قیاس کیا جاتا ہے کہ بیماری اور مسلمانوں کی تلوار نے قلعہ گیروں کے تین لاکھ نفوس کا خاتمہ کر دیا۔

بیت المقدس پر فوج کشی اور رچرڈ کی واپسی

بہر حال، تسخیر عکہ کے بعد صلیبی مجاہدین کا دوسرا مطمح نظر **بیت المقدس** تھا مگر صلیبیوں کے اس بے جوڑ لاؤ لشکر کو متحد رکھنا، رچرڈ کے دست تدبیر سے باہر تھا اور خود عکے میں اس کی کامیابی نے اسے ہمچشموں میں محسود بنا دیا تھا صلیبیوں میں باہمی نزاع کا بڑا سبب یہ پیدا ہوا کہ **بیت المقدس** کی حکومت کس کو دی جائے۔ **سبیل** لاولد مر گئی اور اب رچرڈ اس کے

[1] مجاہدین نصاریٰ نے اس موقع پر بوڑھے بچے کسی کو زندہ نہ چھوڑا تھا اور اسی وحشیانہ حرکت پر **صلاح الدین** نے قسم کھائی تھی کہ جب تک ایک ایک مسلمان کے بدلے میں ستر ستر نصاریٰ کو قتل نہ کر لوں گا، چین نہ لوں گا۔

شوہر گائی کا حامی تھا مگر فلپ کے نزدیک کانراڈ، امیر صور کے حقوق مرجح تھے۔ بارے اگست ۱۱۹۱ء میں فلپ علالت کے عذر پر وطن چلا گیا اور اب سارے لشکر کی قیادت رچرڈ کے ہاتھ میں آگئی۔ اس کی رہنمائی میں مسلمانوں کی ایک بڑی فوج کو ارسوف میں شکست دے کر پسپا کر دیا گیا اور اسی معرکے میں پیادوں اور خصوصاً خدنگ افگنوں کی استقامت کا کرشمہ یورپ کے شہسواروں کو نظر آیا۔ لیکن رچرڈ کی یہ سب جاں فشانیاں فضول تھیں۔ وہ دو بار اپنی فوج کو بیت المقدس سے بارہ میل کے فاصلے تک لے کر بڑھا مگر دونوں مرتبہ خود ہٹ جانے پر مجبور ہوا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ بیت المقدس کا ایسی حالت میں محاصرہ کرنا جب کہ صلاح الدینؒ کی فوج صحیح سالم میدان میں موجود ہے، محض حماقت ہوگا۔ آخر اسے نظر آگیا کہ جو ساز و سامان میسر ہے، اس سے یہ مہم سر ہونے کی کوئی امید نہیں اور ادھر جان کی انگلستان میں کارروائیاں سن کر وہ چوکنا ہوا اور سمجھا کہ زیادہ عرصے تک وطن سے غیر حاضر رہنا مناسب نہیں۔ پس ستمبر ۱۱۹۲ء میں اس نے صلاح الدینؒ سے صلح کر لی جس کی رو سے یافہ اور اس کا علاقہ نیز بیت المقدس میں زیارت اور تجارت کی پوری آزادی نصاریٰ کو مل گئی۔ فلسطین سے رخصت ہوتے وقت جزیرۂ قبرص کو رچرڈ نے گائی (لوسینیانی) کے حوالے کر دیا پھر انگریز صلیبیوں کو واپس لانے کا کام ہیوبرٹ والٹر کے سپرد کر کے، ۹ اکتوبر ۱۱۹۲ء میں جہاز سے مارسیلز روانہ ہو گیا۔ سوئے اتفاق سے طوفان سے اس کا بیڑا منتشر ہو گیا اور مارسیلز تک ابھی تین دن کی راہ باقی تھی کہ رچرڈ کو اطلاع ملی کہ ریموں (رئیس تولوز) اس کے جہاز سے اترتے ہی گرفتار کر لینے کی فکر میں ہے۔ اب اس نے آبنائے جبل الطارق سے گزرنے کا ارادہ کیا لیکن باد مخالف نے ادھر لے جانے کی بجائے الٹا کارفو پہنچا دیا اور اسے دوبارہ ایک قزاقی کشتی میں روانہ ہونا پڑا۔ لیکن اب کے بھی کشتی ٹوٹی اور وہ بہتا ہوا رگوسا پہنچ گیا اور سوائے اس کے کہ بھیس بدل کر جرمانیہ کے علاقے سے گزرے، اور کوئی راہ نہ رہی۔ راستے میں غلطی سے وہ وہیں آتا آیا جہاں

گرفتاری رہائی اور انگلستان پہنچنا

لیوپولڈ امیر آسٹریہ رہتا تھا اور اسے رچرڈ سے ذاتی پرخاش تھی۔ ادھر اس عرصے میں اس کے آنے کا حال کھل گیا اور لیوپولڈ کے قاصدوں نے اسے پہچان کر قید کر لیا۔ امیر آسٹریہ اس خوش نصیبی پر پھولا نہ سمایا اور اپنی کامیابی کی خبر فلپ اگسٹس کو بھیجی جس نے اسے جان تک آگے بڑھا دیا

باب دوم

جان نے فوراً مشہور کیا کہ رچرڈ مر گیا اور انگلستان کے جملہ قلعوں کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا۔ اسی کے ساتھ فرانسیسی مقبوضات کا وارث بن کر فلپ کی سیادت تسلیم کر لی۔ مگر الینر نے اس افواہ کو باور نہیں کیا جیفری (صدر اسقف یارک) اور ہیو (اسقف ڈرہم) بھی اس کے ہم آہنگ رہے۔ تھوڑے ہی دن میں رچرڈ کے زندانِ بلا میں گرفتاری کا حال بھی معلوم ہو گیا اور اس کے ساتھ خط کتابت ہونے لگی۔

سنہ ۱۱۹۳ء کے اوائل میں لیوپولڈ نے اپنے قیدی کو بمقام اسپیئر شہنشاہ ہینری (سادس) کے حوالے کر دیا۔ اسی کے راستے میں رچرڈ کی دو پادریوں سے ملاقات ہوئی جو انگلستان سے بھیجے گئے تھے اور فوراً اس کی رہائی کے لئے نامہ و پیام ہونے لگے۔ شہنشاہ نے بہت سخت شرطیں پیش کیں۔ یعنی ایک لاکھ انگریزی اشرفیاں نقد طلب کیں۔ آئی زک حاکم قبرس کی رہائی اور برٹنی ثانی کی امیرزادی الینر کی نسبت لیوپولڈ کے ایک بیٹے سے کر دینے کا مطالبہ کیا۔ فدیہ ادا کرنے کے لئے پادری اور عوام سب خوشی سے آمادہ ہو گئے لیکن اتنی بڑی رقم جمع کرنا کچھ سہل کام نہ تھا اور بہت کچھ سوچنے کے بعد ایک مجلس کبیر نے چار محصول عائد کئے:۔ (۱) فدیہ کی رقم کے لئے ہر سردار کی اُجرت پر ۲۰ شلنگ (۲) ہر شخص کی، خواہ کلیسائی ہو یا غیر کلیسائی، آمدنی اور مال منقول کا ۲۵ فی صدی۔ (۳) سسٹرشی اور گلبرٹی درویشوں کی مملوکہ اُون کا ۲۵ فی صدی۔ اور (۴) ایک ہائڈ (یا مربع) زمین پر ۲ شلنگ کا ایک "کیردکیٹ" جسے سو ایکڑ کے مساوی تسلیم کیا گیا تھا۔

جنوری سنہ ۱۱۹۴ء میں رچرڈ نے رہائی پائی اور فوراً انگلستان کا رُخ کیا۔ روانہ ہوتے وقت اس نے ہینری سے اقرار کیا کہ برگنڈی کی برائے نام بادشاہی کے دعوے سے شہنشاہ کی سیادت تسلیم کرے گا اور ادھر انگلستان پہنچ کر، وہ خاص طور پر تاج شاہی پہنے رہا اور بعض مراسم بھی اس طرح ادا کیں کہ گویا از سرِ نو تاج پوشی ہوئی ہے۔ مطلب یہ تھا کہ اس کی بادشاہی میں کسی کو شک ہو گیا ہو، تو رفع ہو جائے۔ انگلستان میں لنگر انداز ہونے کے وقت (۱۳ مارچ سنہ ۱۱۹۴ء) اس کے بھائی جان کے پاس صرف قلعہ ناٹنگھم باقی رہ گیا تھا اور اس کا بھی بادشاہی فوج نرغہ کر رہی تھی۔ اس فوج کشی اور قلعہ گیری میں رچرڈ نے شرکت کی اور پھر ۱۲ مئی تک انگلستان میں مقیم تھا کہ فرانس جانے کی فوری ضرورت پیش آئی اور اس مرتبہ وہ ایسا یورپ میں آیا کہ پھر انگلستان نہ جا سکا۔

ہیوبرٹ والٹر

اس مرتبہ کی عدم موجودگی میں ملک کا انتظام ۱۱۹۸ء تک بیسید عدل ہیوبرٹ والٹر کے تفویض رہا جواب کینٹربری کا صدر اسقف ہو گیا تھا اور پھر جیفری فٹز پیٹر نے یہ خدمت انجام دی۔ یہ دونوں ہنری ثانی کے قدیم عہدہ دار تھے اور ہر کام اُسی عہد کے طریقے کے مطابق کرتے رہے۔ اس دفعہ جان کی طرف سے بھی انھیں پریشانی اٹھانی نہ پڑی کیونکہ ایک بار تجربہ ہو جانے کے بعد اس مرتبہ رچرڈ نے بھائی کو کوئی اتالیق نہیں دی اور پہلے جو کچھ دیا تھا وہ حکام عدالت ضبط کر چکے تھے لہذا نقد روپے کے سوا جان کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا اور اس لئے بھی عقلمندی سے اپنی بھلائی اسی میں دیکھی کہ اپنے طاقتور بڑے بھائی سے عمدہ تعلقات قائم رکھے۔

اس زمانے میں حکام عدالت کو اپنی معمولی مصروفیت کے علاوہ بڑی فکر اس بات کی رہی کہ سرکاری محاصل وصول ہوں رچرڈ کی زندگی کے آخری سال فلپ آگسٹس کے ساتھ کشمکش میں گزرے جو شاہانِ فرانس کی عادت کے مطابق، اپنے باج گزاروں کے علاقے پر دست درازی کر رہا تھا۔ اس کا سد باب کرنے کی غرض سے رچرڈ نے اول تو ہمسایہ فلانڈرز کا ایک جتھا فلپ کے خلاف تیار کیا اور اسی غرض سے ۱۱۹۷ء میں بہ حیثیت شاہ برگنڈی اپنے اثر سے کام لے کر شہنشاہ ہنری دسادس، کا جانشین اپنے بھانجے اوٹو کو منتخب کرایا جو رچرڈ کی بہن ماٹلڈا اور سیکسنی کے امیر ہنری (الاسد) کا فرزند تھا۔ دوسرے نارمن سرحد کی حفاظت کے لئے اس نے دریائے سین پر (لیز آندلیس کے قریب) گائیلار کے نام سے ایک پرشکوہ قلعہ تعمیر کیا اُس عہد کے فن عمارت کا یہ لاجواب نمونہ خود رچرڈ کے نقشے پر بنا، اور دریا پر کامل زور رکھتا تھا، جس کے باعث رچرڈ کو یقین تھا کہ نارمنڈی پر فوج کشی کرنے والوں کو یہاں سے اتنی دیر تک ضرور روکا جا سکتا ہے کہ انگلستان سے فوج مدد کو پہنچ جائے۔

خود انگلستان میں، ہیوبرٹ والٹر کے عہد انتظام میں چند واقعات آئینی اعتبار سے قابل ذکر ہیں ورنہ نظم و نسق عام طور پر ہنری ثانی کے اصول ہی پر چلتا رہا۔ ۱۱۹۴ء میں اس نے حکام گشت کے فرائض کی صراحت کی۔ ان میں بہت سے کام کم و بیش مالگزاری کے محکمے سے متعلق تھے لیکن اس طویل فہرست کے ساتھ ہدایت کی گئی تھی کہ حکام عدالت دریافت حالات کے لئے چار حلفی گواہوں کی شہادت پر عمل کیا کریں۔ یہ چار مبارزہ پورے ضلع سے

باب دوم

منتخب ہوتے اور ہر ایک صدی پرگنے سے دو دو اشخاص کو خود نامزد کرتے اور وہ اپنے اپنے پرگنے سے دس دس آدمی اپنے ساتھ کام کے لئے چن لیتے۔ انھیں "قانونی اشخاص" کہا جاتا تھا۔ یہ عمل نہ صرف انتخاب جوری بلکہ عام سیاسی انتخابات کے سلسلے میں بھی اہمیت رکھتا ہے۔ اسی طریق کے مطابق گواہوں کی مدد سے سنہ ۱۱۹۸ء میں از سر نو زمین کی پیمائش ہوئی کہ نئی قسم کا مالیہ جو سو سو ایکڑ کے قطعات پر عائد ہوا تھا، تشخیص کرنے میں آسانی ہو۔ اس پیمائش نے کتاب ہنڈولسٹ کی قدیم پیمائشوں کو منسوخ کر دیا۔ پھر ہر پرگنے کے ان ہی منتخب اشخاص نے ہر زمین کی مالگزاری مقرر کرنے میں بھی سرکاری احکام کو مدد دی اور اس اصول کے مطابق کہ مالیہ خود لوگوں کے نائبوں کے مشورے سے لیا جانا چاہیے گویا ترقی کا ایک قدم آگے بڑھا۔

نمائشیں اور مراعات شاہی

وصول زر کی اور وقتی تدبیریں بھی اختیار کی گئی تھیں اور ان کا تمدن پر بہت کچھ اثر پڑا۔ مثلاً، کرتبوں کی نمائشیں انگلستان میں پہلے پسندیدہ نظر سے نہ دیکھی جاتی تھیں۔ اب رچرڈ کے حکم سے ان کے اجازت نامے دئے جانے لگے لیکن ہر مبارز (نائٹ) جو ان میں شریک ہوتا اسے اپنے مرتبے کے لحاظ سے کچھ رقم ادا کرنی پڑتی تھی۔ شہریوں کی ترقی میں شاہی مراعات نے بڑا کام کیا اور ان کی تاریخ میں رچرڈ کے فرامین بھی گویا ایک مستقل عنوان چاہتے ہیں۔ ممالک یورپ سے لین دین کا بڑھنا، اور ہنری ثانی کے عہد میں اندرونی امن و امان، دونوں شہروں کی رونق افزائی کا باعث ہوئے تھے اور انگلستان کے تجارت پیشہ طبقے نے اسٹیفن کے زمانے کے نقصانات کی بہ سرعت تلافی کر لی تھی۔ پس اب ہم دیکھتے ہیں کہ جس طرح ہنری اول کے وقت میں شہری مراعات حاصل کی جاتی تھیں، وہی آرزوئیں دوبارہ تازہ ہو رہی ہیں۔ اہل لندن سو مارک ادا کر کے اپنے شیرف خود منتخب کرنے کا حق حاصل کرتے ہیں، کیمبرج والے تین سو مارک (نقرئی) اور ایک اشرفی نذر دے کر شہر کا مالیہ مقرر کراتے ہیں اور سرکاری عمال کی مداخلت کی زحمت سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ شروزبری والوں نے بھی یہی کیا۔ آکسفرڈ کے جلاہوں نے دو مارک دے کر اپنی انجمن علیحدہ مرتب کی، ٹامس (بیارکی) دوڑ کا کتا نذر دے کر سوداگروں کی انجمن کا چودھری مقرر ہو گیا۔ سرکاری کھتونی میں ایسی بہت سی رقوم درج ہیں اور ان کے علاوہ متعدد اسناد اور منشوروں کا پتہ چلتا ہے، جو ایک شہر کو دوسرے ہمسایہ شہر کے مطابق دئے گئے جیسے بیڈفرڈ والوں نے آکسفرڈ کے منشور کی نقل حاصل کی۔ پرسٹن کے باشندوں نے نیو کاسل

کی۔ وقِس علیٰ ہٰذا عجیب تر یہ کہ لال نشان اور جان میں جب تکرار ہوئی تو لندن کے باشندوں نے نذرانہ دے کر ایک شہری مجلس یا بلدیہ (کمیونا) قائم کر لی جو ظاہرا ممالک یورپ کے نمونے کے مطابق تھی۔ اور اس کے صدر عامل کو لارڈ میئر (امیر بلدیہ) کا خطاب دیا ہر محلے سے ایک ایک چودھری یا میر محلہ (آلڈرمین) منتخب ہوا اور امیر بلدہ اور یہی بارہ میر محلہ مل کر شہر کا انتظام کرنے لگے۔ مگر یہ نئے عامل، تاجروں کے طبقے کے آدمی تھے اور انھوں نے جو تشخیص محاصل کی، اس کی نسبت خیال کیا جاتا تھا کہ غریب شہریوں کے حق میں منصفانہ نہیں ہے۔ چنانچہ ان کی وکالت کا زمیندار طبقے کے ایک شخص ولیم فٹز اوس برٹ نے بیڑا اٹھایا۔ وہ صلیبی جنگ میں شریک ہوا تھا بڑی سی ڈاڑھی رکھنے کے باعث لوگ اسے سنکی جانتے تھے لیکن شورش پیدا کرنے میں اسے فطری کمال حاصل تھا اور معلوم ہوتا ہے تقریر بھی خوب کرتا تھا۔ غرض چند ہی روز میں وہ ہنگامہ برپا ہوا کہ ہیوبرٹ والٹر کو مداخلت کرنی پڑی۔ اس میں اُس نے بہت بے عقلی اور سختی سے کام لیا یعنی ولیم کسی گرجا میں جا چھپا تو والٹر نے حکم دیا کہ اسے آگ لگا دی جائے۔ اور ولیم نکل کے بھاگا تو اسے پکڑ کر ننگا کرا دیا اور گھوڑے کی دُم سے بندھوا کر شہر میں گھسٹوایا اور آٹھ ساتھیوں کے ساتھ سولی پر لٹکوا دیا۔

ولیم کا قضیہ، اس بات کی مثال ہے کہ اُن دنوں ایسے شہروں میں جن کا انتظام خود اہل شہر کے ہاتھ میں تھا جماعت عاملہ اور عام باشندوں کے درمیان کیسی کچھ منافرت تھی۔ جماعت عاملہ سوداگروں پر مشتمل تھی اور عوام میں زیادہ تر چھوٹے درجے کے پیشہ ور یعنی جلاہے نیز گر وغیرہ داخل تھے جو اپنی اپنی الگ منڈلیاں بنا لیتے اور ان کی سوداگروں سے ان بن، عہد وسطیٰ کی شہری سیاسیات کا خاص عنوان بن گئی تھی۔ ہیوبرٹ والٹر کی کارروائی اس وقت تو چل گئی لیکن بعد میں لوگ ایسے ناراض ہوئے کہ اسے عہدے سے استعفیٰ دینا پڑا اور دوبارہ صرف رچرڈ کے کہنے سننے سے اس نے خدمت قبول کی۔

ہیو (اسقف اوے لون)

۱۱۹۸ء میں ایک تازہ فساد پیدا ہوا جس میں رچرڈ اور اس کے پیشکار دونوں کو زک اٹھانی پڑی۔ رچرڈ کو معلوم ہوا کہ فلپ کے پے درپے حملے روکنے کے لئے صرف روپیہ کافی نہیں بلکہ آدمیوں کی بھی ضرورت ہو گی چنانچہ اس نے تین سو مبارز طلب کئے جن کی تنخواہ انگریز باج گزاروں کے ذمہ عائد کی۔ ہیوبرٹ والٹر نے مجلس کبیر کے ایک جلسے میں یہ تجویز پیش کی کہ بادشاہ کی استدعا کے مطابق

عمل کیا جائے تو اس وقت کلیسائے انگلستان کے سب سے محترم اور صاحب زہد و ورع اسقف ہیو (ادے نونی) نے تامل کیا اور یہ کہہ کر کہ انگلستان کے شاہی پٹہ داروں پر جنگی خدمت کی انجام دہی صرف انگلستان میں فرض ہے، تجویز قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ سالسبری کے اسقف نے ہیو کی تائید کی اور ہر چند یہ اعتراض، بیرونی جنگ کے لئے شخصی خدمت کے ساتھ زر بدل پر بھی وارد ہوتا تھا، مگر اس وقت تو بادشاہی تجویز سے دست بردار ہی ہونا پڑا اور اجرائے محصول کی یہ کامیاب مخالفت، مزید آئینی ترقی کی دلیل ہے

اس ناکامی کے بعد ہیوبرٹ والٹر کا اور بھی اعتبار کم ہو گیا اور اسے انتظامات کی باگ جیفری فٹز پیٹر کے حوالے کرنی پڑی جو اسی کی طرح ہنری ثانی کے حلقے کا تربیت یافتہ عہدہ دار تھا۔ لیکن اس ایالت کا، رچرڈ کی بالکل غیر متوقع موت نے یک بہ یک خاتمہ کر دیا۔ سنہ ۱۱۹۹ء کے موسم بہار میں ایسا اندازہ ہوتا تھا کہ وہ فلپ کی پیدا کردہ ساری دشواریوں کو حل کر لے گا کہ ایک طرف تو شاہ فرانس کے خلاف اس کا مجوزہ جتھا مرتب ہو گیا اور دوسری طرف قلعہ گائیار یا سوسی کاسل تیار ہو کر گویا ٹوک رہا تھا کہ جس فرانسیسی فوج کی ہمت ہو دریائے سین کے راستے آگے بڑھے۔ اتنے میں رچرڈ کو اطلاع ملی کہ لیموسین کے علاقے کی کسی جاگیر میں دفینہ نکلا ہے۔ افواہوں نے اس کی مقدار و قیمت کو کہیں سے کہیں بڑھا چڑھا دیا اور چونکہ رچرڈ کو روپے کی بڑی ضرورت تھی لہذا اس نے امیر اکوی ٹین کی حیثیت سے اس پورے مال کی ملکیت کا دعویٰ کیا۔ مگر آشار جس کی جاگیر واقعہ شالو میں دفینہ نکلا تھا، اور لیموسین کے رئیس دونوں نے اس دعوے کی تکذیب کی۔ رچرڈ فوج لے کر چلا جاگیردار کا قلعہ بہت معمولی اور اس کی مدافعت کرنے والے صرف سات مبارز اور آٹھ ملازم تھے لیکن انھی میں سے ایک شخص دن بھر موقع کی تاک میں رہا اور حملہ آوروں کے بزدلوں کو ایک کڑھائی پر روکتا رہا تھا، آخر اسے موقع مل گیا اور اس نے خاص بادشاہ کی گردن میں تیر ترازو کر دیا۔ بڑی جراحی اور خود رچرڈ کی بے صبری نے زخم کو مہلک بنا دیا اور چند ہی روز میں اس نے وفات پائی۔

رچرڈ کے عہد کی اہمیت

رچرڈ شیر دل کی شخصیت نے مستقل ناموری حاصل کر لی ہے۔ انگلستان کے انتظامی معاملات میں اس نے کم اور ایسا حصہ لیا جو چنداں ذکر کے قابل نہیں۔ لیکن ان دس سال میں ہنری ثانی کا نظام حکومت

قائم رہنے سے ملک کو بے اندازہ فائدہ حاصل ہوا اور اس کے اثرات آئندہ عہد کی فرقہ بندیوں کے وقت بخوبی آشکار ہو گئے۔ خود رچرڈ کی سیرت قابل احترام تو نہ تھی مگر بے تکلف دوستوں کو اپنا گرویدہ بنا لینے کی قوت اور دلکشی وہ ضرور رکھتا تھا۔ خانگی زندگی میں وہ ایک ذہین و ظریف آدمی تھا۔ ایک مرتبہ اس کے آدمیوں نے کسی اُسقف کو جنگ میں گرفتار کیا، تو پاپائے روما نے "اپنا بیٹا" کہہ کر اس کا مطالبہ کیا۔ رچرڈ نے جواب میں اُسقف کی زرہ بھیجدی اور دریافت کیا کہ پہلے "یہ پہچانئے کہ یہ آپ کے بیٹے کی زرہ ہے یا نہیں؟" وہ فیاضانہ جذبات اور دوستوں کے ساتھ وفاداری کے میلان سے عاری نہ تھا لیکن عالی حوصلگی اور شرافت کی اس میں کمی تھی اور فن ملک داری کے اعلیٰ اوصاف و اخلاق موجود نہ تھے۔ اس کی بہادری میں کوئی شبہ نہیں مگر جنگ میں بھی قساوت قلبی، خود غرضی اور شیخیت کے باعث وہ کبھی کامل عزت و احترام کا مستحق ثابت نہیں ہوا۔

مشہور سنین

محاصرہ عکہ	سنہ ۱۱۹۱ء
رچرڈ کی گرفتاری	سنہ ۹۴-۱۱۹۲ء
قلعۂ گائیار کی تعمیر	سنہ ۱۱۹۷ء

باب سوم

جان: سنہ ۱۱۹۹ء تا سنہ ۱۲۱۶ء

ولادت: سنہ ۱۱۶۷ء۔ ازدواج: اول دگلوسسٹر کی ہیڈویسا یا اویس، سنہ ۱۱۸۹ء میں (مطلقہ)
ثانیاً ڈا انگولم کی ازابلا سے، سنہ ۱۲۰۰ء میں۔

معاصرین: ولیم (الاسد) و الکزنڈر ثانی، شاہ .... اسکاٹ لینڈ
فلپ اگسٹس........ شاہ .... فرانس
اوٹو (رابع).............. شہنشاہ۔
انوسینٹ (ثالث)............... پاپائے رومہ۔

ابتدائی عہد حکومت میں رچرڈ اپنا ولی عہد جیفری کے بیٹے آرتھر کو سمجھتا تھا لیکن اہل برٹانی نے آرتھر کو فلپ کے پاس بھیجدیا اور وہ فرانسیسی دربار میں فلپ کے بیٹے کے ساتھ تعلیم پانے لگا، تو معلوم ہوتا ہے رچرڈ کی رائے بدلی اور بے شبہ آخر زمانے میں وہ جان کو اپنا جانشین سمجھنے لگا اور بستر مرگ پر ساتھ والوں سے قسم بھی لی کہ اس کے بھائی کو بادشاہ تسلیم کریں گے۔ مگر فلپ ابھی تک آرتھر کی طرف تھا اور اس نے کوشش کی کہ کسی طرح وہ بادشاہ ہو جائے۔

مسئلۂ جانشینی۔ جان کا انتخاب

رچرڈ کی موت کے وقت جان باہر تھا۔ اس نے پہلا کام یہ کیا کہ

نارمنڈی پر قبضہ حاصل کر لیا۔ اس عرصے میں آرتھر بھی اپنی ماں اور اہل برٹنی کی مدد سے آنژو مین اور تورین پر قابض ہو گیا اور ان کے رئیس کی حیثیت سے شاہ فرانس کی اطاعت قبول کرنے کی رسم ادا کی۔ مگر الینر چاہتی تھی کہ جان تمام ممالک کا بادشاہ ہو کیونکہ اُسے آرتھر سے اتنی امید نہ تھی کہ وہ خود اس کے اور ہنری ثانی کے وسیع ترکے کو سنبھال سکے گا، اور اس نے اپنی سعی کوشش سے دکھا دیا کہ عمر کے تین بیسو اور دس برس گزرنے کے باوجود اس کی ہمت و مستعدی میں کچھ فرق نہیں آیا ہے۔ اُس نے رچرڈ کے اجیر راہزنی دستے کے سردار مرسادئیے کی مدد لے کر آنژو پر حملہ کر دیا۔ پھر فلپ کو مجبور کیا کہ خود الینر سے بہ حیثیت رئیسہ اکویٹین اقرار باج گزاری قبول کرے کہ حقیقت میں یہ علاقہ الینر ہی کی میراث تھا۔ اکویٹین اور نارمنڈی پر اس طرح قبضہ ہو گیا تو جان کو موقع ملا کہ انگلستان آکر اپنی بادشاہی کا مسئلہ صاف کرے۔ ہیوبرٹ والٹر اور ولیم مارشل کو وہ پہلے روانہ کر چکا تھا کہ قیام امن کے دشوار کام میں جیفری فٹز پیٹر کا ہاتھ بٹائیں۔ آرتھر کو بادشاہ بنانے کے متعلق بطور انگلستان میں کوئی سوال نہیں پیدا ہوا تھا۔ اب نارتھمپٹن میں بڑے بڑے جاگیرداروں کی مجلس منعقد ہوئی اور ہیوبرٹ و ولیم نے جان کی طرف سے ہر قسم کے اچھے اچھے وعدے کر لئے تو کم عمر بھتیجے پر، پوری عمر کے چچا کو ترجیح دی گئی جیسا کہ انگلستان میں معمول تھا۔ اور جان بلا دقت، بادشاہ منتخب ہو گیا۔ مئی میں وہ خود آیا اور صدر اسقف ہیوبرٹ نے وعظ و پند کے بعد ویسٹ منسٹر میں تاجپوشی کی رسم ادا کی اور اپنے خطبے میں یہ بات بھی خاص طور پر کہہ دی کہ جان، حق وراثت کی بنا پر نہیں بلکہ ملک کی متفقہ رائے سے بادشاہ ہوا ہے۔

تخت نشینی کے بعد بھی جیفری میر عدل اور ولیم مارشل اپنے عہدے پر بحال رہے اور صدر اسقف ہیوبرٹ نے پیشکار باد شاہی کی خدمت قبول کر لی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ صدر اسقف تھیوبالڈ کے کلیسائی خیالات کے مقابلے میں اب زمانہ کس قدر بدل چکا تھا۔ پھر جیفری کو اسکس کی نوابی پر ولیم ڈ مینڈویل کا جانشین مقرر کیا گیا۔ ولیم مارشل سے رچرڈ نے اسٹرانگ بو کی وارثہ ایوا کی شادی کر دی تھی، وہی اسٹریگوئل کا نواب بنایا گیا اگرچہ اس کا زیادہ مشہور لقب امیر پیمبرک ہے۔

جون کے مہینے میں جان، یورپ واپس آیا، تو وہاں کی فضا بہت کچھ اُس کے موافق ہو چکی تھی۔ آرتھر اور اس کے برٹانی رفیق یہ دیکھ کر بہت چڑھے کہ ان کی نارمنڈی

باب سوم

اور پین کی فتوحات کو فلپ نے اپنے سے منسوب کیا۔ اس باہمی نا چاقی کے علاوہ امیر فلینڈرس اور شہنشاہ اوٹو، جان کو مدد دینے کی تیاری کر رہے تھے۔ فلپ نے اپنی بیوی انگ بورگا کو چھوڑ کر رواآن کی ایگنس کو داخل محل کر لیا تھا، اور اس پر پاپائی فتوے کا ہنگامہ برپا ہونے والا تھا۔ غرض فلپ کو صلح ہی میں بہتری نظر آئی اور اس نے بہت اچھی شرطیں پیش کیں۔ یعنی جان کو اپنے متوفی بھائی کے جملہ مقبوضات کا وارث جائز تسلیم کر لیا اور دوستداری کے ثبوت میں اپنے بڑے بیٹے کی شادی جان کی بھانجی بلانش سے تجویز کی جو اس کی بہن اور امیر نوار (الفانزو) کی بیٹی تھی۔ اُسے لانے کی غرض سے بوڑھی مگر ان تھک آلینر خود فوراً ہسپانیہ روانہ ہوگئی اور امتناعی فتوے کے باعث شادی کی رسم رواآن میں ادا کی گئی۔

جان کے خصائل

جان کے اوصاف و خصائل کا بیان کرنا، دشواری سے خالی نہیں ہے۔ وہ خوبصورت، قوی الجثہ، اور نہایت دلکش اخلاق رکھتا تھا جس وقت کوئی بات منوانا چاہتا، تو کافی ذہین وہوشیار تھا اور سیاست دانی یا سپہ سالاری کی بھی اچھی خاصی قابلیت موجود تھی۔ اسے اچھی تعلیم ملی اور مطالعہ بھی وسیع تھا۔ مگر ان سب خوبیوں نے اس کی ناکامی کو اور بھی نمایاں بنا دیا۔ اُس کی خرابی کا اصلی سبب یہ تھا کہ کسی اصول کی مطلق پروا نہ تھی۔ صداقت، رحمدلی یا فرض شناسی کوئی شے اسے اپنے ارادے سے باز نہ رکھ سکتی تھی۔ وہ اپنی خواہشوں کو جس طرح ہو سکے، پورا کر لینا چاہتا تھا۔ چونکہ خود شریر النفس تھا، لہذا دوسروں کو بھی ایسا ہی سمجھتا اور اعلیٰ مقاصد و فرائض کا واسطہ دلانے کی قابلیت نہ رکھتا تھا۔ ان اوصاف بد کے علاوہ، اس کی تباہی کا ایک اور سبب یہ ہوا کہ فلپ آگسٹس سے اُسے سابقہ پڑا جس کے برابر لائق آدمی مدت سے تخت فرانس پر متمکن نہ ہوا تھا۔ اور ادھر انگلستان میں پہلی مرتبہ ایسے لوگوں سے معاملہ پیش آیا جو اچھی حکومت کے فوائد دیکھ چکے تھے اور تلے ہوئے تھے کہ بادشاہ کی نالائقی یا ناہنجاری اُن کے امن و انتظام میں خلل ڈالنے نہ پائے گی، جان کی پہلی وارفتہ مزاجی یہ تھی کہ اپنی بیوی ہیڈویسا کو طلاق دے دی

پہلی بیوی کو طلاق اور ازابلا سے شادی

وہ روبرٹ امیر گلوسٹر کی پوتی اور اس طرح جان کی جدی بہن ہوتی تھی اور اسی لئے پاپا کی اجازت سے ۱۱۸۹ء میں یہ عقد ہوا گو صدر اسقف بالڈون اس وقت بھی مخالفت کرتا رہا۔ بہر حال، اب غالباً جھوٹ بول کر اس نے اکوی ٹین کے تین اسقفوں کو آمادہ کر لیا

کہ نکاح منسوخ کردیں۔ پھر ہیڈویسا کی موروثی جاگیر بھی جو از روے قاعدہ اُسے مل جانی چاہئے تھی اور خود جان کی ماں ایلینر کے معاملہ میں ایسا ہی عمل ہوا تھا، واپس نہ کی بلکہ گلوسٹر کا ضلع تو ہیڈویسا کی بہن کے شوہر کو دیدیا اور باقی علاقہ اپنے قبضے میں رکھا ہیڈویسا کے عزیز واقارب بہت تھے اور وہ سب اس طلاق اور ضبطی جاگیر سے ہیڈویسا کی طرح سخت ناراض ہوے اور گلوسٹر کا سارا خاندان جان کا دشمن ہوگیا۔ پھر جان نے اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ دوسری شادی ازابلا سے تجویز کی جو گای (لوسینیانی) کے بھتیجے اور امیر لامارش کے بیٹے ہیو کی منگیتر تھی۔ ازابلا اور اس کا باپ تو جان سے شادی پر رضامند ہوگئے لیکن لوسینانی خاندان بہت برہم ہوا اور چونکہ پواتو کے علاقے میں یہ لوگ بڑے طاقتور جاگیردار تھے، لہذا ان کی ناراضی کچھ معمولی بات نہ تھی دوسرے جان نے اسی خاندان کے ایک فرد کا قلعہ جبراً چھین کر معاملات کو اور بھی خراب کرلیا۔

پواتو کے جاگیرداروں سے جان کی نزاع

سنہ ۱۲۰۲ میں پواتو کے جاگیرداروں نے جن کے سرخیل لوسینیانی تھے۔ فلپ سے فریاد کی شاہ فرانس اپنی پہلی بیوی سے رجوع کرکے خانگی جھگڑے رفع دفع کرچکا تھا لہذا ابلا تأخیر ان کی حمایت پر تیار ہوگیا۔ جان کو دربار فرانس میں جواب دہی کے لئے طلب کیا گیا اور چونکہ وہ خود حاضر نہ ہوا لہذا شاہ فرانس کے ماتحت اُس کی تمام زمین ضبط کرلی گئی۔ اس یک طرفہ فیصلے کا قانوناً جائز ہونا سخت مشتبہ تھا لیکن فلپ نے فی الفور آرتھر کو مدد پر بلایا اور اس نے اپنی دادی ایلینر کا محاصرہ کرلیا جو پواتو والوں کے فتنہ و فساد کے باعث فانٹورو کے گوشہ عزلت سے نکل کر قلعہ میرابو میں آگئی تھی، اور خود فلپ نارمنڈی پر حملہ آور ہوا۔ ایلینر کا خطرے میں ہونا سن کر جان کو ہنگامی جوش آیا اور عین اس وقت کہ آرتھر کامیاب ہونے والا تھا، وہ اچانک آپہنچا اور خود آرتھر کو پکڑ کر لے گیا۔ اس کامیابی سے جان کا پلہ بھاری ہوگیا تھا مگر بھتیجے کو پہلے فالیز اور پھر روآن میں قید کرکے، یہ یقینی بات ہے کہ اس نے شرارت اور نادانی سے اُس کا قتل کرادینا جائز رکھا اگرچہ یہ ٹھیک معلوم نہیں کہ یہ قتل کب اور کس طرح وقوع میں آیا۔ بہرحال، آرتھر کی موت کی خبر آشکار ہوتے ہی، فلپ نے پھر نارمنڈی پر چڑھائی کی۔ شہر بہ شہر اُس کے قبضے میں آنے لگے۔ بایں ہمہ، جب تک قلعہ گائیار فتح نہ ہو اس وقت تک روآن پر کوئی آنچ نہ آسکتی تھی اور اسی قلعے کی ہار جیت پر ساری جنگ کا انحصار

باب سوم

آنٹیر امیر قلعے کی مدافعت روجر ڈی لاسی کے سپرد کی گئی تھی اور وہ جتنے دن مقابلے میں جار ہا۔ وہ جان کے لئے کافی مہلت تھی کہ ایک بڑا لشکر مدد کے واسطے لے آئے۔ مگر کسی نامعلوم وجہ سے عین وقت پر اس کی قوت عمل نے جواب دے دیا۔ محاصرین پر ایک شبخون کا نقشہ اُس نے بنایا اور امیر ہیمبرک کو مہم کا سردار مقرر کیا۔ لیکن کشتیاں وقت پر نہ پہنچ سکیں اور حملے میں ناکامی ہوی جس کے بعد بادشاہ کے ہوش حواس ہی معطل ہو گئے اور اِدھر اُدھر بلا مقصد و مطلب پھر پھرا کر وہ نارمنڈی کو تقدیر کے حوالے کر، وہاں سے رخصت ہو گیا۔ روجر نے اگست ۱۲۰۳ء سے مارچ ۱۲۰۴ء تک مقابلہ کیا اور آخر مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دئے۔ اگرچہ شکست کے باوجود محاصرین کو جو دقت پیش آئی اور جتنی مدت محاصرے میں لگی، اس سے قلعے کے بانی اور مہندس کی فراست و ہنرمندی بخوبی ثابت ہو گئی۔

نارمنڈی کا ہاتھ سے نکل جانا

اسی واقعے کے ایک مہینے بعد الینر کا انتقال ہو گیا، اور یورپ کے مقبوضات کو وفادار رکھنے کا یہ آخری ذریعہ بھی جان کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ قلعہ گائیلار تسخیر ہو گیا، تو نارمنڈی، آنژو وغیرہ کے فتح ہونے میں بھی کچھ دیر نہ لگی اور ۱۲۰۴ء کی گرمیاں گزرنے سے پہلے، ولیم فاتح اور جیفری امیر آنژو کی میراث میں سے، سوائے جزائر رودبار کے اور کوئی علاقہ شاہ انگلستان کے قبضے میں باقی نہ رہا۔

نارمنڈی کا ہاتھ سے نکل جانا، انگلستان کے جاگیرداروں کی تاریخ میں نہایت اہم فصل کا عنوان ہے کہ بہت سے بڑے امرا جن کی اب تک رودبار کے دونوں طرف جاگیریں تھیں، مجبور ہوے کہ یا اِدھر رہیں یا اُدھر چلے جائیں۔ عموماً ان کے ایک بیٹے نے فرانس کی جاگیر لی اور دوسرے کو انگلستان کی املاک مل گئیں لیکن جیسا کچھ بھی انتظام ہوا ہو، ایک ہی شخص کا دونوں ملکوں سے تعلق باقی نہ رہا اور آئندہ سے انگلستان کے امرا (اگرچہ ان کی زبان فرانسیسی تھی) اپنے آپ کو انگریز ہی سمجھنے لگے اور انگلستان کے کے اغراض و فوائد ان کی نظر میں قومی چیز ہو گئے۔ اس طرح نارمنوں کے انگریز بننے کا عمل جو امیر روبرٹ اور اس کے بھائیوں کی جنگ کے زمانے میں شروع ہوا تھا، نارمنڈی کے چھن جانے سے گویا ایک قدم اور بڑھ گیا۔ **انگریز و نارمن** کا ظاہری اور صوری فرق پہلے ہی مٹ چکا تھا۔ ولیم فاتح نے ایک خاص جرمانہ مقرر کیا تھا کہ اگر کوئی نارمن قتل ہو

تو اُس تمام پرگنے کے لوگ وہ ڈنڈ بھرتے تھے لیکن مکالمات سکاکاریو کے مصنف نے لکھا ہے کہ یہ جرمانہ ہنری ثانی کے زمانے میں ہر شخص کے قتل پر واجب الادا ہوجاتا تھا کیونکہ باہمی ازدواج سے دونوں قومیں ایسی خلط ملط ہوگئی تھیں، کہ عام طور پر یہ بتانا محال ہوگیا تھا کہ خالص نارمن کون ہے اور انگریز کون؟" اسی کے ساتھ یہ واقعہ تعجب سے خالی نہیں کہ ہنوز فرانسیسی زبان برابر پھیلتی جاتی تھی سنہ ۱۱۵۴ء سے سنہ ۱۲۰۵ء تک کی کوئی انگریزی کتاب ہم تک نہیں پہنچی اور بظاہر نہ صرف دربار میں بلکہ طبقۂ اعلیٰ میں بول چال بھی عادۃً فرانسیسی میں ہوا کرتی تھی۔

تاریخی تصانیف

بارھویں صدی کے آخری سنین میں انگریزی ادب کی تو آبیاری نہ ہوئی لیکن لاطینی میں، خصوصاً تاریخ کے موضوع پر کئی کتابیں لکھی گئیں اور انھیں عہد سابق کی مثل راہبوں نے نہیں لکھا بلکہ ان میں سے کئی دنیاداروں کی تصنیف تھیں. چنانچہ اس عہد کی معصر شہادت کے اعتبار سے رچرڈ فٹز نجل، خزینہ دار و اُسقف لندن کی کتاب "ایکٹس آف ہنری دی سیکنڈ اینڈ رچرڈ دی فرسٹ" جس کا سلسلہ ایک اور درباری روجر (ہوڈنی) نے جاری رکھا، نہایت بیش بہا ہے کہ جو لوگ خود اُن معاملات و واقعات میں شریک تھے، یہ ان کی لکھی ہوئی ہے۔ اس کے مقابلے میں، فرقۂ آگسٹینی کا فاضل ولیم (باشندہ نیوبرو علاقہ یارک شر) اگرچہ دربار سے بہت دور تھا، لیکن اس کی تحریر کا رنگ ولیم (مامزبری) سے قریبی مناسبت رکھتا ہے اور اس نے ولیم فاتح سے جان کے زمانے تک کی جو تاریخ لکھی ہے اسے فی الواقع ایک فلسفیانہ تصنیف بنا دینا چاہا ہے۔ ان کے علاوہ آئرستان کی فتح اور ویلز کے جغرافی حالات پر مستند ماخذ جیرالڈ (ویلزی) کی کتاب ہے جو اپنے زمانے کا سب سے مزہ دار انشاپرداز تھا۔ "(Triflings of Courtiers)" والٹر میپ کی تصنیف ہے اور "(Apocalypse and confession of Bishop Goliath)" کو بھی اسی سے منسوب کرتے ہیں جس میں پادریوں کی کمزوریوں کا بری طرح خاکہ اُڑایا گیا ہے۔

جیرالڈ ویلزی کے زمانے ہی میں آکسفرڈ، انگلستان کے "سب سے مشہور تعلیم علما کا" مرجع عام ہوگیا تھا اس میں باقاعدہ علوم کے شعبے بن گئے تھے اور مختلف درجوں کے استاد اور بہت سے طلبہ درس و تدریس میں مصروف تھے۔ کمسن لڑکے صرف نحو، منطق

باب سوم

اور علم بیان کی تعلیم پاتے اور علوم اربعہ، یعنی ہندسہ، ریاضی، موسیقی اور ہیئت کی تعلیم بڑی عمر کے طلبہ کو دی جاتی تھی اور ان سے بھی اوپر کے درجوں میں ابھی تک علوم دین اور قانون میں تبحر حاصل کیا جاتا تھا۔ اب طلبہ قانون کی نظر میں پادری یا عالم دین کا مرتبہ رکھتے تھے اگرچہ بہت سے ادنیٰ مدارجِ کلیسائی میں بھی داخل نہ تھے۔ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ ان جامعات اور اور کلیسا کے باہمی تعلقات بھی ایک اہم مسئلہ بن گئے، بہر حال اس میں شک نہیں کہ ہینری ثانی اور رچرڈ کے وزیروں[1] کے عہد میں جو امن و حسن انتظام رہا اس سے انگلستان خوب متمتع ہو رہا تھا جب کہ جان کے یورپی علاقے چھنے اور اس نے اپنے جزیرہ انگلستان کے علاقے میں آکر سکونت اختیار کی۔

جان کی مصیبتیں جلد شروع ہو گئیں۔ بیکٹ کی موت کے وقت سے کلیسا اور بادشاہی کی کشمکش قریب بالکل معطل ہو گئی تھی۔ ہینری ثانی نے نو اُسقفیاں جو اس وقت خالی تھیں اپنے آدمیوں سے معمور کر دیں چنانچہ اس کے اور اس کے بیٹوں کے عہد میں تھیوبالڈ جیسے مذہبی لوگوں کی بجائے ہیوبرٹ والٹر، ولیم لان شان اور اسی نمونے کے سرکاری عہدہ دار سارے کلیسا پر چھائے ہوئے تھے اور سینٹ ہیو (اداوتی) جو ۱۱۸۶ء میں لنکن کا اسقف مقرر ہوا، گویا ایک مستثنیٰ آدمی تھا۔ ۱۲۰۵ء میں والٹر مرا تو جان کو طبعاً توقع تھی کہ اسی کے آدمیوں میں سے کوئی شخص کینٹربری کا صدر اسقف مقرر ہوگا۔ مگر اس انتخاب کے متعلق کچھ مدت سے نزاع چلی آتی تھی کرائسٹ چرچ کے راہب مدعی تھے کہ یہ خاص ہمارا حق ہے لیکن کینٹربری کے مددگار اساقفہ کہتے تھے کہ کم سے کم ہماری تائید ضرور حاصل کی جائے۔ تھوڑے دن تک باہمی مصالحت سے کام چلتا رہا۔ بیکٹ کے معاملے میں انتخاب راہبوں نے کیا مگر اسقفوں نے رضامندی ظاہر کی۔ اسی موقع پر گلبرٹ فولیوٹ نے تعرض کیا۔ بہر حال، اس میں شک نہیں کہ اور کہیں اسقف دخل نہ دیتے تھے۔ عام طور پر انتخاب راہبوں کی مجلس میں ہوتا اور بادشاہ اسے منظور یا کبھی کبھی نامنظور کر دیتا تھا جیسا کہ جیرالڈ ویلزی کے بارے میں ہوا کہ راہبوں نے اسے سینٹ ڈیوڈس کا اسقف منتخب کیا تھا مگر ہینری ثانی نے اسے نامنظور کر دیا۔

[1] یعنی ہیوبرٹ والٹر اور جیفری فٹز پیٹر۔

کلیسائی انتخابات کے قضیے

لیکن ہیوبرٹ کی وفات پر کرائسٹ چرچ کے نوعمر راہبوں نے بادشاہ اور اساقفہ دونوں کی مداخلت سے بچنے کے لئے، ایک خفیہ جلسہ کیا اور شاہی اجازت لئے بغیر ہی خانقاہ کے نائب مہتمم رجی نالڈ کو صدر اسقف منتخب کر لیا حالانکہ وہ بالکل معمولی آدمی تھا۔ پھر، منصوبے کی تکمیل کی غرض سے اُسے فوراً رومہ بھیجا کہ پاپا سے عبائے اسقفی حاصل کر لے۔ اگرچہ یہ وعدہ لے لیا تھا کہ پاپا کی رضامندی لئے بغیر وہ صدر اسقفی کا دعوےٰ نہ کرے گا لیکن رجی نالڈ نے رود باد کے پار پہنچتے ہی اسقفی خدم و حشم اختیار کیا اور ایک صدر اسقف کی شان و متانت کے ساتھ آگے روانہ ہوا۔ سُست روی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس واقعے کی خبر انگلستان پہنچ گئی اور وہاں کے کئی اسقف اس سے پہلے رومہ آ پہنچے اور اس کے انتخاب کے خلاف احتجاج کیا۔ جان بھی اس موقع پر خاموش نہ بیٹھا بلکہ راہبوں کی مجلس منعقد کی اور اصرار کیا کہ ایک شاہی عہدہ دار جون ڈی گرے جسے کافی انتظامی اور جنگی تجربہ تھا، صدر اسقف منتخب کیا جائے۔ یہ ہو گیا تو اس نے بارہ راہب رومہ بھیجے اور قسم دی کے جون ڈی گرے کے سوا اور کسی کا انتخاب نہ کریں۔ پاپا نے غور سے پورا قصہ سنا اور مددگار اساقفہ کے دعاوی کو تو مسترد کر دیا۔ لیکن دونوں انتخاب کالعدم قرار دئے کہ ایک تو بادشاہ کی اجازت کے بغیر مخفی عمل میں آیا تھا اور دوسرا (یعنی ڈی گرے کا) انتخاب قبل از وقت تھا کیونکہ پہلے کے منسوخ ہونے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ پھر پاپا نے راہبوں کو ترغیب دی کہ اسٹیفن لینگٹن کو منتخب کر لیں جو قوم کا انگریز اور علم و فضل میں ممتاز تھا۔ اس کے عمدہ اوصاف و اخلاق پر حرف گیری کی گنجائش نہ تھی اور جان بھی اس سے خوب واقف تھا۔ وہ پیرس کے دار العلوم کا صدر رہا، پھر انوسینٹ نے اسے مجلس پاپائی کا رکن مقرر کیا اور اکثر اہم کلیسائی معاملات میں اس سے کام لیا تھا۔ ان سب خوبیوں کے باوجود یہ انتخاب پاپا کی مداخلت بیجا سے ہوا لہٰذا جان نے اسے قبول نہیں کیا اور سنہ ۱۲۰۷ء میں جب انوسینٹ نے اسی تقرر کی توثیق کرنی چاہی تو اس وقت بھی شاہ انگلستان مخالفت پر اڑا رہا۔ حتیٰ کہ سنہ ۱۲۰۸ء میں پاپا نے سارے ملک کو مردود قرار دیا۔ اس پاپائی حربے سے پہلی دفعہ وسیع پیمانے پر گیارھویں صدی میں کام لیا گیا تھا اور اس کے معنی یہ تھے کہ اصطباغ کے سوا، کلیسا میں اور کوئی مذہبی رسم یا نماز ادا نہ کی جائے۔ نکاح موقوف ہوں اور مردے بلا نماز جنازہ دفن کر دئے جائیں صرف صلیبی مجاہدین

باب سوم

کے گرجا اس انتفاعی حکم سے مستثنیٰ تھے۔ ضدی پادشاہوں اور شورہ پشت جاگیرداروں کے خلاف لوگوں کو بھڑکانے کی یہ بہت کارگر تدبیر تھی اور تھوڑے دن قبل، فلپ آگسٹس کے خلاف بھی اسی فتوےٰ سے کام لیا جا چکا تھا۔ مگر جان نے اس کی کچھ پروا نہ کی بلکہ حکم دیا کہ جو پادری یا جماعتیں اس پر عمل کریں، اُن سب کی املاک ضبط کرلی جائے۔ ۱۲۰۹ء میں انوسینٹ نے ایک قدم اور بڑھایا کہ خود جان کو خارج از ملت قرار دیا۔ جان نے اس کا جواب یہ دیا کہ اسقفوں کی مال متاع ضبط کرلی اور اس روپے سے بڑی بڑی فوجیں تیار کرکے اسکاٹ لینڈ، آئرستان اور ویلز والوں سے جو جھگڑے چلے آتے تھے، ان کا حسب دلخواہ فیصلہ کرلیا۔ چنانچہ شاہ اسکاٹ لینڈ کو اس کی سیادت تسلیم کرنی پڑی اور ولی نعمت کی حیثیت سے اپنی اولاد کی شادی بیاہ کا اس کو اختیار اور دس ہزار اشرفی خراج ادا کرنا پڑا۔ آئرستان میں اس نے جاگیرداروں کو مطیع و منقاد بنایا اور انگریزی علاقے کو چند محالات میں تقسیم کرکے انگلستان کے قوانین رائج کئے اور جون ڈی گرے کو وہاں کا والی مقرر کردیا اسی طرح کھلوایلین ایروبز کو بھی اس نے اطاعت پر مجبور کیا۔

پاپا کی دھمکی اور جان کی مصالحت

جب شاہ انگلستان کی ہیکڑی میں کچھ کمی نہ آئی تو ۱۲۱۱ء میں پاپا نے اسے معزول کرنے کی دھمکی دی۔ اب معاملات نے انتہائی صورت اختیار کرلی۔ ابھی تک عوام الناس خاموش بیٹھے یہ لڑائی دیکھ رہے تھے لیکن پاپا کی تہدید نے اُن کے مخالفانہ جذبات کو برانگیختہ کردیا اور اسی وقت سے جان کو ملک سے نکال دینے کی تحریک پیدا ہوگئی جس کا کھلا ہوا ثبوت ویک فیلڈ کے راہب پیٹر کی یہ پیشین گوئی تھی کہ ایک سال کے اندر جان کی بادشاہی ختم ہوجائے گی۔ اس پیشین گوئی کی ملک میں خوب اشاعت ہوئی۔ اور گو فلپ کے فوج فراہم کرنے کی خبر سن کر جان نے بھی لشکر جمع کرنا شروع کیا لیکن رفتہ رفتہ اسے اندازہ ہوگیا کہ اب میری خیر نہیں ہے۔ کہنے کو تو اس کے پاس ساٹھ ہزار سپاہی اور ایک زبردست بیڑا موجود تھا لیکن اصلی خرابی رعایا کی بددلی تھی۔ اہل کلیسا تو قطعی مخالفت پر کمربستہ تھے۔ اُمرا کو اس نے بار بار اور معمول سے زیادہ مقدار میں محاصل اور زرِ سپر بدل وصول کرکے بیزار کردیا تھا اور یہ بیزاری اس لئے اور بھی بڑھتی جاتی تھی کہ اس نے اُن کے بہت قلعے چھین لئے بچوں کو بطور یرغمال

طلب کیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنی خواہش نفسانی پوری کرنے کے لیے کمال بیباکی اور حیوانیت کے ساتھ اُن کے گھروں میں دست درازی کر کے خانگی زندگی کا ناس کیا۔

غرض جان کو صاف نظر آ گیا کہ اگر دشمنوں میں پھوٹ نہ پڑ جائے گی۔ تو وہ کسی طرح ان سب کا مقابلہ نہ کر سکے گا۔ پس ۱۲۱۳ء میں اس نے ارادہ کر لیا کہ جس طرح بن پڑے پاپائے رومہ کو اپنا دوست بنا لے۔ وہ دستداری کی قیمت پاپا نے بہت زیادہ طلب کی مگر جان کو اس کے ادا کرنے میں بھی تامل نہ ہوا۔ اور وہ فی الواقع رضامند ہو گیا کہ انگلستان کو پاپا کی جاگیر تسلیم کر لے اور پاپا کی اطاعت کا حلف اٹھا کر ایک ہزار اشرفی سالانہ خراج ادا کیا کرے۔ یہی وہ فعل ہے جس پر آئندہ نسلوں نے جان کی سب سے زیادہ مذمت کی ہے لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ صقلیہ اور آراگون کے بادشاہ بھی اسی قسم کی شرائط قبول کر چکے تھے اور انھیں کوئی خاص زحمت پیش نہ آتی تھی بلکہ ممکن ہے کہ انگلستان بعض اُمرا نے اس کو غنیمت سمجھا ہو کہ بادشاہ کے احکام کے خلاف وہ آئندہ پاپا سے بہ حیثیت حاکم بالادست دادرسی کی استدعا کر سکیں گے۔ انھوں نے اس حق سے یقیناً فائدہ اٹھایا اور جہاں تک ہمیں علم ہے، اس وقت جان کے اس فعل پر کوئی خاص اعتراض و احتجاج نہیں ہوا۔

جان کے اطاعت قبول کر لینے کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ پاپا نے، فلپ کو جنگی تیاریوں سے فوراً روک دیا اور شاہ فرانس کو اپنی توجہ فلینڈرس کی طرف منعطف کرنی پڑی اور ادھر جان نے اپنے رضاعی بھائی ولیم لونگس ورڈ (امیر سالسبری) کو ایک بیڑا دے کر بھیجا جس نے بندرگاہ ڈام کی ساری فرانسیسی کشتیاں برباد کر دیں اور انگلستان پر حملے کا کوئی خدشہ باقی نہ رہا۔ اس کامیابی سے جان پھولا نہ سمایا اور اسی خوش وقتی میں اپنے

جاگیرداروں کا فرانس پر حملہ کرنے سے انکار

جاگیرداروں کو بلایا کہ فرانس پر حملے کی تیاری کریں لیکن جاگیرداروں کو نہ اس کے ارادوں پر اعتماد تھا نہ قابلیت پر۔ اور انھوں نے عذر کیا کہ ابھی تک بادشاہ کے خارج از ملت ہونے کا فتویٰ منسوخ نہیں ہوا ہے۔ اس دقت کو رفع کرنے کی غرض سے بادشاہ نے اُن لوگوں کو پورا معاوضہ دینے کا اقرار کیا جنھیں امتناعی فتویٰ کے دوران میں نقصان پہنچا تھا۔ اسی کے ساتھ لینگٹن کو صدر اسقف تسلیم کر لیا اور کلیسا سے صلح صفائی ہو گئی تو دوبارہ اپنی کشتیاں رود بار کے پار اُتاریں اور خود جرزی میں پہنچ گیا۔ جاگیرداروں نے اب بھی سمندر پار

باب سوم

جانے سے انکار کیا اور بعض نے تو یہ وجہ بیان کی کہ ہماری خدمت کی مقررہ مدت ختم ہوگئی ہے لیکن شمالی جاگیرداروں نے اصولی بات کہی کہ جان کو کسی بیرونی جنگ میں ہمیں لے جا کے لڑانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ جان یہ سن کر بہت بگڑا اور واپس انگلستان آیا تو لینگٹن نے یہ مطالبہ پیش کیا کہ خاطی جاگیرداروں کا مقدمہ خود انھی کے ساتھ والوں کی عدالت میں طے ہونا چاہیئے۔ غرض جان کی شمالی مہم یونہی رہ گئی۔ ادھر میر عدل، **جیفری فٹز پیٹر** نے سینٹ آلبنز کے مقام پر ایک خاص مجلس منعقد کی جس میں شاہی دیہات کے چار چار کاشتکار اور ان کے ساتھ مقدم اور بڑے زمیندار سب جمع تھے۔ جلسے کی اصلی غرض تو یہ تحقیق کرنا تھی کہ اہل کلیسا کو کیا کیا نقصانات پہنچے لیکن اس کے علاوہ اور بہت سے معاملات پر بھی گفتگو ہوئی اور آخر میں میر عدل نے احکام نافذ کئے کہ ہینری اول کے عہد کے قوانین پر عمل ہونا چاہیئے۔ تین ہفتے بعد لینگٹن نے ایک اور قدم یہ بڑھایا کہ **سینٹ پال** میں جاگیرداروں کی مجلس کے موقع پر ہینری اول کا شاہی منشور پڑھ کر سنایا جس سے اُن کے مطالبات میں وہ تعین اور وضاحت پیدا ہوگئی جس کی ابھی تک کمی تھی۔ ساتھ ہی فیصلہ کیا گیا کہ جان کو مجبور کیا جائے کہ آئندہ بہتر حکومت کرنے کے ثبوت میں اسی قسم کا کوئی منشور عطا کرے۔

اسی زمانے میں **فٹز پیٹر** نے وفات پائی اس وفادار ملازم کی موت کو جس نے جہاں تک ہوا، ہینری ثانی کے آئین و مراسم قائم رکھے تھے جان نے اپنے حق میں آیۂ رحمت تصور کیا۔ اور کہا کہ "جب وہ دوزخ میں پہنچے، تو اسے چاہیئے کہ **ہیوبرٹ والٹر** کے پاس جا کر اُس کی سلامی اُتارے۔ قسم ہے خدا کے قدموں کی کہ میں آج سب سے پہلی مرتبہ انگلستان کا بادشاہ اور حکمراں ہوں"۔ کینٹربری کی صدر اسقفی پر تو اپنے آدردہ کو مقرر کرنے سے پاپا نے جان کی ساری کوشش پر پانی پھیر دیا تھا۔ لیکن میر عدل کے معاملے میں پاپا کا کوئی دخل نہ تھا لہٰذا اس عہدے پر جان نے پواٹو کے باشندے پیٹر دے روش کو مقرر کیا جسے وہ ونچسٹر کا اسقف بھی بنا چکا تھا اور جو کلیسا کے ساتھ لڑائی میں برابر جان کا معین و مددگار رہا تھا۔ اس تقرر نے بادشاہ کے اعتدال سے کام لینے کی رہی سہی امید خاک میں ملا دی اور جاگیرداروں کو معلوم ہوگیا کہ انھیں اپنی قوت بازو کے سوا اور کسی پر بھروسہ نہ کرنا چاہیئے۔

دوسرے سال (۱۲۱۴ء) جانؔ زیادہ تر یورپ میں رہا پھر بھی اس نزاع کی تاریخ میں یہی سال بڑے معرکے کا گزرا ہے۔ جانؔ نے شہنشاہ اوٹو اور فیران، امیر فلینڈرس کو ملا کر ایک جتھا تیار کیا تھا کہ پہلے فلپؔ کا قلع قمع کر دیا جائے اور پھر انگلستان کی خبر لے۔

جنگ بووین

خود جانؔ پواتو میں رہا لیکن امیر سالسبری کے ماتحت ایک انگریزی فوج فلینڈرس میں اوٹو اور فیرانؔ سے آملی کہ فلپؔ پر حملہ کیا جائے۔ مقابلہ **بووین** کے میدان میں ہوا جہاں فلپؔ نے کامل فتح پائی اور فیرانؔ اور امیر سالسبری دونوں گرفتار کر لئے گئے۔ براعظم اور خود انگلستان کے سیاسی حالات پر بہت کم کسی لڑائی نے اتنا اثر ڈالا ہوگا جتنا بووینؔ کا پڑا۔ جانؔ کو مجبور ہو کر پانچ سال کے لئے فلپؔ سے ہنگامی صلح کرنی اور انگلستان واپس آنا پڑا کہ اب وہاں مخالفت کے طوفان کا مقابلہ کرے۔ جاگیردار اپنے حقوق منوانے پر تلے ہوئے تھے۔ جن کو قوانین ایڈورڈ (ثالث) کے نام سے مرتب کیا گیا اور ہینری اول کی مراعات کا ان میں اضافہ ہو گیا تھا۔ جانؔ نے مہلت حاصل کرنے کی غرض سے انھیں پہلے یہ کہہ کر ٹالا کہ ایسٹر (عید معراج مسیحؑ) پر جواب دوں گا اور ادھر ان میں جہاں تک ہو سکے پھوٹ ڈالنے اور اپنی قوت جمع کرنے کی کوشش کی۔ قلعوں کے دمدمے وغیرہ تیار کرائے۔ پواتو اور براباںٹ سے لشکر کا لشکر اجیر سپاہیوں کا بلوایا۔ پاپا سے حمایت کی التجائیں کیں، پادریوں کو کلیسائی انتخابات کا کامل حق دے کر انھیں اور لینگٹنؔ کو اپنے ساتھ ملانے کی لاحاصل جدوجہد کی انگلستان کے ہر آزاد باشندے سے حلف اطاعت اٹھانے کا اور شاہی جاگیرداروں سے اقرار وفاداری کی تجدید کا حکم جاری کیا اور آخر میں مذہب کی آڑ یہ پکڑی کہ صلیب لے کر صلیبی مجاہدین میں شامل ہو گیا۔

لڑائی کی تیاری۔ منشور اعظم کا اجرا۔

مگر جاگیردار اب جانؔ کے قابو میں آنے والے نہ تھے۔ صدر اسقف (لینگٹن) کی پوری تائید سے انھوں نے اسٹیمفرڈ میں اپنی فوج جمع کی۔ زمینداروں اور پیادوں کے علاوہ، دو ہزار مبارزین (شہسوار) مجتمع ہوئے شمالی جاگیرداروں کی قیادت یوسٹیس ڈی ویسی نے کی اور نکولاس ڈی اسٹوٹ ویل نے کی۔ قدیم اُمرا کے نائب، روجر بگوڈ امیر نارفک اور ہینری بوہن، امیر ہیری فرڈ تھے۔ رابرٹ فِٹز والٹر جو رچرڈ ڈی لوسی کا پوتا تھا گویا ہینری ثانی کے

باب سوم

عہدہ دار امرا کا قائم مقام تھا۔ ہیوبرٹ کا بیٹا ولیم مارشل بھی انھی سرداروں میں شامل تھا پورے لشکر کی سرداری فٹزوالٹر کے ہاتھ میں تھی اور اب جنوب میں بڑا کلیے تک بڑھ کر انھوں نے قاصد بادشاہ کے پاس روانہ کئے کہ ان کے مطالبات پیش کریں۔ صدر اسقف اور ولیم مارشل نے جان کو یہ مطالبات سنائے اور وہ سن کر چلایا کہ "ایسا ہی تھا تو وہ میرا تاج شاہی بھی طلب کر لیتے"، جس کا مطلب یہ ہوا کہ جبر کئے بغیر وہ ان مطالبات کو ماننے والا نہ تھا۔ چنانچہ جاگیرداروں کی فوج آگے بڑھی اور تھوڑے ہی دن میں ظاہر ہو گیا کہ سارا ملک انھی کا موید ہے۔ مطالبات شائع ہوئے تو سب نے جوش و خروش کے ساتھ تائید کی لندن والوں نے تپاک سے ان کا خیر مقدم کیا۔ جان کے سب سے وفادار پیرو، جیسے امیر پیمبرک اور رانلف امیر چیسٹر سمجھ گئے کہ معاملہ نازک ہے اور انھوں نے بھی اپنا رسوخ قومی مطالبات کی حمایت میں صرف کیا۔ پیٹر ڈی روش وغیرہ بعض پردیسی یا ایسے اجرتی جیسے فوک ڈی بروٹے ثابت قدم رہے ورنہ سب نے جان کا ساتھ چھوڑ دیا اور ہر طرف سے گھر کر وہ بالکل مجبور ہو گیا کہ منشور اعظم پر جس میں قوم کے مطالبات درج تھے، دستخط ثبت کر دے چنانچہ ونڈزر کے قریب رنی میڈ میں بتاریخ ۱۵ ار جون ۱۲۱۵ء اس نے دستخط کر دئے۔

یہ دستاویز جو تاریخ میں منشور اعظم کہلاتی ہے۔ تریسٹھ دفعات پر مشتمل تھی اور ان میں کلیسا، جاگیرداری، وصول محاصل و رسوم، دادرسی، سربراہی، تجارت اور بہت سے دوسرے عارضی اور دائمی اہمیت کے مسائل آ گئے تھے۔ سب سے اہم مراعات جو اس موقع پر بادشاہ کو تسلیم کرنی پڑیں وہ یہ تھیں کہ کلیسائے انگلستان "آزاد اور اپنے تمام حقوق سے بہرہ مند" ہو، جن میں انتخاب کی کامل آزادی کا جدید حق بھی داخل تھا۔ یاد رکھنے کے قابل یہ بات ہے کہ کلیسا کے ان حقوق کی کوئی صراحت نہ کی گئی تھی اور انتخاب بھی محض پادریوں کی متلون رائے پر منحصر نہیں کیا جا سکتا تھا، لہذا در اصل بادشاہ سے جو حق چھینا گیا تھا وہ

کلیسا

پاپا کے حصے میں آ گیا۔ مگر عموماً عمل یہ رہا کہ پاپا بادشاہ کی مرضی کے مطابق اپنا ایک وکیل یا قائم مقام نامزد کر دیتا تھا اور تجدید مسیحیت کے زمانے تک اسی طریق پر کام چلتا رہا۔

رسوم و محاصل

جاگیرداری رسوم معین کر دئے گئے۔ ہنری اول کے منشور میں وعدہ کیا گیا تھا کہ زر وراثت "درست و منصفانہ اور مطابق قانون" ہوگا لیکن

باب سوم

اس سے صاف طور پر کوئی تعین نہ ہوتا تھا لہٰذا اب امیر و جاگیر دار کی پوری جاگیر کے لئے زر وراثت کی رقم سو اشرفی اور مبارزین کے لئے ہر بیس اشرفی سالانہ آمدنی کی املاک پر سو شلنگ، مقرر ہوئے۔ خرد سال ورثا کی جاگیروں کے عمدہ انتظام اور عمارتوں کی مرمت کا اقرار کیا گیا جس کا معقول معاوضہ قرار پایا اور اسی کے ساتھ یہ شرط بھی کہ اس کے سن بلوغ کو پہنچنے پر کوئی زر وراثت نہ لیا جائے گا۔ قرار پایا کہ وارثوں کا پیوند (خواہ ذکور ہوں یا اناث) ان کے رشتہ داروں کو اطلاع دئے بغیر اور بیوگان کا عقدِ ثانی ان کی مرضی کے بغیر، نہیں کیا جائے گا۔

ایک دفعہ یہ تھی کہ بادشاہ کو اسیری سے نجات دلانے، اس کے بڑے بیٹے کے مبارز بنائے جانے اور بڑی بیٹی کی پہلی شادی کے سوائے، اور کسی قسم کے رسوم یا نذرانے وصول نہ کئے جائیں گے جب تک کہ ایک خاص مجلس اس کی منظوری نہ دے جس میں اساقفہ صاحبانِ خانقاہ، امرا اور سند یاب بڑے جاگیر دار شامل ہوں گے۔ دوسرے شاہی زمینداروں کو بھی عمال کے ذریعے عام بلاوا دیا جائے گا جس میں جلسے کے وجوہ درج ہونگے، اس رعایت نے جاگیرداروں کو بے ضابطہ نذرانے وغیرہ وصول کئے جانے کی مصیبت سے بچا دیا۔ اسے خود مختارانہ اجرائے محاصل کا سدباب تو نہیں کہ سکتے لیکن اس بارے میں یہ ایک اہم ابتدا ضرور تھی۔ یہ سچ ہے کہ مجوزہ مجلس بھی محض جاگیرداروں کی مجلس تھی جس میں بڑے بڑے مالکان اراضی اپنے حق ذاتی کی بنا پر شریک ہوتے اور کسی معنی میں قوم کے نائب یا مبعوث نہ تھے، تاہم ایک ملکی مجلس یا پارلیمنٹ کے نشو و نما کی یہ پہلی منزل تھی۔ جاگیر داری کے متعلق ایک اور اہم دفعہ یہ تھی کہ کوئی پٹہ دار ایسی خدمات انجام دینے پر مجبور نہ کیا جا سکے گا جن کا وہ قانوناً پابند نہیں ہے۔ یہ بہت ہمہ گیر فقرہ تھا اور غالباً اس میں غیر ملک میں فوجی خدمت انجام دینے کا اشارہ مضمر ہے۔

عدالت جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، ملک کی اعلیٰ عدالتیں بادشاہ کی مجلسِ شوریٰ کی شاخیں تھیں۔ اصل عدالت بادشاہ یا (اس کے غیاب میں) میر عدل کے ساتھ ساتھ رہتی تھی جس سے اہل مقدمہ بڑی تکلیف اٹھاتے تھے کہ بادشاہ برابر دورے کرتا رہتا اور بعض اوقات انھیں ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک مقدمے کی سماعت کے لئے جانا پڑتا تھا۔ اس کا انتظام اب یہ ہوا کہ عدالت عامہ

باب سوم

کا ایک مستقر مقرر کر دیا گیا اور کچھ رد و بدل کے بعد یہ جگہ ویسٹ منسٹر قرار پائی جہاں بادشاہ کا ایک بڑا محل موجود تھا۔ رفتہ رفتہ دوسری بڑی عدالتیں یعنی مالگزاری کی کچہری اور شاہی عدالت بھی اسی مقام پر قائم ہو گئیں اور ۱۸۸۲ء تک جب کہ نئی عدالتیں تعمیر ہوئیں ایوان ویسٹ منسٹر ہی، جسے ولیم روفس نے بنایا تھا، انگلستان کی عدالتوں کا صدر مقام رہا۔

گشتی عدالتوں کے بارے میں طے ہوا کہ وہ سال میں چار بار دورہ کیا کریں تاکہ اہل مقدمہ انتظار میں نہ رہیں۔ ان عدالتوں میں جرائم، قریبی انتقال املاک زمین کی وراثت اور روز بینے وغیرہ کے جملہ مقدمات پیش ہوتے تھے ان کا فیصلہ جوری کی رائے سے ہوتا اور جرمانوں کا تعین بھی وہی کرتی تھی۔

منشور اعظم کی انتالیسویں دفعہ میں تحریر تھا کہ "کوئی آزاد مرد، اپنے برابر والوں کے عدالتی فیصلے یا قانون ملک کے احکام کے بغیر نہ گرفتار کیا جائے گا۔ نہ حراست میں لیا جائے گا نہ اپنی مال متاع سے محروم، ملک سے خارج یا اس کا خون ہدر کیا جائے گا۔ نہ اسے کسی اور طرح ستایا جائے گا نہ ہم (یعنی بادشاہ) اس کے مکان پر جائیں گے۔ نہ کسی اور کو بھیجیں گے۔" اس مشہور و معروف دفعہ نے رعایا کو کوئی نیا حق تو نہیں دیا البتہ اصولاً اور عملاً قدیم زمانے سے ہر انگریز کو جو حق حاصل تھا، اس کی پوری طرح صراحت کر دی۔ لیکن اصلی دشواری قانون کے بیان کرنے میں نہ تھی بلکہ اس پر عمل کرانے میں تھی اور کہیں صدیوں میں جاکر رعایا کا ہر طبقہ اس ابتدائی حق سے متمتع ہو سکا۔ "قانون ملک" سے مراد فیصلہ بذریعہ ابتلا یا بذریعہ مبارزت تھا اگرچہ اول الذکر طریقہ تھوڑی ہی مدت بعد منسوخ و متروک ہو گیا، اس سے اگلی دفعہ بھی کچھ کم اہم نہ تھی جس میں لکھا تھا کہ "ہم حق و عدل نہ کسی کو فروخت کریں گے اور نہ کسی شخص کو ان سے محروم کریں گے۔"

سربراہی

اس موقع پر سرکاری سربراہی کی آفتوں سے نجات پانے کی بھی کوشش کی گئی تھی جس کی رو سے بادشاہ گاڑیاں چھکڑے وغیرہ اپنے کام کے لئے طلب کر سکتا اور عام نرخ پر ہر قسم کی رسد منگا سکتا تھا۔ لیکن چونکہ سب سے اول خرید لنے کا حق باقی رہا، لہذا بہت سی زیادتیوں کی گنجائش بھی موجود رہی۔ شہر لندن کو سوم اور زر سپر تبدل کے بارے میں وہی رعایتیں دی گئیں جو جاگیرداروں کو عطا ہوئی تھیں اور دوسرے شہروں کے پاس ان کے فرمان علی حالہ رہنے دئے گئے۔

سوداگروں کو بلا اخذ محصول ملک میں آمد و رفت کی اجازت ملی۔ جن ممالک سے جنگ تھی، ان کے سوداگروں سے وہی سلوک مرعی رکھا گیا جو انھوں نے انگریز سوداگروں سے کیا تھا۔

ایک عمدہ خصوصیت، منشور اعظم کی یہ تھی کہ جاگیرداروں کو جو حقوق ملے تھے، وہی سب معمولی آزاد باشندوں تک کے لئے عام تھے اور جس طرح مالکان زمین کی اراضی کو بیجا ضبطی سے محفوظ کیا تھا، اسی طرح کاشتکار کے زرعی آلات اور سوداگر و تاجر کے ذخیرے محفوظ کر دئے تھے۔ ان کی مال متاع بھی اسی طرح وارثوں کو ملنی قرار پائی تھی جس طرح زمیندار کی زمین۔ اور آخر میں ایک جامع آئین کی رو سے جاگیرداروں اور پادریوں نے اقرار کیا تھا کہ بادشاہ نے اپنے پٹہ داروں کو جو رعایتیں عطا کی ہیں، وہ اپنے کاشتکاروں کے ساتھ وہی سب مرعی رکھیں گے۔

یہ اور دوسری دفعات جن کا آبادی کے ہر طبقے سے تعلق تھا، منشور اعظم کا خلاصہ تھیں، اور اسی منشور کو اہل انگلستان آج تک اپنی آزادیوں کی بنیاد تصور کرتے ہیں۔ آگے چل کے ہینری اول، اور شاہ ایڈورڈ ثانی، کے قوانین کی بجائے یہی منشور عوام میں محبوب و محترم سمجھا جانے لگا اور اسی کی آئندہ بار بار تجدید و توثیق ہوتی رہی۔

ان شرائط پر عمل کرانے کی غرض سے پچیس جاگیرداروں کی ایک ذیلی مجلس مقرر ہوئی جس میں روبرٹ فٹز والٹر، یوس ٹیس، روجر بگوڈ، ہینری بوہن اور لندن کا میر بلد شامل تھے۔ اور اس کی ایک ایک نقل ہر ضلع پر بڑے گرجا اور شہر میں کہنچہ دی گئی۔ ان میں سے بعض نقلیں اب تک محفوظ ہیں۔

جان کی عہد شکنی

لیکن منشور اعظم کی تحریر و توثیق ہوتے ہی جان کو فکر ہوئی کہ ان پابندیوں سے آزادی حاصل کرے اور وہ خفیہ طور پر دو ڈرا ہوا جزیرۂ وائٹ پہنچا اور پاپا کے وکیل پین ڈلف کو مارا مار روما روانہ کیا کہ پاپا سے جاکر سب حال کہے اور بتائے کہ اس عہد و پیمان سے انگلستان کی بادشاہی کو اور اس لئے بالواسطہ پاپائی اقتدار کو کتنا صدمہ پہنچا ہے۔ پین ڈلف نے یہ خدمت بڑی خوبی سے انجام دی اور پاپا نے معاہدے کی پابندی سے جان کو آزاد کر دیا۔ اس نے جاگیرداروں کو ایک مجاہد صلیبی پر فوج کشی کرنے اور ایسے عہد و پیمال لینے کے جرم میں، جن سے پاپائی حکومت کی بے توقیری ہوتی تھی،

خارج از ملت قرار دینے کی دھمکی دی اور آخر میں لینگٹن کو جس کا طرز عمل بڑے سے بڑے رنگ میں پیش کیا گیا تھا، اپنی اسقفی خدمت سے معطل کر دیا۔ ستمبر میں لینگٹن اپنا معاملہ پاپا کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے انگلستان سے روانہ ہوا۔

جان نے اسی پر اکتفا نہ کی۔ منشور سے اس کے دشمنوں کی تشفی ہو گئی تھی اور وفادار دوست، جیسے ہیوبرٹ، چیسٹر اور سالسبری آمادہ تھے کہ جان کو اصلاح حال کا ایک اور موقع دیا جائے مگر خود اُسے انتقام کے سوا اور کوئی خیال نہ تھا۔ تمام گرمیوں وہ فوج جمع کرتا رہا اور فصل ربیع کے اٹھائے جانے کے بعد، پردیسی سپاہیوں کی ایک جمعیت روانہ کی جس کا سردار فاکس ڈی بروتے تھا کہ جاگیرداروں کے علاقے تباہ و تاراج کر دے اور خود ملک پامال کرتا ہوا سرحد سے آگے بڑھا کہ اسکاٹ لینڈ کے نوجوان بادشاہ الگزنڈر کو سزا دے جس نے انگلستان کے سرکشوں کا ساتھ دیا تھا۔

لوئی کی بادشاہی کی تجویز

اپنی جاگیروں کی تباہی اور غالباً جان کے تربیت یافتہ پردیسی سپاہیوں کے مقابلے میں اپنی بے دست و پائی دیکھی تو ۱۲۱۵ء کے اواخر میں انھوں نے فلپ اگسٹس کے بڑے بیٹے لوئی کو جو بلانش کا شوہر تھا، تخت انگلستان کی دعوت دی۔ اس نے اپنی بیوی کے حق سے اسے قبول کر لیا۔ جان کا بیڑا طوفان میں برباد ہو گیا تھا لہذا نومبر میں سات ہزار فرانسیسی انگلستان کے ساحل پر لنگر انداز ہوئے اور آئندہ فروری میں ایک اور فرانسیسی دستہ جہازوں میں ٹیمز تک آیا اور جاگیرداروں سے لندن میں آ ملا۔ مئی میں خود لوئی آ پہنچا اور اس کے سینڈ درچ کے سامنے ۶۸۰ شہسواروں کے ساتھ اترنے کی خبر سنتے ہی جان گھبرا اٹھے پسپا ہونے لگا۔ خطرے کو سر پر دیکھ کر بے حواس ہو جانا، اس بادشاہ کے مزاج کی ایک نمایاں خصوصیت تھی مگر اس موقع پر ممکن ہے اسے یہ بھی خدشہ ہوا ہو کہ اس کے اجیر فرانسیسی سپاہی خود شاہ فرانس کے بیٹے کے مقابلے میں تلوار نہ اٹھائیں گے۔ بہر حال ملک تاراج کرتا ہوا وہ ونچسٹر چلا آیا اور اس عرصے میں لوئی لندن پہنچ گیا جہاں اہل شہر اور جاگیرداروں نے بڑے جوش سے اس کا خیر مقدم کیا۔ نوجوان شہزادے نے اچھا اثر قائم کیا اور لینگٹن کے بھائی سائمن لینگٹن کو پیشکار بنا کے سب کو خوش کر لیا۔ فرانسیسی سپاہیوں نے واقع میں لوئی کے خلاف لڑنے سے انکار کر دیا تھا۔ اسکاٹ لینڈ کا بادشاہ ڈوور تک خود آیا تھا

باب سوم

کہ تسلیم نیاز بجالائے۔ ولیم امیر سالسبری اور دوسرے امیروں نے بھی لوئی کی تائید کا اعلان کیا اور کچھ روز تک ایسا معلوم ہوا کہ گویا جان کا ساتھ دینے والا کوئی نہیں رہا۔

لیکن ان خیالات میں رجعت پیدا ہوئی۔ دیہات وغیرہ میں تو لوئی کو لوگوں نے بادشاہ مان لیا مگر قلعے تمام جان کے ساتھ رہے۔ لوئی نے قلعہ ڈوور پر حملہ کیا جہاں ہیوبرٹ ڈی برگ قلعہ دار تھا۔ یہ کوشش ناکام رہی اور تین قیمتی مہینے ضائع ہوئے۔ ونڈزر کا محاصرہ بھی اسی طرح ناکام رہا۔ ادھر ایک خبر، بڑے اہتمام سے یہ شائع کی گئی کہ اگر لوئی کامیاب ہوگیا تو سب سے پہلے انھی جاگیرداروں کا خاتمہ کردے گا جنھوں نے اپنے ولی نعمت کے خلاف ہتیار اٹھائے تھے۔ اس خبر سے جاگیرداروں میں جو لوئی کا ساتھ دے رہے تھے، سخت سراسیمگی پھیل گئی۔ ادھر جان کچھ عرصے تک جنوب میں مقیم رہ کر، ستمبر کے آخر میں جانب شمال علاقہ پامال کرتا ہوا، بڑھا اور لنکن پر قابض ہوگیا۔ پھر پیٹربرو کے راستے لین گیا جہاں اس کا بہت سا خزانہ محفوظ تھا یہاں سے ورشس کے ریگستان کی راہ واپس لنکن آیا۔ ویلنڈ کی ندی عبور کرتے ہیں، سمندر کی ایک موج اور دوسری طرف سے ندی کے بہاؤ کے زور سے جو بھنور پڑا، اس میں جان کا اسباب غرق آب ہوگیا۔ اس پریشانی میں وہ سوائنز ہیڈ کی خانقاہ آیا اور جیسا کہ مشہور ہے، اپنے معمول کے مطابق غم غلط کرنے کے لئے خوب کھانا کھایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بخار چڑھ آیا اور وہ بمشکل نیوارک پہنچا تھا کہ ۱۹ اکتوبر ۱۲۱۶ء کو اجل نے آدبایا۔ پھر یہ نام چھوڑ کر کہ اس سے بدتر بادشاہ انگلستان کے تخت پر نہ بیٹھا تھا اور انگریزوں کی قوم کو ذلیل کرنے والا اس سے بدتر انسان پیدا نہ ہوا تھا، اس نے وفات پائی۔ اگر جیتا رہتا تو یقین ہے کہ سلطنت ہاتھ سے نکل جاتی عین اس نازک موقع پر موت نے گویا اس کے وارثوں کے لئے ملک کو محفوظ کردیا۔

مشہور سنین

نارمنڈی کا ہاتھ سے نکل جانا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	سنہ ۱۲۰۴ء
ہیوبرٹ والٹر کی وفات۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	سنہ ۱۲۰۵ء
جان، پاپا کی سیادت تسلیم کرتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	سنہ ۱۲۱۳ء
معرکۂ بووین ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	سنہ ۱۲۱۴ء
منشور اعظم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	سنہ ۱۲۱۵ء

باب چہارم

ہنری ثالث: سنہ ۱۲۱۶ء تا سنہ ۱۲۷۲ء

ولادت: سنہ ۱۲۰۷ء ازدواج (البز کے ساتھ) سنہ ۱۲۳۶ء

معاصرین: ولیم (الاسد) الکزنڈر (ثانی)۔ الکزنڈر (ثالث)۔ شاہ اسکاٹ لینڈ
فلپ اگسٹس۔ لوئی (ثامن)۔ لوئی (تاسع) فلپ (ثالث)۔ شاہ فرانس
اوٹو (رابع)، فریڈرک (ثانی)۔ .... شہنشاہ۔
ہنوریس (ثالث)۔ انوسنٹ (رابع)، الکزنڈر (رابع۔۔ پاپائے روما

ہنری کی تخت نشینی

لوئی کے خلاف خیالات میں رجعت کے آثار تو جان کی وفات سے پہلے ہی نمایاں ہو چلے تھے، لیکن موت نے اس ظالم خودسر کو میدان سے ہٹا دیا تو یہ مخالفت اور بھی سرعت سے ترقی کرنے لگی۔ جان کی شرارتیں اور ذاتی سیرت نے جو عداوتیں پیدا کر دی تھیں، وہ اس کے ساتھ دفن ہو گئیں اور اس کے بڑے بیٹے ہینری کے حقوق کا سب کو خیال پیدا ہو گیا کہ اس دہ سالہ معصوم کی حفاظت انگلستان کی تمام رعایا کا فرض ہے۔ پھر بھی۔ ہینری کی حمایت کے لئے ایک باقاعدہ جماعت مرتب ہونے میں دیر لگی اور اول اول اس کے طرفدار اتنے نہ تھے جتنے لوئی کے۔ آخر ہیوبرٹ برگ نے سبقت کر کے ۲۸ اکتوبر کے دن اُسے گلوسٹر میں تخت پر بٹھا دیا اور نوعمر بادشاہ نے پاپا کے قائم مقام گوالو سے اقرار متابعت کر لیا۔ اس طرح ہینری کا آئینی حق مسلم ہونے کے بعد

باب چہارم

ایک مجلس منعقد ہوئی جس نے ریاست بیت المقدس کے طریق کے مطابق، امیر پیمبرُک کو صغیر سن بادشاہ کا اتالیق اور ملک کا حاکم منتخب کیا اور تعلیم و تربیت کی خدمت پیٹر دے روش کے تفویض کی۔ پھر انھوں نے منشور اعظم کا صرف وہ حصہ شائع کیا، جس سے سب کو اتفاق تھا اور جس کے نفاذ میں کوئی دقت نہ تھی۔ اس عاقلانہ کارروائی کا منشا یہ تھا کہ عام طور پر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ گزشتہ عہد حکومت کے بُرے اثرات دلوں سے زائل ہو چکے ہیں اور ہر کہ و مہ سنئے بادشاہ کی تائید پر کمربستہ ہو جائے۔ محاصل وصول کرنے کے بارے میں جو نئی شرطیں منشور میں عائد کی گئی تھیں، انھیں بھی اس موقع پر حذف کر دیا گیا جس کی وجہ شاید یہ ہوگی کہ حکومت کو اس نازک زمانے میں جب کہ خانہ جنگی بپا اور روپے کی ضرورت تھی، وصولی میں دقت نہ پیش آئے۔ منشور کی وہ دفعات جن میں جنگل کی اراضی کا ذکر تھا، اور بعض دوسری شرطیں بھی ملتوی کر دی گئیں کہ انھیں آئندہ دیکھا جائے گا۔

لوئی سے جنگ

اب یہ لوگ جنگی انتظامات کی طرف متوجہ ہوئے۔ قلعۂ ڈوور کے سوائے جسے ہیوبرٹ کی دلیری نے بادشاہ انگلستان کے لئے بچائے رکھا تھا جنوب مغربی اضلاع میں ہر جگہ لوئی غالب تھا دوسرے دیہات اور شہروں میں بھی اس کے طرفداروں کی کمی نہ تھی البتہ وسطی اور شمالی علاقے کے قلعے شاہ پسندوں کے ہاتھ میں تھے اور اس زمانے میں قلعوں کا ہاتھ میں ہونا جنگی برتری کا اصلی معیار تھا۔ مثلاً لنکن کے باشندے لوئی کے سرگرم موید تھے لیکن وہاں کے قلعے پر شاہ پسندوں کا قبضہ تھا۔ لہذا اس شہر کو لے کر جب تک بالاحصار فتح نہ ہو جائے، غیر محفوظ نہ چھوڑا جا سکتا تھا۔ دسمبر میں لوئی کو ایک ضرورت سے فرانس جانا پڑا۔ اُس کے جاتے ہی امیر سالسبری اور پیمبرُک کے بیٹے ولیم مارشل کو موقع ملا کہ لوئی کا ساتھ چھوڑ کر نوعمر بادشاہ سے آملیں لوئی اپریل میں واپس آیا۔ آتے ہی اس نے پرش کے امیر کو لنکن روانہ کیا کہ قلعۂ لنکن کے محاصرے میں روبرٹ فٹز والٹر کو مدد دے اور خود ڈوور پر دوبارہ حملہ شروع کیا۔ امیر پرش کے کوچ کے دوران میں لوگوں پر سخت مظالم ہوئے کیونکہ لوئی کے پردیسی سپاہی جان کے ساتھیوں سے کم بے درد غارتگر نہ تھے۔ اُدھر پیمبرک نے لنکن کا محاصرہ اٹھانے کے لئے زبردست فوج تیار کی۔ شہر کا چکر کھا کے وہ شمالی دروازے سے لڑ کر اندر گھس آیا۔ قلعے والوں نے بھی بروقت باہر

باب چہا

نکل کر حملہ کیا اور پیمبرک نے عقب سے محاصرین کو آدبایا۔ وہ بے ترتیبی سے شہر کی پیچیدہ اور تنگ گلیوں میں گھس گئے اور بری طرح شکست کھا کر بھاگے۔ پرش مارا گیا اور فرز والا گرفتار ہو گیا۔ اہل شہر کو بادشاہ سے بے وفائی کی یہ سزا دی گئی کہ شہر کو لوٹ کے مسمار کر دیا۔ اس موقع پر اتنی لوٹ ہاتھ آئی تھی کہ مدتوں تک یہ معرکہ "لنکن کا میلا" کہلاتا رہا۔

اس ہزیمت نے لوئی کی جنگی برتری کا خاتمہ کر دیا اور اسے ہٹ کر لندن آنا پڑا ابھی اسے اسی جہاز کے ایک بیڑے کے آنے کی امید تھی جسے اس کی بیوی بلانش کی مستعدی نے فراہم کیا اور کمک دے کر یوسٹیس راہب کی سرداری میں انگلستان بھیجا تھا لیکن اس عرصے میں انتھک ہیوبرٹ دی برگ نے بھی جان کے بیڑے کے نقصان کی تلافی کر لی تھی اور ڈوور میں ایک نیا انگریزی بیڑا مہیا ہو گیا تھا۔ اس میں صرف چالیس جہاز تھے۔ بتاریخ ۲۴ راگست انھی کو لے کر ہیوبرٹ دلیری سے آگے بڑھا اور اپنی قابلیت سے کمی تعداد کی تلافی کر دی کہ پہلے تو ایک خاص چال سے فرانسیسی بیڑے کا بادنما اڑا لیا اور پھر فرانسیسی جہازوں پر حملے کے وقت حکم دیا کہ دشمن کی آنکھوں میں چونا جھونک دیا جائے۔ اس عجیب طرز جنگ سے فرانسیسی سپاہی گھبرا گئے۔ ان کے بیڑے کو کامل شکست ہوئی، سردار مارا گیا اور لوئی کی رہی سہی امیدوں پر پانی پھر گیا۔

صلحنامہ لیمبتھ

یہ کامیابی شاہ پسندوں کی عام پیش قدمی کا گویا اشارہ تھی اور لوئی کو نظر آگیا کہ اب جنگ جاری رکھنا فضول ہے۔ ۱۱ر ستمبر کو صلحنامۂ لیمبتھ پر دستخط ہو گئے۔ اور چند ہفتے بعد لوئی ملک سے رخصت ہو گیا۔ لیمبتھ کا صلح نامہ بھی تاریخ میں قریب قریب ایسی ہی اہمیت رکھتا ہے جیسی منشور اعظم کو حاصل ہے کیونکہ یہ گذشتہ افعال کی معافی عام اور ضبط کردہ مال و متاع کی بازگشتی کے اصول پر مبنی تھا۔ دس ہزار مارک لوئی کو مصارف کے نام سے ادا کئے گئے لیکن دراصل اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ جلد رخصت ہو جائے۔ پھر صلح کے تھوڑے ہی دن بعد پمبرک اور گوالو نے عقلمندی یہ کی کہ منشور اعظم کی ایک جدید نقل نیز ایک منشور جنگلات شائع کیا۔ اس میں اصلی منشور اعظم کی دفعات کے علاوہ اور بھی قواعد و ضوابط درج تھے، جن سے یہ دستاویز غالباً منشور اعظم کے برابر مقبول ہو گئی۔ آئندہ جب کبھی "دو منشوروں" کی تصدیق کا مطالبہ کیا گیا تو اس سے یہی دونوں یعنی منشور اعظم اور منشور جنگلات مراد ہوتے تھے۔

سنہ ۱۲۱۷ء انھی کاموں میں صرف ہوا۔ اسی سال کے آخر میں گوآلو لک سے رخصت ہوگیا۔ وہ، جہاں تک معلوم ہے۔ ہیوبرگ سے مل کر کام کرتا رہا اور قیام امن کی مذکورۂ بالا تجاویز میں بھی اس کا حصہ تھا لہذا تعریف کا مستحق ہے۔ اس کی جگہ پنڈلف نے لی جو ادنیٰ درجے کا آدمی تھا اور سنہ ۱۲۲۱ء تک اس منصب پر فائز رہا۔ اس کی تلافی لینگٹن کے سنہ ۱۲۱۸ء میں واپس آجانے سے ہوئی جو اپنی وفات (سنہ ۱۲۲۹ء) تک کلیسائی معاملات میں سب سے مقتدر رہا۔ سنہ ۱۲۱۹ میں پیمبرک نے وفات پائی اور غیر متزلزل وفاداری کے علاوہ، عام بے بہا قومی خدمات کی بنا پر، نام نیک یادگار چھوڑ گیا اس کی جگہ کوئی نائب السلطنت مقرر نہیں ہوا لیکن اصلی اقتدار ہیوبرٹ ڈی برگ کے ہاتھ میں رہا جو سنہ ۱۲۱۵ء سے میر عدل کی خدمت پر ممتاز تھا۔ وہ ہینری ثانی کے تربیت یافتہ عہدہ داروں میں آخری آدمی تھا اور سنہ ۱۲۱۹ء سے سنہ ۱۲۳۲ تک اس کا عہد انتظام تاریخ میں خاص وقعت رکھتا ہے اس کا سب سے نمایاں کارنامہ یہ تھا کہ پیمبرک نے قلعوں کے بادشاہ کے قبضے میں لانے کی جو کارروائیاں شروع کی تھیں، ان کی تکمیل کی اور نیز انگلستان کو ایسے شورہ پشت آفاقیوں سے نجات دلائی جیسے فاکس ڈی بروٹے وغیرہ کہ پیمبرک فوجی خدمات کے عوض میں ان کے ساتھ رواداری کرنے پر مجبور ہوگیا تھا۔

ہیوبرٹ ڈی برگ

پہلے مقصد کے حصول میں سب سے بڑی دشواری ولیم (اومالی) کی ضد سے پیش آئی جس نے اپنے قلعے حوالے کرنے سے انکار کیا جیسے سنہ ۱۱۵۵ء میں اس کے دادا نے انکار کیا تھا۔ امیر چیسٹر اور فاکس نے اسے شہ دی اور عجب نہیں کہ پیٹر ڈی روش بھی، ہیوبرٹ کے اقتدار سے حسد رکھنے کے باعث، خفیہ مددگار ہوگیا ہو۔ بہر حال، سنہ ۱۲۲۰ء اور سنہ ۱۲۲۱ء کے دونوں سال اسی کا قضیہ چکانے میں صرف ہوے اور جب وہ کامل طور پر مطیع ہوگیا تو فاکس کی نوبت آئی۔ یہ بدذات، نارمنڈی کا مفرور مجرم اور جان کا دست راست تھا اور اسی لئے ہر قسم کے انعام اکرام سے جو وہ بادشاہ اسے دے سکتا تھا، بہرہ مند ہوگیا تھا۔ ایک جاگیردارنی سے اس کا عقد کر دیا گیا تھا بہت سی جاگیریں خود اس کے نام تھیں چھ ضلعوں کا وہ سرکاری عامل (شیرف) تھا اور متعدد قلعے جن میں بیڈ فرڈ خاص طور پر قابل ذکر ہے، اس کے قبضے میں تھے۔ اس قلعے کو فاکس نے اپنے بھائی ولیم کی تحویل میں دے دیا تھا جو کچھ کم شورہ پشت نہ تھا حتیٰ کہ ایک بادشاہی

باب چہارم

حاکم عدالت کو جس نے اسے ڈنس ٹیبل کی عدالت میں جرمانہ کی سزا دی، اس نے پکڑ کر قید میں ڈالنے میں بھی تامل نہ کیا تھا۔ یہ خبر سنی تو ہیوبرٹ نے بلا تاخیر بیڈ فرڈ پر فوج کشی کی۔

بیڈ فرڈ کا محاصرہ

بیڈ فرڈ کا محاصرہ بہت دشوار و اہم کام تھا اور اُس عہد کے طرز جنگ کی عمدہ مثال پیش کرتا ہے۔ قلعے کی کیفیت یہ تھی کہ باہر ایک گڑھگج پھر فصیل اور اندر بالا حصار بنا ہوا تھا۔ اس کے اندر کافی فوج اور اتنا سامان موجود تھا کہ فاکس کے نزدیک سال بھر تک کفی ہوتا۔ حملے کا آغاز وسط گرما میں ہوا۔ ہیوبرٹ نے دو کاٹھ کے برج بنوائے جن پر چڑھ کر تیر انداز گڑھگج کے سپاہیوں پر تیر باری کر سکیں۔ پھر ان کی مدد سے یورش کر کے باہر کا گڑھگج فتح کر لیا۔ اب سات منجنیقوں سے فصیل پر حملہ ہوا اور جب اس پر بھی بزور قبضہ پا لیا تو اصل بالا حصار کی باری آئی۔ فصیل چھین لینے کے ساتھ محصورین کے گھوڑے اور مویشی حملہ آوروں کے ہاتھ آ گئے۔ بالا حصار میں سُرنگ لگانے کا کام ایک آلے کی حفاظت میں ہوا جسے بِلّی (ساباط ؟) کہتے تھے۔ آخر ایک کونا ڈھے گیا اور دیوار میں بڑا سا رخنہ پڑ گیا۔ تب قلعہ والوں نے امان چاہی مگر ہیوبرٹ ان جیسے اشرار کو سبق دینا چاہتا تھا لہٰذا اسی سرداروں کو سولی پر ٹکا دیا اور باقی سپاہی ملک سے نکلوا دیے گئے۔ اور خود قلعہ توڑ کر زمین کے برابر کر دیا گیا۔ اب فاکس نے بھی ہتھیار رکھ دئے اور اسے اجازت مل گئی کہ ملک سے ہمیشہ کے لئے دفع ہو جائے۔ اپنے دوستوں کا یہ حشر دیکھ کر روشن کی ہمت ٹوٹ گئی ۱۲۲۴ء کے بعد اس کا بہت کم اثر نظر آتا ہے اور ۱۲۲۷ء میں وہ پیشکاری کی خدمت سے بھی علٰحدہ کر دیا گیا اور ملک چھوڑ کر صلیبی جنگوں میں چلا گیا۔

ہینری کا سن بلوغ کو پہنچنا

۱۲۲۷ء میں ہینری کی عمر بیس سال کی ہوئی اور اس نے اعلان کیا کہ اب وہ زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے گا۔ زمانہ صغر سنی کے مذکورہ بالا جوش انگیز واقعات کے علاوہ، رواجی قوانین میں بعض ترقیاں بھی قابل ذکر ہیں۔ اس دوران میں مشیروں کا ایک خاص حلقہ ہمیشہ بادشاہ کے گرد نظر آتا ہے جس سے قدیم مجلس شاہی (Curia Regis) کے ان سیاسی اختیارات کی کم و بیش تجدید ہوئی جو علاوہ عدالتی اختیارات کے اسے حاصل تھے نائب السلطنت (Regent) کا عام مجلس شوریٰ کی رائے سے مقرر ہونا خود قوم کے حق انتخاب کی تمہید تھی جس کے یہ معنے تھے کہ وزرا

کے تقرر میں عام باشندوں کی رائے سُنی جائے اور ان کی نیابت مجلس عامہ کرے۔ آخری بات یہ کہ غالباً اسی زمانے میں جب کہ صغیر سن بادشاہ حکومت کے طرز عمل کا ذمہ دار قرار نہیں دیا جا سکتا تھا، یہ تخیل اور اصول پیدا ہوا کہ "بادشاہ کوئی بُرا فعل نہیں کر سکتا"۔

نئے بادشاہ کی سیرت عجائبات کا مجموعہ تھی باپ کی سی شیطنت اس میں بلاشبہ نہ تھی، لیکن مکر و غداری، جو خاندان آنژو کے اور ارکان میں بھی پائی جاتی تھی، ہینری کو باپ سے ورثے میں ملی تھی لوگوں کو ذاتی طور پر اپنا دشمن بنا لینے کا مادہ بھی باپ کی مثل موجود تھا لیکن قوت کے ساتھ کام کرنے کی صلاحیت بالکل نہ تھی۔ وہ جنگی اوصاف سے عاری تھا اور کوئی سیاسی تخیل نہ رکھتا تھا بجز اس کے کہ پاپا کا احسان مند اور وابستہ دامن تھا۔ زوردار لوگوں کا اثر وہ پسند نہ کرتا تھا اس کی خانگی زندگی بے داغ تھی نمود و نمائش کا طفلانہ شوق تھا لیکن اس کی بدنمائی فنون لطیفہ اور تعمیر کے ذوق نے دور کر دی تھی۔ وہ صورت شکل کا حقیر تھا اور ایک پپوٹے کے لٹکے ہوئے ہونے سے چہرہ غمگین معلوم ہوتا تھا۔

پاپائی محاصل

ہینری کے انتظامات ہاتھ میں لینے کے بعد بھی ہیوبرٹ اور پانچ سال تک میر عدل کی خدمت انجام دیتا رہا لیکن سنہ ۱۲۲۸ء میں اس کا ایک خاص معین و مددگار یعنی صدر اسقف لینگٹن مر گیا اور اس کے بعد ہی پاپا نے انگلستان سے باضابطہ روپیہ وصول کرنے کی ٹھانی۔ سیادت یا شہنشاہی کی بنا پر ایک ہزار مارک سالانہ اُسے پہلے ہی دئے جاتے تھے۔ پیٹرز پینس کے نام سے ہر کلیسائی حلقے سے ایک مقررہ رقم اور ملتی تھی جو کل ۱۹۹ پونڈ ۸ شلنگ ہو جاتی تھی لیکن ظاہر ہے کہ پاپائی مصارف کے لئے یہ رقوم کافی نہ تھیں۔ دنیاوی مقبوضات اور انوسنٹ ثالث کی مستعدی سے کاروبار کی کثرت ہوئی، پھر اس کے دو جانشین شہنشاہ فریڈرک ثانی سے پیہم جنگ میں مصروف رہے۔ ان سب اسباب نے خواہی نخواہی پاپا کے اخراجات کو بڑھا دیا تھا۔ ابتدا میں صلیبی جنگوں کے لئے جو محاصل عائد کئے گئے، ان کا مطلب یہ تھا کہ اہل کلیسا جو لڑنے نہیں جاتے، اس مقدس کام میں کم سے کم مالی اعانت کریں لیکن ایک دفعہ یہ راستہ کھلا تو پھر بار بار وصولیاں ہونے لگیں اور آخر میں صلیبی جنگ کا ارادہ بھی ترک کر دیا گیا۔ جاگیرداری کے اصول پر پاپا کا بھی حق سمجھا جانے لگا کہ مالک اراضی کی طرح روپیہ اپنے باج گزاروں سے وصول کرے خاص کر انگلستان تو پاپائی جاگیر بن چکا تھا۔ یہاں پادری اور دنیادار دونوں طبقوں سے وصول زر کی تدبیر کی

باب چہارم

کی جانے لگیں اور ۱۲۲۹ء میں گریگوری (تاسع) نے شہنشاہ سے جنگ کے واسطے اہل انگلستان کی املاک کا دسواں حصہ طلب کیا۔ لیکن دنیاداروں نے قطعی طور پر انکار کر دیا جس میں ان کا سرگروہ **انولف** امیر چیسٹر تھا اور پاپا کو بھی طرح دینی پڑی مگر پادری دبنے پر مجبور ہوئے اور آخر میں سالانہ آمدنی کا دسواں حصہ اول تمام معافیوں کا ایک سالہ نفع پاپا کی نذر کرنا پڑا۔ یہ محاصل یا "سالیانہ" اور "پہلے پہل" کے نام سے مشہور ہیں ان کے علاوہ خاص خاص نذرانے بھی کبھی کبھی طلب کر لئے جاتے تھے اور اس گریگوری کے زمانے میں یہ بے توتہی بڑی تھی کہ لوگوں کو ملک کے افلاس کی فریاد کرنی پڑی۔ ۱۲۳۷ء میں پاپا کی طرف سے **کاردینال اوتھو** انگلستان آیا۔ اہل کلیسا اور عوام چیں بجبیں ہوتے ہی رہے، اس نے پاپائی خزانے کے واسطے زر کثیر جمع کر لیا۔ چنانچہ ۱۲۴۵ء کی کلیسائی مجلس منعقدہ لیون میں شکایت کی کہ ہر سال انگلستان کے ساٹھ ہزار مارک پاپا اور پردیسی پادریوں کی جیب میں چلے جاتے ہیں زر نقد وصول کرنے کے علاوہ، ایک اور صورت پاپا نے یہ نکالی تھی کہ اپنے ملازمین کی تنخواہیں انگلستان کی معافیوں سے دلواتا اور انھیں فرضی طور پر وہاں کے گرجوں میں نامزد کر دیتا تھا، جس طرح بادشاہ اپنے عہدہ داروں کو کسی اسقفی پر مقرر کرا کے کلیسا کی جاگیروں سے مشاہرہ دلواتے تھے۔ یہ طریقہ "پرووِیزور" (= پرورش) کہلاتا تھا اور اس سے اصل مالکانِ اراضی کے حق انتخاب پر زد پڑتی تھی۔ لہٰذا ان میں بڑی ناراضی پیدا ہوئی اور یارک شر کے ایک سردار سر روبرٹ ٹوٹینج نے قومی خدمت کے جوش میں خود روما جا کر پاپا کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کیا اور اس کے کہنے سننے کا اتنا فائدہ تو ہوا کہ پاپا نے وعدہ کر لیا کہ آئندہ ایسی معافیاں صرف کلیسائی جاگیروں سے دی جایا کریں گی اور دوسرے جاگیرداروں کی زمینیں مستثنیٰ رہیں گی۔ پھر لنکن کے اسقف نے یہ معاملہ اٹھایا اور پاپا نے اس طریقے کو بند کرنے کا وعدہ بھی کیا مگر اس وعدے پر پوری طرح عمل نہیں ہوا۔

فقرا کے نئے فرقے

جس زمانے میں مقدس پاپا اور کلیسا کے قدیم و دولتمند جاگیرداری طبقے میں زر و مال پر یہ ذلیل مناقشے ہو رہے تھے، اسی زمانہ میں فرانسسکی اور ڈومنیکی اور کچھ مدت بعد ان کے حریف کارملی اور اوگستی نی فرقے کے فقیر انگلستان پہنچے اور انھوں نے خاصی طرح ایک مذہبی انقلاب پیدا کر دیا۔ ان میں

سے دوسرے فرقے کا بانی ڈومنی تک، (سنہ ۱۱۷۰ء تا سنہ ۱۲۲۱ء) قوم کا ہسپانی اور نہایت متقشف کٹّائی مزاج کا آدمی تھا۔ اُسے جنوبی فرانس کے شہروں میں ملحدانہ خیالات پھیلتے دیکھ کر بڑا صدمہ ہوا اور اس نے سمجھ لیا کہ اس کا علاج صرف یہی ہو سکتا ہے کہ عام واعظوں کا ایک گروہ تیار کیا جائے جو اہل الحاد کے ساتھ انھی کے ہتھیاروں سے لڑ سکے اور اپنے فقر و فاقہ، عبادت گزاری اور نیز علم و فضل سے ثابت کر دے کہ دنیا دار پادریوں اور چکنے چپڑے راہبوں کی پر عیش زندگی میں جو کچھ نظر آتا ہے، دین مسیحیت میں اس سے کچھ زیادہ کشش کی چیز بھی ہے اور اہل خانقاہ نے جو طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ دنیا کے بُرے بھلے سے کچھ غرض نہیں رکھتے بلکہ اپنے حجروں اور زاویوں میں گھسے رہتے ہیں اصلی مذہب کا راستہ اس کے علاوہ بھی موجود ہے۔

اس کے برخلاف، فرانسس (سنہ ۱۱۸۲ء تا سنہ ۱۲۲۶ء) جس نے دوسرے فرقے کی بنیاد ڈالی۔ اسیسی کے ایک سوداگر کا بیٹا یعنی اطالوی قوم کا آدمی تھا جسے دولت مند طبقوں کے الحاد کی بجائے زیادہ غم یہ دیکھ کر ہوا کہ ادنیٰ لوگ (جن کی تعداد تجارت کی ترقی اور جاگیرداروں کے مظالم کے باعث بڑھتی جاتی تھی) کس بلا کی جہالت و ظلالت میں مبتلا ہیں۔ چھوٹے چھوٹے رقبوں میں آبادی کے بڑھے چلے جانے سے گندگی اور بیماری کا بڑھنا لازمی بات تھی اور حکام حفظان صحت اس کا کوئی انتظام نہ کر سکتے تھے نہ پادریوں کی تعداد یا قابلیت اس مسئلے کی عقدہ کشائی کر سکتی تھی جو روز بروز وسیع و دشوار تر ہوتا جاتا تھا۔ لہٰذا فرانسس نے ان انفار و اراذل کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ لیکن مقصد میں اختلاف کے باوجود اِن دونوں مصلحین کے عملی طریقے تقریباً یکساں تھے۔ دونوں نے فقیروں یا بھائیوں کی جماعتیں بنائی تھیں کہ جن غریبوں میں رہیں انھی کی خیرات پر گزر اوقات کریں۔ دونوں فرقے وعظ و پند سے خیالات کی اشاعت کرتے اور کم سے کم ابتدا میں ان دونوں کے مخاطب و سامع وہی گندے، جاہل، بے دین و بے عمل عوام الناس ہوتے تھے، جو ازمنۂ وسطیٰ کے غلیظ، وبائی شہروں میں اوپر تلے آباد تھے۔ آگے چل کے ان فرقوں میں یہ اختلاف رفتہ رفتہ زیادہ نمایاں ہو گیا کہ ڈومنی بھائیوں نے تو صرف الحاد کے خلاف وعظ کرنا اپنا نصب العین بنا لیا مگر فرانسسکی بھائیوں نے اپنے فرائض کی حدود بہت وسیع کر لیں اور ان کا دستور العمل یہ قدیم مقولہ بن گیا کہ ہر چیز

باب چہارم

جس کا انسان سے تعلق ہے، ہمارے دائرۂ عمل میں داخل ہے" ڈومی نکی، مذہب و الہیات کے عالم ہوتے تھے اور طبعاً انھی علوم کے مطالعے پر زور دیتے۔ برخلاف اس کے فرانسسکی ایک کاروباری آدمی کا مذاق رکھتے تھے جیسے کتب بینی سے وحشت ہوتی ہے، اور اپنے گروہ میں مطالعۂ کتب کو ممتنع نہیں تو ناپسند ضرور کرتے اور ان کی خواہش یہی رہتی تھی کہ اس فرقے کے پیرو عملی زندگی پر پوری توجہ مرکوز رکھیں۔ تاہم واقعات کے آگے فرانسس ولی کا زور نہ چل سکا۔ تجربے سے جلد ہی معلوم ہو گیا کہ اگر ان فقرا کو لنگڑے لولے، بیمار، کوڑھیوں کی مدد کرنی منظور ہے، تو علم طب و تشریح سے واقفیت حاصل کئے بغیر چارہ نہیں۔ چنانچہ اسی کوشش میں وہ دُنیا کے سب سے پہلے علمائے ابدان بن گئے، علیٰ ہذا شہر کے تیز و طرار لوگوں سے سابقہ پڑا، تو انھیں منطق کی طرف بھی توجہ کرنی پڑی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اگر ڈومی نکی فرقہ ٹامس اکوی ناس اور البرٹ (اعظم) جیسے علمائے الہیات پر نازاں تھا، تو فرانسسکیوں میں بھی روجر بیکن، ڈنس اسکوٹس اور ولیم (اوکمی) جیسے مایۂ فخر اشخاص پیدا ہوئے۔

ڈومی نکی بھائی یا برادری سنہ ۱۲۲۱ء سے قبل اور فرانسسکی سنہ ۱۲۲۴ء میں انگلستان پہنچے۔ مگر دونوں کو یکساں کامیابی نہیں ہوئی۔ اصل میں اہل انگلستان الحاد کے گرویدہ نہ تھے اور اسی لئے ڈومی نکی (سیاہ پوش) بھائیوں کو ٹیمز کے کنارے اتنا کام نہ ملا جتنا نوروز کے باشندوں میں مل سکتا تھا۔ البتہ فرانسسکیوں کے لئے کام کی کچھ کمی نہ تھی اور چند ہی سال میں یہ بھائی ملک میں سب سے زیادہ مقبول ہو گئے۔ دعائی لبادے کے بھائیوں کی ہر شہر میں خانقاہ تیار ہو گئی جو بلا استثنا اس زمانے کے تبلیغی گرجوں کی طرح شہر کے سب سے غریب و غلیظ محلوں میں بنائی جاتی اور وہیں سے دو دو کی قطار میں یہ فدویانِ ملت نکلتے کہ ہمسایہ والوں کی تقریر، طبابت، تیمارداری، غمگساری۔ غرض ہر ممکن طریقے سے مدد کریں۔ ایسی جماعت کا اثر لامحالہ بہت گہرا اور ہمہ گیر تھا اور تیرھویں صدی میں ان بھائیوں کو وہ مرتبہ حاصل تھا جو آج کل اخباروں کو حاصل ہے ان کے وعظ زمانۂ حال کے مقالات افتتاحیہ کا کام دیتے تھے۔ آکسفرڈ، یا لندن سے کسی بھائی کا کسی شہر میں پہنچنا، شہرت عام کا باعث ہو جاتا۔ اس سے تازہ ترین خبریں معلوم ہوتیں اور چونکہ وہ تقریر و عادات میں پورا جمہوریت پسند ہوتا لہذا عام پسند خیالات کے پھیلانے

باب چہارم

پردیسیوں پر اس قسم کی مفرط عنایتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود اہل انگلستان میں ناراضی پیدا ہوئی کیونکہ جاگیر دار خواہ ابھی تک فرانسیسی بولتے ہوں، اب خالص انگریز بن چکے تھے۔ ان مخالفین کا سرگروہ ریولف ہوتا مگر وہ ۱۲۲۲ء میں مر چکا تھا۔ ولیم مارشل (خرد) بھی زندہ نہ تھا لہٰذا امرا کی رہ نمائی، مارشل کے چھوٹے بھائی رچرڈ مارشل کے حصے میں آئی جو اس وقت امیر پیم بُرک اعلیٰ اوصاف وخصائل سے متصف، عمدہ جنگجو دوربین سیاست داں اور سچا محب وطن تھا۔ اسی کے زیر قیادت جاگیرداروں نے اعلان کیا کہ اگر پیٹر دے روش اور اس کے آفاقی مشیروں کو علٰحدہ نہ کیا گیا تو ہم ایک نئے بادشاہ کا انتخاب کریں گے۔ یہ سن کر ہینری نے جواب میں رچرڈ کو غدار قرار دیا۔ اور جب اس نے مطالبہ کیا کہ میرا مقدمہ برابر والے امیروں میں پیش کیا جائے تو پیٹر نے حقارت سے کہا کہ انگلستان میں کوئی امیر نہیں ہے۔ تب اساقفہ بھی جاگیرداروں کے ساتھ ہو گئے اور ان لوگوں کو خارج از دین قرار دیا جنھوں نے بادشاہ کا دل اپنی اصلی رعایا کی طرف سے پھیر دیا تھا۔ نوبت، خانہ جنگی کی آئی اور اکتوبر ۱۲۳۳ء میں خود بادشاہ کو رچرڈ نے موں میتھ پر شکست دی۔ مگر سال آئندہ اس امیر کو دھوکے سے آئرستان کھینچ کر مروا دیا گیا۔ تاہم نئے صدر اسقف ایڈمنڈ رچ کے ماتحت جاگیردار اصلاح پر اڑے رہے اور ایڈمنڈ خود بادشاہ کو خارج از دین قرار دینے پر تیار ہو گیا۔ وہ پاپائے روما کا نامزد کردہ تھا اور اس دھمکی سے ہینری کو دبنا پڑا۔ رچرڈ آئرستان میں بستر مرگ پر پڑا تھا جبکہ پیٹر اور اس کے دوست برطرف اور ہیوبرٹ دی برگ کی جاگیریں واگزاشت کر دی گئیں۔

ہینری کی شادی

ہینری کو اب از سر نو کام شروع کرنے کا موقع تھا لیکن پیٹر اور اس کی اُلفتوں کے دام حرص و اقتدار سے آزادی پائے دیر نہ ہوئی تھی کہ وہ کاسہ لیسوں کی ایک دوسری ٹولی کے پنجے میں پھنس گیا۔ شرح اس اجمال کی یہ ہے کہ ۱۲۳۶ء میں پروونس کی خوبصورت امیرزادی الینر سے اس کی شادی ہوئی جس کی تین بہنیں شاہ فرانس، امیر آنژو اور خود ہینری کے چھوٹے بھائی رچرڈ سے بیاہی تھیں۔ یہ بڑی بلند حوصلہ، پُرجذبات اور شوہر کی شیفتہ بی بی تھی اور اپنے شوہر کے ساتھ ازدواجی مسرت ونکوکاری کی اس نے مثال قائم کر دکھائی لیکن ظاہر ہے کہ انگریزی معاشرت سے اُسے آگہی نہ تھی اور اپنے شوہر کو ملکی مسائل و مشکلات

باب چہارم

میں کوئی خاص مدد نہ دے سکتی تھی ایلینر کے ہمراہ اس کے تین ماموں، ولیم، پیٹر اور بونی فیس بھی آئے جن میں سے ولیم ولانس آئندہ اسقف منتخب ہو چکا تھا۔ ان کے علاوہ پروانس کے بہت سے بھوکے طفیلی، ہنری کی دولت کے جھوٹے افسانے سن سن کر جمع ہو گئے اور ہنری کی مروت نے ملک کی آمدنی میں انھیں بھی اتنا ہی بڑا حصہ مرحمت کیا جتنا پہلے پیٹر دے روش اور پواتو کے آفاقیوں کو دے رکھا تھا۔ چنانچہ ولیم کو اس نے روش کی جگہ ونچسٹر کا اسقف بنانا چاہا۔ اس کے ایک بھائی پیٹر کو رچمنڈ کا رئیس بنا دیا اور ۱۲۴۵ء میں ایڈمنڈ رچ نے وفات پائی تو بونی فیس کو صدر اسقف کینٹربری مقرر کر دیا۔

ایک اور قصہ یہ ہوا کہ ہنری کی ماں ازابلا نے شاہ جان کے مرنے پر اپنے پرانے عاشق ہیو دِلا مارش سے شادی رچائی اور اب اس سے کئی بیٹے بیٹیوں کی ماں بن گئی تھی۔ ہیو کا لوئی (نہم) شاہ فرانس کے ساتھ جھگڑا ہو گیا تو اس وقت ہر چند انگریز مشیروں نے بادشاہ کو روکا لیکن ہنری برِاعظم یورپ میں ناموری پانے کے شوق میں سوتیلے باپ کی مدد کو جا پہنچا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تائی بورگ اور سینت کے معرکوں میں ہنری کی جنگی ناقابلیت کا دنیا نے تماشا دیکھا اور وہاں شکست ہی نہ کھائی بلکہ محض اپنے بھائی رچرڈ کی ہوشیاری کے باعث بچ کر سلامت آ سکا۔ ادھر واپس ہوا تو اخیافی بھائی بہنوں کا جوق، پواتو کے بھوکے اہل غرض ولیم (ولانسی) غرض خاصی ایک نئی فوج ساتھ آئی اور ان میں سے بعض کو گراں قدر انعام اکرام عطا ہوئے۔ ولیم کو امیر پیمبرک بنا دیا گیا اور ایلمر ۱۲۵۰ء میں ونچسٹر کا اسقف منتخب ہوا۔ یورپ کی مہم سے ہنری کو اگر واقع میں کوئی فائدہ ہوا تو وہ یہ تھا کہ پواتو کے دعوے سے وہ قطعاً دست بردار ہو گیا جس کے معاوضے میں گیین کی امارت باضابطہ اس کو دے دی گئی جو قریب قریب موجودہ گیس کنی کا ضلع تھا۔

آخری دشواری یہ کہ ہنری پاپا کا قرضدار ہو گیا۔ جس وقت ۱۲۵۰ء میں شہنشاہ فریڈرک ثانی نے وفات پائی تو انوسنٹ (رابع) نے نیپلز اور صقلیہ کا علاقہ اس کے جانشینوں کے ہاتھ سے نکال لینا چاہا اور ہنری کے بھائی رچرڈ کو ان ریاستوں کی حکومت پیش کی لیکن متوفی شہنشاہ کو رچرڈ کی بہن بیاہی تھی اور خود اپنے بھانجے کا ورثہ غصب کرنا کسی طرح اسے گوارا نہ ہوا لیکن چار سال بعد اس بھانجے نے بھی وفات پائی تو ہنری نے اپنے منجھلے بیٹے ایڈمنڈ کے لئے مذکورۂ بالا تجویز قبول کر لی۔ مگر اتنی دور مہم لے جانے کی

باب چہارم

قابلیت ہوتی تو بھی وہ استطاعت نہ رکھتا تھا اور چونکہ اس تجویز کو کامیاب بنانے کے لئے فوری کام کرنے کی ضرورت تھی، لہذا پاپا نے بلا تاخیر لڑائی چھیڑ دی اور مہم کے تمام مصارف ہنری کے حساب میں ڈالے۔ ہنری نے اپنی اخلاقی کمزوری سے یہ مفت کا ڈنڈ قبول کر لیا اور سنہ ۱۲۵۷ء تک وہ پاپا کا ایک لاکھ ۲۵ ہزار پونڈ کا مقروض ہو گیا اب ملک کے دوالا نکلنے کی نوبت آ گئی تھی اور ہنری کے وطن میں یا باہر کوئی کارنامہ ایسا نہ تھا جسے اتنے مصارف کے مقابلے میں پیش کیا جا سکے۔ انگلستان میں وہ اپنا وزیر اعظم خود تھا۔ سنہ ۱۲۴۴ء سے نہ اس نے کوئی خزینہ دار مقرر کیا نہ پیشکار نہ میر عدل بلکہ ان سب عہدہ داروں کا کام معمولی منشیوں سے لیتا رہا اور چونکہ خود تمام کاروبار کو اس طرح چلانے کی کافی لیاقت نہ تھی اس لئے حکومت کی ساری کل جگہ جگہ سے بگڑ گئی بہت سے بادشاہی ملازموں پر قزاقی کے جرم ثابت ہوئے جس کا سبب بھی وہی روپے کی کمی تھی کہ جب مدتوں تنخواہ نہ ملی تو وہ مجبور ہو کر قزاقی پر اتر آئے اساقفہ کے انتخاب میں بھی بادشاہ کی آئے دن پادریوں سے ان بن ہوتی رہتی تھی۔ ادھر اس کے قلعہ دار اور پردیسی ملازمان خاص اپنی دراز دستی اور نخوت سے رعایا کے دل بگاڑتے تھے غرض ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پھر اسٹیفن کے زمانے کی بدنظمی اور خرابی کا اعادہ ہونے والا ہے۔

ان حالات سے لامحالہ بددلی پیدا اور شائع ہوئی لیکن جاگیردار بغیر کسی رہنما کے کچھ کارروائی نہ کر سکے اور صدر اسقف ایڈمنڈ کے سنہ ۱۲۴۰ء میں وفات پانے کے بعد سے کوئی اعلیٰ درجہ کا ایسا شخص نہ اٹھا جو متوفی کی جگہ لیتا امیر کبیر ولیم مارشل کے سب بیٹے (اور سنہ ۱۲۳۴ء میں ہیوبرٹ ڈی برگ) مر چکے تھے۔ بادشاہ کا چھوٹا بھائی رچرڈ بہت قابل اور انگریزوں کا ہمدرد تھا اور جاگیرداروں کی جماعت کا سرگروہ ہو سکتا تھا لیکن جب سے ملکہ کی بہن سن گیا سے اس کی شادی ہوئی، وہ منظر عام سے ہٹ گیا اور کسی حد تک پردیسیوں کا طرفدار ہو گیا۔ سنہ ۱۲۵۳ء میں روبرٹ گروس ٹیٹ نے بھی وفات پائی اور صدر اسقف بونی فاس اول تو اکثر انگلستان کے باہر رہتا دوسرے خود پردیسی اور پردیسیوں ہی کا خیرخواہ تھا گر علی تدبیر نہ کر سکنے کے باوجود جاگیردار شکوہ و شکایت ضرور کرتے رہے اور مجلس کبیر میں جسے بادشاہ اپنی ضرورتوں سے

پارلیمنٹ

مجبوراً بار بار منعقد کرتا رہتا تھا، انھیں دل کے بخار نکالنے کے اکثر موقع مل جاتے تھے۔ اسی مجلس کو رفتہ رفتہ پارلیمنٹ کے نام سے یاد کیا جانے لگا تھا جو دراصل ایک اطالوی لفظ ہے اور سب سے اول اطالیہ کی ایک مجلس کے متعلق استعمال ہوا جسے فریڈرک باربروسہ نے سنہ ۱۱۵۵ء میں منعقد کیا تھا۔ القصہ سنہ ۱۲۴۴ء میں امرا و اساقفہ نے ایک اسی قسم کی مجلس میں بادشاہ سے وزیروں کے انتخاب میں رائے دینے کا حق بھی طلب کیا اور سنہ ۱۲۴۸ء میں التجا کی کہ خزینہ دار، پیشکار اور میر عدل کے خالی عہدے پر کئے جائیں۔ سنہ ۱۲۵۵ء میں دوبارہ یہی استدعا کی گئی۔ بادشاہ نے ان باتوں پر ذرا کان نہ دھرا تاہم اس مطالبے سے معلوم ہوتا ہے کہ فریق اختلاف کو معلوم ہو گیا تھا کہ بادشاہ کے طریق عمل پر اثر ڈالنے کا صحیح راستہ کونسا ہے اور وہ آہستہ آہستہ وزیروں کو قوم کے سامنے جوابدہ بنانے کی تمہید ڈال رہے تھے۔ اس کے علاوہ جب بادشاہ روپے کا جدید مطالبہ کرتا تو وہ موقع پاکر منشوروں کی تصدیق کرا لیتے۔ لیکن ہنری پختہ سے پختہ عہد و پیمان اور قسموں کے توڑ دینے میں عجیب و غریب طرح کا لوچ دار ضمیر رکھتا تھا اور ہر چند سنہ ۱۲۵۳ء میں اس سے کہوایا گیا تھا کہ "خدا کی مدد سے، اگر میں ایک بندۂ خدا، مسیحی، مجاہد، تاجدار بادشاہ جائز ہوں، تو ان (مواعید) کو ایمانداری کے ساتھ پورا کروں گا اور ان پر قائم رہوں گا" بایں ہمہ سنہ ۱۲۵۵ء میں وہی مناقشہ جاری رہا اور منشور پھر منظور و شائع کئے گئے۔

سائمن ڈی مونٹ فرٹ

آخرکار جاگیرداروں کو آفاقیوں کے مقابلے میں حسب دلخواہ ایک رہنما مل گیا۔ یہ سائمن ڈی مونٹ فرٹ امیر لیسیٹر تھا۔ طرفہ تر یہ کہ وہ خود پردیسی آدمی تھا۔ وہ اپنے ہم نام باپ کا بیٹا، اور البی جنون کے خلاف (جنوبی فرانس کی) مذہبی جنگ میں لڑ چکا تھا۔ اس کا باپ امیر لیسٹر کا بھانجا اور شریک وراثت تھا اور یہ امیر لیسٹر گذشتہ عہد حکومت میں فوت ہوا لیکن انگلستان و فرانس کے تعلقات ایسے کشیدہ تھے کہ سائمن (کلاں) کو اپنے حق کے لئے جد و کد کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور وہ جاگیر رنولف، امیر چیسٹر کے حوالے کر دی گئیں۔ رنولف لاولد تھا اور ادھر سائمن کے بڑے بیٹے اموری نے چھوٹے بھائی سائمن کے حق میں خود جاگیر سے دست برداری لکھ دی۔ رنولف کے بعد اسی باہمی فیصلے کے مطابق ہنری نے سائمن کو

باب چہارم

امیر لیسٹر تسلیم کر لیا۔ یہ نوجوان امیر قوی الجثہ، مستعد، اور اپنے زمانے کے معیار کے مطابق تعلیم یافتہ آدمی تھا اور باپ کا ممتاز وصف یعنی پرجوش دینداری بھی اسے ورثے میں ملی تھی۔ اُس کی قابلیت کا اندازہ اس واقعے سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ اپنے عہد کے بہترین اشخاص سے بہت گہرے دوستانہ تعلقات رکھتا تھا، بے شبہ ابتدائی زمانے میں یہ امید بمشکل ہو سکتی تھی کہ وہ کسی قومی تحریک کا رہنما ہو جائے گا کیونکہ اول تو پردیسی، دوسرے مقابلۃً، نو دولت امیر تھا اور اہل انگلستان کی تائید و حمایت کا بہت کم استحقاق رکھتا تھا چنانچہ فی الواقع اس کے اوصافِ حمیدہ ایک مدت کے بعد لوگوں کو معلوم ہوئے۔

۱۲۳۸ء میں سائمن کی شادی بادشاہ کی بہن اور ولیم مارشل کی بیوہ الینر سے ہوئی مگر اس سے سائمن کو کچھ زیادہ فائدہ نہ پہنچ سکا بلکہ بادشاہ اور اس کے بھائی رچرڈ سے ان بن ہو گئی کہ یہ دونوں اس رشتے کو بہن کے حق میں باعث ہتک سمجھتے تھے۔ ۱۲۴۰ء سے ۱۲۴۲ء تک سائمن ایک صلیبی جنگ میں شریک رہا پھر ۱۲۴۸ء تک وطن میں خاموشی سے زندگی بسر کر رہا تھا کہ گیس کنی کا قلعہ دار یا حاکم بنا دیا گیا۔ اس کی سخت گیری وہاں کے امیروں کی شورہ پشتی کی تاب نہ لا سکتی تھی اور جب انھیں دبانے کی کوشش کی تو وہ بھی ویسا ہی غیر ہر دلعزیز ہو گیا جیسا ایک زمانے میں رچرڈ (شیر دل) بن گیا تھا۔ مقامی رئیس و امیر جو لوئی پر ہنری کی حکومت کو ترجیح دیتے تھے، اس کا اصلی سبب یہ تھا کہ ہنری دور رہتا تھا لہٰذا اب جو قانون و ضوابط کے شکنجے سخت ہوئے تو وہ سب بگڑ اٹھے اور ہنری سے قلعہ دار کی شکایت کی۔ بادشاہ نے کمزوری سے ان کا ساتھ دیا یا کم سے کم سائمن کی تائید نہ کی اور وہ ۱۲۵۳ء میں عہدے سے دست بردار ہو کر کچھ عرصے بیرونی ممالک میں مصروف سیاحت رہا۔

فریق اختلاف کی سر گروہی

۱۲۵۷ء میں سائمن دوبارہ انگلستان آیا جہاں وہ ولیم (ولانسی) سے مصروف مناقشہ ہو گیا یہی زمانہ ہے جب سے اُس نے ہنری کی بُری حکومت کے خلاف جد و جہد میں ممتاز حصہ لینا شروع کیا۔ وقت بھی اس تحریک کے مساعد تھا۔ بادشاہ سے ہر طبقے میں ناراضی عام ہو گئی تھی۔ اس کا بھائی، اور کارنوال کا دولتمند امیر، رچرڈ اسی زمانے میں جرمانیہ گیا اور وہاں

باب چہارم

رومیوں کا بادشاہ منتخب ہوگیا تھا۔ یہاں ہنری پر تنگدستی سوار تھی اور پاپائے رومہ کے الگ تقاضے ہو رہے تھے کہ فوراً قرضہ ادا کیا جائے اسی موقع پر وہ مجلس (پارلیمنٹ) لندن میں منعقد ہوئی (اپریل ۱۲۵۸ء) جو "باولی پارلیمنٹ" کہلاتی ہے اور بادشاہ کو سوائے اس کے کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا کہ اپنے تئیں اپنے جاگیرداروں کے ہاتھ میں دے دے۔ چنانچہ جلسے میں یہ طے پایا کہ ۲۴ افراد کی ایک ذیلی مجلس مرتب کی جائے جس میں آدھے ارکان شاہی مجلس شوریٰ کے ہوں اور آدھے جاگیرداروں سے چنے جائیں اور یہ جماعت ضروری اصلاحات کا نفاذ، خصوصاً میر عدل، پیشکار، اور خزینہ دار کا انتخاب کرے۔ ہنری کی طرف سے اس کا بھتیجا ہنری امیر کارن وال، اور لوسنیان نام کے تین اخیافی بھائی، ذیلی مجلس کے ممتاز رکن تھے اور جاگیرداروں میں گلوسٹر، لیسٹر، ہیری فرڈ اور نارفک کے امیر قابل ذکر ہیں۔ ان میں بھی امیر گلوسٹر یعنی رچرڈ کلیر دولت اور عالی خاندانی کے اعتبار سے تمام انگریز جاگیرداروں کا قدرتی سردار تھا۔ اسی کا دادا جان سے منشور اعظم پر جبراً دستخط کرانے میں پیش پیش تھا اور خود رچرڈ کو جو شہرت ملی وہ اس کی ذاتی مستعدی کا ثمر تھی۔ غرض اس میں شک نہیں کہ جاگیرداروں میں اس کا اثر سائمن کی نسبت زیادہ تھا"

لندن میں ایک ماہ تک اجلاس کر کے یہ مجلس ملتوی ہوئی، اور کچھ وقفے کے بعد آکسفرڈ میں پھر اس کے جلسے شروع ہوئے۔ اس موقع پر جاگیردار ویلز کی جنگ کے بہانے، جنگی ساز و سامان سے آراستہ ہو کر آئے اور مطالبہ کیا کہ سب شاہی قلعے انگریزوں کے انتظام میں دے دئیے جائیں اور جاگیردار لڑکیوں کی شادی اہل ملک ہی کے ساتھ کی جایا کرے۔ اسی کے ساتھ انھوں نے جاگیرداری خدمات سے خلاف قانون کام لئے جانے کا، دادرسی میں تاخیر اور سربراہی سے ناجائز فائدہ اٹھائے جانے کا شکوہ کیا۔

پردیسیوں کا اخراج

ذیلی مجلس نے پہلا حکم یہ نافذ کیا کہ تمام قلعے بلا تاخیر بادشاہ کے سپرد کر دئیے جائیں۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ حکم پردیسی اعضا کے علی الرغم طے کیا گیا تھا اور پردیسیوں کے گروہ نے اسے ماننے سے انکار کیا جن کے رہنما ہنری کے اخیافی بھائی تھے۔ پھر یہ لوگ دربار شاہی سے نکل کے قلعۂ ونچسٹر میں قلعہ بند ہوئے اور محاصرے کے باوجود بھی اڑے رہے۔ لیکن ان کی مزاحمت

باب چہارم

بیکار تھی اور جولائی کے ختم سے پہلے وہ سب ملک سے فرار ہو گئے اور صرف ۶ ہزار مارک اپنے ساتھ لے جا سکے۔ ان کے رخصت ہو جانے سے ہینری کو ایک اور موقع ملا کہ دوبارہ ملک کو اپنا بنا لے۔ اور اسی کی منظوری سے ”ضوابط آکسفرڈ“ کی رو سے جسے بادشاہ نے منظور کیا ایک جدید طرز حکومت مرتب ہوا۔ ذیلی مجلس نے طے کیا کہ آیندہ بادشاہ پندرہ افراد کی مستقل بزم شوریٰ سے مشورہ لیا کرے اور یہ انھی ۲۴ سے براہِ راست منتخب کئے جائیں۔ نظم و نسق پر اسی بزم شوریٰ کی نگرانی رہے اور سال میں تین بار وہ ۱۲ جاگیرداروں کی جماعت سے مشاورت کیا کرے جو اسی کام کے لئے انتخاب ہوا کریں۔ نئے عہدہ داروں کے لئے بہت ہی موثق قسمیں تجویز کی گئیں اور طے پایا کہ یہ اور عمال ضلع صرف ایک سال کے لئے مقرر ہوا کریں اور سال تمام پر اپنا سب حساب پیش کر دیا کریں۔ اور عمال (شیرف) بھی آیندہ بذریعہ انتخاب مقرر کئے جائیں۔ اس پندرہ ارکان کی جدید بزم شوریٰ کے ممتاز ارکان، گلوسٹر، لیسٹر اور نارفک کے امیر تھے اور بارہ جاگیرداروں کی جماعت میں لے لیل کالج کا بانی، جان لے لیل، رئیس ہیزی فرڈ اور ہیول دس پنسر قابل ذکر ہیں۔ یہ انتظام ۱۲۵۸ء سے ۱۲۶۳ء تک جاری رہا۔ پندرہ کی بزم شوریٰ سال میں تین بار منتخب شدہ جاگیرداروں سے ملاقات کرتی اور ضروری اصلاحات انجام دیتی رہی۔

تنظیمات آکسفرڈ

اس انتظام میں بڑا رخنہ اگر پڑا تو امیر گلوسٹر و لیسٹر کی باہمی رقابت و حسد سے پڑا۔ اصلی وجوہ کا صحیح علم نہیں لیکن عام طور پر یقین کیا جاتا ہے کہ امیر گلوسٹر تو آفاقیوں کے اخراج سے پوری طرح مطمئن ہو گیا اور معاملات کو خالص جاگیرداری زاویۂ نگاہ سے دیکھتا تھا۔ لیکن سائمن کی نظر زیادہ وسیع و آزاد تھی اور وہ اس قسم کی اصلاحات کا خواہاں تھا جن سے جبر و استبداد کا آیندہ سدباب ہو جائے، خواہ جابر بادشاہوں، آفاقی دخیل کاروں یا ملکی اُمرا۔ اسی سلسلے میں فروری ۱۲۵۹ء میں ایک قرارداد منظور ہوئی جس کی رو سے ۱۵ امیر اور ۱۲ جاگیرداروں نے عہد کیا کہ ہم اور ہمارے ورثا بھی اپنے زیر دستوں کے ساتھ انھی قواعد کے پابند رہیں گے جن کا پابند بادشاہ کو اس کے باج گزاروں کے ساتھ بنایا گیا ہے۔ یہ اہل الرائے کے نزدیک امیر سائمن کی خالص جاگیرداری جماعت پر غالب آنے کی دلیل تھی۔ بہر حال، ۱۲۶۲ء میں رچرڈ امیر گلوسٹر ہی مر گیا اور اس کا

باب چہارم

جانشین فرزند گلبرٹ از خود سائمن کی آغوشِ اُلفت میں آگرا۔ لیکن اس عرصے میں انتظامی جماعت اور دربار شاہی کے تعلقات میں سخت کشیدگی پیدا ہو گئی۔ ہینری کو سرے سے یہ جدید ضوابط ہی پسند نہ تھے اور یکے بعد دیگرے دو پاپا بھی اُسے قسم کی پابندی سے آزادی کا پروانہ دے چکے تھے۔ اس کشیدگی کا لازمی نتیجہ خانہ جنگی کی صورت میں برآمد ہونے والا تھا لیکن اتمام حجت کے لئے جدید تنظیمات کے جواز کے متعلق لوئی (نہم) کو حکم قرار دیا گیا جس کی صداقت ویسے تو مسلم تھی مگر ظاہر ہے کہ اس معاملے میں وہ صحیح فیصلہ کرنے کی اہلیت نہ رکھتا تھا چنانچہ اس کے فیصلے میں جو "حکمۂ امیاں" کے نام سے مشہور ہے ہینری کو اپنی بزم شوریٰ خود منتخب کرنے اور پردیسیوں کو ملازم رکھنے کی اجازت تھی اگرچہ (کسی شاہی منشورِ آئین) امتیاز یا عمدہ رواج کی خلاف ورزی کرنا ناجائز قرار دیا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسے فیصلے سے کوئی فریق بھی خوش نہ ہوا۔

بادشاہ اور بزم شوریٰ کی نزاع

ثالثی ناکام رہی تو لڑائی کی نوبت آگئی۔ فریقین کی مقامی اعتبار سے تقسیم کرنا دشوار ہے البتہ اجمالاً کہہ سکتے ہیں کہ شمال کا علاقہ، ڈیون، کارنول، اور پہاڑی ویلز یعنی مفلس اضلاع ہینری کے ساتھ تھے۔ وسطی اضلاع میں کچھ لوگ ادھر تھے کچھ اُدھر۔ اور جنوب، پنج بندر، اور لنڈن یعنی سارا خوشحال علاقہ سائمن ڈی مونٹ فرٹ کا سرگرم حامی تھا۔ قریب قریب ہر جگہ طبقۂ متوسط کے لوگ اُس کے پہلو پر نظر آتے تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ فقرا کی برادریوں کی دلی تائید اُسے حاصل تھی۔

لارڈ ایڈورڈ

جنگ میں سب سے بڑھ کر "امیر ایڈورڈ"، یعنی ہینری کے بڑے بیٹے نے حصہ لیا جس کی عمر اُس وقت ۲۴ سال کی تھی۔ وہ بہت سے طبعی اوصاف سے متصف اور سیاسیات و رزم کا پہلے ہی تجربہ رکھتا تھا۔ سنہ ۱۲۵۴ء میں الینر (کاسٹیلی) سے شادی کے بعد ہی بادشاہ نے اُسے چیسٹر کی جاگیر عطا کر دی تھی جو آئندہ سے بادشاہی جاگیر کا مستقل جزو بن گئی۔ علاوہ ازیں آئرستان گیس کنی، جزائر رود بار اور ویلز کی شاہی اراضی بھی سپرد کر دی تھیں اور یہ بادشاہی علاقے کی سب سے سرکش و شورہ پشت رعایا کے مسکن تھے۔ امیر چیسٹر کی حیثیت سے نوجوان شہزادے کو خلوا ایلن رئیس ویلز سے اینگلسی وغیرہ کے پہاڑی علاقوں میں بارہا تیغ آزمائی کے موقعے ملے۔ اسی طرح سرحدی جاگیرداروں سے جن کے قبضے میں موجودہ ویلز کا باقی ماندہ علاقہ تھا،

باب چہارم

قیام امن کے لئے معرکے پڑے۔ یہ لوگ قریب قریب خود مختار تھے۔ علیٰ ہذا اہل گیسکنی میں تھوڑا بہت نظم حکومت قائم کرنے میں لڑائیاں پیش آئیں اور کافی مصروفیت رہی دربار شاہی سے دور رہنے کے باعث باپ کی غلطیوں میں اس کا کوئی حصہ نہ تھا اور ۱۲۵۸ء میں فتنہ و فساد شروع ہوا، تو اختلافی معاملات میں اس کی نظر غیر جانب دارانہ تھی۔ بلکہ جو لوگ تنظیمات کا دائرہ وسیع کرنے کی فکر میں تھے، انھیں توقع تھی کہ ایڈورڈ ان کی تائید کرے گا اور حقیقت میں کچھ مدت تک وہ سائمن کا موید اور گلوسٹر کے خلاف رہا جس نے بادشاہ کو ناخوش کر دیا۔ لیکن کئی اسباب سے ایڈورڈ کی رائے میں تبدیلی واقع ہوئی۔ ۱۲۶۳ء میں گلوسٹر کے نوجوان اور نئے امیر نے ایڈورڈ کا بہ حیثیت ولی عہد سلطنت آداب بجا لانے سے انکار کیا۔ اسی سال لندن والوں نے ایڈورڈ کی ماں کی سخت توہین کی جس کے ساتھ اُسے بڑی شیفتگی تھی۔ اور آخری بات یہ کہ سائمن ایڈورڈ کے پرانے دشمن خلو ڈیمن کو اپنی بیٹی بیاہنے پر رضامند ہو گیا۔ غرض خانہ جنگی شروع ہوئی تو ایڈورڈ بادشاہ کی جانب تھا اور اس کا چچا رچرڈ (شاہ رومیاں) اور برادر نسبتی امیر وارین بھی اسی طرف تھے۔

خانہ جنگی کا فیصلہ کن معرکہ ۱۴ مئی (۱۲۶۴ء) کو لیوز میں ہوا جہاں ایڈورڈ کے سپاہی شہر کے شمال میں قلعے کے سامنے صف آرا تھے۔ قلب میں رچرڈ، اور

معرکہ و محاکمۂ لیوز

جنوب میں خانقاہ کے سامنے خود ہنری موجود تھا جب کہ سائمن نے ان پر حملہ کیا اور اس کی فوج میں بیشتر لندن کے لوگ تھے۔ ہنری کے مقابلے میں سائمن کے بیٹے اور گلوسٹر نے رچرڈ کا اور لندنی دستے نے ایڈورڈ کا مقابلہ کیا۔ وہ بہت خوش ہوا کہ اپنی ماں کی توہین کا بدلہ لینے کا موقع ملا اور بڑے جوش سے دشمن پر حملہ آور ہوا۔ لندنی دستہ بھاگا اور ایڈورڈ اُن کا بڑی خونخواری سے تعاقب کر رہا تھا کہ سائمن کی دوسری فوجوں نے بادشاہی لشکر کو شکست دی۔ خود بادشاہ پکڑا گیا اور رچرڈ نے ایک پن چکی کے کارخانے میں پناہ لی۔ اس شکست نے بادشاہ کی قوت کا خاتمہ کر دیا اور محاکمۂ لیوز کی رُو سے ہنری کو چار و ناچار تنظیمات کی تصدیق، صرف انگریز مشیروں کا تقرر اور لیسٹر و گلوسٹر کے امیروں کو معافی کی جملہ شرطیں ماننی پڑیں۔ ایڈورڈ اور بھتیجے ہنری کو اس امر کی ضمانت میں جاگیرداروں کے حوالے کرنا پڑا۔

کہ سرحدی رئیس آئندہ کوئی فساد نہ اٹھائیں گے۔ دوسرے معاملات آئندہ ثالثی پر ملتوی کردئے گئے لیکن ظاہر ہے کہ اُس وقت تو سائمن کو کامل غلبہ مل گیا اور اس نے اپنے اقتدار سے یہ کام لیا کہ ۱۲۶۵ء کی مشہور و معروف پارلیمنٹ منعقد کی۔

پارلیمنٹ کا ارتقا

واضح رہے کہ یہ مجلس کئی سال سے رفتہ رفتہ ایک نیابتی ادارے کی شکل اختیار کررہی تھی مجلس عقلا نے جب مجلس کبیر کی صورت اختیار کی اور بادشاہی رفقا کی محدود جماعت کی بجائے تمام شاہی زمینداروں کو جب شرکت کا حق حاصل ہوگیا تو اگرچہ عملاً، خاص خاص موقعوں کے سوا، اس کے جلسے میں چندہی اشخاص شریک ہوتے تھے۔ تاہم شرکت کے حق سے زمینداروں نے کبھی دست برداری نہیں کی اور منشور اعظم کی ایک دفعہ میں جہاں زربدل اور امدادی رقوم کی منظوری کے لئے یہ طے پایا کہ ایک مجلس منعقد کی جائے گی اور جہاں یہ بھی ہیں سافقہ، امرا، بڑے جاگیردار نام بہ نام بلائے جائیں گے وہیں یہ بھی تحریر تھا کہ عمالِ ضلع کے ذریعے چھوٹے جاگیرداروں اور شاہی زمینداروں کو بھی ایک عام دعوت دی جایا کرے گی۔ ہنری کو روپے کی بار بار ضرورت پڑی جس کے لئے باربار مجلس کا انعقاد ہوا اور وہ کم و بیش ایک محصول مقرر کرنے والی جماعت ہوگئی لہذا اس میں چھوٹے جاگیرداروں اور زمینداروں کی شرکت خاص طور پر مفید و ضروری سمجھی جانے لگی۔ اس لئے اور بھی کہ اب جاگیرداروں کے جداگانہ طبقے کے مقابلے میں زمینداروں کی قدر و وقعت بڑھتی جاتی تھی۔ جیوری اور اجرائے محاصل کی انتخاب شدہ جماعتوں میں کام کرنے کے باعث عام سردار و زمیندار بھی بیش بہا سیاسی تجربہ اور ہموطنوں کی دولت و ضروریات سے صحیح واقفیت حاصل کرچکے تھے اور انتخابی نیابت کے اصول سے بخوبی آشنا ہوگئے تھے۔ جان ہی کے عہد یعنی ۱۲۱۳ء میں بادشاہ نے ہر ضلعے سے چار ہوشیار مبارز (نائٹ) طلب کئے تھے کہ سلطنت کے معاملات میں مشورہ دیں مگر اس نظیر پر آئندہ عمل نہیں ہوا۔ البتہ ۱۲۵۴ء میں جب بادشاہ گیسنی گیا ہوا تھا، تو ملکہ الینر اور رچرڈ (برادر شاہ) نے ہر ضلعے سے دو دو مبارز ویسٹ منسٹر کی مجلس میں طلب کئے اور حکم دیا کہ انھیں پرگنے کے لوگ انتخاب کریں تاکہ ان سے دریافت کیا جائے کہ کس قدر رقم ادا کرنے پر رضامند ہیں ۔ ۱۲۶۱ء میں اس طرح کے تین تین اور ۱۲۶۴ء میں

باب چہارم

چار چار مبارز طلب کئے گئے اگرچہ شہروں کی براہ راست نیابت کا اس وقت تک کوئی انتظام نہیں ہوا، اور جان کے اس حکم کا کہ عامل شہر کے ساتھ چار چار شہری بھی بلائے جائیں، آیندہ اتباع نہیں ہوا۔

سائمن کی پارلیمنٹ

جنوری سنہ ۱۲۶۵ء میں جو پارلیمنٹ طلب کی گئی، وہ صحیح معنی میں بالکل پارلیمنٹ نہ تھی بلکہ محض جاگیردار جماعت کے وکلا پر مشتمل تھی۔ البتہ کلیسا کے معقول مبعوث موجود تھے جو اس امر کی دلیل ہے کہ اہل کلیسا سائمن کی حکمت عملی کے پورے طور پر موید تھے۔ ہر ضلعے کے عامل کو دو دو ہوشیار نائب یا مبارزوں کے بھیجنے کا حکم بھی دیا گیا تھا اور بعد میں اُن دیہات اور شہروں کو بھی دو دو آدمی بھیجنے کے حکم نامے روانہ کئے گئے جن کی طرف سے سائمن کو اطمینان تھا۔ ان تمام بے ضابطگیوں کے باوجود، یہ مجلس، پارلیمنٹ کی تاریخ ارتقا میں ایک یادگار زمانے کا آغاز کرتی ہے۔ اور قصبات اور شہروں کو جداگانہ نیابت کا جو حق اس موقع پر ملا، وہ پھر کبھی فراموش ہونے نہ پایا۔

بہرحال، اس طرح جو مجلس مرتب ہوئی، اس کا جنوری سنہ ۱۲۶۵ء میں اجلاس ہوا اور محاکمہ لیوز کے انتظامات کی تکمیل عمل میں آئی۔ مگر سائمن کے اقتدار میں ابھی سے اضمحلال کے آثار نمایاں ہو گئے تھے۔ نہایت قابل ہونے کے باوصف، یہ نامور امیر ایسا شخص نہ تھا کہ دوسرے لوگ اس کے ساتھ مل کر کام کر سکیں۔ وہ شخصی اغراض کے الزام سے بھی کبھی برات نہ حاصل کر سکا اور ادھر اس کے بیٹوں کی وحشت و سفاکی اُس کی شہرت پر اچھا اثر نہ ڈال سکی۔ علاوہ ازیں، اب اس کا مقابلہ ہینری کی بجائے زیادہ تر نوجوان شہزادے، ایڈورڈ سے آپڑا جو ثابت کر چکا تھا کہ اُس میں قومی جماعت مرتب کرنے کی قابلیت کے علاوہ، باموقع ساز باز کرنے کا بھی سلیقہ موجود ہے۔ ادھر جاگیردار جماعت میں نااتفاقی پیدا ہوئی اور اُس کے ٹوٹنے کی پہلی قطعی علامت یہ تھی کہ سائمن اور نوجوان امیر گلوسٹر میں جھگڑا ہو گیا۔ گلوسٹر کنایتہً یہ جتا کر کہ "خود سائمن آنا تی ہے"، سرحد کی طرف ٹل گیا اور مورٹمر اور دوسرے خاندانوں وغیرہ کے ساتھ مل گیا جو سائمن کے حلیف خلوا ئلین سے برابر معروف جنگ و پیکار رہتے تھے

سائمن کے اقتدار کو دوسرا صدمہ ایڈورڈ کے نکل بھاگنے سے پہنچا۔ یہ شہزادہ امیر گلوسٹر کے

ایڈورڈ کی فراری اور فتح

بھائی ٹامس (کلیر) کی حراست میں تھا اور اُسی کے اغماض سے اس نے مخلصی حاصل کی اور گلوسٹر سے قول قرار کر کے، اُسے سائمن کے گروہ سے الگ کر لیا۔ شہزادے پر رجعت پسندی کی حمایت کا الزام تھا، اس کی تردید اور اپنی صفائی میں اُس نے حلف اٹھایا کہ اگر میں کامیاب ہوا تو اچھے قوانین قائم، اور بُرے رواج دُور کر دوں گا۔ پردیسی اغیار نکال دیے جائینگے اور انگلستان پر انگریزوں ہی کے ذریعے حکومت ہوگی۔ چنانچہ فی الواقع اس حکمت عملی پر وہ برابر قائم رہا۔ ایڈورڈ اور گلوسٹر کے اتحاد کی خبر نے جاگیرداری جماعت کو پوری طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اُن کے جھنڈے کے نیچے ایک طاقتور لشکر جمع ہوگیا اور ادھر سائمن کے پہلو پر اس کے بیٹوں اور ذاتی رفیقوں کے علاوہ کوئی ثابت قدم نہ رہا۔ پھر اس کم تعداد گروہ کو بھی ایڈورڈ کی جنگی تدابیر نے یکجا ہونے کا موقع نہ دیا اور ایک ایک کر کے سب کو شکست دی۔ یعنی سائمن کے بیٹے پر تو کینیل ورتھ میں تباہی آئی اور خود امیر سائمن ایویشم میں گھر کے مارا گیا۔ یہ جنگ یک طرفہ تھی پھر بھی اس سے ایڈورڈ کی مہارت اور یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس نے لیوز کی شکست سے جو سبق لیا تھا، اسے یاد رکھا۔

لیکن ایڈورڈ فتح کے جوش میں بزرگ ولیم مارشل کا یہ قول بھول گیا کہ ہنگامی صلح، امن وسکون کی بہترین تدبیر ہے۔ بلکہ ویسٹ منسٹر میں مجلس منعقد کر کے بادشاہی جماعت نے مخالفین کی ساری زمینیں ضبط کر لیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ لڑائی میں طوالت پیدا ہوگئی اور محروم شدہ جاگیردار، کینیل ورتھ، جزیرہ ایکس ہولم اور ایلی میں جان سے ہاتھ دھو کر نبرد آزما ہوے۔ آخر شاہ پسندوں نے عقل سے کام لیا اور فیصلہ کینیل ورتھ کی رو سے ایڈورڈ رضامند ہوگیا کہ اگر باغی پانچ سال کی مالگزاری کے برابر جرمانہ ادا کر دیں تو اُن کی زمینیں انھی کے پاس رہیں۔ غلوائین سے بھی بہت فیاضانہ شرطیں کی گئیں اور کامل امن قائم ہوگیا۔

خوش نصیبی سے ایڈورڈ اپنے باپ سے بالکل مختلف مزاج کا آدمی تھا اور اس پر آشوب عہد کے واقعات سے اس نے بہت کچھ سیکھا۔ اور اسی کی بدولت امیر سائمن کے سیاسی مقاصد میں سے وہ جزو محفوظ رہا جو پائدار قدر و قیمت رکھتا تھا۔ آئندہ سے ہم منہ چڑھے پردیسیوں کا کوئی جھلڑ دربار انگلستان میں چھایا ہوا نہیں سنتے۔ دوسرے

جاگیرداروں کی جنگ نے پاپا کی سیادت اور حق مداخلت کا بھی خاتمہ کر دیا اور آخری بات یہ کہ اب انگریز اہل الرائے کا نصب العین ہی یہ ہو گیا کہ جہاں تک ممکن ہو ساری قوم کی نیابت کرنے والی ایسی پارلیمنٹ یا مجلس ملکی مرتب کی جائے کہ شاہی وزرا اس کے سامنے جوابدہ ہوں سنہ ۱۲۶۷ء میں بہ مقام مارل برو جو مجلس منعقد کی گئی اُس میں اس نئے اصولِ عمل کا بخوبی اجرا کر دیا گیا جبکہ سنہ ۱۲۵۸ کی تنظیمات مستقل آئین کی صورت میں قوانین ملک کا جزو بنا لی گئیں۔

امن جوئی کی اِن تدابیر سے ملک میں جلد امن جمی ہو گئی اور ہنری کے آخری سنین حکومت ظاہرا بڑی خوشحالی کے گزرے۔ اسی کامل اطمینان کا سبب تھا کہ ایڈورڈ نے سنہ ۱۲۶۸ میں صلیب اٹھائی اور سنہ ۱۲۷۰ میں ملک سے باہر مشرق کی مہم پر جانے کی جرات کر سکا۔ وہ پہلے جہاز میں تیونس، ایسے وقت پہنچا کہ لوئی نہم اسی زمانے میں فوت ہوا تھا پھر صقلیہ اور قبرس ہوتا ہوا عکے آیا جب اُس وقت تک مسلمان فتح نہ کر سکے تھے۔ مشرق و مغرب کی تجارت کا مرکز ہونے کے لحاظ سے عکہ بڑی تجارتی اہمیت رکھتا تھا اور ایڈورڈ یہاں کئی مہینے ٹھیرا رہا لیکن کوئی خاص فوجی کارنامہ نہ دکھا سکا اور اس کے صلیبی جنگ میں شرکت کا کوئی قابل ذکر واقعہ سوائے اس کے نہیں ہے کہ ایک بار کسی فدائی نے زہر بجھا خنجر اُس کے مارا اور وہ مرنے سے بال بال بچ سکا۔ عکہ سے وہ سنہ ۱۲۷۲ میں صقلیہ آیا اپنے باپ ہنری کے مرنے کی خبر یہیں اُسے ملی جسے سنتے ہی وہ انگلستان روانہ ہو گیا۔

مشہور سنین

معرکہ لنکن	سنہ ۱۲۱۷ء
اضلاع کے نائب پہلی مرتبہ بلائے جاتے ہیں	سنہ ۱۲۵۴ء
آکسفرڈ کی پارلیمنٹ	سنہ ۱۲۵۸ء
معرکہ لیوز	سنہ ۱۲۶۴ء
سائمن کی مجلس میں اہل شہر و دیہات کی شرکت	سنہ ۱۲۶۵ء
معرکہ ایوشیم	سنہ ۱۲۶۵ء

جزو چہارم

متاخرین شاہان آنرندی

متاخرین شاہانِ آنژوی

سنہ ۱۲۷۲ تا سنہ ۱۳۹۹ء

ہنری ثالث

سنہ ۱۲۱۶ تا سنہ ۱۲۷۲ء

- ایڈورڈ اول - ازدواج با - الینر (کیسٹیلی) (۲) مارگریٹ (فرانسیسی)
  سنہ ۱۲۷۲ تا سنہ ۱۳۰۷ء
  - ایڈورڈ ثانی ۔
    سنہ ۱۳۰۷ تا سنہ ۱۳۲۷ء
    ازدواج با ازابلا (فرانسیسی)
    - ایڈورڈ ثالث - ازدواج با فلپّا -
      سنہ ۱۳۲۷ء سنہ ۱۳۷۷ء
      - ایڈورڈ شہزادہ اسود
        - رچرڈ ثانی
          سنہ ۱۳۷۷ تا سنہ ۱۳۹۹
      - لائونل شہزادہ کلیرنس
        - فلپّا زوجہ ایڈمنڈ مورٹمر
          - روجر امیر مارچ
      - جون امیر گونٹ
        - ہنری چہارم
          سنہ ۱۳۹۹ تا سنہ ۱۴۱۳ء
      - ایڈمنڈ (شہزادہ یارک)
      - ٹامس (شہزادہ گلوسٹر)
  - ایڈمنڈ امیر کینٹ (مقتول)
    - جوآن زوجہ (۱) ہولینڈ (۲) شہزادہ اسود
- مارگریٹ (زوجہ الگزنڈر ثالث شاہ اسکاٹ لینڈ)
- ایڈمنڈ (امیر لینکاسٹر)
  - ٹامس
  - ہنری
    - ہنری (شہزادہ لینکاسٹر)
      - بلانش (زوجہ جوان امیر گونٹ)

تاریخ انگلستان حصہ اول جزو چہارم



مقابل صفحہ ۲۶۵

باب اول

ایڈورڈ اول : ۱۲۷۲ء تا ۱۳۰۷ء

ولادت : ۱۲۳۹ء - ازدواج { (۱) النیر (کاسٹیلی) (۲) مارگریٹ (فرانسیسی)

معاصرین : الگزنڈر ثالث .... شاہ اسکاٹ لینڈ

فلپ (رابع) .... شاہ فرانس

بونی فاس ثامن .... پاپائے روما

اعلان بادشاہی

ہنیری نے سولھویں نومبر ۱۲۷۲ء کو وفات پائی اور ۲۰ر نومبر کے دن ملک کے عمائد و امرا نے صدر اسقف یارک اور صدر اعظم والٹر دی مرٹن (جو آکسفرڈ کے مرٹن کالج کا بانی ہوا ہے) رہنمائی میں ایڈورڈ کی اطاعت کا حلف اٹھایا۔ وہ خود وطن سے باہر تھا اور تاج پوشی کی رسم بھی واپسی سے پہلے ادا نہیں ہوئی لیکن قانون داں اشخاص اس کا عہد حکومت اسی اقرار اطاعت کے دن سے محسوب کرتے ہیں حالانکہ شاہان سابق کے معاملے میں بادشاہی کا آغاز تاج پوشی کی تاریخ سے تسلیم کیا جاتا تھا۔ یہ فرق بھی اس خیال کی تائید و تصدیق

باب اول

کرتا تھا کہ انگلستان میں بادشاہی انتخابی کی بجائے موروثی ہوگئی ہے۔ اسی خیال کو جو اُن دنوں ملک میں پھیلتا جاتا تھا، فرانسیسی کی اس کہاوت میں بڑی جامعیت سے ادا کیا گیا ہے کہ: "بادشاہم مُرد۔ بادشاہم زندہ باد" مگر انگلستان میں اس کو جدید تخیل کو پوری طرح ایڈورڈ (رابع) سے پہلے سند قبول حاصل نہیں ہوئی۔ البتہ شاہ موصوف کے بعد سے تسلیم کر لیا گیا کہ ایک بادشاہ کی موت اور دوسرے کی جانشینی کے درمیان کوئی خالی وقفہ نہیں رہنا چاہئے۔

واضح رہے کہ ایڈورڈ کی جو خصلت سے اس کے ہم وطن بخوبی واقف تھے بادشاہی کی جیسی عمدہ تعلیم و تربیت اسے ملی ایسی بہت کم بادشاہوں کو میسر آتی ہے اور اُس کی مثال، دراصل اس رائے کی خاص طرح مصدق ہے کہ بہترین حکمران عموماً

ایڈورڈ اول کے خصائل

وہی ہوتے ہیں جنھیں رعایا رہنے کا سب سے زیادہ تجربہ حاصل ہوا ہو۔ ایڈورڈ کی عمر اب ۳۳ سال کی تھی۔ نوجوانی کے بیقابو جوش کا زمانہ گزر چکا تھا اور اس کی بجائے اب وہ ایسا ضابط آدمی ہوگیا تھا کہ آخر زمانے میں یہی وصف اُس کے مزاج کی خصوصیت بن گیا جسے دیکھکر حیرت ہوتی ہے۔ ویلز، گیس کنی یا جاگیرداروں کی جنگ کے زمانے میں اور نیز مشرق میں جہاں کہیں معاملات ملکی سے اُسے سابقہ پڑا، وہاں اس نے حکومت کی قابلیت بڑھائی اور یہ سراغ لگانا غیر ممکن نہیں کہ اسی شہزادگی کے زمانے کے تجربے تھے جن سے وہ خیالات پیدا ہوئے جو آیندہ اس کی بادشاہی کے اصول عمل کی بنیاد بنے۔ ملکی یا سیاسی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہ تھا، جس سے اسے دلچسپی نہ ہو۔ نیابتی اداروں کی ارتقا کے مسائل ہوں، عدالتوں کی تنظیم ہو۔ ویلز، گیس کنی، اسکاٹ لینڈ کا معاملہ ہو یا ممالک خارجہ سے "ہمارے معاملات" کے وسیع و پیچیدہ مسائل ہوں جو اُس کے زمانے میں پیش آئے ہم اسے ہر موقع پر ویسا ہی عمدہ معاملہ فہم اور جزئیات پر ہمہ تن گوش پاتے ہیں اور اسی کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہر معاملے میں اپنے اور وطن کے حقوق کے لئے جواز قانونی کی آخری حدود تک لڑنے کا کامل تہیہ اور مصمم ارادہ رکھتا تھا۔

ہنیری ثالث کی سیرت کی ایک مضرترین خصوصیت یہ تھی کہ وہ قابل اشخاص سے

مشتبہ رہتا تھا۔ ایڈورڈ اس تنگ دلی میں مبتلا نہ تھا اور اسی لئے ہمیشہ اچھے عہدہ داروں کی خدمات سے بہرہ مند رہا۔ کم سے کم وہ امیر، وزیر جن کا ذاتی طور پر بادشاہ سے تعلق تھا، نہایت لائق تھے۔ عام سیاسی امور میں ایڈورڈ سب سے زیادہ اپنے بھائی ایڈمنڈ (امیر لینکاسٹر) عمزاد بھائی ایڈمنڈ (امیر کورن ول) اور بھانجے، جان (امیر برٹینانی) پر سب سے بڑھکر اعتماد کرتا تھا۔ اس کے قابل ترین سپہ سالار ہنیری ڈی لاسی (امیر لنکن) اور امیر وارین تھے۔ انتظامی اور قانون داں عہدہ داروں کے نام یہ ہیں: اس کا پیشکار روبرٹ برنل (اسقف باتھ و ولز) خزانہ دار، کرک بی (اسقف ایلی) اور آخر زمانے کے مشیر این تھونی بیک (اسقف ڈرہم) اور وائرلینگ ٹن (اسقف لچ فیلڈ)

ایڈورڈ کی مراجعت

صقلیہ سے نیا بادشاہ نرم نرم منزلیں طے کرتا ہوا انگلستان روانہ ہوا اور اطالیہ، فرانس اور گیین میں کچھ وقت گزارنے کے بعد انگلستان آیا۔ اطالیہ میں اپنے دوست گریگوری (دہم) پاپائے روما سے ملاقات کی جس سے فلسطین میں تعارف ہوا تھا۔ پھر پیڈووا اور میلان سے گزرا اور اس کی شہرت و نیکنامی کے باعث لوگوں نے ان شہروں میں اس کا شاندار استقبال کیا۔ درہ سینس کے راستے کوہ ایلپس اتر کر، برگنڈی کو طے کرتا ہوا وہ فلپ شاہ فرانس کے دربار میں پہنچا۔ شالوں کے مقام پر چند فرانسیسی بانکوں نے اسے اور ساتھ والوں کو زور آزمائی کی دعوت دی اور ایڈورڈ جو ایسے سپاہیانہ مشاغل کا دلدادہ تھا، بخوشی تیار ہوگیا۔ لیکن یہ مقابلہ آگے چل کے سنگین معاملہ ثابت ہوا اور فرانسیسی تلوریئے محض تلوار چھین لین یا گھوڑے سے اُتروا دینے کے لئے نہیں بلکہ جان لینے کے لئے لڑنے لگے۔ تب بہ مشکل لڑبھڑ کر ایڈورڈ نے اس معرکے میں کامیابی پائی جسے بہت دن تک "شالوں کی جنگِ صغیر" کہتے رہے اگرچہ اس میں بھی کئی جانیں ضائع ہوئیں۔

فلپ ثالث کے ساتھ جو رشتے میں اس کا خالہ زاد بھائی ہوتا تھا، ایڈورڈ کو بہت سے ملکی مسائل طے کرنے تھے۔ جب سے فلپ اگسٹس نے جان کے فرانسیسی مقبوضات چھینے، اس وقت سے باقی ماندہ اضلاع کی حیثیت

گیئین کا معاملہ نہایت مبہم ہو گئی اور ہنیری ثالث اور لوئی دہم، کوشش کے باوجود ان سیاسی مشکلات کا کوئی دیر پا حل نہ تجویز کر سکے ۱۲۵۹ء کے عہد نامہ پیرس کی رو سے ہنیری نے نارمنڈی انجو اور پواتو کے حق حکومت سے دست برداری لکھدی اور عوض میں جنوبی فرانس کا کچھ علاقہ اسے مل گیا تھا۔ لیکن اس معاہدے پر پوری طرح عمل کی نوبت نہیں آئی اور اسی لئے امیر اکوئٹین کی حیثیت سے ایڈورڈ دربار فرانس میں حاضر ہوا اور تسلیم بجا لایا تو اس نے صاف کہدیا کہ یہ اظہار اطاعت "ان سب علاقوں کے واسطے ہے جو از روے حق میری ملکیت ہونے چاہئیں" اگرچہ اس فقرے پر بعد میں قانون دان اشخاص بہت کچھ الجھتے رہے کہ ایڈورڈ کا اصلی مطلب کیا تھا؟ آخر ۱۲۷۹ء میں جاکر یہ مسئلہ قطعی طور پر طے ہوا جب کہ ایڈورڈ اور اس کی بیگم الینر نے پونتھیو کی جاگیر پر قبضہ حاصل کیا جو الینر کے حصے میں آئی تھی اور اسی موقع پر فلپ نے بہت سا متنازعہ فیہ علاقہ واپس دے دیا اور ایڈورڈ دیگر دعاوی سے دست بردار ہو گیا۔ مگر ان بادشاہوں کے تعلقات میں شگفتگی اسی وقت تک رہی جب تک فلپ اپنی ماں (اور ایڈورڈ کی خالہ) مارگریٹ پرووانسی کے اثر میں رہا ورنہ بعد میں جب فلپ کا مشیر خاص چارلس (آنژوی) بنا جو ایڈورڈ کا کٹا دشمن تھا تو ان میں باہم ناچاقی تک کی نوبت آگئی۔ بارے ۱۲۸۵ء میں چارلس نے وفات پائی اور کئی سال تک انگلستان و فرانس کے تعلقات درست ہو گئے۔ ان سنین میں ایڈورڈ نے فرانس، اراگون، کاستیل کے بادشاہوں اور شہنشاہ کے سیاسی معاملات اور نامہ و پیام میں جو حصہ لیا، اُن سے ممالک یورپ میں اس کی بڑی شہرت ہوی لیکن بجائے خود یہ معاملات انگلستان کی تاریخ سے براہ راست کوئی تعلق نہیں رکھتے۔

فرانس سے ایڈورڈ گیئین آیا اور وہاں اس حکمت عملی کی بنیاد ڈالی جو باقی تمام عہد حکومت میں معمول بہا رہی۔ اس نے تاڑ لیا تھا کہ بڑے جاگیرداروں کی شورہ پشتی اور قدیم قصبوں کی آزادہ روی جو رچرڈ اول اور سائمن (ڈی مونٹ فرٹ) کے بھی قابو میں نہ آسکی تھی، اسے اعتدال پر لانے کی بہترین صورت یہ ہے کہ تجارت پیشہ گروہ کو ترقی دی جائے کیونکہ ان کی تجارت شراب کا فروغ بہت کچھ انگلستان کے ساتھ

باب اول

تعلق قائم رہنے پر منحصر تھا۔ اسی مقصد سے ایڈورڈ نے اہل تجارت کی ہر طرح ہمت بڑھائی اور پرانے قصبوں اور جاگیرداروں پر قابو رکھنے کی غرض سے کئی نئے قصبے اور "بروج" بھی تعمیر کئے جہاں متوسط طبقے کے لوگ خوشی سے آ کے بس گئے اور قیام امن و انتظام کی تدابیر میں بہت اچھے معین و مددگار ثابت ہوئے۔ اس حکمت عملی کی کامیابی کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ یا تو گیین اس کے مقبوضات میں سب سے بڑھکر پرشورش علاقہ تھا اور یا آیندہ اس کے نظم و نسق میں اتنی دشواری نہ رہی اور اسی کے ساتھ یہاں کی تجارت میں انگریزوں کی سرگرمی کے لئے ایک نہایت پرمنفعت راہ نکل آئی۔

رودبار عبور کرنے سے قبل، ایڈورڈ نے اپنی رعایا کے واسطے ایک اور مفید کام بھی انجام دیا۔ جب سے اُن کے کاروبار میں، سسٹر سی اور گلبرٹی راہبوں کی بدولت (جنھوں نے چراگاہوں کا بہت بہتر انتظام کیا تھا) ترقی ہوئی، اُس وقت سے امرائے فلینڈرس اور شاہان انگلستان کے باہمی تعلقات میں بڑی اہمیت پیدا ہو گئی تھی۔ تیرھویں صدی سے لے کے ندرلینڈز کے لوگوں نے فلپ ثانی کے جبر و استبداد کے خلاف بغاوت کے زمانے تک، زیادہ تر فلیمنگی قصبات ہی میں وسیع پیمانے پر کپڑا تیار ہوا کرتا تھا لہذا انگریز اُون فروشوں کی خوشحالی اس پر منحصر تھی کہ اُن میں اور کپڑا تیار کرنے والوں جو انگریزی اُون کے خریدار تھے، بے روک لین دین ہوتا رہے۔ فلینڈرس کے حکمران بیگم کے طرز عمل سے اس لین دین میں کچھ مدت سے خلل واقع ہو گیا تھا لیکن ایڈورڈ نے نوجوان امیر فلینڈرس سے دوستانہ معاہدہ کر لیا اور اسی موقع پر جو اتحاد قائم ہوا تھا وہ سولھویں صدی کے اخیر تک انگلستان کی خارجی سیاسیات کے سب سے اہم اجزا میں شمار ہوتا رہا۔

ایڈورڈ کا موازنہ ہنیری ثانی سے

اگست ۱۲۷۴ء میں ایڈورڈ ساحل انگلستان پر اُترا اور کام کی سرگرمی اور ویرپا نتائج کے اعتبار سے انگلستان کے کسی بادشاہ کے عہد سے، اُس کی حکومت کے آیندہ تینتیس برس کا موازنہ کیا جا سکتا ہے۔ کئی لحاظ سے ایڈورڈ کی حکمت عملی ہنری ثانی کا زمانہ یاد دلاتی ہے۔

ہنیری ثانی نے جن کا آغاز کیا تھا۔ ایڈورڈ نے انھیں جاری رکھا اور حالات زمانہ کے مطابق تجدید کی۔ دونوں بلا کے جفاکش محنتی تھے اور حسن انتظام کا دونوں کو یکساں خیال تھا۔ لیکن دونوں کے کام کے ماحول میں بڑا دلچسپ فرق پایا جاتا ہے۔ مثلاً ہنیری کو تو بار بار طویل مدّت کے لئے فرانس جانا پڑتا تھا اور انگلستان کے معاملات سے لامحالہ اس کی توجہ بٹ جاتی تھی، لیکن ایڈورڈ مجموعی طور پر امور ملکی میں اپنی پوری توجہ صرف کرسکتا تھا۔ دوسرے، ہنیری کو تو اپنی اصلاحات گویا جبراً نافذ کرنی پڑیں اور اس میں قریب قریب تنہا، اپنے تمام امیروں سے مقابلہ پیش آیا بخلاف اس کے، ایڈورڈ کو عموماً امیروں کے ہم آہنگ بنائے رکھنے کا موقع میسّر آیا۔ یہ باتیں تو ایڈورڈ کے مفید مطلب تھیں۔ لیکن دوسری طرف نظر کیجیے تو ایک تو اسے مالی دقتیں ہنیری سے زیادہ پیش آئیں کہ باپ کے قرضے ہی ابھی تک نہ پٹے تھے اور شاہی اراضی کم اور اُن کی آمدنی قلیل تر ہوگئی تھی۔ ذاتی کفایت شعاری کے باوجود جو کام اس نے اٹھائے وہ کسی طرح مصارف میں کمی کرنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس بارے میں ایڈورڈ کو پورا زمانہ فکر و تردّد ہی میں کاٹنا پڑا۔ البتہ اس تنگدستی سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ ایڈورڈ کے بخوبی ذہن نشین ہوگیا کہ رعایا کی تھیلی کا مُنہ اسی وقت کھل سکتا ہے جب کہ وہ بادشاہ کی حکمت عملی میں محرم راز اور شریک کار بنالی جائے۔ یہ سبق اسے شہزادگی کے زمانے میں مل چکا تھا اب اُس کی مزید توثیق ہوئی جیسا کہ اُس کے بار بار نیابتی مجلسیں منعقد کرنے اور دربار و رعایا کے مجموعی تعلّقات دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ کہنا کچھ مبالغہ آمیز نہ ہوگا کہ ایڈورڈ نے ہی پارلیمنٹ کو گویا اپنا معتمد علیہ بنایا اور نظم و نسق میں اس کی سچی شرکت سے مستفید ہوا حالانکہ شاہان ماسبق ایسی مجلس کو مفت کی زحمت یا زیادہ سے زیادہ محض روپیہ وصول کرنے کا ایک ذریعہ سمجھتے تھے۔ علاوہ ازیں ایڈورڈ کا ملکی نظم و نسق بھی بہت سے ایسے جدید آئین مرتب ہونے کی بنا پر امتیاز رکھتا ہے جن میں ہر ممکن تشریعی موضوع داخل ہے۔ بالائی طور پر اُس کے اصول عمل کی بنیاد اس خواہش پر تھی کہ جملہ برطانی جزائر متحد اور ایک چھتر کے نیچے آجائیں۔ پہلی قسم کی سرگرمی پورے عہد حکومت میں جاری رہی

باب اول

دوسری کاظہور وارتقا جب جیسا جیسا موقع پیش آتا رہا اس کے مطابق ہوا۔

تیرھویں صدی میں بہت کچھ قانون سازی ہوئی۔ بولونا کے مدرسہ قوانین کا دائرہ اثر اتنا بڑھا کہ یورپ کے ہر مرکز حکومت میں قانون داں نظر آنے لگے۔ یہ گروہ قوانین رومہ کی صحیح اور معین تعریفات کی تعلیم پاکر، یورپ کے جاگیرداری طور طریق کو نفرت سے دیکھتا تھا جس میں قاعدے قانون کی کوئی حد بندی نہ پائی جاتی تھی۔ غرض ایڈورڈ کا قوانین انگلستان کو باضابطہ نظام کی صورت میں مدوّن کرنے کی کوشش کرنا، دراصل ایک عام اور ترقی پذیر تحریک کا جزو تھا جس میں اس کے دو خالو، شہنشاہ فریڈرک اور لوئی نہم، نیز برادر نسبتی الفانسو والیٔ کاستیل، شریک وسہیم تھے۔ مگر ایسی اصلاحات قانون کی بادشاہ زیادہ سے زیادہ رہنمائی کرسکتے ہیں جدید قوانین بنانا اُن کے بس کی بات نہیں ہوتی اسی لئے ایڈورڈ جو "انگلستان کا جس تی نین" کہلاتا ہے، اس کے کارنامے میں اصلی تحسین کا مستحق غالباً روبرٹ برنل کو قرار دینا چاہئے۔ بہرحال، ان سب قوانین کو جو ایڈورڈ کے عہد میں وضع ہوئے، بیان کرنا تو ناممکن ہے البتہ قانون اوقاف آئین ونچسٹر وغیرہ بعض کا ذکر کرنا ضروری ہے جن سے دیرپا نتائج برآمد ہوئے۔

قانون اوقاف

سب سے اوّل آئین یا قانون اوقاف "مورٹ مین" ہے۔ "مورٹ مین" کی لاطینی اصطلاح کے معنی دست مردہ کے ہیں جس کی مٹھی ڈھیلی نہ ہوسکے۔ استعارۃً اسے مذہبی یا غیر مذہبی انجمنوں کی املاک پر استعمال کرتے کہ ان کا قبضہ دائمی رہتا تھا۔ صاحبانِ اوقاف جاگیرداری فرائض کو بجالانے میں عموماً کوتاہی کرتے تھے اور رسوم وجبوب، ازدواج وغیرہ کے نذرانوں سے بھی مستثنیٰ ہوتے تھے۔ نتیجہ یہ کہ وقف زمینوں کے اصلی مالک یعنی موضع دار اور آخر میں بادشاہ کو نقصان پہنچتا تھا۔ ظاہر ہے اس نقصان کے زیادہ تر ذمہ دار تو اہل کلیسا ہوتے جنھیں دعائے مغفرت کے عوض میں پس ماندہ وارث برابر زمینیں بطور وقف دیتے رہتے تھے اور یہ شکایت تو ہینڈ کے وقت سے ہی سنی جانے لگی تھی لیکن سسٹرسی اور صلیبی فرقوں کی غیر معمولی ترقی نے اسے خاص طور پر قابلِ توجہ بنادیا۔ دوسرے، آخر آخر میں زمینداروں نے مالگزاری اور جاگیرداری کے

مطالبات سے بچنے کی ایک تدبیر یہ نکالی کے اپنی زمین کسی مذہبی فرقے کے حوالے کر دیتے اور پھر اسے بہت نرم شرطوں پر واپس لے لیتے تھے۔ غرض بادشاہ اور شاہی جاگیردار سب چاہتے تھے کہ اس طریقے کو مسدود کیا جائے۔ ۱۲۷۹ء میں صدر اسقف پیکھم کی صدارت میں ایک کلیسائی مجلس منعقد ہوئی اور اُس نے دلیری سے تمام اشخاص کو جو منشور اعظم کی پابندی نہ کریں یا کلیسائی عدالتوں کے احکام میں رخنہ ڈالیں، خارج از ملت قرار دیا، تو اس وقت بادشاہ اور سب امرا ل گئے اور انھوں نے آئین "دی وی ریس ریلیجیوسس" (de viris religiosis) جسے عام طور پر قانون اوقاف کہتے ہیں، نافذ کر دیا کہ کوئی کلیسائی یا غیر کلیسا آدمی آیندہ اپنے لئے کوئی زمین یا حقیت، بیع و شری، ہبہ یا اور کسی نام یا حیلے سے اس طرح نہ حاصل کر سکے گا کہ وہ "وقف" میں شامل ہو جائیں جو شخص ایسا کرے گا وہ ضبطی کی سزا کا مستوجب ہوگا" اور ضبطی کا پہلا حق مالک موضع کو حاصل ہوگا لیکن وہ اس حق سے فائدہ نہ اٹھائے، تو اس کا بالا دست جاگیردار اور آخر میں بادشاہ ضبطی کا حکم دے سکے گا۔ اس اہتمام کے باوجود قانون کی غرض پوری نہ ہو سکی اور آئندہ اس بارے میں اور کئی قانون وضع کرنے پڑے۔

اسی قانون سے ملتا جلتا آئین ونچسٹر تھا جو "کوئیا ایمپ تور" (Quia Emptores) کے نام سے زیادہ مشہور ہے جس طرح قانون اوقاف کا تعلق مذہبی اغراض کے لئے زمین منتقل کرنے سے تھا،

آئین ونچسٹر۔ اسی طرح یہ دوسرا آئین عام انتقال اراضی کے متعلق مرتب ہوا۔ اُن دنوں صورت یہ تھی کہ اگر ایک پٹہ دار زمین کا کوئی حصہ تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دے تو یہ یا خریدار، اسی پٹہ دار کا پٹہ دار بن جاتا اور اصلی مالک سے اس کو کوئی تعلق نہ ہوتا تھا۔ اس طریقے نے یہ بات ممکن کر دی تھی کہ پٹہ دار ایسی عمدہ شرطوں پر زمین دوسروں کو اٹھا دے کہ خود اس پر مالکِ زمین کا کوئی بار ہی نہ رہے۔ اسی لئے بادشاہ اور بڑے جاگیرداروں کا فائدہ اس میں تھا کہ یہ طریقہ روک دیا جائے۔ نظر برایں ۱۲۹۰ء کی پارلیمنٹ میں یہ قانون نافذ ہوا کہ چونکہ اس رواج سے شاہی جاگیرداروں کا نقصان ہوتا ہے اور

باب اول

وہ خود اپنی زمین کے مختلف محاصل اور نذرانوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ لہذا آیندہ اس قسم کا جزوی انتقال، براہ راست اصلی مالکِ زمین کی طرف سے ہونا چاہیئے اس طرح، ضمنی پٹہ داری کا سدّ باب ہوگیا اور بڑے جاگیرداروں کے طبقے میں یہ قانون بہت مقبول ہوا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کا اصلی فائدہ بھی بادشاہ ہی کو حاصل تھا کہ ایک طرف تو ضمنی پٹہ داری سے جو جاگیرداروں کا اقتدار بڑھتا تھا، وہ بات جاتی رہی اور دوسری طرف براہ راست بادشاہ سے معاملہ کرنے کے باعث شاہی جاگیرداروں کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ اس فرقے کا امتیاز غائب ہوگیا اور مجموعی طور پر وہ خصوصیت اور بھی کم ہوگئی جو جاگیرداری نظام کو حاصل تھی کیونکہ پٹہ داری بھی زمین کو مالگزاری پر دینے کا ایک معمولی طریقہ بن گئی۔

قانون عطیات زمین کے متعلق ایک اور قانون بنا جو "ویسٹ منسٹر کا دوسرا آئین" کہلاتا ہے اور اس کی ایک دفعہ خاصکر بہت مشہور ہے جس کے یہ الفاظ اکثر نقل کئے جاتے ہیں:۔ (de donis Condition a libus) یعنی شرائط عطیہ" اس نے جاگیرداروں کو مجاز کیا کہ خاص خاص شرائط سے زمین معافی یا عطیہ دیں اور اگر وہ شرطیں پوری نہ ہوں تو زمین واپس لے سکیں۔ دوسرے پہلے یہ ہوتا تھا کہ جس کے نام زمین ہے، وہ معطی کی بغیر اجازت اسے اپنے وارث کے پیدا ہوتے ہی، اس کے نام منتقل کر دیتا تھا۔ نئے قانون کی رو سے اس کی ذاتی حیثیت محض تازندگی معافی داری کی سی رہ گئی البتہ اس کی وفات کے بعد وارثوں کا حق مسلم ہوگیا اور اس سے ایک نتیجہ یہ ہوا کہ معافی دار، معطی کی مخالفت یا غداری کرے تو بھی اُس کی معافی سے اس کے وارث محروم نہ کئے جا سکتے تھے۔ اس قسم کی اراضی یا معافیات کو اصطلاحی طور پر "ان ٹیلڈ" کہتے تھے جس کے معنی ہیں "منقطعہ" یعنی وہ جو دوسری زمینوں سے الگ کر لی گئی ہو اور چونکہ یہ زمینیں کسی حال میں خاندان کے باہر نہ جا سکتی تھیں لہذا یہ طریقہ بہت مقبول ہوا اور مستثنیات کی بجائے عام طور سے انھی عطیات یا معافی کی صورت میں لوگ زمینیں لینے لگے۔

ان قوانین کے نفاذ میں اُمرا ایڈورڈ کے ہم آہنگ رہے لیکن دو ایک

ایسے موقع بھی پیش آئے جن سے اسے تنبیہ ہوا کہ اگر اُن کے محسوسات کا پاس رکھنا ہے تو بہت احتیاط سے قدم رکھنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ۱۲۷۵ء میں جب اس نے ایک تحقیقاتی جماعت روانہ کی کہ اراضی کے حقوق مالکانہ کی نوعیت دریافت کرے، تو امیر وارین نے استفسار کرنے والوں سے صاف کہہ دیا کہ ہمارے اجداد نے تلوار کے زور سے زمین لی ہے اور تلوار ہی کے زور سے ہم اُسے غاصبوں سے بچائیں گے۔" یہ صاف گوئی سنکے ایڈورڈ کو کان ہوگئے اور اس نے عقلمندی سے مزید تحقیق تفتیش ملتوی کردی نیز احتیاط رکھی کہ زمین کے متعلق جو قوانین بنائے جائیں وہ جس طرح اس کے حق میں مفید ہوں، اسی طرح دوسرے مقتدر اہل معاملہ، جیسے امیر وارین وغیرہم کو بھی اپنے لئے مفید نظر آئیں۔

آئین ونچسٹر کی بنا، ہنیری ثانی کی تنظیم اسلحہ، مجریہ ۱۱۸۱ء، پر تھی اور اس کا مُلک کے دفاعی معاملات سے تعلق تھا۔ دوسرے اس سلسلے میں ضوابط سرداروں" (Distraint of knight hood) پر بھی نظر ڈال لینی چاہیئے جن میں سے پہلا ضابطہ ۱۲۷۸ء میں جاری کیا گیا۔ ان شاہی احکام کے مقصد دو تھے۔ ایک تو حصول زر اور دوسرے سرداروں یا شرفا کے گروہ میں ترقی، جن کو غالباً ایڈورڈ طبقۂ اُمرا کے مقابلے میں قدر و حوصلہ افزائی کا مستحق سمجھتا تھا۔ اور گذشتہ باب میں اس گروہ کی اہمیت کا تذکرہ ہماری نظر سے گزر چکا ہے۔ القصہ ۱۲۷۸ء میں حکم ہوا کہ ہر پٹہ وار جس کی زمین بیس پونڈ سالانہ آمدنی کی ہے، خواہ بادشاہ سے پٹے پر لی گئی ہو یا کسی اور سے، اور جسے "سرداروں" کی فہرست میں داخل ہونا چاہیئے وہ یا تو اس فہرست میں داخل ہو، ورنہ کافی اور مناسب ضمانت ادا کرے۔ پھر ۱۲۸۲ء میں حکم ہوا کہ تیس پونڈ سالانہ کی جائداد والے گھوڑا اور اسلحہ رکھیں۔ یہ حکمنامے ایڈورڈ برابر جاری کرتا رہا کہ سوار فوج میں کمی نہ آئے اور خزانہ شاہی کو روپیہ بھی ملتا رہے۔

آئین ونچسٹر میں بیس پونڈ سالانہ سے کم زمین والوں کے اسلحہ کے بارے میں مروجہ قوانین کا خلاصہ درج تھا۔ یہ آئین، اس زمانے کی اکثر قانونی دستاویزوں کی مثل فرانسیسی زبان میں تحریر تھا اور ۱۲۸۵ء میں جاری ہوا۔ اس کی رو سے

باب اول

۱۵ سے ۶۰ سال کی عمر تک کے ہر مرد کا فرض تھا کہ اپنے رتبے اور قدیم قانون کے مطابق اسلحہ فراہم رکھے۔ ۱۵ پونڈ آمدنی کی زمین اور ۴۰ مارک کا اثاثہ رکھنے والوں کو ایک زرہ ایک آہنی خود، تلوار، چھری اور گھوڑا رکھنا ہوتا تھا۔ دس پونڈ آمدنی کی زمین اور ۲۰ مارک کی املاک والوں کو سوائے گھوڑے کے اور سب مذکورہ اسلحہ۔ ۵ پونڈ پر زرہ کی بجائے سینہ بند مذکور ہے اور صرف دو پونڈ کی آمدنی ہو تو تلوار، تیر کمان اور چھری۔ وقِس علیٰ ہذا۔ اور ان اسلحہ کا سال میں دو مرتبہ باقاعدہ معاینہ ہوتا تھا۔

عام قوانین

ان دفاعی اور زمین کے قوانین کے علاوہ امن عامہ اور اس قسم کے مختلف مسائل جیسے پہرہ گیری، مجرموں کی گرفتاری، عدالتوں کی عملی کارروائیاں وغیرہ کے متعلق اور بہت سے قوانین وضع ہوئے۔ آئین ونچسٹر میں ایک دفعہ یہ تھی کہ اگر قزاق اور خونی گرفتار نہ ہوسکیں تو جس پرگنے میں جرم ہوا ہے۔ وہاں کے لوگ جرمانہ ادا کریں اور اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ چوری والے اپنے پاس پڑوس کے لوگوں کو سزا نہیں دیتے تھے۔ اس آئین میں ایک حکم یہ تھا کہ ہر قصبے کے دروازے غروب آفتاب سے صبح تک بند رکھے جائیں اور ان کی پاسبانی کی جائے۔ اجنبی اشخاص گرفتار اور میزبان اپنے مہمانوں کے چال چلن کے ذمہ دار قرار دیے جائیں۔ شاہراہوں کو زیادہ محفوظ بنانے کی غرض سے دونوں طرف سے دو دو سو فیٹ تک زمین صاف کرادی گئی اور ان احکام کی پابندی کرانے کی غرض سے چند نئے عہدہ دار مقرر ہوئے جو اُس وقت "محافظانِ امن" کہلاتے تھے اور بعد میں "نظمائے امن یا جسٹسز آف دی پیس" کے معروف نام سے موسوم ہوئے۔ ولیسٹ منسٹر کے دوسرے آئین نے دیوانی قوانین بنانے میں بھی اصلاح کی۔ گشتی حکام عدالت کو جو مختلف کام تفویض تھے، ان کی توثیق و یکجائی عمل میں آئی اور عدالت "نی سی پریُوس" کے نام سے تقریباً تمام دیوانی مقدمات کا فیصلہ اُن کے سپرد ہوگیا۔ پھر ۱۳۰۰ء میں یہ سہولت پیدا کی گئی کہ

عدالتوں کی تنظیم

اسی عدالت کو قیدی مجرموں کی تحقیقات کی اجازت مل گئی اور

باب اول

یہ طریقہ تھوڑے سے ردّ و بدل کے ساتھ اب تک جاری ہے۔

صدر عدالتوں کے طریق کار میں بھی ایڈورڈ نے تبدیلیاں کیں۔ شاہی عدالت، عدالت امور عامّہ اور عدالت مال کے فرائض کی احتیاط سے حد بندی کر دی گئی اور ان کے لئے علیحدہ علیحدہ مستقل حکّام عدالت مقرر ہوئے۔ ۱۳۰۰ء میں ایک خاص حکم کی رو سے عدالت شکار باضابطہ مرتب ہوئی اور یہ بھی فیصلہ ہوا کہ گویہ اور شاہی عدالت بادشاہ کے ساتھ ساتھ رہے گی، لیکن عدالت مال کا ویسٹ منسٹر میں مستقر ہوگا جس طرح عدالت امور عامّہ کا منشور اعظم کے وقت سے مقرر ہو چکا تھا۔ عدالت اور وضع قوانین کے متعلق یہ وسیع تغیرات ایڈورڈ اول کے عہد کو انگریزی قوانین کی تاریخ میں ممتاز بناتے ہیں اور یہ بات ضرب المثل ہو گئی ہے کہ اس بادشاہ کے عہد میں جو آئین یا حکمنامے جاری ہوئے اگر بطور خاص منسوخ نہ کر دئے گئے ہوں تو وہ آج بھی "کھرے قوانین" ہیں۔

یہودیوں کا اخراج

اس عہد کا ایک اور واقعہ یہود کا انگلستان سے اخراج تھا، جس کے اسباب کچھ تو پرانے تھے، جیسا کہ ہم رچرڈ اول کے حالات کے ضمن میں لکھ چکے ہیں اور کچھ اُسی زمانے میں پیش آئے۔ ہینری ثالث کو ضرورت بار بار یہودی ساہوکاروں سے قرضہ لینے پر مجبور کرتی رہی تھی اور یہ قرضے اب اس کے جانشین بیٹے پر واجب الادا ہو گئے تھے۔ یہودیوں کے اس طرح بادشاہ کو روپیہ فراہم کر دینے سے جاگیرداروں کا طبقہ خاص طور پر ان کا دشمن ہو گیا تھا کیوں کہ انھیں نظر آتا تھا کہ بادشاہ کو اس طرح قرضے ملتے رہے تو ایک تو وہ جاگیرداروں سے بے نیاز ہو جائے گا اور دوسرے یہودیوں کو روپیہ ادا کرنے کی غرض سے جاگیرداروں ہی پر محصول عائد کرے گا۔ مزید برآں سودی لین دین کا ایک زراعتی ملک میں جو اثر لازمی ہے، اس کا ظہور ہونے لگا تھا۔ جا بجا جاگیریں بھاری قرضوں میں مکفول ہو رہی تھیں۔ تیس چالیس فیصدی تک سود ادا کرنے کے بعد زمیندار کو مشکل سے اتنی بچت ہوتی تھی کہ سرکاری محاصل اور اپنے گھر والوں کا پیٹ بھر سکے۔ پس قرض خواہ یہودی ملک بھر میں نفرت سے دیکھے جاتے تھے کہ انھی کی بدولت زمینوں کے بکتے اور زمینداروں کے بزور عدالت بید خل

باب ۱ دل

کئے جانے کی نوبت آتی رہتی تھی۔ رائے عامہ کی شہ سے ایڈورڈ نے یہود کو جائداد غیر منقولہ پیدا کرنے کی ممانعت کر دی، پرانے قانون کے مطابق ایک مخصوص لباس پہننے پر مجبور کیا اور آخر میں سود خواری کو کلیتۃً ممنوع قرار دیدیا۔ گزر اوقات کا یہ عام پیشہ موقوف ہوا، تو یہودیوں نے سکوں میں قطع و برید شروع کی اور صدہا کے سولی دے جانے کے باوجود یہ خرابی جاری رہی۔ تب پرانے الزام تازہ کئے گئے اور صدر اسقف پیکھم نے اُن کے سارے صومعے حکماً بند کرادئے۔ اور آخر ۱۲۹۰ء میں ایڈورڈ نے تمام یہود کے ملک سے نکل جانے کا فرمان صادر کیا جس سے رعایا باغ باغ ہوگئی اور اہل کلیسا نے منقولہ املاک کا عشر اور عوام نے پندرھواں حصہ اس خوشی میں بادشاہ کی نذر کیا۔ لیکن اقتصادی اعتبار سے یہ تغیر محض ظاہری تھا۔ کیونکہ یہودی ساہوکاروں کی جگہ بیشتر دوسرے پردیسیوں نے لی جن میں لومبارڈی کے ساہوکار ممتاز تھے اور لندن کا "لومبارڈ اسٹریٹ" اب تک ان کی یادگار ہے۔ لہذا بادشاہوں کے مالگزاری سے پہلے روپیہ اور فضول خرچوں کے زمین گروی رکھکر قرض لینے کا دروازہ اُسی طرح کھلا رہا۔ البتہ یہودی، اگرچہ بیچ میں بھی کبھی کبھی تھوڑے سے ملک میں نظر آتے رہے لیکن کئی سو برس یعنی کرام ویل کے زمانے سے قبل انھیں انگلستان میں علانیہ بسنے کی اجازت نہیں ملی۔

ویلز

اب ہم ایڈورڈ کے ویلز اور اسکاٹ لینڈ سے جو معاملات ہوئے۔ ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ لوزمن بادشاہ ولیم رُوفس (سُرخ چہرہ) کے عہد سے جیسا کہ اُس کے حال میں بیان ہو چکا ہے۔ ویلز کے دو حصے تھے۔ ایک تو وہ جس پر رئیس یا شاہ ویلز حکومت کرتا تھا اور جس کا رقبہ برابر گھٹتا جاتا تھا اور دوسرا حصہ جس کا رقبہ اسی نسبت سے بڑھتا رہا وہ تھا، جو نارمن امیروں کے قبضے میں تھے اور یہ لوگ عام طور پر "امیران سرحد" کہلاتے تھے۔ ہنیری ثالث کے زمانے میں رئیس ویلز کے قبضے میں انیگل سی اور اس زمانے کے دو پرگنون (کارناوں اور مے ریونتھ) کے قبضے یا دواور پرگنوں میں بعض مالکانہ حقوق کے سوا، کچھ باقی نہیں رہا تھا۔ آخرالذکر علاقہ سے آج کل کارماتھن

باب ۱۵ والی اور کارڈیگن کہتے ہیں، چار ٹکڑوں میں منقسم تھا۔ ایک تو "چہارپٹی"، کا وہ میدانی علاقہ جو ڈی اور کون وے کے درمیان ہے۔ اس پر امیر چیسٹر کی حکومت تھی۔ بالائی سیورن کی وسطی سرحد خاندان مورٹمر کے زیر نگیں تھی۔ گلے مورگن کی حکومت امیر گلوسٹر کے توابع میں داخل تھی اور چوتھے ٹکڑے پر امیر پیمبروک کا قبضہ تھا لیکن ان میں چھوٹی چھوٹی بہت سی جاگیریں بھی شامل تھیں جو بڑے امیروں سے کم و بیش وابستہ رہتی تھیں۔

گذشتہ جنگ و پیکار نے جس کی بدولت ملک کی یہ تکا بوٹی ہوئی، اہل ویلز کو مجبور کیا کہ اپنے باہمی جھگڑے بالائے طاق رکھکر دشمنوں کا متحدہ مقابلہ کریں اور اس تحریک نے ایک قومی احیا کی صورت اختیار کر لی جس کا سرگروہ خلوایلین اپ ایورتھ امیر گوئنیڈ (متوفی ۱۲۴۰ء) تھا۔ اس کا جانشین کچھ مشہور نہیں لیکن ۱۲۴۶ء میں خلوایلین (دگرنیفیتھ) مسندِ حکومت کا وارث ہوا اور دادا کے نقشِ قدم پر چل کر اس نے جاگیرداروں کی جنگ سے فائدہ اٹھایا۔ یعنی سائمن دی مونٹ فرٹ سے مل کر ان لڑائیوں میں نمایاں حصہ لیتا رہا اور اسی کے عوض میں عہد نامہ شروس بری کے وقت شہزادہ ایڈورڈ کو چہارپٹی حوالے کر کے رئیس ویلز کی ذہن دوزی کرنی پڑی۔ اس کامیابی نے خلوایلین کے حوصلے بڑھادئے اور اب وہ ایڈورڈ اول جیسے بادشاہ کے زمانے میں بھی انگریزوں کے اندرونی فتنہ و فساد سے فائدہ اٹھانے کے خواب دیکھنے لگا۔ یہ اس کی نادانی تھی۔ ایڈورڈ کو ۱۲۷۵ء میں سائمن کے بیٹوں کے ساتھ اس کے ساز باز اور سائمن کی بیٹی الینر سے شادی کی ترکیب کرنے کا پتہ چل گیا اور اس نے بلاتاخیر انسداد کی زبردست کارروائی کی۔ اتفاق سے الینر اس کے ہاتھ پڑگئی لہذا اسے ملکہ الینر کی تحویل میں چھوڑ کر اس نے خود خلوایلین پر فوج کشی کی اور خود خلوایلین کا بھائی ڈیوڈ ایڈورڈ کا مشیر و مددگار بن گیا۔ رئیس ویلز نے تجویز یہ سوچی تھی کہ سنوڈن کے مستحکم علاقے میں رہ کر مقابلہ کرے اور انیگل سی سے رسد وغیرہ حاصل کرتا رہے لیکن ایڈورڈ نے جنوبی ویلز کے سب راستے بند کر دئے اور پنج بندر سے بیڑا منگا کے خلیج منائی کی بھی ناکہ بندی کر دی۔ خلوایلین کے پاس رسد نہ رہی تو اس کی عقل درست ہوئی۔ آمد سرما میں وہ پہاڑیوں سے باہر آگیا اور کامل اطاعت

باب اول

قبول کرلی۔ سنوڈن کے سوا تمام اراضی حتیٰ کہ اپنی زندگی کے بعد اینگل سی بھی ایڈورڈ کے حوالے کردیں اور مراسم خراج گزاری بجالایا۔ ایڈورڈ نے شکست خوردہ غنیم سے فیاضی کا برتاؤ کیا۔ بعض سخت شرائط صلح معاف کردیں اور ۱۲۷۸ء میں خلوایلین کو الینر سے شادی کرنے کی بھی اجازت دے دی۔

خلوایلین کی قوت اس طرح توڑ کر ایڈورڈ ویلز کی بعض اصلاحات پر متوجہ ہوا جن کا منصوبہ چیسٹر کی ابتدائی حکومت کے زمانے میں اُس نے سوچا تھا۔ خلاصہ ان اصلاحات کا یہ ہے کہ برادری کا نظام توڑ کر ویلز میں بھی چند اضلاع انگلستان کی مثل بنادیے گئے اور بعض وحشیانہ قوانین، مثلاً قتل کی سزا محض جرمانہ، نیز تاراجی کی خوفناک رسم وغیرہ سے ملک کو نجات دلائی اور مجموعی طور پر کہنا چاہیے کہ پورے ویلز کو انگریزی رنگ میں رنگ دیا۔ مگر اس عمل میں دو فروگذاشتیں یہ ہوئیں کہ اول تو ایڈورڈ کو یہ خیال نہ آیا کہ اہل ویلز اپنے رسم ورواج کے ایسے خوگر ہیں کہ انھیں اپنے بُرے قانون انگریزوں کے اچھے قوانین کی نسبت زیادہ پسند ہیں دوسرے یہ کہ اصلاحات پر عمل کرانے کے واسطے جو لوگ مقرر ہوئے وہ خود بادشاہ کی مثل عالی حوصلہ نہ ہو سکتے تھے اور ان سے اندیشہ تھا کہ نئی اصلاحات کو ذاتی بدعنوانیوں سے بلاضرورت بھی تکلیف دہ اور قابل نفرت بنادیں گے۔ چنانچہ یہی نتیجہ ہوا کہ مجوزہ تغیرات سے شدید مخالفت پیدا ہوگئی اور ۱۲۸۲ء میں تازہ بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی۔

ڈیوڈ کی بغاوت

اس بغاوت کا سرغنہ وہی ڈیوڈ تھا جو ۱۲۷۷ء میں خود اپنے بھائی کے خلاف ایڈورڈ کا مددگار بن گیا تھا، اور اسی صلے میں واوی کلوایڈ کا زرخیز علاقہ اُسے جاگیر میں عطا ہوا تھا۔ مارچ میں اس نے یکایک قلعہ ہوارڈن پر حملہ کیا اور قلعے کی فوج کو قتل کر ڈالا۔ بھائی کی دلیریاں سن کے خلوایلین بھی کونن وے اتر کے اُس کی مدد کو آیا اور چیسٹر تک (دہاریٹی کا) سارا علاقہ تاراج کر ڈالا۔ سنوڈن میں محصور ہوجانے سے بچنے کی غرض سے اب کے خلوایلین آتے جاڑے جنوب میں چلا گیا کہ وہاں وای کے کنارے ایک اور بغاوت میں شرکت کرے مگر ۱۱ر دسمبر کو ایک تنہا شہسوار سے اتفاقیہ مقابلے میں

باب اول

مارا گیا اور ڈیوڈ نے بھی گرمیوں تک مقابلہ کرنے کے بعد ہتھیار ڈال دیئے۔ ایڈورڈ کو پہلے بھائی اور پھر خود اپنے ساتھ غداری کرنے کے باعث ڈیوڈ پر بہت غصہ آیا تھا، لہذا شروس بری کے مقام پر ضلع کے جاگیرداروں اور سرداروں کی پنچائت میں اس کا مقدمہ پیش کیا اور انھوں نے وہ خوفناک سزائے موت تجویز کی جو "لٹکایا، گھسیٹا اور ڈرا کیا جائے" کے قانونی الفاظ میں مضمر ہوتی تھی۔

یہ موانع دُور ہوئے تو ایڈورڈ کو اپنے منصوبے پر عمل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ رہی خلوالین کا علاقہ بھی اینگل سی، کارناوں اور میریونیتھ کے تین ضلعوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اور جنوبی ٹکڑا کارڈیگن اور کارماتھن کے ضلعوں سے موسوم ہوا۔ چارپی، فلنٹ کے نئے پرگنے میں داخل ہوئی اور اس کا کچھ حصہ چشائر میں اور باقی نئے سرحدی جاگیرداروں میں بٹ گیا۔ ان میں غالباً سب سے باوقعت ڈن بی کی جاگیر تھی جو امیر لنکن کے حصے میں آئی۔ پہلے سرحدی جاگیروں کو بجنسہ رہنے دیا گیا اور یہ سرحدی علم جاگیر کا فرق ہنیری ہشتم کے عہد تک برقرار رہا۔ ویلز کے قوانین کی بجائے انگریزی قوانین جاری ہوئے اور ویلزی رئیسوں کی دہقانی کچہریوں کی جگہ نئی پرگنوں کی عدالتیں قائم ہوئیں۔ سب سے بڑھ کر تغیر یہ کہ ایڈورڈ نے قصبے بنا کے تجارتی زندگی کی بنا ڈالی نئے قصبوں میں انگریز آباد کاروں کو کثرت سے لا بسایا اور ان لوگوں نے الزبتھ کے عہد تک خالص ویلزی علاقوں میں بھی اپنی انگریزی بولی محفوظ رکھی۔ پہاڑی باشندوں کو قابو میں رکھنے کی غرض سے ایڈورڈ نے ایسے قلعوں کا ایک سلسلہ تعمیر کیا جیسے کونوے، رھڈلن، ہارلیک اور ابیریسٹوتھ۔ اور خلیج مِنائی پر قبضہ رکھنے کے لئے کارناوں اور بوماریس کے قلعوں کا جوڑا تیار کیا۔

اسکاٹ لینڈ کے معاملات

اسکاٹ لینڈ کے معاملے میں ایڈورڈ کو اتنی کامیابی نہ ہوئی جس کا بڑا سبب یہ کہ اس کے وسائل و اسباب جو خلوالین کی چھوٹی سی ریاست کو قابو میں لانے کے لئے بخوبی کافی تھے، کسی وسیع تر قومی مزاحمت پر غالب نہ آسکتے تھے۔ شاہانِ اسکوٹ کی نسبت یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اسکوٹ اور پکٹ قوموں کی بادشاہی کے سوا، وہ اسٹریتھ کلائیڈ اور لوتھین کے امیر بھی ہوتے تھے۔ اور اس طرح اُن کی کئی حیثیتیں ہو گئی تھیں۔ لیکن جب سے رچرڈ اول نے



ویلز اور وادی سیورن جس میں
مشہور قلعے بتائے گئے ہیں۔

مقابل صفحہ ۲۸۰

عہد نامہ فالینز کو منسوخ کیا اس وقت سے شاہان انگلستان سے اِن کے تعلقات بالکل مبہم اور غیر معیّن رہ گئے تھے اگرچہ عمل میں اس کا کوئی احساس نہ ہوتا تھا کیوں کہ دونوں ملک کے بادشاہوں کے ذاتی تعلقات بہت اچھے رہے۔ ہنیری ثالث کی بہن جوآن الگزنڈر ثانی (۱۲۱۴ء تا ۱۲۴۹ء) سے اور بیٹی، مارگریٹ، الگزنڈر ثالث (۱۲۴۹ء تا ۱۲۸۶ء) کے ساتھ بیاہی گئی۔ آخر الذکر بادشاہ کی سب اولاد نحیف الجثہ تھی اور جب ۱۲۸۶ء میں اس نے وفات پائی تو زندہ اولاد میں ایک نواسی مارگریٹ کے سوا (جو الگزنڈ کی بیٹی مارگریٹ اور اس کے شوہر ایرک امیر ناروے کی اکلوتی بیٹی تھی) اور کوئی نہ بچا تھا۔ ۱۲۸۴ء میں یہی مارگریٹ تخت اسکاٹ لینڈ کی وارث مان لی گئی جب کہ اس کی عمر صرف تین سال کی تھی۔ اُدھر ایڈورڈ کے سب بڑے لڑکے مر گئے اور ۱۲۸۴ء میں جو بچہ ایڈورڈ پیدا ہوا وہی ولی عہد ہو گیا تھا لہٰذا دونوں ملکوں کے باہمی تعلقات کی پیچیدگی کا بہترین حل یہی نظر آتا تھا کہ شیر خوار ایڈورڈ اور صغیر سن مارگریٹ کی نسبت کر دی جائے نامہ و پیام کے بعد ۱۲۹۰ء میں برگہم کے مقام پر ایک عہد نامہ بھی مرتب ہوا کہ مارگریٹ کی ایڈورڈ سے شادی کر دی جائے مگر اسکاٹ لینڈ کی بادشاہی کی خود مختاری میں کوئی فرق نہ آنے پائے۔ لیکن تقدیر کی ناسا عدت نے یہ خوش آیند منصوبہ اُلٹ دیا۔ یعنی سردی میں سمندر کا سفر ناتواں مارگریٹ کے لئے سخت تکان کا موجب ہوا اور وہ اورکینیز میں مر گئی۔ اس کی وفات سے دو دشواریاں یہ پیدا ہوئیں کہ (۱) آیا اسکاٹ لینڈ کی مملکت سالم رکھی جائے؟ اور رکھی جائے تو (۲) اس کا بادشاہ کون ہو؟ اس میں حصّہ پتی کے تو اٹھٹے تیرہ شخص دعوی دار تھے لیکن ان میں تین قومی حریف یہ تھے:۔ ڈیوڈ امیر ہنٹنگڈن کی بڑی بیٹی کا پوتا جون بے لیل جو ولیم الاسد کا بھائی بھی ہوتا تھا۔ ڈیوڈ کی منجھلی بیٹی کا بیٹا رابرٹ بروس، اور تیسرے ڈیوڈ کی تیسری بیٹی کا بیٹا جون ہیسٹنگز (امیر ابرکاوِنی) اور تینوں کے دعوی میں معقولیت کا جزو موجود تھا۔ بے لیل کہتا تھا کہ میں ڈیوڈ شاہ اسکاٹ لینڈ کی بڑی بیٹی کا وارث ہوں۔ بروس کی حجت تھی کہ دوسری بیٹی کی اولاد سہی، لیکن میں ڈیوڈ کا نواسہ اور رشتے میں قریب تر ہوں ہیسٹنگز کا قول تھا کہ تینوں بیٹیاں برابر کی وارث ہیں لہٰذا ہم تینوں کو یک ثلث ملک ملنا چاہئے۔ لطیفہ یہ کہ تینوں جذبات وخیالات میں

باب اول

اسکاٹلینڈ سے کوئی خاص تعلق نہ رکھتے تھے بلکہ انگلستان کے معاملات میں منہمک رہے اور بروس کچھ مدت تک شاہی عدالت میں میر مجلس کی خدمت پر فائز رہا تھا۔

ایڈورڈ کی ثالثی۔ ان جھگڑوں کا انجام خانہ جنگی نظر آتا تھا اور اسی سے بچنے کے لئے اسکاٹ لینڈ والوں نے یہ قضیہ ثالثی کے واسطے ایڈورڈ کے سامنے پیش کیا جو کئی پیچیدہ معاملوں میں اپنے منصفانہ فیصلوں کی بدولت ممالک یورپ میں پہلے بھی نام پا چکا تھا۔ لیکن فیصلہ کرنے سے قبل ایڈورڈ نے دعویٰ کیا کہ مجھے اسکاٹ لینڈ کا باج ستان یا بالادست بادشاہ تسلیم کیا جائے اور ایک مہینے کی تحقیق و تفحص نے اس شرط کی تاریخی واقعیت ثابت کر دی تو تینوں مدعیوں نے ایڈورڈ کے حقوق کو پوری طرح تسلیم کر لیا۔ بے لیل کی طرف سے چالیس اور اتنے ہی بروس کی جانب سے اسکاٹ لینڈ کے باشندے نامزد ہوئے اور ۲۴ انگریز خود ایڈورڈ نے نامزد کئے جن کی مشترکہ پنچائت میں مقدمہ پیش ہوا۔ انھوں نے بڑی تفصیل سے تحقیقات کی اور کہیں ۱۲۹۲ء میں جا کے فیصلہ سنایا۔ تب برنل کی زبان سے ایڈورڈ نے وارث کا اعلان کیا کہ بروس و ہیسٹنگز کے دعویٰ خارج اور پوری مملکت جان بے لیل کے حوالے کر دی۔ اس فیصلے کی صحت میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا اور ایڈورڈ کی بے لوثی بھی اس بات سے بخوبی ثابت ہے کہ ہیسٹنگز کی تجویز قبول نہ کی اور اس شمالی مملکت کو بذریعہ تقسیم کمزور کر دینے کے طمع انگیز موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ غرض یہ فیصلہ کہ سب فریقوں نے بلا تامل قبول کیا اور مراسم اطاعت گزاری بجالانے کے بعد بے لیل کے سر پہ تاج رکھدیا گیا۔

اگر معاملہ یہیں ختم ہو جاتا تو دونوں مملکتوں کے تعلقات کو سلجھانے اور معین کر دینے سے ایڈورڈ کی نصفت شعاری یقیناً اس کی مزید شہرت کا باعث ہوتی لیکن قسمت میں اس کے خلاف یہ تھا کہ بے لیل کی مسند نشینی ان ہمسایہ ملکوں میں بدترین تعلقات کا آغاز ثابت ہو۔ اس میں ایڈورڈ ہی قصوروار نہ تھا۔ بلکہ جس طرح ہم بارہا دیکھ چکے ہیں کہ فرانس کے بڑے بڑے روسا کے علاقوں میں رئیس کے فیصلوں کے خلاف اُس ریاست کے جاگیردار، بادشاہ فرانس کے حضور میں مرافعہ کر سکتے تھے اسی کی مثال کے مطابق قانون دانوں کی رائے تھی کہ اسکاٹ لینڈ کے مقدمات حاکم اعلیٰ کی

باب اول

حیثیت سے ایڈورڈ کے پاس پیش ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ بے لیل کی بادشاہی کے پہلے ہی سال اسکاٹ لینڈ کے چار اشخاص نے مقامی عدالتوں کے خلاف ایڈورڈ سے فریاد کی۔ ان میں امیر فائف کا بیٹا میک ڈف قابل ذکر ہے۔ بہر حال ایڈورڈ امیر کوئی ٹین کی حیثیت سے فرانس کے طور طریق سے خود واقف تھا۔ وہیں کی تقلید میں اس نے بے لیل کو اصالتہً یا نیابتہً اپنی عدالت میں صفائی کے لئے طلب کیا میک ڈف کے مقدمے میں بے لیل خود حاضر ہو گیا لیکن اس نے بادشاہ انگلستان کو اس قسم کی سماعت کے لئے حاکم مجاز ماننے سے انکار کیا اور جب وہ واپس گیا تو اسکاٹ لینڈ کے اُمرا نے اس مقدمے کو خود اٹھایا بلکہ معلوم ہوتا ہے بے لیل کی طرف سے انھیں پورا اعتماد نہ تھا کہ انھوں نے امور ملکی کے طے کرنے کے لئے بارہ اشخاص کی ایک ذیلی مجلس قائم کی جنگی مدافعت کی تیاریاں کرنے لگے اور شاہ فرانس کے ساتھ بھی نامہ و پیام شروع کر دئے۔

اس عرصے میں فرانس کے ساتھ ایک تازہ قضیہ پیش آیا جس میں خود ایڈورڈ کی حیثیت وہ ہو گئی جو اس کے سامنے بے لیل کی تھی۔ ہوا یہ کہ اتفاق سے آپس کے جھگڑے میں ایک نارمن ملاح کسی انگریز کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کے بدلے میں نارمنوں نے کوئی انگریزی کشتی پکڑ کے اس کے ایک مسافر کو گھسیٹا اور مستول پر چڑھا کے پھانسی دیدی اور نیچے ایک کتا بھی بٹھا دیا اتفاق سے یہ شخص بائیوں کا سوداگر تھا لہذا اس کے ہموطن گیس کنی بہت بگڑے اور یہ خون بدلے کا جھگڑا کچھ روز تک نارمنوں، انگریزوں اور گیس کنوں کو باہم لڑاتا رہا حتیٰ کہ ۱۲۹۳ء میں بہت سے آویزشوں کے بعد جم کر لڑائی ہوی جس میں نارمن، فلیمنگی، فرانسیسی، انگریزی گیس کنی اور آئرستانی بیڑے شریک تھے اور برٹنیائی کی بندرگاہ سینٹ ماہی کی عین گودی میں یہ بحری مقابلہ واقع ہوا جس میں فرانسیسیوں کو کامل ہزیمت نصیب ہوی۔ ان کے جہاز چھن گئے اور کہا جاتا ہے کہ پندرہ ہزار آدمی مارے گئے۔ اس شدید نقصان سے فلپ (رابع) شاہ فرانس کو جو ۱۲۸۵ء میں تخت نشین ہوا اور عام طور سے "انصاف پسند" کے لقب سے مشہور ہے، بہت صدمہ پہنچا اور اس نے ایڈورڈ کو امیر اکوئی ٹین کی حیثیت سے فرانسیسی عدالت میں طلب کیا کہ اپنی

باب اول

گیس کنی رعایا کی شورہ پشتی کی جواب دہی کرے ایڈورڈ نے حاضری سے پہلو تہی کی جس پر فرانس کے بادشاہ نے اس کی ریاست کی ضبطی کا اعلان کر دیا۔ اب ایڈورڈ کو فکر ہوی کہ جس طرح ممکن ہو اس قضیئے کو بغیر لڑائی کے رفع دفع کرے کیونکہ اسکاٹ لینڈ کے معاملات کا جو رنگ تھا اس کے باعث فرانس سے لڑای اور بھی پریشانی کا موجب ہوتی لہذا اس نے اپنے بھائی ایڈمنڈ (امیر لینکاسٹر) کو بھیجا کہ صلح کی راہ نکالے لیکن ایڈمنڈ، شاہ فرانس کی باتوں میں ایسا آگیا کہ رسمی طور پر گیس کنی کے قلعے حوالے کرنے پر آمادہ ہوگیا اور ۶ ہفتے بعد ایڈورڈ نے ان کے دوبارہ حوالے کرنے کی استدعا کی تو مطلب ہشیار فرانسیسی نے صاف جواب دے دیا کہ اب ایک انچ پیچھے نہیں ہٹوں گا پھر قرارداد کی شرطیں منسوخ کر کے سرحد پر ایک بڑی فوج بھیجدی اور اسکاٹ لینڈ کے امرا کے ساتھ ایک دفاعی اور اقدامی عہد نامہ کر لیا۔ اب ایڈورڈ کو دم لینے کی مہلت نہ رہی ایک طرف تو چار سال تک فرانس بر سر جنگ رہا اور دوسری طرف اسکاٹ لینڈ میں برابر شورش برپا رہی۔ طرفہ تر یہ کہ ۱۲۹۵ء میں ویلز کے جنوب و شمال میں بیک وقت تین جگہ بغاوت پھوٹ پڑی جن میں بڑی کا سرخیل آخری خلو ایلن کا ناجائز بیٹا میڈوک تھا

یہ حالات تھے جب کہ ایڈورڈ نے دانشمندی سے انگلستان کے تمام طبقوں میں حب وطن کے جذبات برانگیختہ کرنے کی غرض سے وہ پارلیمنٹ منعقد کی جو ہر اعتبار سے

۱۲۹۵ء کی معیاری پارلیمنٹ

کامل اور نمونے کی مجلس ملکی تھی، سلطنت کے تینوں طبقے یعنی اہل کلیسا، امرا اور عوام کے وکلا اس میں موجود تھے۔ کلیسا کے معاملے میں تو، صدر اساقفہ اور صاحبان خانقاہ، نیز اسپرنگ ہیم اور ٹیمپل کے نظما اور مجاہدین کلیسای کے صدر کی خدمت میں شاہی شقے روانہ ہوے۔ اساقفہ کو پہلے سے اعلان بھیج دیا گیا اور ہدایت کی گئی کہ اپنے ساتھ کلیسا کے خطیب، مہتمم، راہبوں کے ناظر (پروگ رٹ) اور ہر اسقفی میں سے دو دو حلقے کے پادریوں کو ہمراہ لیتے آئیں۔ اسقفوں کی کل تعداد جنھیں بلایا گیا ۲۰ اور صاحبان خانقاہ کا شمار ۶۷ تھا۔ ایک روز بعد سات امیر اور ۴۱ جاگیرداروں کو پروانے بھیجے گئے اور اس کے دو دن بعد ہر پرگنے کے عامل (شیرف) کے پاس حکم نامہ بھیجا گیا کہ اپنے پرگنے سے دو سبزوار اور ہر شہر یا قصبے سے دو دو شہری منتخب کرا کے روانہ کرے۔ ۱۲۶۵ء کی

باب اول

سائمن ڈی مونٹ فرٹ کی مجلس کو تیس سال گزر چکے تھے اور اس وقت سے کوئی غیر معمولی صورت پیش نہ آئی تھی کہ شہریوں کو بھی کسی پارلیمنٹ میں طلب کیا جاتا۔ دوسرے مجلس کا کوئی معین دستور نہ تھا اور محض جاگیرداروں کی جماعت کو لوگوں کا صحیح قائم مقام تصور کر لیا جاتا تھا۔ اسی لئے یہ ۱۲۹۵ء کی مجلس گویا پہلی اصلی پارلیمنٹ تھی جس میں شہر و دیہات کے لوگ شریک کئے گئے اور آیندہ کے واسطے بھی یہی رسم قائم ہوگئی۔ البتہ اہل کلیسا روپے کی منظوری کے لئے یارک اور کنٹربری میں جلسے کرنا زیادہ پسند کرتے تھے اور گوان کے نام کے رقعوں کی صورت عرصے تک وہی رہی جو ۱۲۹۵ء اعلان میں تھی، تاہم ناظروں اور مہتمموں کا ان کے ہمراہ آنا قریب قریب موقوف ہوگیا اور چند صدی کے بعد اصلاح کلیسا (ریفارمیشن) کی رو میں صاحبانِ خانقاہ بالکل غائب ہوگئے۔

بہر حال، ۱۲۹۵ء کی معیاری پارلیمنٹ" کا اجلاس انگلستان کے لئے یادگار دن تھا اور اسی سے پارلیمنٹی حکومت کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ اس موقع پر بادشاہ نے اپنی رعایا کی فیاضی پر جو بھروسہ کیا تھا، وہ معیاری پارلیمنٹ کی دریا دلی سے حق بجانب ثابت ہوا۔ اہل کلیسا نے اپنے مال کا دسواں۔ امرا، جاگیردار اور زمینداروں نے گیارھواں، اور شہر والوں نے ساتواں حصہ دینے پر آمادگی ظاہر کر دی اور اس طرح جو روپیہ فراہم ہوا، اس سے ایڈورڈ کے لئے ممکن ہوگیا کہ پوری مستعدی سے کام کرے۔ سب سے کم خطرناک معاملہ ویلز کا تھا اور وہ اسی چند روز میں دور ہو چکا تھا کیونکہ ایڈورڈ نے پہلے کی طرح اب کے بھی باغیوں کو سنوڈن کے بے آب جنگلوں میں گھیر کر کامیابی حاصل کی۔ گیسکنی کی طرف ریڈ منڈ (امیر لنکاسٹر) بھیجا گیا اور خود بادشاہ نے اسکاٹ لینڈ پر فوج کشی کی۔ امیر وارین اور ڈرہم کا اسقف ہم رکاب اور بی ورلی کے سینٹ جان کا وہی متبرک جھنڈا، جو جھنڈے کی لڑائی میں ایک مرتبہ پہلے اسکوٹوں کو

اسکاٹ لینڈ کی فتوحات

نیچا دکھا چکا تھا، ساتھ تھا۔ نیو کاسل میں بے لیل کا پیام پہنچا جس میں شاہِ انگلستان کی اطاعت سے انحراف کا اعلان تحریر تھا۔ اس کے بعد ہی ایڈورڈ سرحد اتر کے اسکاٹ لینڈ میں داخل اور مارچ میں

باب اول

برک پر قابض ہوگیا۔ اپریل میں امیر وارین نے ہراول کی فوج سے اسکوتوں کو سخت شکست دی جو بے وقوفی سے اپنے مضبوط پہاڑی مورچے چھوڑ کر ڈنبار کے میدان میں اتر آئے تھے کہ کثرتِ تعداد سے انگریزوں کو مغلوب کر لیں گے۔ اس شکست کا نمایاں نتیجہ یہ ہوا کہ روکسبرو، جیڈبرو، ڈنبار، ایڈنبرو اور اسٹرلنگ نے اپنے پھاٹک کھول دئے۔ بے لیل نے ہتھیار ڈال دئے مگر انحرافِ اطاعت کا اعلان کرنے کے بعد اسے دوبارہ بادشاہ نہیں بنایا جاسکتا تھا لہذا کچھ روز لندن میں نظربندی کے بعد اسے اجازت مل گئی کہ اپنی فرانس کی جاگیر میں جا رہے اور وہیں وہ گمنامی کی موت مرا۔ اس کی گرفتاری کے بعد ایڈورڈ ایلجن کے مقام تک بڑھا کہ لوگوں کو اپنی سطوت دکھا دے اور پھر اسکاٹ لینڈ کے عمائد سے اطاعت کا قول قرار لے کر انگلستان واپس آیا۔ امیر وارین اور چند انگریز عہدہ دار اسکاٹ لینڈ میں مقرر کئے گئے اور اس غیر متوقع کامیابی نے ایڈورڈ کو بالکل مطمئن کر دیا۔

اب ایڈورڈ نے فرانس کے مقابلے میں ایک بڑا جتھا بنانے کی تدبیر کی۔ ایڈمنڈ نے بایون میں وفات پائی اور اس کی جگہ امیر لنکن مقرر ہوا تھا۔ ایڈورڈ نے منصوبہ سوچا کہ گیس کنی سے یہ امیر اور شمال مشرق کی طرف سے وہ خود اور امیر فلینڈرس مل کر شاہ فرانس پر حملہ کریں۔ لیکن اس میں خلاف امید مشکلات پیدا ہوگئیں۔ حسب معمول تنگدستی نے پریشان کیا تو ایڈورڈ نے اصول وانصاف کو بھی بالائے طاق رکھدیا اور کبھی سوداگروں سے اون چھین کر اور کبھی شہر اور شاہی جاگیروں کے باشندوں پر جاگیرداری رسوم عائد کر کے روپیہ وصول کیا۔ ان حرکتوں سے لوگوں میں طبعاً ناراضی پیدا ہوئی جس کا بڑا سبب یہ کہ اتحادی بنانے کے سلسلے میں غیر ملک والوں پر بہت کچھ روپیہ صرف ہوا اور اس کے عوض میں انھوں نے کام بہت انجام دیا تھا۔ ان پیچیدگیوں کے باوجود مہم بھیجنے میں روپے کا کہیں نہ کہیں سے انتظام ہونا ضروری تھا لہذا بادشاہ نے ۱۲۹۵ء کی پارلیمنٹ کی طرح، بیری سینٹ ایڈمنڈ میں ایک دوسری مجلس نومبر ۱۲۹۶ء میں طلب کی جس میں جاگیرداروں، زمینداروں نے اپنے مال کا بارھواں اور شہریوں نے آٹھواں حصہ دینے پر آمادگی ظاہر کی البتہ اہل کلیسا نے کچھ دینے سے انکار کیا اور حجت پیش کی کہ پاپا بونی فاس ثامن کے ایک حکمنامے نے پادریوں کو ممنوع کر دیا ہے کہ

باب اول

گرجوں کی آمدنی سے کوئی رقم دیوانی محاصل میں نہ دی جائے۔ ان کا سرغنہ صدر اسقف ونچلسی تھا اور جب وہ اپنی بات پر اڑے رہے تو ایڈورڈ نے وہی کیا جس کی جان نے ایک مرتبہ دھمکی دی اور رچرڈ نے ۱۲۹۶ء میں واقعی اس پر عمل کیا تھا، یعنی پادریوں کا شاہی عدالت میں نالش کرنے کا حق سوخت کر لیا اور اس کے معنی حقیقت میں یہ تھے کہ پادری قانون کی حمایت سے خارج ہو جائیں اور جس کا جی چاہئے اُن کو لوٹ لے۔ ابھی اس حکم کے نتائج کا انتظار تھا کہ ایڈورڈ نے امرا اور جاگیرداروں کا ایک جلسہ کیا اور ان کے روبرو فرانس پر حملے کی تجویزیں پیش کیں۔ مگر یہاں تازہ

جاگیرداروں کا حملۂ فرانس میں شرکت سے انکار

دشواری یہ پیش آئی کہ ایک ایک کر کے سب جاگیرداروں نے عذر کیا اور سب سے بڑھ کر نارفک کے امیر روجر بگوڈ سپہ سالار، نیز ہمفری (قلعہ دار شاہی) نے جن سے گیسکنی کی مہم پر جانے کے لئے کہا گیا تھا۔ یہ قانونی اعتراض نکالا کہ ہمارے عہدے کے فرائض میں یہ داخل ہے کہ بادشاہ کی ذات کے ساتھ رہیں۔ ایڈورڈ نے بگڑ کر کہا، "خدا کی قسم" اے امیر، یا تم جاؤ گے یا سولی پاؤ گے" امیر نارفک نے جس سے یہ خطاب تھا، جواب دیا "اُسی قسم سے اے بادشاہ، نہ میں جاؤں گا نہ سولی پاؤں گا" یہ بات بھی جلد ظاہر ہو گئی کہ عام رائے انھی نافرمان امیروں کے ساتھ ہے۔ جلسہ اسی وقت برخاست کر دیا گیا۔ دونوں امیر اپنی اپنی جاگیروں میں چلے آئے۔ پندرہ سو چیدہ سواروں کی زبردست جمعیت اُن کے پیچھے پیچھے تھی اور وہ تیار تھے کہ ضرورت ہو تو تلوار سے جھگڑے کا تصفیہ کریں۔ ان حالات نے ایڈورڈ کو مجبور کیا کہ جس طرح ممکن ہو، روپیہ فراہم کرنے کی تدبیر نکالے۔ چنانچہ سوداگروں سے اون اور پرگنوں سے سامان رسد حاصل کرے اور دونوں کی رسید میں "ٹیلیز" آدھی آدھی لکڑیاں حوالے کرے جیسا کہ اُن دنوں ٹائی کے حساب کرنے کا قاعدہ تھا۔

اہل کلیسا کی اطاعت

اودھر پادریوں کے حواس گم تھے۔ ایسٹر یعنی جشن معراج مسیح قبل کا چلہ گزرے چلا جاتا تھا اور بادشاہ نے دھمکی دی تھی کہ ایسٹر تک انھوں نے حکم نہ مان لیا تو سب زمینیں ضبط کر لوں گا۔ آخر ونچلسی نے ۲۶ر مارچ کو ایک نیا جلسہ منعقد کیا اور پہلے خیال سے ہٹ کر، پادریوں کو مشورہ

باب اول

دیا کہ بہتر سے بہتر شرطوں پر صلح کرلیں۔ پادری اس طویل کشاکش سے تنگ آچکے تھے۔ ایک ایک کرکے سب دب گئے۔ بعض نے بادشاہ کو تحائف پیش کئے بعض نے روپیہ ایسی جگہ چھوڑ دیا کہ شاہی عمال کو مل جائے۔ اور بعض نے حفاظت کا معاوضہ پیش کیا۔ خود وِنچلسی اپنی ضد پر قائم رہا چنانچہ ایڈورڈ نے اس کی اُسقفی کی اراضی ضبط کرلیں۔

ان دو گونہ مشکلات کے باوجود ایڈورڈ نے اپنی مجوزہ مہم سے ہاتھ نہ اٹھایا بلکہ ہر شخص کو جو ۲۰ پونڈ سالانہ زیادہ کی زمین رکھتا تھا، حکم دیا کہ ۷ جولائی کو لندن میں جمع ہو جائے۔ سپہ سالار اور قلعہ دار نے اس مرتبہ بھی جانے سے انکار کیا لیکن ایڈورڈ نے منشور اعظم اور منشور جنگلات کی تصدیق کا وعدہ کرکے اہل اجتماع کے ممتاز افراد کو ایک خلاف آئین منظوری دینے پر رضامند کرلیا جس کی رو سے جاگیردار اور زمینداروں کے مال منقولہ کا آٹھواں اور شہر والوں کے مال کا پانچواں حصہ بادشاہ کو دینا قرار پایا۔ اسی زمانے میں اساقفہ نے صلح کرلی اور ۱۰ اگسٹ کو ایک نئی مجلس منعقد کرنے پر آمادہ ہو گئے کہ باقاعدہ ادائے رقم کی صورت نکالی جائے۔ دونوں امیر اور اُن کے متبعین ابھی تک اڑے ہوئے تھے اور انھوں نے ایڈورڈ کی خدمت میں ایک عرضی لکھکر بھیجی جو نہ صرف اپنی اور جاگیرداروں کی جانب سے تھی بلکہ اس میں اہل کلیسا اور "جملہ اہل وطن" کو داخل کرلیا تھا اور صاف صاف لکھدیا تھا کہ سپٹے کی شرائط میں یہ محاصل شامل ہوں یا نہ ہوں، اُن سے اور دوسری زرستانیوں سے ہم بالکل تباہ ہو گئے ہیں۔ خاصکر اُس نئے محصول (ئیل ٹوٹ) سے جو اُون پر عائد کیا گیا ہے اور ہماری آمدنی کے پانچویں حصے کے برابر ہے۔ عرضی میں منشورین کی تجدید کا مطالبہ اور یہ مشورہ بھی تحریر تھا کہ جب تک فلیمنگز کی طرف سے اطمینان کی صورت نہ ہو جائے اور اسکاٹ لینڈ میں دوبارہ بغاوت برپا ہونے کا اندیشہ رہے، اس وقت تک بہتر ہے کہ بادشاہ انگلستان ہی میں ٹھیرا رہے۔

یہ بے جھجک تحریر ایڈورڈ کو ستمبر میں موصول ہوئی جب کہ وہ فلینڈرس جانے کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ اُس نے صرف یہ جواب دے دیا کہ بغیر مجلس شوریٰ کے عرضی پر غور نہیں ہو سکتا اور مجلس کے کچھ ارکان لندن میں ہیں اور بعض سمندر پار

باب اول

فلینڈرس میں پہنچ چکے ہیں۔ ۲۲ء کو خود وہ جہاز میں روانہ ہوا اور اپنے سیزدہ سالہ لڑکے ایڈورڈ کو ایک اتالیق اور چند مشیروں کے حوالے کر گیا کہ اپنی صوابدید سے ملک کا انتظام کریں۔ بادشاہ کے رخصت ہوتے ہی دونوں امیر لندن پہنچے اور تحکم آمیز طریق پر مال کا آٹھواں حصہ محصول لینے سے مال کے عہدہ داروں کو روک دیا۔ مشیرانِ سلطنت کے ہوش درست نہ رہے۔ مزاحمت کا تو کوئی امکان نہ تھا۔ چار و ناچار اور بے ضابطہ طور سے پارلیمنٹ طلب کی گئی کہ اس کی موجودگی میں منشوروں کی تصدیق کر دی جائے۔

منشورین کی تصدیق

مگر ان سرکاری دستاویزوں سے محاصل کا ذکر مدت پہلے اڑا دیا گیا تھا اور زیرِ بحث مسئلہ اِن کی تصدیق سے طے نہ ہو سکتا تھا۔ نظر براین امیروں نے چند دفعات بڑھانے پر اصرار کیا جن کا خلاصہ یہ تھا کہ (۱) آیندہ جو امدادیں یا خدمات خود لوگوں کی مرضی سے بادشاہ کو دی جائیں، وہ ان سب کو اپنا مستقل حق نہیں سمجھے گا اور قدیم مالئے اور رسوم ونذور کے سوا، اِن جدید امدادوں سے صرف اُس صورت میں استفادہ کرے گا جب کہ اہلِ ملک انھیں بخوشی تسلیم کرلیں (۲) اُون کا محصول موقوف کیا جائے اور بادشاہ یا اس کے ورثا آیندہ ایسا کوئی محصول عائد نہ کریں گے جب تک کہ خود اہلِ ملک خوشدلی سے اس کو تسلیم نہ کرلیں اور اُون، کھال اور چمڑے کے محاصل سے ہمیں اور ہمارے اخلاف کو معاف رکھیں گے اگرچہ اس کی پہلے اہلِ ملک نے منظوری دے دی تھی۔

آخری فقرے میں جس منظوری کا ذکر ہے اس سے قدیم یا کلاں رسوم مراد ہے جو ویسٹ منسٹر کی پارلیمنٹ منعقدہ ۱۲۷۵ء میں منظور کی گئی تھی، اور اس کے عوض میں بادشاہ کا یہ حق منسوخ کیا تھا کہ ملک میں آنے یا باہر جانے والے مال کا ایک حصہ خود لے لے۔ غرض، ان اضافوں کے ساتھ منشوروں کی تصدیق کی درخواست بادشاہ سے کی گئی اور اس نے اسے قبول کیا اور بعد میں ۱۲۹۸ء و ۹۹ء اور ۱۳۰۱ء میں توثیق مزید ہوتی رہی۔ مگر پہلی تصدیق کے موقع پر ایک غیر سرکاری خلاصہ شائع ہوا جسے "De tellagio non concedends." کہتے ہیں۔ اس میں شاہی منظوری کے الفاظ سے

کلاں رسوم

باب اول

"ایسے" کا ترمیمی لفظ چھوٹ گیا تھا مگر آگے چل کے یہی خلاصہ باضابطہ آئین سمجھا جانے لگا اور ۱۶۲۸ء کے معروضۂ حقوق میں اسی کا حوالہ دیا گیا ہے۔ بہرحال اس کشمکش اور امرا کی کامیابی کی سیاسی اہمیت میں کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ اس سے پہلے محصول کے معاملے میں اہل ملک کی رائے محض ایک رواجی بات تھی ۱۲۱۵ء میں شاہی جاگیرداروں کو جو رعایتیں عطا ہوئیں وہ بھی اگلے ہی سال موقوف کر دی گئی تھیں۔ مگر اب یہ حق تحریر میں آ کر مسلم ہو گیا اور اسی بنیاد سے آیندہ انگریزوں کی مجلسی حکومت نے نشو و نما پائی۔ ایڈورڈ نے اس قول و قرار کو باطل کرنے کے لئے پاپا کو لکھا اور اس کی پابندی سے مستثنیٰ ہونے کا فتویٰ بھی حاصل کر لیا لیکن غنیمت ہے کہ اس فتوے سے کام نہیں لیا اگرچہ اس کی یہ تحریک و کوشش ہی شرمناک بات تھی۔

فرانسیسی نزاع کا تصفیہ فلینڈرس کی مہم، جس کے لئے ایڈورڈ نے یہ کچھ دردسری اٹھائی تھی، کچھ بہت نتیجہ خیز ثابت نہ ہوی۔ اس کے یورپی اتحادی حسب معمول خود غرض اور ناکارہ نکلے اور جنگ گیس کنی میں محدود ہو گئی جہاں امیر لنکن، شہر بایوّن میں برابر اڑا ہوا تھا۔ آخر پاپا بونی فاس (ثامن) کی جس سعی سے ان بادشاہوں کے تنازعے رفع دفع ہوے دراصل بونی فاس نے اپنی عدالت کو قوموں کے جھگڑوں میں ثالثی کی عدالت بنانے کا تخیل سوچا تھا لیکن فلپ یا ایڈورڈ کوئی بھی راضی نہ تھا کہ پاپا کو سرکاری طور پر اُن کے معاملات میں دخل دہی کا حق دیا جائے البتہ معمولی انسان کی حیثیت سے اس کی ثالثی قبول کر لی اور بالآخر گیس کنی کے سب مقبوضات شاہ انگلستان کو واپس دئے گئے۔ دو شادیوں کے ذریعے آیندہ کی مفاہمت کا انتظام کیا گیا۔ یعنی ایڈورڈ نے جس کی بیوی ۱۲۹۰ء میں مر چکی تھی، فلپ کی بہن مارگریٹ سے شادی کی اور اس کا بیٹا ایڈورڈ فلپ کی پنجسالہ لڑکی ازابلا سے منسوب ہوا۔

اسکاٹ لینڈ کی بغاوت اس عرصے میں اسکاٹ لینڈ کے معاملات برابر بگڑتے چلے گئے۔ اتالیق حکومت امیر وارین ملک میں مقیم نہ رہتا تھا۔ اور کریسنگھیم، خازن اور اورمز بی، میر عدل، دُرّے کے زور سے سکوٹوں پر حکومت کرتے تھے۔ اس سختی کا قدرتی نتیجہ بغاوت ہو جیسے

باب اول

سنہ ۱۲۸۲ء میں ویلز میں ہوا تھا، البتہ یہ فرق تھا کہ یہاں بغاوت کے سرخیل کوئی امیر یا شاہی خاندان کے افراد نہ تھے بلکہ وہ حقیقت میں لوگوں کی ناراضی سے پیدا ہوئی تھی۔ مختلف اضلاع میں مختلف سرغنہ کھڑے ہوئے لیکن آخر میں اہل شورش ولیم والس (والیس یعنی ویلز کا رہنے والا) اور سر اینڈرو مرے کے گرد مجتمع ہو گئے۔ سنہ ۱۲۹۷ء کی گرمیوں میں وارین لاؤ لشکر لیکر اسکاٹ لینڈ آیا مگر ستمبر میں اسٹرلنگ کے قریب کام بس کے نیتھ کے مقام پر شکست کھائی اس جگہ سمندر کی کھاڑی پر ایک لمبا پل بنا ہوا تھا، اتنا تپلا، کہ کہتے ہیں صرف دو آدمی، غالباً سوار، مل کر گزر سکتے تھے۔ اور شمالی کنارے پر چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کا سلسلہ کھاڑی تک پھیلا ہوا تھا۔ انھی پہاڑیوں میں والس اور مرے نے اپنے سپاہی چھپا رکھے اور جس وقت پانچ ہزار انگریز، کرے سنگھیم کی قیادت میں پل اُتر کے آنے تو ان کو اسکوٹوں نے بلندی سے ایک بیک آدبایا۔ کرے سنگھیم وہیں کھیت رہا اور ساتھ والوں میں بھی بہت کم کوئی جان سلامت لاسکا۔ اس فتح کی خبر نے بغاوت کو آندھی کی آگ کی طرح ملک بھر میں پھیلا دیا۔ انگریز جان بچا بچا کے فرار ہوے اور والس و مرے کے تحت میں ایک ہنگامی حکومت مرتب ہوی اور یہی "مملکت اسکاٹ لینڈ کی سپاہ کے سپہ سالار" خرو سال بادشاہ (جون) کے آتالیق مقرر ہوئے۔

ایڈورڈ کا یہ پورا برس فلینڈرس میں گزرا اور فرانسیسیوں سے لڑنے میں جو دشواریاں پیش آئیں، قریب قریب اتنی ہی مصیبت اپنے فلیمنگی، انگریز اور اور ویلزی سپاہیوں کو باہم متفق رکھنے میں اٹھانی پڑی بارے سنہ ۱۲۹۸ء میں ایک بر موقع ہنگامی صلح سے اتنی مہلت مل گئی کے وہ انگلستان آسکا اور ولس کی سرکوبی کے لئے شمال میں روانہ ہوا۔ یہ کام کچھ سہل نہ تھا اور نشیبی اضلاع اس طرح تاراج کئے گئے تھے کہ فوج کے لئے رسد ملنی غیر ممکن نظر آتی تھی بظاہر پسپائی کے سوائے چارہ نہ رہا تھا کہ اتنے میں ایڈورڈ نے سنا کہ ولس اُس کے عقب پر حملہ کرنے کی غرض سے فال کرک کے جنگل میں چھپا ہوا ہے۔ یہ خبر سن کے حملہ آور فوج کی شکستہ ہمت تازہ ہو گئی اور مارا مار کوچ کر کے وہ ۲۲ جولائی سنہ ۱۲۹۸ء کے دن اسکوٹوں کے سامنے آپہنچے۔ اُن دنوں حملہ کرنے والی فوج، سواروں کی ہوتی تھی اور یہ

والس کے پاس کم تھے اس لئے وہ ایک دلدل کے پیچھے صف آرا ہوا اور چار دائروں میں نیزہ بردار کھڑے کئے جن کے ہر دائرے کے آگے باڑ بنی ہوئی تھی اور یہ سب تیر اندازوں کی قطار سے وابستہ تھے جن کے عقب مٹھی بھر سواروں کی جمعیت تھی۔ لیکن ایڈورڈ بھی حسب موقع کام کرنے میں ہیٹا نہ نکلا۔ اس نے دلدل کے دائیں بائیں سوار بھیجکر، پہلے اسکوٹ سواروں کو مار بھگایا پھر تیر اندازوں کو باڑوں کی پناہ لینے پر مجبور کیا اور پھر تیر و غلاخن سے ان کی خبر لی۔ آخر میں سواروں کے برمحل حملوں نے ان کی صفیں درہم برہم کر دیں۔ فال کرک کی شکست والس کے اقتدار کے حق میں مہلک ثابت ہوئی اور ایک سال کی چمک دمک کے بعد اس کے اقبال کا آفتاب غروب ہو گیا اور آئندہ چند سال شاید چھپ چھپ کے یا فرانس میں بسر ہوئے۔

مگر والس کی جگہ دوسرے سرغنے تیار ہو گئے اور آئندہ پانچ برس تک سبے لیل کا بھانجا اور سینٹ اینڈکاروز کا اسقف جان کومین ان سب میں ممتاز و سرآور رہے اور ان کی کوشش سے فورتھ کے شمال میں اسکاٹ لینڈ کی آزادی برقرار رہی۔ ان کا خاص کارنامہ سنہ ۱۳۰۳ء میں روس لین کی فتح تھی۔ ان سنین میں ایڈورڈ فرانس کے معاملات میں الجھا رہا۔ سنہ ۱۳۰۲ء میں فلیمنگز نے کورت رائے کی مشہور جنگ میں فلپ کو شکست دی اور یوں بھی وہ بونی فاس سے جھگڑوں میں مصروف رہا۔ غرض سنہ ۱۳۰۳ء میں ایڈورڈ کو دوبارہ فرصت مل گئی کہ ذاتی طور پر اسکاٹلینڈ کی جانب متوجہ ہو۔ نتیجے سے ظاہر ہو گیا کہ اسکاٹلینڈ کی مزاحمت کس حد تک فرانسیسی نزاع کے باعث قائم تھی چنانچہ تقریباً بغیر کسی جنگ کے ایڈورڈ کی فوج فورتھ سے عبور کر کے ابرڈین و بانف کی طرف بڑھی۔ بادشاہ کے محض فوجی دبدبے نے کومین کو مرعوب اور آمادۂ اطاعت کر دیا۔ سردیوں میں وہ نامہ و پیام کرتا رہا اور اسے اپنی اور اپنے رفیقوں کی طرف سے صلح کرنے کی اجازت مل گئی۔ والس کو بھی اسی کی دعوت دی گئی بشرطیکہ وہ اسے مناسب تصور کرے۔ لیکن اس کی طرف سے صلح جوئی کی کوئی علامت ظاہر نہ ہوئی اور ایڈورڈ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں اس کی آزادی آئندہ فتنہ و فساد کا موجب نہ ہو۔ لہذا اس نے اشارۃً کہدیا کہ میری رضاجوئی در کار ہے تو اس باغی کو گرفتار کیا جائے۔ اس اشارے کا اثر تھا کہ والس کو ڈمبارٹن کے عامل (سر جان مین ٹیتھ) نے اسیر کر لیا اور وہ لنڈن بھیجا گیا۔

کہتے ہیں اس نے حجت کی کہ میں نے ایڈورڈ کی اطاعت کا کبھی حلف نہیں اٹھایا اور اس لئے جو کچھ کیا وہ بغاوت میں داخل نہیں ہے۔ تب اسے ڈاکے، قتل وغارتگری وغیرہ جرائم کی پاداش میں، جن کا وہ مرتکب ہوا تھا، سولی دی گئی۔ اس کا سر لندن کے برج پر رکھد یا گیا اور علاقے چار ضلعوں میں تقسیم کر دے گئے۔ والس نے بازی تو بڑی لگائی تھی مگر اس میں وہ ہار گیا۔ تاہم اس کی موت نے اسے آزادی اسکاٹ لینڈ کا سورما بنا دیا اور طرح طرح کی کہانیوں اور گیتوں سے اس کی شہرت ذرا ناواجب طور پر اتنی بڑھ گئی کہ اسکاٹ لینڈ کے دوسرے محبان وطن کی ناموری اس کے مقابل میں پھیکی پڑ گئی۔

نئے انتظامات اور بروس کی بغاوت

بظاہر مزاحمت کا اب خاتمہ ہوگیا تھا۔ لہٰذا ایڈورڈ نے اسکاٹ لینڈ کے نظم ونسق کی تجاویز نکالیں اور اپنے بھتیجے جان (امیر برٹانی) کو سپہ سالار اور اتالیق مملکت مقرر کیا۔ ملک کو چار حلقوں میں تقسیم کر کے دو دو کے لئے ایک ایک حاکم عدالت کا تقرر ہوا اور طے پایا کہ اسکاٹ لینڈ کے قوانین کی نظر ثانی کی جائے اور وحشیانہ، یا وہ جو رضاے الٰہی کے خلاف ہوں، منسوخ کر دئے جائیں۔ آخر میں یہ کہ انگلستان کی پارلیمنٹ میں اسکاٹ لینڈ کے بعض وکلا بھی شریک ہوا کریں۔ یہ منصوبہ اگر اچھی طرح عمل میں آتا تو برا نہ تھا۔ لیکن اہل اسکاٹ لینڈ کے قومی جذبات برانگیختہ ہونے لگے تھے اور زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ ایک نئے مدعی نے اس شورش سے فائدہ اٹھایا یہ وراثت شاہی کے امیدوار کا پوتا روبرٹ بروس تھا۔ اس کے باپ کے حالات تو مشکوک ہیں مگر خود یہ پچیس سال کا نوجوان اب تک ایڈورڈ کی طرف تھا اور انتظام ملک کے متعلق بادشاہ اس سے مشورہ بھی کرتا تھا لیکن ۱۳۰۶ء میں اس نے تخت کے لئے خود کوشش کرنے کی ٹھان لی اسی سال، کومین سے ایک ملاقات کے دوران میں بروس کو یک بیک طیش آیا اور ایسا ہاتھ مارا کہ وہ وہیں (بمقام ڈمفریز) ڈھیر ہو گیا۔ اور یہ بھی ٹھیک معلوم نہیں کہ بروس کو تخت وتاج کی آرزو اس واقعے کے بعد سے پیدا ہوئی یا پہلے سے۔ بہر حال، اس نے گیلووے میں علم بغاوت بلند کیا کچھ لوگ ساتھ ہو گئے اور ماہ مارچ بمقام اسکون اس کی تخت نشینی کی رسم عمل میں آئی۔ یہ بغاوت شروع میں کچھ بہت اہم نظر نہ آتی تھی کیونکہ بروس کھلے میدان میں

باب اول

مقابلے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ لیکن ویلز اور اسکاٹ لینڈ میں ایک فرق یہ تھا کہ وہاں تو اسنوڈن کے ضلعے کی آسانی سے ناکہ بندی کی جاسکتی تھی اور اسکاٹ لینڈ میں میدانوں کے کنارے کنارے ناقابل گزر دلدلیں، پہاڑ اور جزیرے تھے جن میں ہر وقت بھاگ کر پناہ لے سکتے تھے اور وہاں کوئی تعقب ممکن نہ تھا۔ اسی لئے ایک باغی یہاں موقعے کی تاک میں رہ سکتا اور چھاپے مار مار کر اپنی شہرت اور لوگوں کی شورش برقرار رکھ سکتا تھا اور کوئی اسے گزند نہ پہنچا سکتا تھا۔ بروس کی حکمت یہی تھی اور آخر میں واقعات بھی ایسے پیش آئے کہ وہ اس میں کامیاب ہوگیا۔

ایڈورڈ کی وفات ان میں سب سے بڑا واقعہ تو خود آزمودہ کار ایڈورڈ کی موت ہے کہ پچاس سال سے زیادہ کی مشقت و افکار نے اُس کے آہنی جسم کو گھن کی طرح کھالیا۔ بروس کی بغاوت کی اول اول اطلاع ملی تو وہ علیل تھا اور کارلائل تک مہلتے میں اسے سفر کرنا پڑا۔ ۱۳۰۷ء میں اسے اتنا افاقہ معلوم ہوا کہ گھوڑے پر سواری کرسکے لیکن یہ محنت بھی اس ناتوانی میں بہت زیادہ ثابت ہوئی اور دو ہی مختصر منزلوں کے بعد وہ برگ اون دی سینڈز میں ۷ جولائی ۱۳۰۷ء کو فوت ہوگیا۔

ایڈورڈ کی دو شادیاں ہوئیں۔ ایک کاسٹیل کی الینر سے جو ۱۲۹۰ء میں مرگئی۔ اس سے چار بیٹے اور نو بیٹیاں تھیں۔ مگر ان بیٹوں میں سے صرف ایک (یعنی ایڈورڈ) باپ کے بعد تک زندہ رہا۔ بیٹیوں میں سے ایک کی شادی گلبرٹ گلیر گلوسٹر سے، اور دوسری کی ہمفری، امیر ہیریفرڈ سے ہوی۔ ایڈورڈ کی دوسری بیوی مارگریٹ سے دو بیٹے ہوے۔ ٹامس امیر نارفک اور ایڈمنڈ امیر کینٹ۔ اس کی اکثر بیٹیوں کی شادیاں غیر ممالک میں ہوئیں۔

مشہور واقعات

آئین مورٹ میں (اوقاف) ۱۲۷۹ء

ویلز کی آخری فتح ۱۲۸۲ء

باب اول

باب دوم

ایڈورڈ ثانی: ۱۳۰۷ء تا ۱۳۲۷ء

ولادت: ۱۲۸۴ء۔ ازدواج: آزابلا ۱۳۰۸ء وفات: ۱۳۲۷ء

معاصرین: اسکاٹ لینڈ: روبرٹ اوّل

فرانس: فلپ چہارم

ایڈورڈ ثانی کے خصائل

ولی عہد سلطنت ایڈورڈ جو ۲۳ برس کی عمر میں باپ کا جانشین ہوا، بدترین انگریز بادشاہوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کا باپ ایڈورڈ اور دادا ہنیری بالکل دوسرے مزاج کے بادشاہ تھے۔ نوجوان ایڈورڈ کو نہ باپ کا تدبر ورثے میں پہنچا تھا نہ دادا کی خداترسی۔ وہ جوان ہو کر بالکل بے اصول اور چھچھورا نکلا۔ خوبصورتی اور عمدہ تعلیم کے ساتھ اس میں اپنے بے تکلف رفیقوں کو گرویدہ بنانے کا مادہ ضرور تھا لیکن ان اوصاف کے باوجود اُس کا عہد حکومت بالکل ناکامیاب ثابت ہوا اِس کا سب سے صریحی سبب مقربین سے بادشاہ کی شیفتگی، تھا۔ مناسب ہے کہ لفظ مقرب کے معنی کی صراحت کر دی جائے کہ اس میں

باب دوم

ایک تو وہ لوگ داخل ہیں جو بادشاہ کے منظور نظر اور انعام و اکرام سے سرفراز ہوں۔ دوسرے وہ جو اپنی قابلیت یا کسی وجہ سے بادشاہ کی رائے اور حکمت عملی میں خاص درخور رکھتے ہوں۔ ان میں سے ایڈورڈ کے مقربین کا پہلا گروہ تو عام لوگوں میں نفرت سے دیکھا جاتا تھا کہ ان کو مال و دولت دینے کے باعث شاہی خزانہ خالی ہوتا اور اس لئے مزید محاصل کے ذریعے اس کی کمی پوری کی جاتی تھی اور دوسری قسم کے مقربین سے امرا بہت خار کھاتے تھے۔ انگلستان کے بڑے بڑے امیروں کو دعویٰ تھا کہ ہم بادشاہ کے موروثی مشیر ہیں اور ہماری بادشاہ تک ہر وقت رسائی ہونی چاہیے لہذا کوئی شخص، نو دولت ہو یا انہی پرانے امیروں میں سے، اگر بادشاہ کے مشوروں میں خاص طور پر دخل پا لیتا تو باقی امیروں کو حسد پیدا ہو جاتا تھا۔ صدیوں تک ان جذبات کا انگریزی سیاسیات میں نمایاں اثر پایا جاتا ہے اور تعجب یہ ہے کہ بظاہر عوام الناس بھی اس حسد و رقابت کو مناسب و بجا تصور کرتے تھے۔ اب اگر بادشاہ صاحب قوت ہوا تو اپنے رفیقوں پر کوئی آنچ نہ آنے دیتا تھا لیکن اگر وہ کمزور ہے تو خود بھی ڈوبتا اور ساتھ والوں کو بھی لے ڈوبتا تھا۔ بہر نوع خطاب یافتہ امرا اور غیر خطاب یافتہ وزیروں میں ہمیشہ چشمک رہتی تھی۔ فلیمبارڈ اور بیکٹ کے معاملے میں یہ رقابت موجود تھی اور، مثال کے طور پر، وولزے جیسا شخص بھی جانتا تھا کہ دشمن اس کی تاک میں ہیں کہ جس دن بادشاہ کی نظر عنایت پھرے، اسی دن اُس پر حملہ کریں۔

"مقرب شاہی" کے مخالف امرا کا جتھا عموماً خاندان شاہی کا کوئی نوجوان فرد ہوتا۔ سائمن ڈی مونٹ فرٹ تک جو ہنیری ثالث کا برادر نسبتی تھا، اس قاعدے سے مستثنیٰ نہیں سمجھا جا سکتا۔ شاہی خاندان کے لوگوں کے اس رقابت و مخالفت میں شریک ہونے کی ایک وجہ یہ تھی کہ شہزادوں کو مناسب جائدادیں بہم پہنچانا کچھ آسان نہ تھا۔ ہنیری ثانی نے یورپی مقبوضات میں سب کے لئے حصے نکالے تھے مگر کچھ بہت کامیابی نہ ہوئی۔ رچرڈ لاولد تھا جان کے بیٹے صغیر سن تھے۔ ہنیری ثالث کا صرف ایک بھائی (رچرڈ) تھا جسے اُس نے کارنوَل کا امیر بنا دیا اور اس جاگیر میں کارنول کی ٹین کی کانوں کی بے حساب دولت بھی شامل تھی۔ اپنے منجھلے بیٹے ایڈمنڈ (کروس بنک) کو

باب دوم

ہنیری صقلیہ کا بادشاہ نہ ہوسکا، تو لینکاسٹر، لیسٹر اور ڈاربی کی جاگیریں عطا کردیں جن میں سے آخری دو امیر سائمن اور امیر فراز کی ضبط شدہ جاگیریں تھیں۔ ایڈمنڈ کا وارث اس کا بیٹا، ٹامس ہوا۔ اُسے ایڈورڈ کے وفادار دوست امیر لنکن وسالسبری کی وارث بیٹی بیاہی تھی لہذا وہ ان دونوں جاگیروں کے اپنے قبضے میں آنے کی توقع رکھتا تھا۔ یہ امیر جسے ٹامس آف لینکاسٹر کہتے ہیں، بہت پختہ مزاج اور آتش خو آدمی تھا مگر حقیقی تدبر سے اُسے حصہ نہیں ملا تھا۔ ملک کی باقی بڑی جاگیروں میں سے نارفک اور کینٹ والی ایڈورڈ اول کے چھوٹے بیٹوں، ٹامس اور ایڈمنڈ کو مل گئی تھیں۔ کارنول اور چیسٹر کی بادشاہ کے قبضے میں تھیں۔ گلوسٹر پر اس کا بھتیجا گلبرٹ متصرف تھا۔ ہیریفرڈ ایڈورڈ کا بہنوئی ہمفری بوہن اور پمبرگ پر ایک رشتے کا بھائی امیر ڈی ولانس۔ جاگیر و دولت کا اس طرح چند اشخاص کے ہاتھ میں مجتمع ہونا، ایسے بادشاہ کے خیالات سے کوئی مناسبت نہ رکھتا تھا، جیسے ولیم فاتح۔ کیونکہ اس کے معنی یہ تھے کہ اگر بادشاہ اور اس کے رشتہ داروں میں اختلاف کی نوبت آئے تو ملک بھر میں خانہ جنگی برپا ہو جائے۔

پیرز گے وِسٹن

مگر نئے بادشاہ نے ایسے زمانے میں، جب کہ امراے کبار کا اثر خاص طور پر قوی اور چند اشخاص میں مجتمع تھا، ایک نئے مقرب کا درجہ بڑھانا شروع کیا جس کا نام آیندہ اس قسم کے لوگوں کے لئے ضرب المثل ہو گیا ہے۔ یہ گیسکنی کا باشندہ پیرز گے وسٹن تھا جو لڑکپن میں بادشاہ کے ساتھ کا کھیلا ہوا اور

ع۱۔ خاندان بوہن کا شجرۂ نسب یہ ہے۔

ہمفری ڈی بوہن (سائمن کا دوست) وفات ۱۲۷۵ء

ہمفری ڈی بوہن۔ وفات ۱۲۹۸ء

ہمفری ڈی بوہن (زوج الزبتھ بنت ایڈورڈ اول)

ہمفری ڈی بوہن

الیز (زوجہ ٹامس امیر گلوسٹر) — میری (زوجہ ہنیری چہارم)

اس کا ایسا رفیق وانیس ہوگیا تھا کہ معلوم ہوتا تھا ایڈورڈ بغیر اس کے خوشدلی کے ساتھ زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ پیرز گے وسٹن کی سرشت کی نسبت (غالباً نا انصافی سے) یہ سمجھا جاتا ہے کہ حد سے زیادہ بگڑی ہوئی تھی اور اس میں کچھ شک نہیں کہ ایڈورڈ اوّل اسے اپنے بیٹے کا بہت ہی نامناسب ندیم سمجھتا تھا اور اسے دربار سے نکلوا چکا تھا بلکہ بیٹے کو وصیت کی تھی کہ گے وسٹن کے اثر سے بچے۔ لیکن اس پر عمل کرنے کی بجائے باپ کی آنکھ بند ہوتے ہی ایڈورڈ نے پیرز کو واپس بلا بھیجا اور کارنول کا امیر بنا دیا جس سے لوگ ایسے ناخوش ہوے کہ شاید ہی کوئی اُسے اس خطاب سے یاد کرتا ہوگا۔ پھر ایڈورڈ نے اپنی بھانجی مارگریٹ (بنت امیر گلوسٹر) کی شادی کر دی اس کے کہنے سے باپ کے زمانے کے معتبر خازن والٹرلینگ ٹن کو برطرف کر دیا۔ بڑی بڑی رقمیں بطور انعام عطا کیں خصوصاً وہ ۳۲ ہزار پونڈ بھی دے دئیے جو باپ نے صلیبی جنگ کے لئے مختص کر رکھے تھے۔ از ابلا سے شادی کے لئے خود فرانس گیا تو انگلستان میں پیرز گیوسٹن ہی کو اپنا قائم مقام بنا گیا اور انتہا یہ کہ تاجپوشی کے وقت تاج اُسی کے ہاتھ میں دیا اور ملک کے قدیم امرا پر اسی کو سبقت عطا کی۔ گیوسٹن منکسر مزاج یا صاحب تدبر آدمی ہوتا، تو بھی یہ عنایتیں اسے محسود بنانے کے لئے کافی تھیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس میں اعتدال و آشتی کا مادہ ہی نہ تھا اور اس نے متکبرانہ نمود ونمائش سے اور زیادہ دشمن پیدا کر لئے اور حاسد امرا پر طرح طرح کی پھبتیاں کہکر جو اس کے مربی بادشاہ کی نادانی سے سب میں مشہور ہو جاتی تھیں، انھیں اور بھی جلایا۔ ٹامس امیر لینکاسٹر کا نام اس نے "جنگلی سور" رکھا تھا۔ وارِوک کا "اَرڈن کا کالا کُتّا" پیمبُرک کا "جوزف یہودی" اور اپنے سالے امیر گلوسٹر کا "کوئل" وقس علی ہذا۔

اس حماقت کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ اپریل ۱۳۰۸ء کی پہلی ہی بڑی مجلس میں حکام کلیسا اور جاگیردار و امرا نے بالاتفاق اس کے اخراج کا مطالبہ کیا اور ایڈورڈ کو دبنا پڑا۔ یوں بھی بادشاہ سے اگر کوئی حسن ظن تھا، تو وہ رفتہ رفتہ بالکل غائب ہوگیا کیونکہ اس میں معمولی امور ملک داری کے انجام دینے کی بھی کوئی اہلیت نہ نکلی اور جو وقت طفلانہ تفریح و تفنن کے مشاغل سے بچتا، اسے وہ اپنے منظور نظر کی، جسے آئرستان کا والی مقرر کیا تھا، واپس بلانے کے جوڑ توڑ میں صرف کرتا تھا۔ ۱۳۰۹ء میں مجلس ملکی کا انعقاد ہوا اور اس موقع پر شکایتوں کی جو فہرست پیش کر دی اُسی سے ثابت ہوتا ہے کہ

باب دوم

ایسے بادشاہ کے طرز عمل کا کتنی تھوڑی مدت ہی میں پوری حکومت کے کاروبار پر اثر پڑ سکتا ہے۔ ایڈورڈ نے بے تکلف اصلاح حال کا وعدہ کر لیا جس کا خاص سبب یہ تھا کہ پاپائے رومہ نے اُس کی استدعا پر گے وسٹن کو انگلستان سے باہر ہونے کی قسم کی پابندی سے آزاد کر دیا تھا اور اب بادشاہ کا مقصد کچھ تھا تو یہ کہ کسی طرح امرا کو بھی اپنے منظور نظر کی واپسی پر رضامند کرلے۔ وقت کے وقت اُسے کامیابی بھی ہو گئی لیکن گیوسٹن نے نئے دشمن بنا لئے اور ۱۳۱۰ء کی ویسٹ منسٹر کی بڑی مجلس شوریٰ نے فیصلہ کیا کہ ۱۲۵۸ء کی نظیر سے کام لیکر زمام حکومت ایڈورڈ کے ہاتھ سے لے لی جائے اور "۲۱ امرائے نظم ونسق" کے تفویض ہو، جن میں صدر اسقف ونچلسی، اور پیمبرک، لینکاسٹر وغیرہ بڑی ریاستوں کے امیر شامل تھے۔ بادشاہ کے خانگی امور کا انصرام اور ملک کی خرابیوں کی اصلاح اس جماعت کے فرائض میں داخل تھی۔

اس جماعت کی نگرانی سے بچنے کے لئے ایڈورڈ، گیوسٹن کو ساتھ لے کر اسکاٹ لینڈ کی سرحد کی طرف چل دیا اور سال بھر وہیں رہا۔ لیکن اس کی عدم موجودگی میں "امرائے نظم ونسق" کو پوری آزادی مل گئی جس سے انھوں نے فائدہ اٹھایا اور اصلاحات کی ایک طویل تجویز مرتب کی جن میں سب سے اہم یہ تھیں کہ گیوسٹن کا دائمی اخراج کیا جائے۔ آیندہ سرکاری عہدہ داروں کا تقرر جاگیرداروں کے مشورے اور رضامندی سے عمل میں آئے۔ کم سے کم سال میں ایک مرتبہ پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا کرے اور نظم ونسق کی پوری طرح درستی کی جائے اس پر ایڈورڈ نے اوّل تو "اپنے بھائی پیرز گیوسٹن" کو معافی دینے کے لئے منت سماجت کی اور جب مجبوراً ۱۳۱۱ء میں منظوری لکھنی پڑی تو پھر دوسرے ہی سال ہوش باختہ بادشاہ نے دوبارہ گیوسٹن کو واپس بلا کے ضبط کردہ جاگیریں اسے واگزاشت کر دیں۔ اب ونچلسی نے اسے کلیسا سے خارج کیا اور لینکاسٹر وغیرہ چار امیروں نے فوجیں فراہم کر کے اسے اسکاربرو کے قلعے میں گھیر لیا جہاں ایڈورڈ نے حفاظت کی غرض سے اُسے بھیج دیا تھا۔ گیوسٹن نے مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دئیے اور پیمبرک کی تحویل میں والنگ فرڈ روانہ کیا گیا کہ پارلیمنٹ کے اجلاس کا انتظار کرے۔ لیکن وارک اور لینکاسٹر کا غصہ اتنی تاخیر کی بھی تاب لانے والا نہ تھا اور ابھی گیوسٹن ڈے ڈنگٹن

(علاقہ آکسفرڈ شر) ہی تک پہنچا تھا کہ "آرڈن کا کالا کتا" اسے پکڑ کر قلعہ وارک میں بھگا لایا جہاں لینکاسٹر، ہیریفرڈ اور ایرنڈیل پہلے سے اس کے منتظر تھے۔ جب

گیوسٹن کا قتل

بحث ہوئی کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے تو آخر میں ایک ضرب المثل نے کہ "لومڑی کو چھوڑا، تو پھر پیچھے دوڑنا پڑے گا" اس کی قسمت کا فیصلہ کرا دیا۔ لینکاسٹر و ہیریفرڈ کی موجودگی میں اس کا سر بلیک لو کی پہاڑی پر (جو کینل ورتھ کے راستے پر واقع ہے) قطع کر دیا گیا۔

کسی سیاسی حریف کا اس طرح قتل کیا جانا، انگلستان میں پہلے کبھی سننے میں نہ آیا تھا اور اس واقعے نے قتل و خون کے ایک ایسے سلسلے کا آغاز کیا جو ہنیری ہفتم کی تخت نشینی تک کہنا چاہئے کہ کسی طرح ختم ہونے میں نہ آتا تھا۔ تیرھویں صدی سے چودھویں اور پندرھویں صدی کا مقابلہ کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے آدمیوں کے نصب العین اور مقاصد میں پستی پیدا ہو گئی تھی۔ خواہ اس کا سبب یہ ہو کہ اسکاٹ لینڈ اور فرانس کے ساتھ جنگ و جدل کے طویل سلسلے سے قلوب میں سختی اور درشتی آ گئی، خواہ یہ، کہ عہد وسطیٰ کا وہ سپاہیانہ کیش اختیار کیا گیا جس کے اخلاق و تواضع کی تہ میں اوباشی خاندانی غرور اور حقیقی بے رحمی بمشکل چھپ سکتی تھی اور یا کہ لوگوں کے دین ایمان میں فتور آ گیا تھا۔ بہرحال اس میں شک نہیں کہ قوم کے اونچے طبقوں میں اعلیٰ اخلاق و اوصاف کو گھن لگ گیا تھا۔ اس خرابی کا کچھ نہ کچھ تعلق اور

اخلاقی پستی
فرانسیسی زبان۔

زمانی تطابق، فرانسیسی زبان اور فرانسیسی تہذیب و رسوم کے انگلستان میں مروج ہونے سے بھی پایا جاتا ہے۔ اس چیز کو فروغ ہنیری ثالث کے عہد میں ہوا کہ اسی کے وقت میں پہلی سرکاری دستاویز فرانسیسی زبان میں قلمبند ہوئی۔ ایڈورڈ اول کے زمانے میں عدالتوں کی زبان بھی فرانسیسی قرار دی گئی اور ایڈورڈ ثانی کے عہد میں خیال کیا جاتا ہے کہ اونچے طبقوں کی زبان ہی یہ ہو گئی تھی۔ مگر یاد رہے کہ اس رواج کو نارمن فتح یا ہنیری ثانی کے فرانس میں مقبوضات ہونے سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ اس کی مثال تو کچھ ایسی ہے جیسے کہ زمانۂ حال میں روس کے اعلیٰ طبقوں میں معمولاً فرانسیسی زبان بولی جانے لگی تھی۔ دوسرے یہ نارمن فتح کی پرانی فرانسیسی نہ تھی بلکہ خاص پیرس اور جزیرۂ فرانس کا اور مروّ

باب دوم

جو فرانس میں ٹکسالی زبان گنا جاتا تھا۔ ان سب حالات کے باوجود، اندر ہی اندر انگریزی جو ادبی زبان کی حیثیت سے بہت عرصے تک لاطینی سے دبی رہی آہستہ آہستہ ہاتھ پاؤں نکالنے لگی تھی اور عین اسی زمانہ جب کہ ملک میں ہر طرف فرانسیسی کا رواج تھا، ان انگریزی شعرا کا زمانہ ہے جو وکلف اور چاسر کے پیش رو تھے۔

لیکن اب اصل مضمون کی طرف پلٹنا چاہئیے کہ جب ایڈورڈ اپنے مقتول دوست کا انتقام نہ لے سکا تو پھر اسکاٹ لینڈ کی طرف متوجہ ہو گیا جہاں بروس برابر زور پکڑتا جاتا تھا۔ اسکاٹ لینڈ میں انگریزوں کا

بروس کی کامیابیاں۔

اقتدار جنوب کے قلعوں پر قبضہ رکھنے کا رہین منت تھا۔ ان میں روکس برو، لن لتھ گو، پرتھ، ایڈن برو اور اسٹرلنگ سب سے بڑے تھے ۱۳۰۷ء سے ۱۳۱۲ء تک پانچ سال کے اندر اندر بروس نے میدان میں تمام حریفوں کو، خواہ انگریز ہوں یا مخالف اسکوٹ زیر کر لیا تھا اور ۱۳۱۲ء میں اسکاٹ لینڈ کی ساری آبادی میں بظاہر کوئی ایسا نہ تھا جو بروس کے ساتھ نہ ہو گیا ہو۔ بیچ میں ایڈورڈ اور گیوسٹن کے حملے سے اس کی ترقی میں حرج واقع ہوا لیکن ان کے واپس جاتے ہی بروس نے اپنے سپاہیوں کی ہمت بڑھانے کے لئے خود انگلستان پر یورش کی اور شمالی اضلاع کو بیدردی سے پامال کیا۔ پھر وہ اسکاٹ لینڈ کے قلعوں پر پورے اہتمام سے حملہ آور ہوا۔ پرتھ کو جنوری ۱۳۱۲ء میں یورش کر کے چھین لیا۔ ۷ مارچ کو روکس برو نے خود ہتھیار ڈال دئے۔ ایک ہفتے بعد اس کے بھانجے اینڈولف نے ۳۰ ہمراہیوں سمیت ایک چٹان پر جو قلعے کے اوپر اٹھی ہوئی تھی کمند سے چڑھکر یک بہ یک ایڈن برو کو جا دبایا اور اسی کے قریب زمانے میں لن لتھ گو کی تسخیر اس تدبیر سے عمل میں آئی کہ بنک یا بنی نام ایک ہموطن نے گھانس کے نیچے سپاہی چھپائے اور پھر اپنا چھکڑا قلعے کے پھاٹک میں اس طرح اڑا دیا کہ آہنی اڑواڑ نیچے نہ آ سکے۔ اسی طرح فتح پر فتح حاصل ہوتی رہی۔ صرف اسٹرلنگ رہ گیا تھا مگر وہ بھی اس طرح گھرا کہ قلعہ دار نے اقرار کر لیا کہ اگر ۲۴ جون ۱۳۱۴ء تک کوئی مدد نہ پہنچ سکی تو وہ قلعہ حوالے کر دے گا۔ اس شرط پر بروس تو بہت بگڑا اور حقیقت میں اتنی بڑی مدت ایڈورڈ کے مدد لے جانے کے لئے بہت کافی تھی لیکن اس نے

باب دوم

حماقت سے معاملے کو آخر تک ٹالا اور فوجی اجتماع کی تاریخ (بہ مقام بروک) ۱۱ جون قرار دی۔ اس روز سواروں کا ایک کثیر گروہ بھی جمع ہوا جن میں بعض سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھے اور ہزاروں تیر انداز تھے جن کی قدر اب بخوبی عیاں ہوتی جاتی تھی اگر ایرل لینکاسٹر نخوت سے الگ نہ رہتا تو اور زیادہ فوج جمع ہو جاتی۔ بہر حال اس شاندار لشکر نے نشیبی میدانوں سے اقدام کیا جہاں کوئی مزاحمت نہ ہوئی پھر بھی وہ اسٹرلنگ کے روبرو روز مقررہ تک نہ پہنچ سکا۔ اور جب اس قلعے کے قریب پہنچا تو بروس کو نہایت مستحکم مورچوں میں آمادہ بہ جنگ پایا۔ لیکن اب انتظار یا ہٹنے بڑھنے کا موقع نہ تھا اور وہیں کے وہیں لڑائی لڑنی ناگزیر تھی۔

جنگ بینک برن بروس کی فوج ایک چھوٹی سی ندی بے نک برن کے پیچھے بلند زمین پر صف آرا تھی اور جنوب مغرب سے اسٹرلنگ آنے کے تمام راستے اس کی زد میں تھے۔ بروس کے دائیں جانب دلدل نے راستہ روک لیا تھا اور یہ ندی بھی اسی دلدل سے گزرتی تھی۔ بائیں طرف سمندر کی کھاڑی تھی اور کھاڑی بروس کے سامنے کے درمیان جو میدان پڑا تھا، وہ نیچا، ریلا اور جوہڑوں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا۔ جہاں کہیں پکی زمین ملی، وہاں بروس نے خود گڑھے کھدوا دئے تھے جو سرسری طور پر نظر نہ آسکتے تھے۔ جس دن انگریزی لشکر آیا اور قلعے میں کمک پہنچانے کی کوشش کی تو اینڈ ولف نے بلا دقت اسے پسپا کر دیا اور انگریزوں کو معلوم ہو گیا کہ کتنا مضبوط اور عمدہ موقع غنیم کے ہاتھ میں ہے۔ پھر شخصی مبارزہ میں خود بروس نے ایک انگریز سردار ہنیری ڈی بوہن کو قتل کیا تو اس کے سپاہیوں کے ولولے حد سے زیادہ بڑھ گئے۔

مقابلے کے لئے بروس نے اپنی پیادہ فوج چار حصوں میں صف آرا کی۔ ہر سپاہی کے پاس لمبی برچھی تھی اور ہر حصہ کروی شکل میں تھا کہ اگلی صف کے نیزوں نے خار پشت کے کھڑے کانٹوں کی سی صورت بنا دی تھی اور سواروں کا اس دائرے میں داخل ہونا تقریباً غیر ممکن ہو گیا تھا۔ خود بروس کے سوار ردیف میں رکھے گئے تھے۔ اُدھر انگریزی لشکر کے کسی سپہ سالار یا خود ایڈورڈ کو بڑی فوج لڑانے کا ظاہر کوئی تجربہ نہ تھا اور بروس کی باقاعدگی اور تیاری کے مقابلے میں انگریزی لشکر بالکل

باب دوم

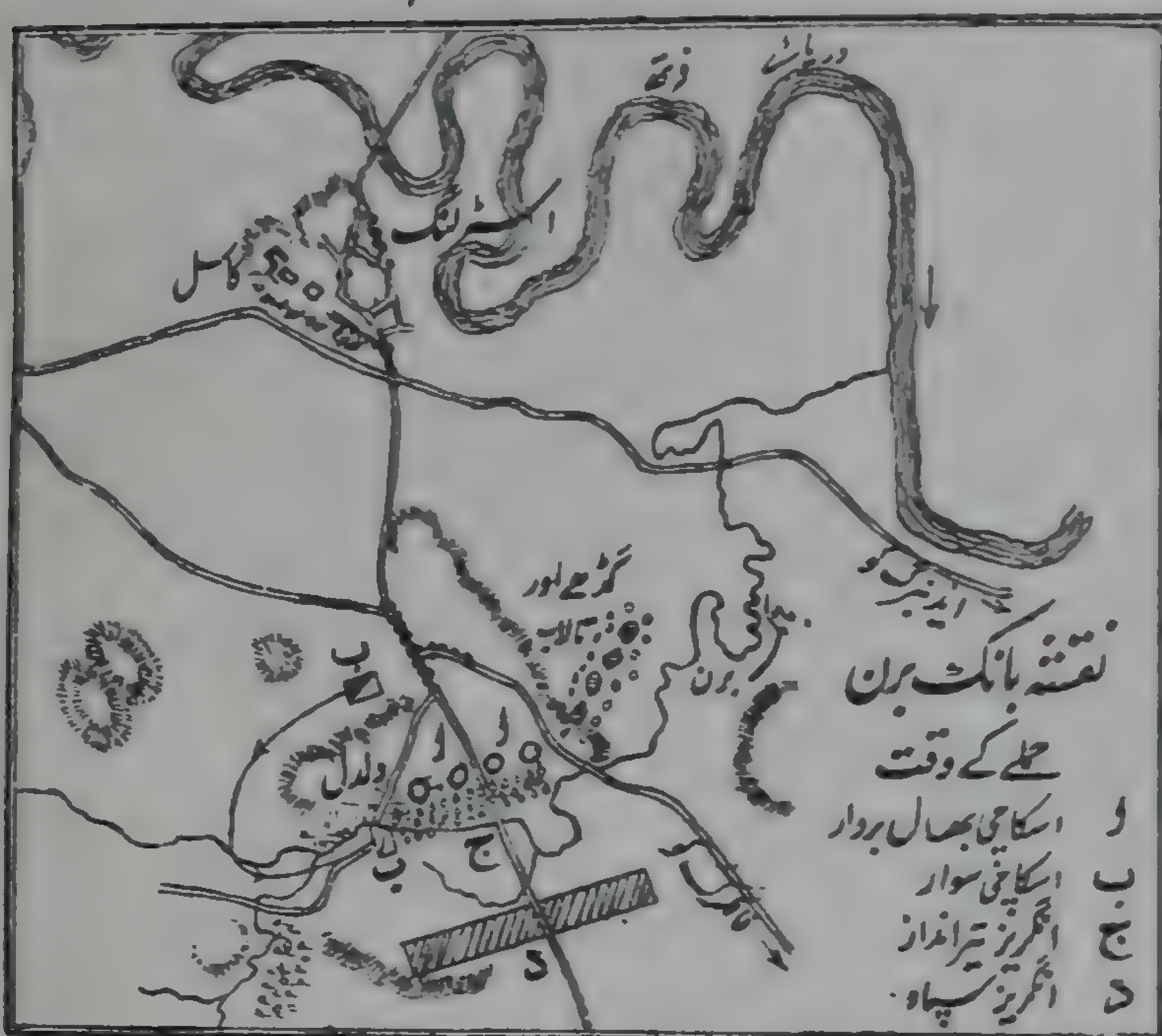
گڈنڈ نظر آتا تھا۔ فال کرک کے میدان میں ایڈورڈ اوّل نے اسکوٹی سواروں کو منتشر کر کے، تیر اندازوں سے نیزہ برداروں پر حملہ کیا اور فتح پائی تھی کیوں کہ پیادہ نیزہ بردار تیر و خدنگ کی کوئی مزاحمت نہ کر سکتے تھے لیکن بے نک برن کے معرکے میں انگریزی تیر انداز لمبی قطاروں میں آگے بڑھے چلے گئے حالانکہ اسکوٹی رسالے پر کوئی ضرب نہ لگی تھی اور مقابلے میں مسلح پیادے صف آرا تھے۔ اس غلطی سے بروس نے فوراً فائدہ اٹھایا اور اپنے سواروں کو دلدل کے گرد سے لا کے انگریز تیر اندازوں پر جانبی حملہ بول دیا۔ اس بے ڈھب زد نے پوری صف کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے اور اس سے قبل کہ انگریز سوار موقع پر پہنچ سکیں اسکوٹی رسالہ پھر اپنی جگہ پر ہٹ گیا۔ اس کامیابی نے لڑائی کا فیصلہ کر دیا کیونکہ ایڈورڈ کے زرہ پوش سوار، نیزہ داروں کے اس نیستاں کا کچھ نہ بگاڑ سکے جس نے اُن کی ضرب روک رکھی بلکہ جتنے جوش میں انگریز سواروں نے حملہ کیا اتنا ہی زیادہ نقصان اٹھایا۔ اتنے میں اسکوٹی صفوں کے عقب سے ایک تازہ فوج آگے بڑھتی ہوئی نظر آئی۔ یہ حقیقت میں بہیر کے لوگ تھے لیکن اس اتفاق یا چلبے نے انگریزوں میں اور بھی پریشانی ڈال دی اور ان میں ہل چل دیکھکر بروس نے عام حملے کا حکم دیا۔ امیر گلوسٹر میدان میں کھیت رہا۔ ایڈورڈ اور ہیرفرڈ نے بھاگ کر جان بچائی۔ جو اس باختہ مفروروں کی خوفناک خونریزی اور قلعہ اسٹرلنگ کے قبول اطاعت پر یہ دن ختم ہوا جو انگریزی سپہ سالاروں کے حق میں جس قدر موجب ننگ تھا، اسی نسبت سے اسکوٹی سپاہ کے جملہ طبقوں کے لئے سرمایۂ ناز ثابت ہوا۔

اس فتح نے اسکاٹ لینڈ کی آزادی پر مُہر تکمیل ثبت کر دی اور آئندہ جنگ میں پیش قدمی خود وہاں کے باشندوں کی طرف سے ہوتی رہی جزیرۂ مین کو تو

اسکوٹوں کے حملے آیرستان و انگلستان پر

بروس پہلے ہی فتح کرنے کا موقع پا چکا تھا اب (۱۳۱۵ء میں) اس کے بھائی ڈیوڈ نے سمندر اُتر کے آیرستان پر فوج کشی کی کہ ہو سکے تو خود بھی اس جزیرے میں وہی کارنمایاں دکھائے جو بھائی نے اپنے وطن میں دکھائے تھے بعض اہلِ ملک بھی بغاوت پر اٹھ کھڑے ہوئے

تاریخ انگلستان حصہ اول جزو چہارم



مقابل صفحہ ۳۰۵

باب دوم

لیکن کوناٹ اور منسٹر کے حاکموں نے انگریزوں کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اور اگلے سال خود بروس کے آئرستان آنے کے باوجود ڈبلن پر یورش ناکام رہی۔ وہ خود تو واپس چلا گیا اور اس کا دوسرا بھائی اٹھارہ معرکے جیت کر میدانِ فیگر کے قریب (ڈنڈاک) میں مارا گیا (۱۳۱۸ء) اور بدقسمت آئرستان کی خونریزیوں میں، جن سے ملک تباہ و تاراج ہوا جاتا تھا، اضافہ کر دینے کے سوا اس مہم کا اور کوئی دیرپا نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

مگر بروس کے آئرستان جانے کے زمانے میں بھی اس کے بھانجے ابن ڈولف وغیرہ نے انگریزوں کے خلاف لڑائی جاری رکھی اور بروس کی مراجعت پر قلعۂ بروک کا محاصرہ شروع ہوا۔ اس قلعے کے فتح ہونے سے انگلستان کا شرقی راستہ کھل گیا اور ہر فصل کے زمانے میں اسکوٹوں نے سرحد اتر کے شمالی علاقے پامال کرنے شروع کئے۔ ایک موقع پر انھوں نے نورتھیلرٹن، بروبرج، اسکاربرو اور اسکپٹن کو جلا ڈالا اور تمام شمالی علاقے میں خون کی ندیاں بہا دیں ۱۳۱۹ء میں وہ یارک شر میں آ گھسے۔ انگریز پادریوں نے ۱۲۳۸ء کے کارنمایاں کی رِیس میں اپنی اپنی "بھیڑوں کے گلے" جمع کئے تھے کہ حملہ آوروں کو مار کر نکال دیں لیکن اسی فوج پر بروس کو غلبہ پانا کچھ دشوار نہ تھا۔ اس نے چند گریوں میں آگ لگا دی اور پادریوں کی دہقانی فوج کی آنکھوں میں ہوا سے دھواں گھسا تو ایک ہی حملے میں انھیں بُری طرح بھگا دیا۔ اس معرکے میں جو مائی ٹن (دلبِ سوِل) کے میدان میں پڑا، اتنے جبّہ پوش پادری مارے گئے تھے کہ یہ لڑائی چیپٹر آف مائی ٹن (یعنی مائی ٹن کا پادری گھر) کے نام سے مشہور ہو گئی۔ اس یورش میں اسکوٹوں نے وہ تاراجی پھیلائی تھی کہ پورے ۸۴ مواضع کی کامل تباہی کے عذر پر، مالگزاری معاف کرنی پڑی اور یہ یقینی بات ہے کہ نارتھمبرلینڈ کے کھیت جو ۱۳۱۲ء تک نہایت سرسبز تھے، ان تاراجیوں کی بدولت ایسے خراب و برباد ہوئے کہ جیمس اول کے زمانے تک اپنی اصلی حالت پر عود نہ کر سکے۔

ملک کی ان مصیبتوں میں ۱۳۱۵ء و ۱۳۱۶ء کی قحط سالی نے اور اضافہ کر دیا۔ انگلستان میں قحط شاذ و نادر ہی پڑتے ہیں کیوں کہ زمین اور آب و ہوا کے اختلاف سے، اگر کسی جگہ فصل نہ ہو تو دوسرے حصوں میں ضرور ہو جاتی ہے۔ دوسرے

باب دوم

زراعت پیشہ آبادی کا معیار معیشت اتنا اونچا ہے کہ معمولی ضروریات زندگی اور فاقہ کشی کے درمیان کافی فصل رہتا ہے۔ بایں ہمہ مذکورہ بالا دو سال میں لگاتار بارش نے غلہ پکنے نہ دیا اور گو ۱۳۱۵ء میں ویلز، ڈیون شہر اور کارن وال بچ گئے تھے لیکن ۱۳۱۶ء میں بارش سے کوئی حصہ محفوظ نہ رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کو خوراک میسر آنے میں سخت دشواری ہونے لگی۔ بہت لوگ فاقوں سے ہلاک ہو گئے اور خود شاہی دسترخوان کے لئے روٹی بہ مشکل مہیا ہو سکتی تھی۔ امرا نے مجبور ہو کر اپنے خدم وحشم کو برطرف کیا جس سے غریبوں کو اور بھی مصیبت پیش آئی کیوں کہ ان لوگوں کو دوسرا کوئی کام آتا نہ تھا اور انھوں نے مجبور ہو کر چوری یا لوٹ مار کا پیشہ اختیار کر لیا۔ اس کثرت سے اموات ہوئیں کہ آیندہ مزدوروں کی قلت تعداد کے باعث مستقل طور پر مزدوری بیس فی صدی تک بڑھ گئی۔ طرح طرح کی بیماریوں سے مویشی بھی بہت ہلاک ہوئے اور ملک بھر کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔

بلے نک برن کی ذلت آمیز ہزیمت، اسکوٹوں کی یورشیں، قحط و وبا کے مصائب، ان سب اسباب نے ایڈورڈ کے عہد حکومت کی بدنامی میں کوئی کسر رہ گئی تھی تو وہ بھی پوری کر دی۔ ادھر عم زاد بھائی ٹامس امیر لینکاسٹر کو ان قومی پریشانیوں میں خود فائدہ اٹھانے اور اپنی قوت بڑھانے کی سوجھی۔ جب سے گیوسٹن مارا گیا، ٹامس کی قدر و وقت برابر بڑھتی رہی تھی۔ ۱۳۱۱ء میں اس کے خسر نے وفات پائی تو ینکن اور سالسبری کی جاگیر بھی لینکاسٹر کی امارت کا ضمیمہ بن گئی۔ ۱۳۱۴ء ون جل سیا مرا اور اس کا جانشین رے نولڈس ہوا جو محض کمزور آدمی تھا۔ انگلستان کے جاگیرداروں میں سب سے عمدہ سیرت امیر گلوسٹر کی تھی یہ بہادر و حوصلہ مند امیر بے نک برن میں کام آیا۔ ۱۳۱۵ء میں وارک نے وفات پائی۔ غرض لینکاسٹر کا اثر یوماً فیوماً بڑھتا گیا۔ ہیر یفرڈ وغیرہ بعض دوسرے امرا اس کے خاص دوست تھے اور بزم شوریٰ میں اسی کی رائے چلتی تھی پیمبرک لینکاسٹر سے پرخاش رکھتا تھا کہ گیوسٹن کو اس کی تحویل سے لے جا کر کیوں قتل کیا۔ لہٰذا اس امیر کو بادشاہ نے اپنا بنانے کی کوشش کی اور اسی طرح لینکاسٹر کا زور توڑنے کی غرض سے

ہیوڈسپنسر | ہیوڈس پنسروں سے دوستی پیدا کی۔ یہ دو ہمنام باپ بیٹے تھے۔

دادا کا نام بھی ہیو تھا اور وہ سائمن ڈی مونٹ فرٹ کا دوست اور عمدہ قابلیت کا آدمی تھا مگر محل نہ شناسی اور دولت پرستی کے باعث بدنام رہا۔ اس کے فرزند ہیو کو بادشاہ تک امیر لینکاسٹر کے اثر نے پہنچایا اور پھر وہ بہت جلد بادشاہ کا منظورِ نظر اور گیوسٹن کا جانشین ہو گیا۔ ایڈورڈ نے اپنے نئے مقرب کی امیر گلوسٹر کی ایک وارثہ بیٹی اور اپنی بھانجی بیاہ کر عزت بڑھائی اور اسی رشتے نے اسے ہیرلیفرڈ اور اپنے ساتھی سرحدی جاگیردار روجر (وگ موری) کی نگاہ میں رقیب بنا دیا۔ باپ بیٹوں کا ۶۲ مواضع پر قبضہ تھا اور روپیہ سمیٹنے پر تلے ہوئے تھے، جس سے اُن کی بدنامی بڑھی اور انگلستان کے قدیم خاندان سے ہونے کے باوجود اُن سے بھی لوگ ایسی ہی نفرت کرنے لگے جیسے گیوسٹن یا پردیسیوں سے کیا کرتے تھے۔ مخالف فریق میں اتنی قوت تو نہ تھی کہ اپنے حریف کو بالکل کچل ڈالتا البتہ آئے دن ویلز کی سرحدی جاگیروں پر فساد ہوتے رہتے اور ورزشی کرتبوں کے حیلے سے مسلح جاگیرداروں کے مقابلے ہوتے اور معرکۂ بزم میں بھی کشمکش جاری رہتی تھی۔ یہ افواہیں کہ فلاں فریق اسکوٹوں سے مل گیا ہے، ملک کے امن و راحت میں الگ خلل ڈالتی رہتی تھیں۔

آخر جولائی ۱۳۲۱ء کی پارلیمنٹ جو ویسٹ منسٹر میں منعقد ہوئی، دو ٹوک مقابلہ ہو گیا اور ڈس پینسروں پر باضابطہ حملہ کیا گیا۔ امیر ہیرلیفرڈ استغاثے کا سرغنہ تھا اور الزام یہ لگایا گیا تھا کہ ڈس پینسروں نے ملک کے عمائد و امرا کی بادشاہ تک آمد و رفت مسدود کر دی اور اُن کے مقرر کردہ وزیروں کو برطرف کرا دیا ہے۔ وہ خانہ جنگی کی آگ بھڑکاتے اور انصاف و حق رسی میں رکاوٹیں ڈالتے ہیں۔ غرض ان الزامات کی بنا پر جاگیرداروں نے دونوں ڈس پینسروں کے اموال کی ضبطی یا ملک سے نکال دینے کا فیصلہ کیا اور یہ کہ جب تک دوبارہ باضابطہ پارلیمنٹ اجازت نہ دے وہ واپس نہ آ سکیں گے۔

ایڈورڈ کا غلبہ سرکش امیروں پر

دو مہینے بعد ایک ردِ عمل واقع ہوا۔ ملکہ ازابلا ایک رات لیڈز (علاقہ کینٹ) کے قلعے میں ٹھہرنا چاہتی تھی لیکن قلعے کی مالکہ لیڈی باڈلزمیر نے انکار کر دیا۔ ملکہ کی اس توہین کی سزا کے لئے

باب دوم ایڈورڈ نے لینکاسٹر سے مدد مانگی جو باڈلز میر سے پرخاش رکھتا تھا مگر لینکاسٹر کی فرستادہ جمعیت سے ایڈورڈ نے پہلے ہیرلیفرڈ پر حملہ کیا اور آہنی مستعدی اور قوت سے بزور سیوزن اتر کے اپنے مخالف اور لینکاسٹر کے حلیف، برادران مورٹمر کی سرکوبی کی اور ہیرلیفرڈ اور گلاؤ کے شہر فتح کئے۔ لینکاسٹر دیکھتا ہی رہ گیا اور بادشاہ نے فاتحانہ انداز سے ڈیس پین سروں کو واپس بلوالیا۔ اب لینکاسٹر کو شمال کی طرف فرار ہونے ہی میں سلامتی نظر آئی۔ عجب نہیں کہ وہ اسکوٹوں سے مل جانے کی فکر میں ہو جن سے غدارانہ خط کتابت پہلے سے جاری تھی۔ ہیرلیفرڈ اور مغربی اضلاع کے دوسرے مفرور بھی اس لئے راستے میں آملے لیکن ۱۶ مارچ کو وہ بروبرج (لب اُور) پہنچا تو پل پر سر اینڈرو، حاکم کارلائل نے راستہ روکا۔ خونریزی کی نوبت آئی اور مفرورین جان سے ہاتھ دھو کر لڑے مگر شمالی کنارہ اور برابر کا گھاٹ دونوں روکنے والے تیراندازوں کی زد میں تھے۔ ایک ویلزی نے جو پل کے پایوں میں چھپا ہوا تھا، نیچے سے وار کر کے ہیرلیفرڈ کا کام تمام کر دیا اور لینکاسٹر نے سخت مایوس و ناامید ہو کر کسی گرجا کی پناہ لی۔ ایڈورڈ کے سپاہیوں نے تعقب کیا اور گرجا کے اندر سے گھسیٹ لائے۔ پھر ایک مریل گھوڑے پر بٹھا کے فتح کے شادیانے بجاتے ہوئے، اُسے پونٹفریکٹ تک لے کر آئے جہاں طرح طرح کی ذلت اور دل آزاری کے بعد اس کا سر اُڑا دیا گیا۔ امیر باڈلز میر اور بہت دوسرے اشخاص نے سولی کی سزا پائی۔ مورٹمروں کو چند ساتھیوں سمیت قید میں ڈال دیا گیا اور تھوڑی دیر کے واسطے تو یہ معلوم ہوا کہ جاگیرداروں کے فرقے میں جھاڑو سی پھر گئی، اور بادشاہ سے سرکشی کرنے والا کوئی باقی نہیں رہا۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ گو لینکاسٹر کی بُری خصائل اوباشانہ زندگی، بے رحمی، خودغرضی اور انسانی زندگی کی بے قدری کا حال سب کو معلوم تھا؛ باایں ہمہ اس کے ظاہری اخلاق اور سب سے بڑھ کر قابل نفرت ایڈورڈ سے اس کی مخالفت نے عوام میں، رفتہ رفتہ اُسے ایک ولی کی شہرت بخش دی؛ اور خود اسی واقعے سے کمال پُراثر طریق پر ظاہر ہوتا ہے کہ اہل ملک کی اخلاقی سطح کتنی پست ہو گئی تھی۔

مگر لینکاسٹر کے فریق کے زوال سے ملک کی آئینی ترقی میں کوئی خاص

باب دوم

خلل نہیں آیا۔ واضح رہے کہ لینکاسٹر کے ذہن میں حکومت کا ایسا تصور نہ تھا جس میں بادشاہ اور قوم مل کر انتظام کریں۔ اس کے برخلاف، وہ صرف یہ چاہتا تھا کہ چند توی جاگیرداروں کی جماعت، مجلس شوریٰ اور عہدہ داروں کا انتخاب کرے اور اس طرح بادشاہ اسی جماعت خاص کے زیر اثر آجائے۔ عوام الناس کو وہ حکومت میں شریک کرنا نہ چاہتا تھا اور اس بارے میں ڈس پینسر تک اپنے حریفوں کی نسبت زیادہ قوم پسند تھے۔ چنانچہ بروبرج کی لڑائی کے بعد، مئی ۱۳۲۲ء میں جو پارلیمنٹ یارک میں منعقد ہوی اس کے فیصلے صریحاً آئینی قدر و منزلت رکھتے ہیں۔ ان میں حکمنامے اس بنیاد پر منسوخ کئے گئے کہ انھیں محض امرا کے نمایندوں نے مرتب کیا تھا۔ نیز انگلستان کے آئین سیاسی کا یہ بنیادی اصول قلم بند ہوا کہ جن معاملات کا بادشاہ اس کے اخلاف اور اہل ملک سے تعلق ہے، ان کا فیصلہ بھی امرا اور حکام کلیسا، نیز عام باشندگان ملک کی رضامندی سے ہوگا جیسا کہ اب تک ہوتا رہا ہے۔ اسی کے ساتھ مارلبرکی مجلس ۱۲۶۷ء کی طرح، یہاں بھی حکمناموں کے سب سے ضروری اجزا دوبارہ نافذ کئے گئے۔ جب پارلیمنٹ برخاست ہوی تو ایڈورڈ نے ہر دلعزیزی حاصل کرنے کی ایک فضول کوشش یہ کی کہ اسکاٹ لینڈ پر حملہ کیا مگر اس مہم میں سخت ناکامی ہوی۔ ہوشیار اسکوٹوں نے کوئی جنگ نہ کی اور ملک اتنا ویران ہوچکا تھا کہ اس سے فوج کا بار اٹھانا ممکن نہ تھا۔ ادھر ایڈورڈ واپس اپنی سرحد میں داخل ہوا تو پیچھے پیچھے اسکوٹ آگھسے اور وہ بای لینڈ ایبی میں قید ہوجانے سے بھی بال بال بچا۔ اکتوبر میں ہیم بلٹن کی ڈھلانوں پر اسکوٹوں نے اسے شکست دی۔ طرفہ تر یہ کہ لینکاسٹر کی تقلید میں، سر اینڈرو جیسے حاکم نے بھی بے وفائی پر کمر باندھی حالانکہ اسے بروبرج کی فتح کے صلے میں کارلزل کا امیر بنادیا گیا تھا۔ پھر جب اس کا جرم ظاہر ہوگیا تو امارت و سرداری سے معزول کرکے اسے کمال ذلت کے ساتھ سولی پر لٹکا دیا گیا اگرچہ اس کی مذکورہ بالا فتح کو ایک سال بھی نہ گزرا تھا۔ ایسے بادشاہ اور اس قسم کے سرداروں سے کسی لڑائی کا جاری رکھنا محال تھا۔ ۱۳۲۳ء میں اسکوٹوں سے تیرہ سال کے لئے عارضی صلح کرلی گئی۔

ڈس پینسروں کو گذشتہ زحمت و مصیبت سے بھی کان نہیں ہوئے

اور عجیب حماقت سے انھوں نے دوبارہ لوگوں کو ناخوش کرنا شروع کیا۔ یعنی باپ نے تو اپنی زرستانی اور طماعی سے اور بیٹے نے نخوت آمیز طرز عمل سے۔ اب معلوم ہوتا تھا کہ پوری حکومت کا تار و پود بکھر جائے گا۔ قوانین کا نفاذ نہ ہوتا تھا۔ محاصل وصول نہ ہوتے تھے۔ شاہی عمّال سے رعایا کو نفرت تھی اہل کلیسا الگ تھلگ رہتے یا برخواستہ خاطر تھے۔ غرض تازہ انقلاب کے سب سامان جمع ہو گئے تھے۔ سرگروہ ملنے کی کسر تھی اور جب ۱۳۲۴ء میں روجر مورٹمر (امیر وگ مور) لندن کے شاہی زندان خانے سے فرار ہوا، تو یہ کسر بھی پوری ہو گئی۔ ایڈورڈ نے دوسرے سال ضروری سمجھا کہ خود ملکہ کو فرانس روانہ کیا جائے کہ شاہ فرانس سے گیس کنی اور پون تھیو کے خراج کے معاملے میں گفتگو کرے۔ وہ وہاں تھی کہ روجر مورٹمر

ملکہ اور مورٹمر کی سازش

فرار ہو کر فرانس پہنچا اور اس نے ملکہ ازابلا کے دل سے شوہر کی سب مہر و محبت دور کرا دی۔ پھر ڈس پین سروں کے خلاف اسے سازش میں شریک کر لیا اور اس میں ہیریفرڈ کے اسقف نے بھی جو مورٹمر کا دوست تھا، بڑا حصہ لیا۔ سازش کا مرکز پیرس بن گیا۔ شہزادۂ ایڈورڈ جس کی عمر صرف چودہ سال کی تھی اور باپ کی طرف سے مراسم خراج گزاری ادا کرنے آیا تھا، بالکل اپنی ماں کی اشارے پر چلنے لگا۔ ازابلا کے مورٹمر سے تعلقات بہت فضیحت انگیز ہو گئے تھے۔ لہٰذا بھائی (شاہِ فرانس) نے اسے پیرس چھوڑنے پر مجبور کیا اور وہ ہینولٹ میں چلی آئی اور وہیں کے رئیس کی بیٹی فلپا سے نوعمر ایڈورڈ کی نسبت ٹھیرا کے اپنا ٹھکانا بلکہ فوجی امداد کی بھی صورت پیدا کر لی۔ ستمبر ۱۳۲۶ء تک سب سامان تیار ہو گیا اور اہل سازش سفک کے مقام اور ویل پر لنگر انداز ہوئے۔

ایڈورڈ کی نااہلی معزولی اور قتل۔

ایڈورڈ سے وفاع کی تیاریاں بھی نہ ہو سکیں اور اس کا بیڑا اور فوج دونوں تنخواہ نہ ملنے سے پراگندہ ہو گئے۔ ڈس پینسروں کی دوستی سے مزید ناراضی کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوا اور ملکہ ازابلا کے انگلستان میں قدم رکھتے ہی امرا، جاگیردار، پادری اور اہل شہر جوق جوق اس سے جا ملے اور بادشاہ کا سب نے ساتھ چھوڑ دیا۔ اتنی سریع کامیابی نے

قدرتی طور پر اہل سازش کے جوش بڑھا دیے اور ڈس پینسروں کو سزا دینے کی بجائے اب مہم کا مقصد خود ایڈورڈ کی معزولی بن گیا۔ بادشاہ کو کہیں پناہ نہ نظر آئی تو نادانی سے آئرستان بھاگنے کی کوشش کی جس نے دشمنوں کو اور فائدہ پہنچایا اور خود یہ کوشش کامیاب نہ ہوئی۔ ایڈورڈ، ویلز اور سرحدی اضلاع میں بے ٹھوڑ ٹھکانے مارا مارا پھرتا رہا۔ ڈس پینسر (خورد) اس کے ساتھ تھا۔ لیکن آخر کار نومبر میں دشمنوں نے اسے گرفتار کر لیا۔

بادشاہ کے آئرستان کی طرف فراری کی اطلاع ہوتے ہی شہزادہ ایڈورڈ کی ایالت ملک کا اعلان کر دیا گیا اور جنوری ۱۳۲۷ء میں پارلیمنٹ منعقد کی گئی تھی مگر اس کے اجلاس سے بھی پہلے، بادشاہ کے رفیقوں میں سب سے معطون عہدہ دار، یعنی اُسقف اسٹیپل ٹن، شاہی خزینہ دار، کو تو اہل لندن ہی نے قتل کر کے دل کا بخار نکال لیا۔ دوسرے ہی دن (۲۶؍ اکتوبر) بوڑھا ڈس پینسر بھی پکڑا، اور برسٹل میں پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ ۱۷؍ نومبر کو ہیریفرڈ نے مورٹمر کے حکم سے ارنڈیل کا سر قلم کیا اور اسی مہینے کی ۲۴؍ تاریخ ڈس پینسر خورد کو پچاس فیٹ اونچی سولی پر کھینچ دیا گیا۔

بادشاہ کی تقدیر کا فیصلہ کرنے میں سوچ بچار کی ضرورت تھی لیکن پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا تو اُسقف اَور لٹن کے اس دو ٹوک سوال نے کہ باپ کو پسند کرتے ہو یا بیٹے کو؟ ایڈورڈ کلاں کے خلاف اتفاقِ رائے کو عیاں کر دیا۔ دفعات مرتب کی گئیں جن میں بادشاہ کی نا اہلی، ناہنجار مشیروں سے گرویدگی، اسکاٹ لینڈ کو ضائع کر دینا، عدل و انصاف کرنے کے حلف کی جو تخت نشینی کے وقت لیا گیا تھا، خلاف ورزی اور آئندہ اصلاح سے قطعی نا امیدی کو معزولی کے صریحی اسباب بتایا گیا تھا۔ بایں ہمہ خود اس سے استدعا کی گئی کہ اپنے بیٹے کے انتخاب کو قبول کرے اور پھر جبراً رضامندی حاصل کر لی گئی۔ اس کے وفادار و فرماں بردار رہنے کی جو قسم کھائی گئی تھی وہ باضابطہ منسوخ ہوئی۔ شاہی مردھے نے اپنا عصا توڑ دیا اور اس طرح ایڈورڈ ثانی کے عہد ختم ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔ پھر معزول، بادشاہ کو اس کے جانی دشمن سر جون مالٹ ٹریورز کی تحویل میں دیا گیا جس نے اسے تین قلعوں میں پھرایا اور بے عزتی کرنے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ مگر جب تک وہ زندہ تھا۔

اہل سازش کو پورا اطمینان نہ ہو سکتا تھا لہٰذا ۲۱ ستمبر ۱۳۲۷ء کو اسے مروا دیا اور لاش منظر عام پر رکھ کر گلوسٹر کے کلیسا کی خانقاہ میں چپ چاپ دفنا دی گئی۔ یہ روایت کہ وہ اپنی طبعی موت سے مرا، کسی کو دھوکا نہ دے سکی البتہ کچھ مدت تک یہ افواہیں گشت کرتی رہیں کہ جو لاش دکھائی گئی وہ معزول بادشاہ کی نہ تھی اور یہ کہ وہ ابھی زندہ اور کہیں چھپا ہوا ہے۔

ایڈورڈ غالباً اتنا برا، جیسے جان، یا اتنا نا اہل بھی نہ تھا جیسے ہنیری ثالث۔ البتہ وہ یہ نہ سمجھ سکا کہ اُس زمانے میں بادشاہ کا پہلا فریضہ یہ تھا کہ "تفریح و تفنن کو حقارت سے دیکھے اور محنت و جفاکشی کی زندگی بسر کرے" اور اس کے مصائب کے اسباب کا پتہ چلا جائے تو ان سب کی تہ میں یہی بنیادی نقص علت العلل ثابت ہوگا۔

ایڈورڈ ثانی کے عہد کا ایک مشہور واقعہ کلیسائی مجاہدین کا زوال ہے جن کا فرقہ ۱۱۱۸ء میں اس غرض سے قائم ہوا تھا کہ ہو سکے تو مسیحی سپاہی کو رہبانی تجرد اور فقر و اطاعت کا پابند بنایا جائے۔ انھیں "نائٹس ٹیمپلر" کہتے تھے اور انھی کے جوڑ کا ایک فرقہ "نائٹس ہوس پٹلرز" کا تھا۔ فلسطین کی صلیبی لڑائیوں میں ان لوگوں نے بڑی گرانقدر خدمات انجام دیں لیکن تسخیر عکہ ۱۲۹۱ء کے بعد سے ان کی اصلی غرض گویا ختم ہو گئی۔ ان دونوں فرقوں کو حکومت و ریاست پیش کی گئی اور رچرڈ نے قبرس پہلے فرقے کو عطا کیا اور دوسرے نے جزیرہ رھوڈس میں میں اپنی چھاؤنی چھائی اور یہ لوگ دو صدی تک مسلمانوں کے حملے سے یونانی جزائر کو بچاتے رہے اور جزیرے کو مورچہ بند قلعہ بنائے رکھا لیکن مجاہدین کلیسا نے مشرق سے تعلق قطع کر لیا اور دکھانے کو بھی کوئی وجہ باقی نہ رکھی جس کی خاطر یہ فرقہ مرتب ہوا تھا۔ اس طرز عمل نے طبعاً انھیں عوام الناس میں مطعون کر دیا۔ پھر، ایسا گروہ جو دولتمند، جاگیر دار اور بیکار رہا ہو اور ایک وقت میں چالیس ہزار منتخب سوار اس میں داخل ہوں، ارباب حکومت کو متوجہ کئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ یہ افواہیں بھی گرم تھیں کہ مشرق میں سکونت اور اسلامی دنیا سے ربط ضبط نے ان لوگوں کے اخلاق اور عقائد دونوں میں خرابی ڈال دی ہے۔ یہ الزام سب سے زیادہ فرانس میں

مشہور اور عام طور پر صحیح سمجھے جاتے تھے جہاں اس فرقے کی تعداد سب سے زیادہ باب دوم
تھی۔ لہذا ورین کے بادشاہ فلپ "منصف مزاج" نے یہ معاملہ اٹھایا اور چونکہ
پاپائے کلیمنٹ اسی کا ساختہ پرداختہ تھا اس واسطے فلپ کی مخالفت فرقے کے
حق میں مہلک ثابت ہوئی۔ باقاعدہ تحقیقات بھی کی گئی مگر لوگوں سے اقبال کرانے
میں سخت اذیتیں دی گئیں اس لئے اس کی وقعت کم ہے۔ بہرحال ۱۳۱۱ء کی
ایک مجلس منعقدہ وی آنا نے اس فرقے کو توڑنے کا فیصلہ کیا اور اس کا مال متاع
دوسرے فرقے ہوس پٹلرز کو دلوادیا گیا جن کی اسی زمانے میں رھوڈس کی کارکردگی
سن سن کر عام طور پر لوگ ان سے خوش تھے۔

مشہور واقعات

امرائے نظم ونسق، کا تقرر	سنہ ۱۳۱۰ء
گیوسٹن کا قتل	سنہ ۱۳۱۲ء
جنگ بینک برن	سنہ ۱۳۱۴ء
معرکہ برو برج	سنہ ۱۳۲۲ء
لینکاسٹر کا قتل	سنہ ۱۳۲۲ء

باب سوم

ایڈورڈ ثالث ۱۳۲۷ء تا ۱۳۷۷ء

ولادت: ۱۳۱۲ء۔ ازدواج: فلپا (ہینولٹی) ۱۳۲۸ء

معاصرین:۔

اسکاٹ لینڈ	فرانس	کیسٹائل
رابرٹ اوّل	چارلس چہارم	پیڈرو (السفاک)
ڈیوڈ ثانی	فلپ ششم	—
رابرٹ ثانی	جان	شہنشاہ
	چارلس پنجم	لوئی چہارم

ملکی فرقے ایڈورڈ ثانی کی معزولی تین فرقوں کے مل جانے سے عمل میں آئی تھی۔ ایک تو درباری فرقہ، جس میں ازابلا، اور بادشاہ کے سوتیلے بھائی یعنی کینٹ اور نارفک کے امیر تھے دوسرے مورٹمر کی سرکردگی میں سرحدی جاگیردار، اور تیسرے ہنیری (براد رخرد امیر ٹامس) کی قیادت میں لنکاسٹر

باب سوم

اور شمالی اضلاع کے لوگ۔ اور نئے بادشاہ کی صغر سنی میں انتظام کے واسطے چودہ اشخاص کی جو مجلس ایالت مرتب ہوی اس میں ان تینوں گروہوں کو پورا پورا حصہ ملا۔ ہنبری امیر لینکاسٹر کی تمام جاگیروں (یعنی لینکاسٹر، لیسٹر، لنکن اور ڈاربی کا وارث اور نہ کورہ مجلس کا صدر نشین بنایا گیا۔ نارفک و کینٹ کے امیر، اسقف اور لٹن، جو ملکہ اور مورٹمر کا معتمد علیہ خزینہ دار تھا، نیز ایک نوخیز عہدہ دار جون اسٹریٹ فرڈ جس نے شاہ مقتول کے جرائم کی فرد تیار کی تھی، مجلس کے ذی اثر اعضا تھے۔ مورٹمر نے صرف اصلی اقتدار ہاتھ میں رکھنے پر قناعت کی اور جہاں تک ہو سکے دولت سمیٹنے میں مصروف ہو گیا۔

اسکاٹ لینڈ نئی حکومت کو فوری توجہ اسکاٹ لینڈ پر منعطف کرنی پڑی۔ ۱۳۲۳ء میں ۱۳ سال کی عارضی صلح ہو گئی تھی لیکن انگلستان میں گڑبڑ دیکھکر بروس کو آزادی کا مل تسلیم کرانے کا بہت اچھا موقع نظر آیا اور ۱۳۲۷ء میں عہد و پیمان کو بالائے طاق رکھکر اس نے ڈگلس کی سپہ سالاری میں شمالی اضلاع کی طرف ایک فوج روانہ کی۔ اسکوٹوں کے طرز جنگ نے انھیں بہت خوفناک غارتگر بنا دیا تھا۔ ان کے سب سپاہی، سوار تھے ہر ایک کی زین پر پسی ہوئی جو کا تھیلا اور لوہے کا طباق ہوتا تھا کہ جہاں کہیں پانی کا چشمہ قریب ہو، بلا وقت طباق میں پکا کے روٹی تیار کرلے۔ گوشت کی فراہمی لوٹ مار پر منحصر تھی۔ جو مویشی ہاتھ آتے ان کی کھال کھینچ کر پھر اسی کھال کو وہ چار کھونٹوں سے باندھ دیتے اور گوشت میں پانی ڈال کے ابال لیتے تھے۔ ایسی فوج آپ سے آپ اتنی تیز پا ہوتی کہ اس کا پیچھا کرنا دشوار تھا۔ تاہم انگلستان کے صغیر سن بادشاہ نے اسے وئیر کے کنارے اسٹین ہوپ کے قریب جا لیا۔ وہ ایسے موقع پر تھے کہ حملہ کامیاب نہ ہو سکتا تھا اور یہ تجویز کہ انگریزوں کو ندی اتر کر ہموار میدان میں لڑنے کا موقع دیا جائے، ڈگلس نے حقارت کے ساتھ رد کر دی پھر کچھ روز تک کاوے دے کے اسکوٹی فوج خیمے اکھاڑ کے اپنی سرحد میں واپس چلی گئی۔ اس بیہودہ نمونے کی جنگ کسی فریق کو پسند نہ آسکتی تھی بروس بوڑھا ہو چکا تھا۔ اسے آرزو تھی کہ آیندہ اس کے خرد سال فرزند ڈیوڈ کی پر امن بادشاہی میں کوئی خرخشہ باقی نہ رہے۔

حفاظت سے عاجز نہ تھا۔ کس آخر میں قلعہ ناٹنگھم میں گرفتار کر لیا گیا اور لندن لائے تائیبرن کے جنگل میں سولی پر لٹکا دیا گیا ازابلا سے بھی اس کی بڑی کمائی چھین لی اور صرف تین ہزار اشرفی وظیفہ مقرر کر کے موضع رائزنگ میں نظر بند کر دیا جہاں وہ ۱۳۵۸ء تک زندہ رہی۔

ایڈورڈ ثالث کے خصائل

مورٹمر کی بیخکنی کے بعد ایڈورڈ کی گویا اصلی حکومت شروع ہوئی اس نوعمر بادشاہ کا مزاج زیادہ تر سپاہیانہ تھا اور تمام عمر ایسا ہی رہا۔ اُس کے اخلاق کی بنیاد انھی آئین وضوابط پر قائم تھی جو اس زمانے میں شجاعت و سپاہی منشی سے منسوب ہوتے تھے۔ لہٰذا ان اوصاف کی خوبیاں اور کمزوریاں دونوں اس میں موجود تھیں۔ جو لوگ فوج کے اونچے طبقوں میں داخل تھے، ان سے معاملہ کرنے میں وہ نہایت راست باز اور بات کا پکا تھا لیکن کسی کسان یا تجارت پیشہ سے اُسے کچھ ہمدردی نہ تھی۔ ظاہری اخلاق اور تواضع کی پوری پابندی کے باوجود مسیحی اخلاق کے اصول وضوابط کا اس پر مطلق اثر نہ تھا۔ سپاہیانہ کمالات کے ساتھ خود نمائی، خود غرضی اور بے رحمی اس کی ذات میں جلوہ گر تھی وہ انگلستان کو سپاہی اور روپیہ فراہم کرنے کا ذریعہ سمجھتا تھا اور رعایا کے تنگ آجانے کے باوجود اپنے جنگجوئی کے منصوبوں کو عمل میں لانے پر برابر اڑا رہا۔ لیکن گو اس کے عہد میں ملک بیں زیادہ تر لڑائیوں میں الجھا رہا تاہم اسی ضرورت نے اُسے بار بار پارلیمنٹ سے معاملہ کرنے پر مجبور کیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک نے اس کے عہد میں بہت کچھ آئینی ترقیاں کیں۔

ابتدائی عہدِ حکومت میں ایڈورڈ کا بڑا معتمد علیہ، جان اسٹریٹ فرڈ تھا۔ ۱۳۳۳ء میں اسے کینٹربری کا صدر اسقف مقرر کیا گیا اور آئندہ دس برس تک وہ اور اس کا بھائی روبرٹ ملک کے نظم ونسق میں سب سے بڑھ کر حصہ لیتے رہے دونوں کی محنت، قابلیت اور دیانت مسلّم تھیں مگر ایڈورڈ کے زمانے میں کوئی عہدہ دار بھی تدبر و ملک داری میں خاص امتیاز نہ رکھتا تھا اور اسی سے ایڈورڈ کا شخصی اقتدار بہت کچھ نمایاں ہو گیا ورنہ دوسرے حالات میں یہ صورت نہ ہو سکتی تھی۔

ایڈورڈ بے لیل

۱۳۳۲ء میں اسکاٹ لینڈ میں ایک تازہ پیچیدگی پیدا ہوئی۔ بہت سے انگریز جاگیردار جن کی جاگیریں سرحد کے دونوں طرف تھیں۔

باب سوم

ادھر شمالی جاگیردار آے دن کی غارتگری کا آماج گاہ ہونے سے تنگ آچکے تھے۔ غرض ۱۳۲۸ء میں بہ مقام نارتھمپٹن صلح ہو گئی اور انگلستان کے بادشاہ نے ۲۰ ہزار اشرفیاں لے کر اپنی سیادت کے دعوے سے جو دادا نے قائم کیا تھا، دست برداری لکھدی اور اپنی بہن جوآن کو منگنی کر کے اسکاٹ لینڈ بھیجدیا کہ وہیں اس کی تربیت ہو۔ دوسرے سال روبرٹ بروس نے وفات پائی اور ڈیوڈ کی تاجپوشی کے وقت اس کے تیل ملا گیا جو اس بات کی علامت تھی کہ اب وہ باج گزار نہیں۔ بلکہ خود مختار فرماں روا ہے۔

یہ صلح یقیناً دانشمندی پر مبنی تھی لیکن جنوبی انگلستان کے لوگوں نے، جنھیں لڑائی کی کھکیڑیں اٹھانی نہ پڑی تھیں، اسے سخت ناپسند کیا۔ بادشاہ سابق پر ایک خاص الزام یہ تھا کہ اس نے اسکاٹ لینڈ کو ہاتھ سے کھو دیا۔ ادھر ۲۰ ہزار اشرفیاں ازابلا اور مورٹمر نے ہتیا لیں جس سے رسوائی انتہا کو پہنچ گئی۔ مجلس ایالت میں ایک مدت سے اتفاق و آشتی مفقود ہو چکی تھی اور ۱۳۲۸ء میں امیر لنکاسٹر نے بلا اصلی اقتدار کے اپنی نمائشی ذمہ داری سے تنگ آکر مورٹمر کا قصہ پاک کرنے کی تدبیر کی مگر ابھی اس کا وقت نہ آیا تھا۔ کینٹ اور نارفک کے امیر جو پہلے ہمراہ ہو گئے تھے، آخر میں الگ ہو گئے اور لنکاسٹر کو مورٹمر سے صلح صفائی کرنی پڑی۔ مورٹمر نے (جو ابھی ونوں امیر مارچ مقرر ہو گیا تھا) اپنا غصہ بچارے کینٹ پر اتارا اور یہ الزام لگایا کہ امیر کینٹ، ایڈورڈ ثانی کو بحال کرنے کی فکر میں ہے۔ حالانکہ خود اس بات کا کہ ایڈورڈ ابھی تک زندہ ہے مورٹمر ہی کے گماشتوں نے کینٹ کو یقین دلایا تھا۔ بہر حال اسی الزام پر اسے بہ عجلت قتل کی سزا دے دی گئی (مارچ ۱۳۳۰ء) اس شیطانی فعل نے سارے ملک کا دل ہلا دیا۔ لنکاسٹر ڈرا کہ آیندہ خود اس کی باری آجائے گی اور اس نے بلا تاخیر ایسی عمدہ تدابیر اختیار کیں کہ خود بادشاہ اپنی ماں کے آشنا کے استیصال میں مدد کرے نوعمر ایڈورڈ اب کچھ بچہ نہ تھا بلکہ ایک بیٹے کا جو آگے چل کے بلیک پرنس (شہزادۂ اسود) مشہور ہوا، باپ بن چکا تھا۔ (۱۳۳۰ء) لنکاسٹر نے اسے پوری طرح سمجھایا کہ مورٹمر کتنا متمرد ہو گیا ہے اور فوراً اس کے خلاف کارروائی کی گئی۔ وہ بھی اپنی

باب سوم

اسکاٹ لینڈ کے آزاد ہو جانے سے وہاں کی جاگیروں سے محروم ہو گئے۔ ان سب نے سابق بادشاہ جان کے بیٹے ایڈورڈ بے لیل سے ساز کیا اور چونکہ سرحد کے بری راستے مسدود تھے، لہذا رود ہمبر سے کشتیوں میں بیٹھ کر ساحل اسکاٹلینڈ پر جا اترے اور ڈپلن موئر کی لڑائی میں محض حسن اتفاق سے اسکاٹ لینڈ کی فوج کو شکست دی اور سخت نقصان پہنچایا۔ چند ہفتے کے اندر بمقام اسکون، بے لیل کی تخت نشینی کی رسم بھی ادا کر دی گئی۔ لیکن جتنی جلدی عروج نصیب ہوا تھا، اسی قدر سرعت سے اُسے زوال کا منہ دیکھنا پڑا اور پانچ ہفتے کے بعد بُری طرح شکست کھا کے وہ انگلستان واپس آیا تو کوئی یار و مددگار تک ساتھ نہ تھا۔

ایڈورڈ نے اس مہم سے کوئی تعلق نہیں رکھا لیکن واقعات جنگ نے اسکاٹ لینڈ کی کمزوری نمایاں کر دی تھی لہذا جس طرح بروس ایک مرتبہ اسی قسم کی عہد شکنی کر چکا تھا اُس نے بھی ڈیوڈ کی صغر سنی سے فائدہ اٹھانے کی ٹھانی اور دعوئ سیادت کو تازہ کیا۔ اور بے لیل کے دعاوی کو تسلیم کر کے ایک فوج روانہ کی کہ بیرک کا محاصرہ کرے۔ ۱۳۳۳ء میں خود ایڈورڈ یہاں آپہنچا۔ محاصرہ اٹھانے کی غرض سے ایک اسکاٹی فوج نے اس پر ہے لی ڈن کی پہاڑی پر حملہ کیا جو شہر سے دو میل شمال میں واقع تھی۔ انگریز تیر انداز بلندی پر تھے اور انھوں نے اسکاٹی سواروں کی یورش کو بار بار پسپا کیا اور حملہ آوروں نے جتنی زیادہ دلیری دکھائی اُس قدر زیادہ نقصان اٹھایا حتی کہ ان کا سپہ سالار ڈگلس مارا گیا اور اسی کے ساتھ اسکاٹ لینڈ کے منتخب اُمرا اور معمولی سپاہیوں کی کثیر تعداد کھیت رہی

ہے لی ڈن پہاڑی کا معرکہ۔

بیرک نے فوراً امان طلب کی۔ ڈیوڈ اور اسی کی ملکہ ما ما، فرانس روانہ کر دیے گئے اور دوبارہ بے لیل تخت نشین ہوا۔ مگر اس کی یہ بادشاہی بھی پہلی بادشاہی سے زیادہ عرصے تک نہ رہ سکی۔ وہ محض گُڈا بنکر رہنے سے بیزار تھا اگرچہ انگلستان کی باج گذاری اُسے منظور تھی اور یہاں تک تیار تھا کہ نشیبی علاقے کا وہ حصہ بھی انگریزوں کے حوالے کر دے جو قریب قریب لودھین کی پُرانی ریاست میں تھا لیکن اسکاٹ لینڈ کے باشندوں نے پھر شورش کی اور گو بے لیل انگریزوں کی مدد سے کچھ عرصے تک لڑتا رہا مگر جب انگریز فرانس کی لڑائی میں الجھ گئے تو

باب سوم

بے لیل کے قدم بھی اکھڑنے لگے اور ۱۳۳۹ء میں ڈیوڈ کے بہنوئی روبرٹ نے اسے ملک سے نکال دیا۔ ۱۳۴۱ء میں ڈیوڈ کو واپس اسکاٹ لینڈ آنے کی جرأت ہوئی۔ بے لیل کی عارضی کامیابی کا لے دے کے اتنا نتیجہ ہوا کہ بیرک انگلستان کے قبضے میں آگیا۔

مگر اسکاٹ لینڈ پر ایڈورڈ کے حملہ کرنے ہی کی بدولت فرانس کے ساتھ لڑائی کی نوبت آئی اسکاٹ لینڈ کے محبان وطن کی شروع سے حکمت عملی یہ رہی تھی کہ انگلستان کے مقابلے میں فرانس سے اتحاد قائم کریں اس حکمت عملی سے تینوں ملکوں پر صدہا مصیبتیں آنے والی تھیں اور یہ برے اثرات اب معرض ظہور میں آنے شروع ہوئے۔ اسکوٹوں نے فلپ ششم سے مدد مانگی اور

فرانس سے جنگ کے اسباب

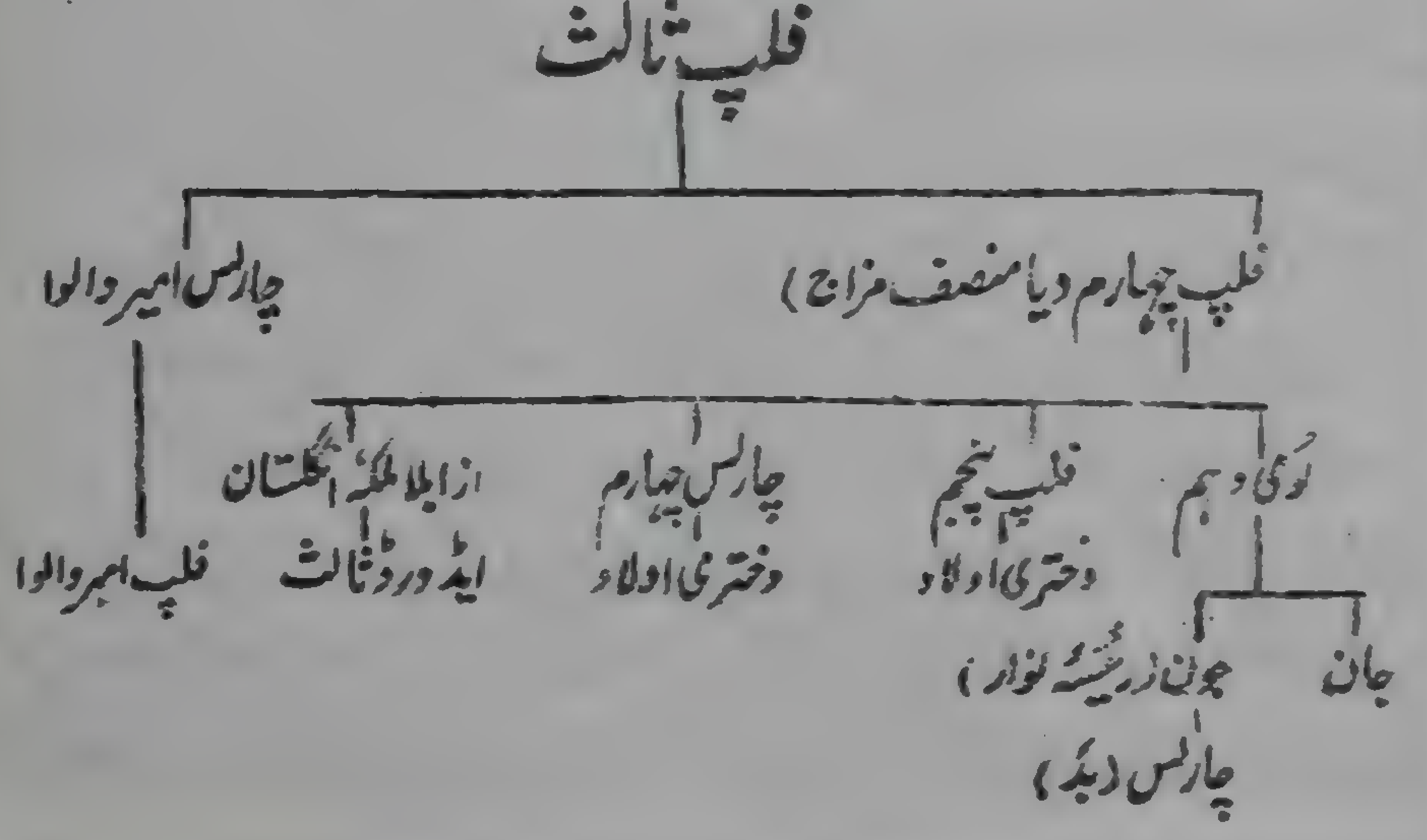
پاپائے روما کے روکنے کے باوجود اس نے یہ موقع غنیمت سمجھ کر گیس کنی پر حملہ کر دیا۔ ایڈورڈ کو خواہی نخواہی غصہ آیا اور سوئے اتفاق یہ کہ اسے خود فرانسیسی تاج وتخت کا دعوی کرنے کی صورتیں نکل آئیں جس سے جنگ وجدال کا نامتناہی سلسلہ چھڑ گیا اور دونوں ملکوں میں بالکل غیر طبیعی طور پر شدید اور پشتینی عداوت پیدا ہو گئی۔ اصل یہ ہے کہ ۱۳۱۶ء میں لوئی دہم کا شیر خوار بیٹا جان مرا تو امرائے فرانس کو فکر ہوئی کہ وراثت لوئی کی بیٹی جون کے حصے میں نہ جانے پائے جو اس وقت خورسال تھی۔ لہٰذا انھوں نے ایک قدیم فرانسیسی قانون کی آڑ لی اور اس کی رو سے دختری اولاد کو حکمرانی سے محروم کر کے لوئی کے بھائی فلپ پنجم کو وارث سلطنت تسلیم کر لیا۔ ۱۳۲۲ء میں فلپ پنجم نے بھی وفات پائی اور صرف بیٹیاں اپنی یادگار چھوڑیں جو مذکورہ بالا نظیر کی بنا پر سلطنت کی وارث نہ ہو سکتی تھیں پس تاج شاہی متوفی کے بھائی چارلس کے حصے میں آیا اور جب وہ بھی لاولد مر گیا (۱۳۲۸ء) تو اس کے عمزاد بھائی فلپ امیر والوا کو منتقل ہوا جو فلپ (منصف مزاج) کے بھائی چارلس کا فرزند تھا۔ اس تخت نشینی پر ایڈورڈ نے ازابلا کے بیٹے ہونے کی حیثیت سے کچھ حجت بھی

باب سوم

کی تھی مگر ۱۳۲۹ء اور ۱۳۳۱ء[1] میں گیس کنی اور پونتھیو کے خراج گزار امیر کی حیثیت سے دربار فرانس میں آداب بجالایا اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ اب اُسے کوئی اعتراض باقی نہ تھا۔

بایں ہمہ وہ صرف زبان ہی سے یہ نہ کہتا تھا کہ میرا دعویٰ سچا ہے، بلکہ یہ بالکل یقینی بات ہے کہ آغاز جنگ کے وقت اس نے انگریزی پارلیمنٹ کو سمجھا دیا تھا کہ اگر میں فرانس کا تخت نشین ہوا تو انگلستان کو بہت فائدہ پہنچے گا۔ اس کی غالباً کئی دلیلیں تھیں۔ ایک تو یہی خیال خاصی معقولیت رکھتا تھا کہ دونوں ملک مل کر ایک بادشاہ کے مصارف کو آسانی سے اٹھا سکیں گے۔ دوسرے لوگوں کو یاد تھا کہ رودبار انگلستان کے دونوں ساحل ایک ہی بادشاہ کے قبضے میں تھے تو انگریزی تجارت کو کیا کیا فروغ پہنچا تھا۔ انگریز سوداگر فرانسیسی قزاقوں کی بحری دست برد سے بہت جھلائے ہوئے تھے وہ بھی اس تجویز کے مؤید ہو گئے ہوں گے۔ اسی طرح اگر ایسا ہو تو امید تھی کہ فلیمنگی تاجران اُون جو اپنے حاکم اور خراج ستان (یعنی بادشاہِ فرانس) سے اس بارے میں ہمیشہ اختلاف رکھتے تھے، انگریز سوداگروں سے معاملہ کرلیں گے اور اُون کی حسب دلخواہ بکری کا اطمینان

[1] . ذیل کے شجرے سے مذکورۂ بالا شاہانِ فرانس کے رشتے معلوم ہوسکیں گے:۔



ہو جائے گا۔ اِدھر ملک میں خوشحالی اور لوگوں میں سپاہ گری کا جوش تھا جب سے صلیبی جنگ کا سلسلہ بند ہوا، اس وقت سے انگریزی نسل کے طبعی شوقِ کار نمائی پورا ہونے کی کوئی اور صورت ہی بجز اس کے نہ رہی کے کسی بیرونی ملک میں جنگ چھڑے۔ بہرحال، رعایا نے پورے جوش سے ایڈورڈ کی تائید کی اور اس کا اظہار پارلیمنٹ کی رقمی منظوری دینے سے ہوا جو مبارزین جاگیرداروں کے مال کے پندرھویں اور اہلِ شہر و کلیسا کے دسویں حصے پر مشتمل تھی اور ۱۳۳۶ء سے ۱۳۴۰ء یعنی پانچ سال تک ہر سال ادا ہونی قرار پائی تھی۔ اس کے علاوہ ۱۳۳۶ء کے لئے اون پر فی بورہ چالیس شلنگ تک اضافہ، اور ۱۳۳۸ء میں ملک کا پورا آدھا اون جس کی مقدار بیس ہزار بورے ہوتی تھی، بادشاہ کو دینا منظور ہوا تھا۔

انگریزی فوج

پارلیمنٹ کو تائید پر اتنا آمادہ دیکھکر ایڈورڈ کی ہمت اور بڑھی اور ۱۳۳۷ء میں اُس نے شاہِ فرانس کا لقب اختیار کرلیا اور ۱۳۳۸ء میں "امرا کی رضامندی اور عوام کی دلی استدعا سے" بزورِ شمشیر اپنا حق منوانے کی تیاری کی۔ پھر جاگیرداروں کی جمعیت، یا اپنی فوج بے قاعدہ پر بھروسہ کرنے کی بجائے اُس نے اجیر سپاہیوں سے اپنا لشکر مرتب کیا چنانچہ آئندہ معرکوں میں جو انگریز لڑے ان کی حیثیت حقیقت میں مطوّعین کی تھی جیسی کہ زمانۂ حال کی انگریزی فوج کی ہے۔ البتہ اتنا فرق تھا کہ یہ سپاہی کسی مقررہ مدّت کے واسطے (بلالحاظ جنگ و صلح) نہیں رکھے گئے تھے بلکہ صرف جنگ کے واسطے اُجرت پر نوکر تھے۔ واقع میں ایسی اجیر فوج جاگیرداروں کی جمعیتوں سے یا اضلاع کے وقت کے بھرتی کئے ہوئے سپاہیوں سے، جن کا شکسپیر نے اپنے ناٹک (ہنیری چہارم، جزو دوم) میں خاکا اُڑایا ہے کہیں بہتر و کارآمد ہوئی تھی کیوں کہ یہ سپاہی چن چن کے لئے جاتے اور یہ خوف کہ اگر نکال دئیے گئے تو پردیس میں کہاں مارے مارے پھریں گے، انھیں پوری طرح قابو میں رکھتا تھا۔ مل کر کام کرنے کے وہ بخوبی عادی ہوتے اور اُس زمانے میں پیادوں کی کاروائی کے لئے جو دہقانی مشقیں کافی سمجھی جاتیں ان میں ماہر ہوتے تھے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ اپنے اسلحہ سے کام لینے کی کامل مہارت رکھتے اور اتوار کے اتوار سہ پہر کو تیر اندازی نے ہر انگریز کسان کو

قادر انداز بنا دیا تھا۔ ۶ فٹ کی صنوبری کمان اور تین فٹ کا تیر جس کا سرا کان تک کھینچ کر چلاتے تھے، ڈھائی سو گز تک بخوبی مار کرتی تھی۔ رہی ڈھال تلوار کی مشق، تو یہ ہر شخص جسے مردانگی دکھانے کا جوش ہو، لازم سمجھتا تھا۔ سپاہی، سر والٹر مینی جیسے بڑے بڑے سرداروں میں سے کسی کے ماتحت ہوتے اور اسی کی وساطت سے بادشاہی احکام اور تنخواہیں انھیں دی جاتی تھیں، جس نے پوری فوج کو ایک نظام میں مربوط منضبط کر دیا تھا۔ دوسرے انگلستان میں فرق مراتب کا وہ خیال نسبتہً بہت کم تھا جس سے جاگیرداری فوجوں کی ہم آہنگی میں سخت خلل پڑتا تھا۔ ہیلی ڈن کی پہاڑی اور بے نک برن کے معرکوں میں یہ بات قطعی طور سے ثابت ہو گئی تھی کہ انگریزی سپاہ کی اصلی قوت اس کے تیر انداز ہیں اور یہ کہ سوار کتنے ہی جانباز ہوں، بغیر تیر اندازوں کی مدد کے کچھ نہیں کر سکتے۔ اس حقیقت کو سمجھ لینے سے ہر طبقے میں ایسا اتحاد و یکجائی پیدا ہوئی کہ اور کسی طرح نہ ہو سکتی تھی۔ انگریزی فوج میں معمولی زمیندار و امرا پہلو بہ پہلو پیادہ لڑتے تھے۔ سرداری کی شرط عموماً قابلیت تھی اور فرانسیسی محاربات کے نتائج جیسے کچھ بھی تکلیف دہ ہوں، ان میں ہماری (انگریز) قوم کی چند شاندار فتوحات کی یاد بھی شامل ہے جو محض امرا یا شرفا کا نہیں بلکہ ہر طبقے کے انگریز کا ورثہ ہے۔

ایڈورڈ کے حلیف

اتحادیوں کو بہم پہنچانے میں ایڈورڈ نے طبعاً فرانس کی سرحدی ریاستوں سے رشتۂ اتحاد جوڑنے کی فکر کی۔ شہنشاہ، بویریا کا لوئی اور ولیم والی ہے نولٹ اس کے نسبتی بھائی تھے۔ فلیمنگ قوم پر اُن دنوں مشہور شراب ساز جیمس فان آرٹ فیلڈ کا تسلط تھا اور اس کی دوستی ایسی ہی مفید تھی جیسی فرانس والوں کو اہل اسکاٹ لینڈ کی۔ ان لوگوں میں زر پاشی کے ذریعہ ایڈورڈ کو توقع تھی کہ ایک بڑی فوج سے فرانس کی شمالی مشرقی سرحد پر حملہ ہو سکے گا۔ اُدھر گیس کنی کی دفاع کا کام ہنیری امیر ڈاربی (خلف ہینری امیر لنکاسٹر) نے اپنے ذمے لے لیا تھا۔

۱۳۳۸ء میں ایڈورڈ جہاز میں فلینڈرس آ گیا اور اپنے حلیفوں سے ایفائے عہد کی استدعا کی۔ لیکن جواب بہت بے دلی کے ملے بعض نے تو

باب سوم

فرانس پر حملہ کرنے سے انکار کیا۔ بعض نے سرحد کے اندر زیادہ دور تک ساتھ دینے میں حجت نکالی۔ اور ایڈورڈ نے فلپ کو دو ٹوک مقابلے کے لئے ٹوکا اور ایک دن تک ایک گاؤں میں اس کے حملے کا انتظار بھی کرتا رہا مگر فلپ نے حملہ نہ کیا تو ایڈورڈ کو مفت میں تین لاکھ کا قرضہ سر لیکر، واپس ہٹنا پڑا۔ اسی زیر باری کے باعث اس نے دوبارہ اپنی رعایا کی حب وطن سے استعانت کی اور یہ درخواست بیکار نہ گئی بلکہ ۱۳۳۹ء میں جاگیرداروں نے دوبارہ دس میں سے ایک بھیڑ، دسویں دفعہ کی اون اور دسواں مُنتہا، اور عوام نے پورے تیس ہزار اون کے بورے دینے منظور کئے۔ البتہ اس کے عوض میں بادشاہ کو بھی مراعات کرنی پڑیں۔ محصول گزار خوب واقف تھے کہ بادشاہ کی حاجتمندی، ان کی قوت افزائی کا موجب ہے اور نیابتی حکومت کے اس اصول پر برابر قایم رہے کہ سربراہی سے پہلے شکایات کی رفعداد ہونی چاہیئے چنانچہ مذکورہ بالا منظوریاں اصلاحات کی خاص خاص اہم شرائط سے مشروط کی گئیں جن میں ایک یہ تھی کہ بادشاہ بغیر منظوری بٹائی کی رقم وصول نہ کر سکے گا اور یہ وہ رعایت تھی جس نے پہلے منشوروں کی ان قیود کو گویا مکمل کر دیا جو خود مختارانہ محاصل پر عائد کی گئی تھیں۔ دوسری دفعہ میں رسد رسانی کی شکایات دور کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا اور تیسری میں ایک قدیم جرمانے کی تنسیخ تھی جو اہل دیہات (صد) کو ہر خون کے عوض میں جس کا مجرم سزایاب نہ ہو، ادا کرنا پڑتا اور قریب قریب چالیس اشرفی ہوتا تھا۔

پارلیمنٹ کی قوت میں افزونی

جنگ کے علاوہ دوسرے اسباب بھی پارلیمنٹ کی قوت بڑھنے میں مدد و معاون ہوئے۔ ۱۳۲۲ء کے آئین یارک کی رو سے عوام نے پارلیمنٹ کے بحث و مشورے میں شریک کئے جانے کا حق پوری طرح تسلیم کرالیا تھا۔ ۱۳۳۱ء و ۱۳۳۲ء میں ہر دو گروہ کے سردار بطور خود جمع ہوئے اور انھوں نے ایڈورڈ کے فرانس کے ساتھ تنازعی اور مجوزہ صلیبی جنگ کے مسئلے پر غور و بحث کی معلوم ہوتا ہے اسی زمانے سے مبارزوں اور جاگیرداروں کی مجلسیں جدا ہونے لگیں اور ۱۳۴۱ء میں مبارزین کے اہل شہر و قصبات کے مبعوثین کے ساتھ جداگانہ اجلاس کرنے کی تحریری شہادت

باب سوم

محفوظ ہے۔ یہ نئی صورت بہت اہمیت رکھتی تھی۔ خاندانی اعتبار سے مبارزین کا مرتبہ وہی تھا جو اُمرا اور جاگیرداروں کا اور اکثر وہ انھی امیر گھرانوں کی اولاد اصغر ہوتے تھے۔ صاحب زمین ہونے کے لحاظ سے، اگرچہ ان کی ملکیت کم ہوتی تھی تاہم وہ معاملات پر اسی طرح نظر ڈالتے تھے جیسے جاگیردار۔ لیکن اب جو اہل شہر کے پہلو بہ پہلو بیٹھنے کا موقع ملا تو انھیں اس طبقے کے خیالات کی بھی واقفیت اور قدر ہوئی اور وہ تجارت پیشہ لوگوں کے ساتھ مل کر کام کرنے لگے۔ ایک صدی کے بعد اہل شہر اپنی نیابت کے واسطے اسی طبقے کے زمینداروں کو منتخب کرنے لگے اور دیہات و شہر کا فرق قریب قریب بالکل ہٹ گیا۔ اس ارتباط نے جو انگلستان کے سوا شکل سے کسی دوسرے ملک میں ہوگا، انگریزی پارلیمنٹ اور دوسرے ملکوں کی ملکی مجالس میں بھی ایک بڑا فرق پیدا کر دیا کہ وہاں تو اُمرا، اہل کلیسا اور عوام کی حدبندی قائم رہی اور بادشاہوں کو موقع حاصل رہا کہ ایک طبقے کو دوسرے سے لڑاتے رہیں جس میں درحقیقت سبھی کی تباہی مضمر تھی۔ لیکن انگلستان میں ایک شعبۂ مجلس تو اساقفہ، امرا اور جاگیرداروں سے مرتب ہوتا اور دوسرے میں مبارزین، پرگنہ، اور شہری و قصباتی نائب جمع ہوتے۔ ادنیٰ درجے کے پادریوں کے شامل نہ ہونے سے نیابت اور تناسب میں بے شبہ کمی رہی، پھر بھی انگریز بادشاہوں کے لڑانے کی مذکورہ بالا تدبیر سے محروم ہو گئے۔ دوسرے دارالعوام میں اسقفوں وغیرہ کے نہ ہونے سے اسے ایک خالص دنیاوی یا غیر کلیسائی حیثیت مل گئی اور وہ ان لوگوں کے خیالات کا ترجمان بن گیا جو ابھی سے لوگوں کے دل میں پادریوں کے ملکی عہدے حاصل کرنے کے خلاف پیدا ہو چلے تھے۔ دارالامرا میں جاگیرداروں کی تعداد اہل کلیسا سے کم تھی اور اکثریت کے مقابلے میں وہ اپنی بات نہ سوا سکتے تھے دوسرے جاگیرداروں اور دارالعوام کے زمیندار طبقے کے احساسات ایک تھے، لہذا جاگیردار، اہل کلیسا کے مقابلے میں دارالعوام کو بڑھانے لگے اور اپنے میں ایسے ہی لوگوں کو مبارز منتخب کرانے لگے جو ان کے آدمی ہوں اور مجموعی طور پر اس شعبے میں اپنے طرفداروں کی اکثریت کی انتہائی کوشش کرنے لگے۔

۱۳۲۹ء میں جو شرطیں پارلیمنٹ نے پیش کی تھیں، ان پر غور کرنے میں

باب سوم

دیر لگی اور روپے کی منظوری بھی اپریل ۱۳۴۰ء سے پہلے نہ دی گئی۔ لیکن بادشاہ نے ان مراعات کو قبول کر لیا تو عوام اور جاگیرداروں نے منظوری دینے میں اور بھی کشادہ دلی دکھائی اور پہلی رقم سے بڑھ کر روپیہ دیا۔ اُدھر شاہ فرانس نے اپنی جگہ پر بیٹھے رہ کر حریف کو تھکانے کی بجائے اب دوسری تدابیر اختیار کیں اور ایڈورڈ کو ساحل یورپ پر اترنے سے باز رکھنے کی تیاری کی۔ یعنی ساحل فلینڈرس کی بندرگاہ سلوئیس پر دو سو سے زیادہ کشتیوں کا بیڑا روانہ کر دیا۔

معرکۂ سلوئیس۔

ایڈورڈ نے عقلمندی سے اپنے روپے کا ایک حصہ بیڑے کی درستی میں صرف کیا تھا اور وہ جنوبی بندرگاہوں سے بہت طاقتور فوج مرتب کرنے میں کامیاب ہو گیا اور شمالی دستے کے پہنچنے کا انتظار کئے بغیر جون میں فلپ کے بیڑے پر حملہ کرنے آگے بڑھا۔ یہ بیڑا چار قطاروں میں اس طرح صف آرا تھا کہ کشتیاں ایک دوسری سے زنجیروں میں بندھی ہوئی تھیں کہ سمندر میں سب ساتھ ایک تختے کی طرح تیریں اور ان کے سپاہی اس طرح لڑ سکیں جیسے خشکی میں لڑتے ہیں۔ اس بیڑے سے لڑنے کا ایڈورڈ نے ایک نادر طریقہ ایجاد کیا کہ اپنے بیڑے کو تین تین کشتیوں میں تقسیم کیا اور ہر تین کشتی کے دستے میں ادِھر اُدھر تیرانداز اور بیچ کی کشتی میں سپاہی رکھے اور سہ پہر تک ٹھیر کر، جب آفتاب پشت کی طرف آگیا تو فرانسیسی قطاروں پر تیزی سے بڑھ کر حملہ کیا۔ اُس کی جدّت طرازی کی بدولت بڑی بھاری کامیابی حاصل ہوی۔ تیراندازوں نے حریف کے عرشوں کو خالی کرا لیا اور سپاہیوں کے فرانسیسی کشتیوں پر چڑھ جانے سے فتح کی تکمیل ہو گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں پہلی قطار کی سب کشتیاں انگریز سپاہیوں کے قبضے میں تھیں۔ اسی وقت شمالی دستہ بھی مدد کو آپہنچا اور دوبارہ آگے بڑھنے کی تیاری ہونے لگی۔ یہ دیکھکر فرانسیسی سخت خوفزدہ ہوئے اور دوسری اور تیسری قطار والے کشتیوں پر سے کود گئے۔ چوتھی قطار کی ساٹھ کشتیاں جم کر لڑیں اور بعض رات کے اندھیرے میں بچ کر بھی نکل گئیں۔ اس فتح کے فوری اثرات نہایت اہم ہوئے۔ فرانس کی ہر بندرگاہ ایڈورڈ کے لئے کھل گئی اور گو ۱۳۵۰ء میں اُسے ہسپانیہ کے قزاقی بیڑے سے سخت کشاکش کرنی پڑی لیکن تقریباً تیس برس تک سمندروں پر[1]

[1] ۔ فاضل مصنف کا مطلب غالباً انگلستان کے قریبی سمندر سے ہے۔ لیکن شاید وطن کی شوکت نمائی کے

انگلستان کا تسلط ہوگیا۔

اس کامیابی سے پھول کر ایڈورڈ نے ٹور نے کا محاصرہ کیا مگر فلپ کے طرز جنگ نے یہاں پھر اُسے ناکام رکھا۔ ٹورنے کے قلعے میں ایک طاقتور دستہ متعین تھا۔ اور خود فلپ بڑی بھاری فوج لیکر اس پاس منڈلانے لگا کہ انگریزوں کی ہر لغزش سے فائدہ اٹھائے مگر بچانے ہوئے تھا کہ برابر کی لڑائی ہرگز نہ لڑے گا محاصرے کی طوالت سے ایڈورڈ کا سامان رسد ختم ہوگیا اور جاڑوں کے آنے پر وہ مجبور ہوا کہ محاصرہ اُٹھالے۔

اسٹریٹ فرڈ خاندان سے جھگڑا

اس ناکامی سے جھلّا کر ایڈورڈ نے یہ نادانی کی کہ جلد بازی سے اسٹریٹ فرڈ خاندان کے ساتھ (جو دس سال سے اس کے وفادار ملازم تھے) اپنے آپ کو جھگڑے میں پھنسا لیا۔ دوسرے شاہی وزیروں کی طرح جو جاگیرداروں کے طبقے سے نہ ہوں اِن کے بھی بعض ہیر دشمن تھے۔ غالباً صدر اُسقف نے جو روز افزوں بداخلاقی کی، دلیری سے مخالفت کی تو یہ اُمرا اسٹریٹ فرڈ (کلاں) سے اور بھی ناراض ہو گئے۔ مزید برآں اہل کلیسا عہدوں کے گویا اجارہ دار بنے ہوئے تھے اس سے بھی ناخوشی بڑھتی جاتی تھی۔ اسٹریٹ فرڈ، نیکا سٹر کی قدیم جماعت کا سرکاری نمایندہ تھا اس لئے بھی اورلٹن اور لنکن کا اسقف برگرش جو امیر اڈلز میر کا بھتیجا تھا، اس کے حریف ہو گئے خود ایڈورڈ کو سامان رسد کے دیر سے پہنچنے کا غصہ تھا، غرض اسٹریٹ فرڈ کے مخالفوں کی بدگوئی کار آسانی اس پر اثر ہونے لگا نومبر میں وہ بلا اطلاع لندن پہنچا اور دوسرے ہی دن روبرٹ اسٹریٹ فرڈ کو وزارت سے اور متعدد دوسرے عہدہ داروں کو برطرف کردیا بلکہ چند تاجروں کو جن میں ولیم ڈی لا پول بھی تھا، قید میں ڈال دیا۔ پھر ایک غیر کلیسائی آدمی روبرٹ بورشئے کو بیکار اور سر روبرٹ پارننگ کو خزانہ دار مقرر کیا۔

صدر اسقف دا سٹریٹ فرڈ طوفان سے پہلے ہی بچکر کینٹربری میں پناہ گزین ہوگیا تھا اور ایڈورڈ نے طلب کیا تو اس نے بادشاہ کے ہاتھ میں پڑنے سے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: جوش میں وہ ایسے الفاظ لکھتے ہیں دریغ نہیں کرتا جن سے غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے۔

انکار کر دیا۔ بعض اعتبار سے یہ جھگڑا اسٹیفن اور روجر (اسقف سالسبری) کے جھگڑے کی یاد دلاتا تھا لیکن در اصل ان میں بڑا فرق ہے اور اگر اسٹریٹ فرڈ اپنے کلیسائی عہدے پر بھروسہ کرتا تو گویا ایک ٹوٹے ہوئے نرسل کا سہارا لیتا۔ لیکن فوج و قلعہ کا آسرا ڈھونڈنے کی بجائے اس نے انگریزی قوم کے حسن ظن پر حصر کیا اور ٹامس (صدر اسقف کنٹربری) یا روجر مذکور دونوں سے بڑھ کر مستحکم پشت پناہ حاصل کی۔ اُس نے اصرار کیا کہ ایڈورڈ نے خلاف قانون گرفتاریاں کیں اور میں بھری پارلیمنٹ کے سوا اور کہیں بادشاہ کے سامنے نہ جاوں گا۔ ادھر ایڈورڈ کا قول تھا کہ اسٹریٹ فرڈ نے روپیہ برباد کیا اور اسی لئے ہمیں ناکامی نصیب ہوئی۔ القصہ اپریل ۱۳۴۱ء میں پارلیمنٹ منعقد ہوی اور وہاں صدر اسقف آیا تو اسے حکم ملا کہ مالگزاری کی کچہری میں حاضر ہو۔ اس نے مطالبہ کیا کہ برابر والے اس کی سماعت کریں لیکن جب بارہ امرا کی ایک ذیلی مجلس میں یہ مقدمہ بھیجا گیا تو انھوں نے اطلاع دی کہ اس کی سماعت قانوناً صرف پوری پارلیمنٹ، ہم مرتبہ اشخاص کی موجودگی میں کر سکتی ہے اور کسی دوسرے کو یہ حق نہیں۔ اس فیصلے سے ظاہر ہو گیا کہ اسٹریٹ فرڈ کو پارلیمنٹ کی حمایت حاصل ہے اور ایڈورڈ نے بھی عقلمندی کی کہ دب گیا۔

مزید مراعات

یہ فتح اسٹریٹ فرڈ کی دلاوری اور مستقل مزاجی کی بدولت حاصل ہوی مگر۔ عوام اور امرا نے اس پر قناعت نہ کی بلکہ مزید روپیہ دینے کے عوض میں مزید مراعات طلب کرنے لگے۔ ایڈورڈ کو مجبوراً پھر دبنا پڑا اور اس کی آئینی مراعات میں تین ضابطے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک تو یہ کہ ملک کے حسابات کی تنقیح وہ مشرف یا تنقیح ساز کیا کریں جنھیں پارلیمنٹ منتخب کرے۔ دوسرے صدر مالگزاری اور دوسرے بڑے وزرا کا تقرر بادشاہ اور امرا کے مشورے سے ہو اور وہ پارلیمنٹ کے روبرو قانون کی پابندی کا حلف اٹھائیں۔ تیسرے ہر پارلیمنٹ کے انعقاد پر وزرا استعفا بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیں اور ان کے خلاف جو شکایتیں ہوں ان کی جواب دہی کریں۔ ان میں سے پہلے ضابطے نے پارلیمنٹ کو خزانے پر اور زیادہ نگرانی دلاوی کیوں کہ اب نہ صرف روپیہ دینا بلکہ یہ دریافت کرنا بھی کہ وہ کس طرح خرچ ہوا، اُس کے اختیار میں آگیا۔ دوسرے اور تیسرے

باب سوم

ضابطے میں یہ اصول مضمر تھا کہ پارلیمنٹ کو وزرا کے تقرر میں دخل ہے اور یہ کہ وہ اپنے کاموں کے متعلق بھی اسی کے سامنے جواب دہ ہیں۔ یہی وہ اصول ہیں (اگرچہ ناتراشیدہ ابتدائی حالت میں) جن پر موجودہ آئین نظم ونسق مبنی ہے۔ اگر وہ قائم رکھے جاتے تو چودھویں صدی ہی کی مجلس دستوری میں نیابتی حکومت کے وہ سب لوازم تیار ہو جاتے جو تین صدی بعد وجود میں آئے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اتنی تیز ترقی تھی کہ اس کو نباہنا دشوار تھا۔ روپیہ وصول کرنے کے بعد اسی اکتوبر میں ایڈورڈ نے ان سب کو منسوخ کرنے کی جرأت کی اور آیندہ پارلیمنٹ میں کسی نے اس سے تعرض تک نہیں کیا۔ البتہ ان کے چند روزہ نفاذ سے بھی یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ انگریز اہل الرائے کے سیاسی مقاصد کب سے اور کس قدر یکساں رہے ہیں اور ایڈورڈ ثالث کے عہد میں پارلیمنٹ کتنی قوی ہو گئی تھی۔

سنہ ۱۳۴۰ء کی ناکام مہم کے بعد کئی سال تک فرانس کی جنگ سسکتی رہی۔ پاپاؤں کی تعریف کرنی چاہیئے کہ یکے بعد دیگرے اُن کی طرف سے سخت کوشش ہوتی رہی کہ گیس کنی کی آزادانہ حکومت ایڈورڈ کو دلوا کے اُس سے دعوئ تخت سے دست برداری اور باہم مصالحت کرادی جائے۔ اس سلسلے میں انھوں نے طویل ہنگامی صلح بھی کئی بار کرائی لیکن فریقین کے دل میں ایک دوسرے سے شبہات تھے اس لئے کوئی قطعی اور حتمی صلح نہ ہونے پائی۔ ادہر برٹینی کے امیر نے وفات پائی اور اس کے بھائی جان اور بھتیجی جین میں وراثت کا جھگڑا ہوا جس نے جنگ کا ایک تازہ میدان بہم پہنچا دیا۔ ایڈورڈ نے طرفہ بے اصولی دکھائی کہ جان کا ساتھ دیا بجالیکہ فلپ نے جین کی حمایت کا بیڑا اٹھایا تو اس کا منطقی استدلال یہ تھا کہ ریاست اور بادشاہی کے قانون وراثت میں فرق ہوتا ہے۔ بہرحال خانہ جنگی میں ادھر سے انگلستان اور ادھر سے فرانس کے سپاہی مدد کرتے رہے۔ ایڈورڈ اپنے شمالی حلیفوں سے بیزار ہو چکا تھا۔ لوئی شہنشاہ بویریہ نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ جیمس فان ارٹ فیلڈ نے گاں کے شہریوں کو مشورہ دیا کہ ایڈورڈ کے بیٹے ایڈورڈ کو اپنا امیر بنالیں جس کے جواب میں انھوں نے اُسے قتل کر ڈالا (سنہ ۱۳۴۵ء) تیسرے حریف ہینولٹ سے کچھ بہت توقع نہ ہو سکتی تھی پس ایڈورڈ نے ارادہ کرلیا کہ فرانس پر ایک نئے پہلو سے حملہ کیا جائے۔

باب سوم

نارمنڈی پر حملہ

فلیمنگی سرحد پر لڑائی ختم ہو جانے سے فلپ کو جنوب میں فوجیں جمع کرنے اور گیس کنی کی انگریزی چھاونی پر دباؤ ڈالنے کا موقع ملا تھا لیکن امیر ڈاربی بہت سلیقے سے اپنا بچاؤ کرتا رہا اور متعدد روپہ روشن پر فرانسیسیوں کی کثیر تر فوج پر نمایاں فتح بھی حاصل کی تھی نظر برایں ۱۳۴۶ء میں فلپ نے ایک لاکھ آدمی کے زبردست لشکر سے اس کی سرکوبی کا ارادہ کیا۔ تب ایڈورڈ نے توجہ ہٹانے کی غرض سے رودبار پار ہو کر نارمنڈی میں فوج اُتاری اور کاٹن سے رواَن پر پیش قدمی کی کہ سین کو عبور کر کے فلیمنگی فوج سے جا ملے جو فرانس کے شمال مشرق میں تاخت تاراج کر رہے تھے۔ مگر پل پر ایک مضبوط فوج سامنے اور دوسرے کنارے پر خود فلپ کا لشکر مقابل ملا۔ رواَن سے جب ناکام و خاسر وہ واپس ہوا تو دریا کے کنارے کنارے مانٹ اور ورنون کو آگ لگاتا گیا مگر کوئی دریا گھاٹ ایسا نہ ملا جہاں فرانسیسی پاسبان نہ موجود ہوں۔ فلپ دوسرے کنارے سے اس کے پیچھے پیچھے آرہا تھا اور گیس کنی یا جہازوں میں واپس چلے جانے کے سوا بظاہر ایڈورڈ کے لئے کوئی راستہ نہ تھا کہ اتنے میں پیرس کی طرف جانے کے بہلاوے نے فلپ کو جلد سے جلد پیرس جانے پر آمادہ کیا اور ایڈورڈ کو موقع مل گیا کہ جلدی سے پلٹ کر پواسی کے پل پر قبضہ کرلے جو پیرس سے چند میل شمال میں واقع ہے اور قبل اس کے کہ غنیم خبردار ہو اپنی فوج دوسری طرف اُتار لائے۔ (دیکھو صفحہ ۳۱۷)۔

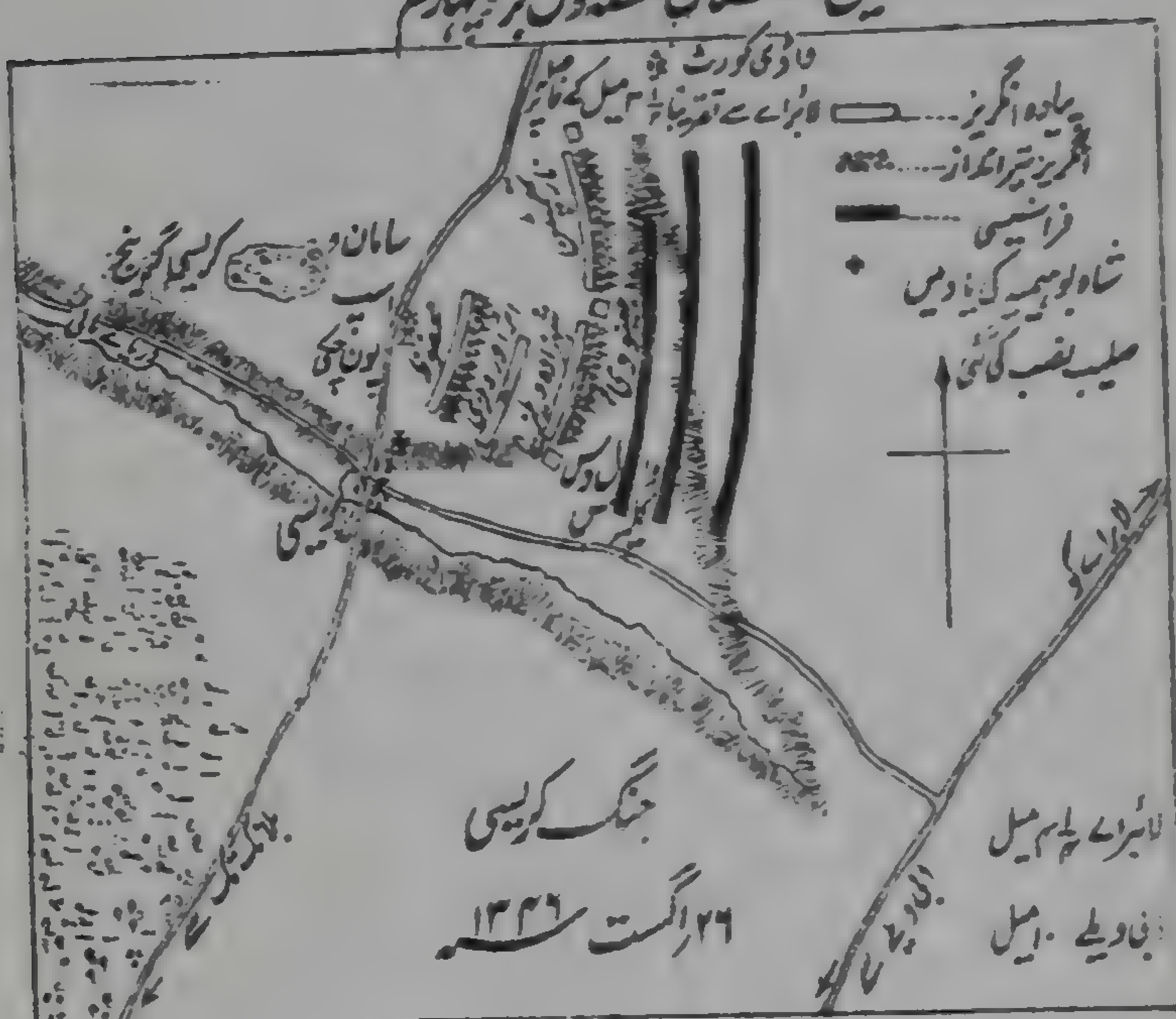
پواسی سے ایڈورڈ پوری سرعت کے ساتھ فلیمنگی سرحد کی طرف روانہ ہوا۔ فرانسیسی بھی تعقب میں دبائے چلے آتے تھے اور آگے چل کے ایڈورڈ کے راستے میں سوم ندی حائل تھی جو دلدلی زمین میں آہستہ آہستہ اور گہری بہتی ہے اور چند مقامات کے سوا اس سے عبور کرنا محال ہے۔ ان مقامات پر غنیم کے دستے موجود تھے لہذا ایڈورڈ سمندر اور ندی کے درمیان ایک مثلث میں گھر گیا۔ بچنے کی کوئی راہ نہ سوجھتی تھی جب کہ کسی کسان نے لالچ اور دھمکیوں کے زور سے ایک سفید پتھر کا راستہ دکھا دیا جہاں ندی دہانے کے قریب پایاب گزرتی تھی۔ یہاں پہنچے تو اس معبر کو بھی فرانسیسی سواروں کا ایک طاقتور دستہ روکے ہوئے تھا لیکن انگریز جان سے ہاتھ دھو کے لڑے اور لڑتے بھڑتے پار ہو گئے

باب سوم

اور فلپ اُس وقت وہاں پہنچا جب کہ سمندر کے بڑھتے ہوئے مدّ نے تعقب کو ناممکن کر دیا۔ دشمن کے اس طرح ہاتھ سے نکل جانے پر وہ بہت چراغ پا ہوا اور آب ویل کی طرف ہٹا اور اُدھر ایڈورڈ موضع کریسی میں پہنچ کر تھم گیا اور لڑائی لڑنے کی ٹھان لی۔ یہ چھوٹا سا گاؤں خود اُس کی موروثی جاگیر پونتھیو میں واقع تھا۔

کریسی

عجب نہیں کہ اس موقع نے ایڈورڈ کو ہیلیڈن پہاڑی کا معرکہ یاد دلایا ہو جہاں تیر اندازوں نے اسی قسم کی سوار فوج کو جیسی اب خود اس پر حملہ کرنے والی تھی شکست دی تھی۔ کریسی کے عقب میں ایک ٹیکرے کی پون چکی سے لے کر تین جانب تقریباً ۲۰۰ سو گز تک ڈھلان چلا گیا ہے اور وہ پون چکی آج بھی اس مقام جنگ کی یادگار موجود ہے۔ تیر اندازوں کے لئے ایسی ڈھلان سے بہتر موقع نہ ہو سکتا تھا کیونکہ اوپر سے اوّل تو پچھلی صفیں بھی غنیم کو دیکھ سکتی تھیں دوسرے دشمن کے سواروں کا بلندی پر چڑھنا بجائے خود ایک دشوار بات تھی الغرض ۲۵ اگست کی شام کو ایڈورڈ نے اسی جگہ قیام کیا اور دوسرے دن لڑنے کی تیاریاں کیں۔ آرام لینے سے انگریزی فوج تازہ دم ہو گئی اور بہتر طریق پر آیندہ لڑائی کی تیاریاں کر سکی ٹیکرے پر جو سپاہی تھے انھیں ایڈورڈ نے تین حصوں میں اس طرح صف آرا کیا کہ روشنی منہ پر نہ پڑے اور ہر حصۂ فوج میں تیر انداز اور سپاہی ملا جُلا کے استادہ کئے۔ یہ سب پیادہ تھے اور تیر اندازوں کی صفیں آگے، اس ترتیب سے تھیں جیسے مینڈے کے خار ہوتے ہیں کہ پچھلی صف کے ہر جوان تک کے سامنے کی جگہ خالی تھی اور وہ بے تکلف سیدھ میں تیر چلا سکتا تھا۔ تیر اندازوں کے عقب میں برچھی، اور ڈھال تلوار سے مسلح اور زرہ پوش سپاہی تھے۔ پہلے حصّہ فوج کی قیادت ولی عہد انگلستان کے ہاتھ میں تھی جو اب پندرہ سال کا لڑکا تھا۔ امیران وارک و آکسفرڈ اس کے مددگار تھے اور یہ دستہ دائیں طرف تھا۔ اس کے پیچھے ویلزی اور آئرستانی پیادے چھروں سے مسلح تھے۔ بائیں جانب اور ذرا پیچھے ہٹا ہوا دستہ امیر نارتھمپٹن کے تحت میں اور تیسرا بطریق ردیف، خود ایڈورڈ کے زیر قیادت تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کل فوج چار ہزار زرہ پوش اور بارہ ہزار تیر اندازوں پر مشتمل تھی۔ لیکن ویلز و آئرستان کے سپاہی اور تیر اندازوں کا ایک دستہ جسے گھوڑوں اور سامان کی حفاظت کے لئے بھیجا گیا تھا۔ ان میں شامل نہیں۔



مقابل صفحہ ۲۳۱

باب سوم

اس مختصر مگر نہایت مرتب و مستعد جمعیت میں انگریز زمیندار، شرفا اور اُمرا پہلو بہ پہلو صف آرا تھے اور اس اتحادِ احساس کا جلوہ نظر آتا تھا جو قومی طاقت کی اصلی بنیاد ہے۔ اس کے مقابلے میں فلپ کا لشکر گو تعداد میں کہیں زیادہ تھا، لیکن ساتھ ہی اُس ابتری کا پورا مرقع تھا، جس میں ملک فرانس مبتلا تھا۔ لڑنے والوں کی زیادہ تعداد جاگیرداروں اور خراج گزاروں کے دستوں پر مشتمل تھی جو اونچے اونچے گھوڑوں پر سوار تھے۔ وسطی طبقوں کی عدم موجودگی نمایاں تھی اور دیسی پیادوں میں وہ نیم غلام رعیت کے لوگ تھے جنھیں زبردستی پکڑ بلایا تھا اور ان کی سب سے صریح کمزوری کی تلافی کے لئے پندرہ ہزار جنووی کج کمان ساتھ لگا دئے تھے۔ فلپ میدان کی لڑائیوں سے بچتا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ ایک دن لڑائی اور ملتوی کر دی جائے لیکن سپاہیوں کو فتح کا کامل یقین تھا اور انہی کے بے قابو ہو جانے سے دور اندیشی وغیرہ سب دھری رہ گئی۔

حملے کا آغاز جنووی کج کمانوں نے کیا لیکن بارش کے ایک تیز چھینٹے نے ان کی ڈوریاں نم کر دی تھیں اور اُن کے خدنگ کم طاقت اور ناکارگر نکلے۔ اس کے برخلاف انگریزوں کے لئے بارش نئی چیز نہ تھی اور وہ آخر تک اپنی ڈوریاں کپڑے کے نیچے چھپائے رہے تھے لہٰذا ان کے تیر پوری قوت سے اور ٹھیک نشانے پر بیٹھے اور اس بوچھار نے جنووی دستے کو پیچھے ہٹا دیا جس پر فرانسیسی شہسوار اتنے جھلّائے کہ ان غریب بھاگنے والوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا۔ اب اصلی میدان کارزار گرم ہوا۔ سے لیڈن کی طرح یہاں بھی سواروں کو ٹیکرے پر چڑھنے میں دقت پیش آئی اُدھر سے انگریزی تیروں نے بے قابو گھوڑوں اور اُفتادہ سواروں سے راستہ پاٹ دیا اور ان گرے ہوئے سواروں میں ویلزی اور ایرستانی سپاہیوں نے اپنے لمبے چھروں سے پورا قصائیوں کا کام کیا۔ بالآخر محض تعداد کے زور سے فرانسیسی سوار انگریزوں تک پہنچ گئے مگر پہلے اور دوسرے دستے نے وہ پامردی دکھائی کہ ایڈورڈ کو جو پون چکی سے سارے میدان جنگ کو دیکھ رہا تھا ریف کے لڑانے کی ضرورت ہی نہ پڑی۔ شاہ فرانس کے بھلا ئیرالان سال کی جان مفت گئی، بوہمیہ کے بوڑھے، نابینا بادشاہ نے جو فلپ کی طرف سے

باب سوم

لڑنے آیا تھا، میداں میں اپنا گھوڑا ڈالا کہ ایک ہاتھ تو انگریزوں پر خود چلا سکے مگر کچھ فائدہ نہ ہوا اور سورج غروب ہونے تک انگریزی صفیں نہ ٹوٹ سکیں بجالیکہ فرانسیسی خستہ اور بے بہرے رہ جانے سے کمال بے ترتیبی کی حالت میں تھے۔ فلپ زخمی ہو کے لابروا اور وہاں سے امیاں بھاگ گیا۔ دوسرے دن گہری کہر نے فرانسیسیوں کو دوبارہ جمع ہونے یا دشمن کو دیکھنے ہی کی مہلت نہ دی اور بھولے بھٹکے آدمی اتنے مارے گئے کہ خود لڑائی میں اتنے کام نہ آئے تھے۔ مجموعی طور پر گیارہ امیر اور بارہ سو شہسوار سردار مارے گئے اور معمولی رتبے کے تیس ہزار مقتولوں کا اندازہ کیا گیا ہے۔ اس معرکے میں ناموری کا سہرا شہزادہ ولی عہد کے سر بندھا اور اس نے شاہ بوہیمیہ کی توقیع "اِچ دِیان" (یعنی میں خدمت کرتا ہوں) خود اختیار کر لی لیکن حق یہ ہے کہ فتح میں اصلی تعریف کے مستحق تھے تو تیر انداز تھے۔

محاصرۂ کالے

کریسی سے ایڈورڈ کالے روانہ ہوا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ مختلف اسباب سے کالے کی خاص قدر و قیمت تھی۔ اس پر قبضہ ہو جانے سے فرانس و فلینڈرس دونوں کے متصل ایک باموقع لنگر گاہ ہاتھ آجاتی۔ وہ تجارت کی بڑی منڈی بن سکتا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہاں کے اُن بحری قزاقوں کی بخوبی بیخ کنی کی جاسکتی تھی جو مدت سے روبار کی تجارت کے حق میں بلائے جان بنے ہوئے تھے۔ مگر کالے کا بالاحصار مضبوط اور گرد کی دلدلوں میں صرف چند گذر گاہیں تھیں جاڑا سر پر آگیا لہذا ایڈورڈ نے باقاعدہ محاصرے کی کھکیڑ جس میں اتلافِ جان کا بھی قوی احتمال تھا، مول نہ لی بلکہ اپنے سپاہیوں کو آرام کے مقامات میں ٹھیرایا اور شہر کا سارا آذوقہ خالی کر کے انتظار کرنے لگا کہ خوراک کی نامیسری اپنا کام کرے۔ اس کارروائی سے لڑنے والوں کی بجائے زیادہ مصیبت بدنصیب شہر والوں کے حصے میں آئی اور جنگ کے خوفناک شدائد میں یہ گویا تازہ اضافہ ہو گیا۔

اسکوٹی حملہ

فلپ کو ابتدا میں امید تھی کہ شاید اسکوٹی حلیف انگلستان پر کوئی حملہ کر دیں تو ایڈورڈ کو واپس جائے بغیر چارہ نہ رہے گا۔ اس کی درخواست پر ڈیوڈ نے نیم مسلح سواروں کی ایک بڑی فوج سے سرحد کو عبور بھی کیا

اور ڈرہم کی اُسقفی میں ہیکزم تک بڑھ آیا۔ اس کے مقابلے کی غرض سے ملکہ فلپّا کے حکم سے صدر اسقف یارک اور امیران ہنیری پرسی و رالف نویل کی سرداری میں ایک اور انگریزی فوج مرتب ہوئی اور حملہ آوروں کو ۱۷ اکتوبر کے دن نویلز کراس کے میدان میں لڑنا پڑا۔ اُن کی یورش میں احاطے اور کھیتی کی باڑیں حائل تھیں اور وہ ان میں اٹکے تو انگریز تیر اندازوں کا بہ آسانی نشانہ بن گئے۔ پھر اُن کی صفوں میں ہل چل پڑی تو انگریزوں نے ہلّہ بول دیا اور اس زور سے ٹوٹ کر گرے کہ آناً فاناً اسکوٹی بازو تہ و بالا ہو گئے۔ البتہ قلب لشکر میں ڈیوڈ کمال دلیری سے جما لڑتا رہا حتیٰ کہ چہرے پر تیر کا زخم کھا کے مُنہ کے بل گر پڑا اور نارتھمبر لینڈ کے ایک صاحب کوپ لینڈ نے اُسے اسیر کر لیا۔ اسکوٹی فوج شکست کھا کر نہایت بے ترتیبی سے بھاگ کھڑی ہوی۔

نویلز کراس کی فتح اور اسکاٹ لینڈ کے بادشاہ کی گرفتاری نے اس طرف سے ایڈورڈ کو بالکل مطمئن کر دیا اور کالے کے محلے کو مدد دینے کے لئے فلپ نے جو بیڑا بھیجا تھا، اسے بھی انگریزی بحریوں نے مار بھگایا۔ جاڑے بھر اہل قلعہ محاصرے کی مصیبت میں گرفتار رہے موسم بہار میں فلپ انھیں چھڑانے کی غرض سے ایک تازہ فوج بھرتی کر کے آگے بڑھا مگر انگریزی فوجیں اس خوبی سے صف آرا اور ان کے مورچے ایسے مضبوط تھے کہ حملہ کرنے میں کامیابی کا کوئی قرینہ نظر نہ آتا تھا اور گو ایڈورڈ ذرا سخت کے جوش میں آ کے میدان میں بھی نکل آیا کہ ہمت ہو تو فلپ دو بدو مقابلہ کرے، مگر فلپ نے انگریزی تیر بازی کا دوبارہ مزا چکھنے کی بجائے پسپائی کی ذلت گوارا کرنا زیادہ پسند کیا اور جب بادشاہ ہی نے دغا دی اور سامان رسد بھی ختم ہو گیا تو قلعے کی فوج کو بلا شرط ہتھیار ڈال دینے کے سوا اور کوئی سبیل نظر نہ آئی۔ ۴ اگست کو کالے نے اطاعت قبول کر لی۔ ایڈورڈ اہل شہر کو بحری قزاقی کی سزا دینے پر کچھ آمادہ سا دکھا رہا تھا مگر ملکہ فلپّا نے رعایت و نرمی کا مشورہ دیا تو اس کی پاس خاطر سے " بہ مراحم خسروانہ" معافی عطا کی۔ البتہ جن باشندوں نے اطاعت کا حلف اٹھانے سے انکار کیا اُن سب کو شہر سے نکال کر ان کی بجائے انگلستان کے لوگ بسا دئے کیوں کہ وہ اس شہر کو کسی حال میں چھوڑنا نہ چاہتا تھا۔ پھر شہر کی خوشحالی

کے لئے عام ضرورت کی اشیا، یعنی ٹین، کپڑے وغیرہ کی ایک بڑی منڈی یہاں قایم کی اور یوں بھی انگلستان اور ممالک برّ اعظم کے درمیان تجارت کی سب سے بڑی گزرگاہ بن جانے سے کالے اپنے انگریز بادشاہوں کی حکومت کے زمانے میں مدت تک بہت بارونق رہا۔ اس کے فصیل و دمدمے بھی ایسے اچھے بنا دئے گئے کہ ناقابلِ تسخیر ہو جائیں اور قلعے میں ایک بڑی فوج متعین کر دی۔

گیس کنی کی لڑائیاں

شمال کی اس فتح کے ساتھ گیس کنی کی لڑائیوں میں بھی انگریزوں نے دلیری کے خوب جوہر دکھائے اگرچہ یہ معرکے ایسے اہم نہیں جیسے قلعۂ کالے کی تسخیر تھی۔ تاہم۔ اس علاقے میں ضلع نے اپنی بہترین فوج روانہ کی تھی اور جون ۱۳۴۶ء کی گرمیوں میں خود اس کا بڑا بیٹا جان (امیر کبیر نارمنڈی) ۵۰ ہزار پیادہ اور ۲ ہزار سوار کی بہت عمدہ سپاہ لیکر اس ریاست میں داخل ہو گیا تھا۔ وہ آلاتِ قلعہ شکن کی کافی و وافی تعداد ساتھ لایا تھا جن کی مار نے بہت جلد گیس کنی کے قلعوں کو مفتوح کر لیا اور آخر حملہ آوروں کی فاتحانہ پیش قدمی رکی تو ایگویوں کے قلعے پر جس کی مدافعت سروالٹر منی کے ہاتھ میں تھی۔ یہ بہادر سردار اور اس کے سرفروش سپاہی مئی سے اگست تک غنیم کی سب یورشیں روکتے رہے اب ان کا آذوقہ قریب الختم پہنچ گیا تھا کہ جنگ کریسی کی خبر سن کر جان اپنے باپ کی مدد کے لئے ہٹا اور انگریزوں نے امیر ڈاربی کی سرداری میں بڑے شد و مد سے خود اقدام شروع کیا اور نہ صرف گیس کنی کو خالی کرا لیا بلکہ پو آتیئے کے مالدار شہر کو بھی لوٹ لیا۔ ڈاربی کو لینکاسٹر کی ریاست ۱۳۴۵ء میں مل چکی تھی۔ ان تازہ خدمات کے صلے میں ڈیوک یا امیر کبیر کا خطاب عطا ہوا (۱۳۵۱ء) یہ خطاب چند ہی سال قبل انگلستان میں رائج ہوا تھا جب کہ ایڈورڈ کے بڑے بیٹے کو ۱۳۳۷ء میں کارنوال کا امیر کبیر بنایا گیا تھا

محاربۂ فرانس کا پہلا حصہ تسخیر کالے پر ختم ہوتا ہے۔ تختِ فرانس پر ایڈورڈ کے قبضہ ہو جانے کی تو کوئی صورت نہیں نکلی البتہ شہر کالے ہاتھ آگیا۔ لوٹ کا مال بھی اچھی خاصی مقدار میں انگلستان لایا گیا اور وطنی تاریخ کی یادگار دل فتح کریسی کے کارنامے سے چار چاند لگ گئے۔ دوسرے پہلو پر نظر ڈالئے تو جنگ و غارتگری سے اخلاق پر برا اثر ضرور پڑا لوٹ مار کا مال بیدردی سے خرچ کرنے کے باعث، خیال

باب سوم

کیا جاتا ہے کہ پُرعیش زندگی کا معیار مستقل طور پر اونچا ہو گیا۔ سپہگری نے غیر معمولی امتیاز پالیا اور دوسرے مفید تر پیشے اور مشاغل جن میں یہ شوکت نمائی نہ تھی کس مپرسی میں پڑے رہ گئے۔ اور آخری بات یہ کہ غارتگری اور سفّاکی کی جو عادتیں اِن پیس کی جنگ میں پڑی تھیں، وہ آسانی سے دُور نہ ہوئیں بلکہ اہلِ ملک کی طبائع میں انھوں نے دُرشتی پیدا کر دی۔

"مرگِ سیاہ"

لیکن وقت کے وقت تو ایک نووارد اور خوفناک بلا کے آجانے سے لوگ لڑائی بھڑائی سب بھول گئے۔ یہ وبائے طاعون تھی جسے "مرگ سیاہ" سے موسوم کرتے تھے۔ اس کے دو حملے چند سال کے بعد پھر ہوئے مگر پہلی دفعہ ۱۳۴۹ء میں اس کا نزول ہوا کم سے کم اسی حملے کے حالات زیادہ صحت کے ساتھ محفوظ رہے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ اس وبا کا آغاز ۱۳۳۴ء میں چین سے ہوا اور آہستہ آہستہ یورپ تک پہنچی اور راستے میں جس ملک سے گزری، اُسے تباہ و برباد کر گئی۔ تجارت کے عام راستوں سے ہوتی ہوئی وہ ۱۳۴۷ء میں قسطنطنیہ اور قبرس پہنچی جنوری ۱۳۴۸ء میں آوی نیوں میں ظہور کیا۔ اپریل میں فلورنس آئی اور اگست میں ڈورسٹ شر میں پہلا مریض اس میں مبتلا ہوا۔ اسی علاقے کی بندرگاہوں سے وہ برسٹل، پھر اکسفرڈ، وہاں سے لندن اور نارچ اور آگے چل کے تمام شمالی اضلاع میں پھیل گئی۔ سرحدی علاقے ویران پڑے تھے اس لئے کچھ عرصے تک وہ اور آگے نہ بڑھ سکی اور اسکاٹ لینڈ والوں نے اپنے دشمنوں کے اس طرح بے موت مرنے پر بہت بغلیں بجائیں بلکہ "انگریزوں کی گندی موت" کی قسم کھایا کرتے تھے اور اسی احمقانہ غرور میں ایک بار اُن کی ایک جمعیت انگلستان کی سرحد میں گھس آئی مگر وبا نے بہت جلد اثر دکھایا اور ثابت ہو گیا کہ اُسے کسی انگریز و غیر انگریز کا امتیاز نہیں ہے۔ انگلستان سے یہ بیماری ناروے اور آخر میں روس پہنچی (۱۳۵۱ء) اور جہاں گئی سخت تباہی ڈال گئی اس میں کمزوروں کی نسبت طاقتور اور بھی ناگہانی مر جاتے تھے اور شاہی محل اور فقیر کی جھونپڑی کوئی جگہ اس سے محفوظ نہ تھی۔ لوگوں کی غلیظ عادات اور حفظانِ صحت سے کلی غفلت نے اس کے پھیلنے میں اور مدد دی۔

یہ جاننا دشوار ہے کہ کتنے آدمی مرے کیونکہ اس زمانے میں اموات یا تدفین کا

باب سوم

کوئی تحریری حساب نہ ہوتا تھا اور ایسی رل چل کے زمانے میں جو اندازے کیے جاتے ہیں ان میں مبالغہ ہونا معمولی بات ہے۔ بااین ہمہ حال میں سب سے بہتر جو تخمینہ کیا گیا، اس کی رو سے ملک کی ایک تہائی آبادی مرگِ سیاہ کا شکار ہوئی۔ اس میں کسی طبقے کی تخصیص نہ تھی۔ ایک بادشاہ کی بیٹی اور کنیٹربری کے دو صدر اسقف پہلے سال اسی وبا سے راہیِ عدم ہوئے اور کہا جاتا ہے کہ یارک شر کے مشرقی اور مغربی رائیڈنگ میں حلقے کے پادریوں میں سے آدھے تلف ہو گئے بعض مواضع میں خاندان کے خاندان صاف ہو گئے۔ اکسفرڈ کے طلبہ میں دسواں حصہ وبا کی نذر ہوا۔ خانقاہوں میں اتنی اسامیاں خالی ہوئیں کہ پُر کرنا مشکل ہو گیا اور جیسے تیسے لوگ بھر لئے گئے۔ غالباً یہی سبب تھا کہ راہبوں کی وہ شان ہی نہ رہی جو پہلے تھی اور آئندہ ان کی حالت میں ایک مستقل تنزل پایا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں کرائسٹ چرچ کالج (کنیٹربری) کے راہبوں میں اتنی اموات نہ ہوئیں جس کا سبب غالباً یہ تھا کہ انھوں نے سو برس پہلے عقلمندی سے پہاڑیوں میں صاف پانی کا ذخیرہ بنا لیا تھا وہاں سے انھیں بہت اچھا پانی ملتا رہا۔

دیہاتی تنظیم یہ اس قیامت کی وبا تھی کہ اقتصادی اعتبار سے بھی ایک انقلاب پیدا کر گئی۔ واضح رہے کہ اس زمانے تک انگلستان تقریباً پورا طرح زراعتی ملک تھا۔ کچھ کپڑا بنا بھی جاتا تھا تو وہ محض خانگی ضرورت کے لئے نہ کہ بازار میں بکری کے واسطے۔ دیہات کا نظام یہ تھا کہ جنگلوں کو چھوڑ کر تمام زرعی علاقہ مواضع[ع۱] یا مقطعوں میں منقسم تھا۔ موضع کا رقبہ قدیم قریے کے تقریباً مماثل ہوتا تھا اور اس کی اندرونی تنظیم بھی غالباً انھی اصول پر ہوئی جو نارمن فتح سے پہلے سے آہستہ آہستہ نشو و نما پا رہے تھے (دیکھو صفحہ ۴۲)۔ موضع کی قابلِ کاشت آدھی زمین عموماً مالکِ موضع جاگیردار یا مقطع دار کے تصرف میں ہوتی اور ڈیمین

ع۱۔ مواضع کے حالات کا علم ہمیں ان دیہاتی کھاتوں سے ہوتا ہے جو سائمن کی بغاوت کے زمانے سے جھلیوں پر لکھے جانے لگے تھے۔ جس طرح پوری مملکت کے حال میں بڑے "پائپ رول" سے مدد ملتی ہے اسی طرح دیہات کی تاریخ کا سب سے اچھا ماخذ یہ کھاتے ہیں۔

وطین (Demesene) یا خالصہ کہلاتی تھی یہ وہ لفظ ہے جس کے مشتقات میں (Mains) ریمینز (Remains) کی صورت میں اب بھی انگلستان کے مقطعوں میں سننے میں آتے ہیں۔ باقی نصف کا ایک حصہ معافی داروں یا موروثی کاشتکاروں کے پاس ہوتا جو یا تو فوجی خدمت کے کلی یا جزوی معاوضہ میں قابض ہوتے یا وہی معین لگان ادا کرتے تھے جو پشت ہا پشت سے چلا آتا تھا بعض اوقات ایسے زمیندار جنس کی صورت میں لگان ادا کرتے تھے جیسے آدھ سیر مرچ، یا ایک شکرا یا شکاری کتا دے دیا یا کوئی ایسی خدمت ادا کر دی جیسے گرجا میں دو چراغ جلا دئے۔

باقی ماندہ اراضی رعیت یا عام کاشتکاروں کے ہاتھ میں ہوتی اور انھیں زیادہ سخت شرطیں بجالانی پڑتی تھیں۔ یعنی کچھ تو جاگیردار کے کھیت پر مفت کام کر کے کچھ زر نقد اور کچھ جنس کی صورت میں مالیہ ادا کرنا پڑتا یہ لوگ بغیر جاگیردار کی اجازت لئے نہ گاؤں سے باہر جا سکتے تھے نہ بیٹا بیٹی کی شادی کر سکتے، نہ اپنے مویشی فروخت کر سکتے اور نہ چوبینہ کاٹ سکتے تھے۔ ان سب خدمات کے باوجود ایسے کسانوں کے پاس فی کس، بہت سے بہت ۱۲ ایکڑ زمین ہوتی اور لگان کی شرح ۲ فی ایکڑ تھی اگرچہ بعض صورتوں میں کاشتکار کو اور بھی کڑی شرطیں ماننی پڑتی تھیں مگر ہر حال میں کاشتکار کا پٹہ، جب تک وہ لگان وغیرہ ادا کرتے رہے، استمراری ہوتا تھا اور قواعد وضوابط ہی کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اکثر اوقات کاشتکاروں کے پاس گھوڑے اور مویشی ہوتے تھے۔ وہ شاملات کی زمین میں انھیں باندھ سکتے۔ غیر مزروعہ رقبے سے ایندھن، گھاس وغیرہ لا سکتے تھے۔ جاگیردار کی اجازت ہمیشہ تھوڑا سا نذرانہ دینے سے مل جاتی تھی اور یوں بھی اگر کسان بے اجازت برابر کے قصبے میں چلا جائے تو باز پرس کی نوبت کم آتی تھی۔ ترقی کے میدان دو تھے: کلیسا اور فوج رابرٹ گروس ٹیٹ کی مثال جو اسقف ہوا اور رابرٹ سیل کی نظیر جو ایڈورڈ ثالث کا معتمد علیہ فوجی سردار بن گیا، ثابت کرتی ہیں کہ عاقل و دلیر آدمی کے لئے بڑھنے کا میدان تنگ نہ تھا۔ جاگیردار، پٹہ دار اور کاشتکار رعیت کے سوا جن سب کا زراعت سے تعلق تھا، تھوڑی بہت تعداد اہل حرفہ کی بھی رہتی تھی ان کے ذاتی گھر ہوتے اور عجب نہیں کہ شاملات کی زمین میں

باب سوم

مویشی خانے یا مرغ و بط وغیرہ کے ڈربے بھی بنا سکتے ہوں۔ ان اہل حرفہ سے ہماری مراد پنہارا، لوہار اور شاید بڑے گاؤں میں جلاہے سے ہے۔ گاؤں کا پادری اور کوئی منشی یا کاتب بھی ضرور رہتا تھا جو حساب کتاب پٹے وغیرہ تیار کرتا تھا ہر موضع میں ایک ممتاز شخصیت داروغہ (ریو) کی تھی جو جاگیردار کی طرف سے ہر قسم کی دیکھ بھال کرتا، لگان وصول کرتا، مزدوری کے مقررہ کام لیتا اور گاؤں کی آمد و خرچ کا پورا حساب رکھتا تھا۔ چاسر کی مشہور تمہید میں داروغہ، پنہارے اور یاکسان کے چشم دید حالات اب تک محفوظ ہیں

جاگیردار کے پاس دو تین گاؤں ہوتے، تو وہ باری باری ہر ایک میں جا کے رہتا اور وہاں کی پیداوار سے متمتع ہوتا تھا۔ اس کا خدم و حشم کے ساتھ گاؤں میں آنا، خاصا میلا بن جاتا ہوگا۔ اس کے جانے کے بعد حویلی میں جاگیردار کا کارندہ رہتا تھا اور بیرونی دنیا کی خبریں اسی حویلی سے گاؤں میں شایع ہوتیں۔ واعظ درویش یا روم سے کوئی توبہ لینے والا اسی حویلی میں آکے ٹھیرتا فصل کے کاموں سے فرصت کے زمانے میں کبھی کبھی امیر غریب سب گاؤں والے مل کے تیرتھ کو جاتے۔ غرض تیرھویں صدی میں انگلستان کے گاؤں کی معاشرت کا رنگ یہ تھا جو اوپر بیان ہوا۔ یہ بڑی جفاکشی کی زندگی تھی، خاصکر سردیوں میں آرام کے اسباب بہت کم تھے اگرچہ معلوم ہوتا ہے کھانے پینے کی چیزیں ہر موسم میں افراط سے مل جاتی تھیں۔ ایسی صورت کہ کوئی کام کرنا چاہے اور کام نہ ملے مفقود تھی۔ عہد جدید کی یہ شامت کہ کام ملنے کا یقین نہیں، وجود میں نہ آئی تھی۔ اور گو گھر کے اندر ناگفتہ بہ گندگی اور کثافت ہو، تازہ ہوا اور صاف پانی کی کچھ کمی نہ تھی۔ اتوار یا تیرتہوار کے دن ہر شخص کو کافی فرصت مل جاتی کہ اپنے مناسب حال سیر تفریح کا لطف اٹھائے۔ دیہات کا بیچ ہو یا زیادہ تر بڑے بڑے میلوں کے موقع پر ہوتا جہاں کارندے اون کے گٹھے اور کان کنی کچا لوہا یا جست لاکر شہر یا پردیس کے تاجروں کے ہاتھ فروخت کرتے تھے۔ ان میں سب سے بڑا میلا کیمبرج کے قریب اسٹوربرج میں لگتا تھا جہاں دوسرے ملکوں کے مال بھی آتے اور الگ الگ حصوں یا گلیوں میں ترتیب سے رکھے جاتے تھے جیسے آج کل کی نمایشوں میں ہوتا ہے۔ اسی قصبے میں مشرقی اضلاع کے لوگ جاڑے کے لئے اجناس ذخیرہ کرتے تھے۔ دوسرے قابل ذکر

باب سوم

میلے یہ ہیں، بارتھول میو کا تہوار، لندن میں۔ گائلز کا تہوار آکسفرڈ میں اور ونچسٹر میں۔

اسی زمانے میں جس کا صحیح حال دیہات کے کھاتوں کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے، دو تغیر عمل میں آرہے تھے۔ ایک تو یہ کہ جس طرح "زرِ سپر بدل" کے پیرائے میں فوجی خدمت معاف کی تھی، اسی طرح جاگیردار دوسری خدمات کے عوض میں زر نقد لینے لگے اور اس قسم کا جب کوئی معاملہ ہوتا تو اسے گاؤں کے کھاتے میں درج کر لیا جاتا اور ایک نقل کسان کو مل جاتی اسی سے ایسے کسانوں کو نقل دار" اور ان کی زمین کو نقل داری کہنے لگے۔ اس وقت جو نقل دارہی اراضی ہیں، یہ یقیناً کسی وقت میں رعیت کی اراضی تھیں۔ دوسری بات یہ کہ اب جاگیرداروں کا میلان یہ ہو چلا تھا کہ اپنی خالصہ اراضی کو بھی خود کاشت کرنے کی بجائے چند سال کے لئے دوسرے کاشتکاروں کو نقد لگان پر اٹھا دیتے تھے۔ یہ ثابت ہے کہ ۱۲۳۵ء ہی سے ایسا عمل ہونے لگا تھا۔ ان پٹوں میں یہ بات گویا مضمر ہوتی تھی کہ اس اراضی میں جو مکانات آلات کشاورزی اور مویشی ہوں، وہ بھی پٹہ دار کے استعمال میں دے دئے جائیں اور جب پٹے کی مدت ختم ہو تو وہ انھیں یا ان کی مثل جملہ سامان واپس دے۔ البتہ مکانوں کی مرمت جاگیردار کا کام ہوتا تھا اور اسی سے انگلستان کے قانون میں یہ اصول موضوعہ پیدا ہوا کہ مرمت کرایہ دار کا کام نہیں، بلکہ مالکِ مکان سے متعلق ہے۔

القصہ انگلستان کے دیہات کی کیفیت یہ تھی جب کہ مرگِ سیاہ سے اُس کی ایک تہائی آبادی فنا ہو گئی ایک فوری نتیجہ تو یہ ہوا کہ مزدوری کی شرح، اور ہر شے کا نرخ جس میں مزدوری کا دخل تھا، بڑھ گیا۔ اس اضافے سے سب سے زیادہ نقصان اُن جاگیرداروں کو ہوا جنھوں نے روپیہ لے کر رعیت کو مختلف خدمتوں سے معاف و مستثنیٰ کر دیا تھا، یا اُن کاشتکاروں کو جو اجرت پر دوسروں سے کام لینے کے زیادہ عادی ہو گئے تھے۔ مختصر یہ کہ مزدور پیشہ کاشتکاروں کے سوا سبھی زمینداروں پر آفت آئی اور مزدوری کی شرح کم کرنے کی صورت نہ نکلتی تو ان کی تباہی یقینی نظر آتی تھی۔ شرح کم کرنے کی بظاہر دو تدبیریں تھیں:۔ ایک بہت ہی سیدھا اور صاف طریقہ تو یہ تھا کہ ۱۳۴۷ء کی شرح سے زیادہ اجرت دینا اور لینا حکماً

باب سوم

موقوف کردیا جائے اور دوسرا یہ کہ جن لوگوں کی بیگار ابھی تک معاف نہ ہوئی تھی ان سے زیادہ سے زیادہ کام لیا جائے۔ ان میں سے پہلی تدبیر کے عمل میں لانے کی غرض سے متعدد شاہی حکمنامے جاری ہوئے اور ۱۳۵۱ء میں "قوانین مزدوراں" کے نام سے پارلیمنٹ نے ان کو مرتب و نافذ کیا۔ اور ۱۳۶۲ء و ۱۳۶۸ء

قوانین مزدوراں

میں وبائے مذکور کے ہر حملے پر اس کی تجدید ہوتی رہی۔ دوسرے طریقے پر عمل کرانے والے خود گاؤں کے داروغہ تھے ان سب باتوں کے باوجود کچھ زیادہ فائدہ نہ ہوا اور یہ قریب قریب یقینی ہے کہ ان قوانین سے لوگ بچنے کی کوئی نہ کوئی شکل نکال لیتے تھے حتیٰ کہ خود داروغہ تک اس فکر میں رہتے کہ جس طرح ہو اپنی کھیتی جتوالیں اور فصل کٹوالیں اور اس کوشش میں قانون کی پابندی نہ کرتے تھے چنانچہ اوسط شرحِ اُجرت بھی المضاعف ضرور ہو گئی۔ دوسرے طریقے پر عمل ہوا تو اس سے سخت بد دلی پیدا ہوئی اور اس کے ظہور میں آنے میں صرف مناسب موقع کی دیر رہ گئی۔

جنگ فرانس

محاصرۂ کالے کے بعد چند سال تک فرانس کی جنگ بہت سُست رہی۔ اس کا ایک سبب تو وبائے طاعون کو سمجھنا چاہئے اور دوسرا یہ کہ یکے بعد دیگرے رومہ کے پاپا فریقین میں ہنگامی صلحیں کراتے رہے کہ اطمینان سے گفت و شنید کا موقع ملے۔ ۱۳۵۰ء میں **فلپ** نے وفات پائی اور اس کا بیٹا جان تخت نشین ہوا جو باپ سے بہتر سپاہی تھا اور گیس کنی میں فرانسیسی سپاہ کی قیادت زیادہ تر اسی کے ہاتھ میں رہی تھی۔ لیکن ایڈورڈ کی یہ شرطیں کہ تخت سے لادعویٰ ہونے کے عوض میں گیس کنی پر اس کی خود مختارانہ حکومت تسلیم کی جائے، نئے بادشاہ نے قبول کئے نہ عام لوگوں میں مقبول ہو سکے۔ آخر ۱۳۵۵ء میں پھر پوری قوت کے ساتھ جنگ چھڑ گئی۔ اسی سال شہزادۂ اسود (یہ ولی عہد انگلستان) نے ساٹھ ہزار سپاہیوں سے گارون کی بالائی وادی پر تاخت کی اور اس سرسبز و آسودہ حال علاقے کو یہاں سے وہاں تک تیغ و آتش سے تاراج و خراب کر ڈالا اور بہت کچھ غنیمت لے کر بورڈو پلٹ آیا۔ اسے "اسود" کہنے کا سبب عجب نہیں کہ کوئی خاص لباس ہو جو وہ کسی جنگ کے

باب سوم

موقع پر بہن کر آیا تھا مگر بعد میں ونگل وغیرہ کا حال کسی کو یاد نہ رہا۔ بہر حال، دوسرے سال اس شہزادے نے صرف بارہ ہزار سپاہ سے اتنی جرأت کی کہ ناف ملک میں در آیا اور گذشتہ سال کی تاخت گاہوں سے بڑھ کر گیئین کی سرحد سے پواتئے تک پامال کرتا ہوا آندھی کی طرح گزر گیا۔ مگر آخر الذکر شہر کے قریب ایک فرانسیسی لشکر نے اس کا راستہ روک لیا جسے شاہ فرانس نے شہزادے کو خبر ہوئے بغیر جمع کر لیا تھا۔ راہ گریز قطعی بند تھی تعداد میں فرانسیسی چوگنے تھے اور حالت ایسی یاس انگیز ہو گئی تھی کہ تالی راں کی خواہش کے مطابق (جو پاپا کے مشیر و نائب کی حیثیت سے ہر امکانی کوشش کر رہا تھا کہ خونریزی کی نوبت نہ آنے پائے) ولی عہد انگلستان نے لوٹ کا مال اور قیدی حوالے کر دینے اور آیندہ سات سال تک جنگ نہ کرنے پر آمادگی ظاہر کی بشرطیکہ اسے بلا گزند پسپائی کی اجازت دے دی جائے۔ لیکن جان غرور سے پھول گیا اور بلا شرط ہتھیار ڈالنے کے سوا، مصالحت کی اور کوئی صورت منظور نہ کی۔ تب شہزادہ اور اس کی قلیل جمعیت تیار ہوئی کہ اپنی جانوں کی زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کرے۔

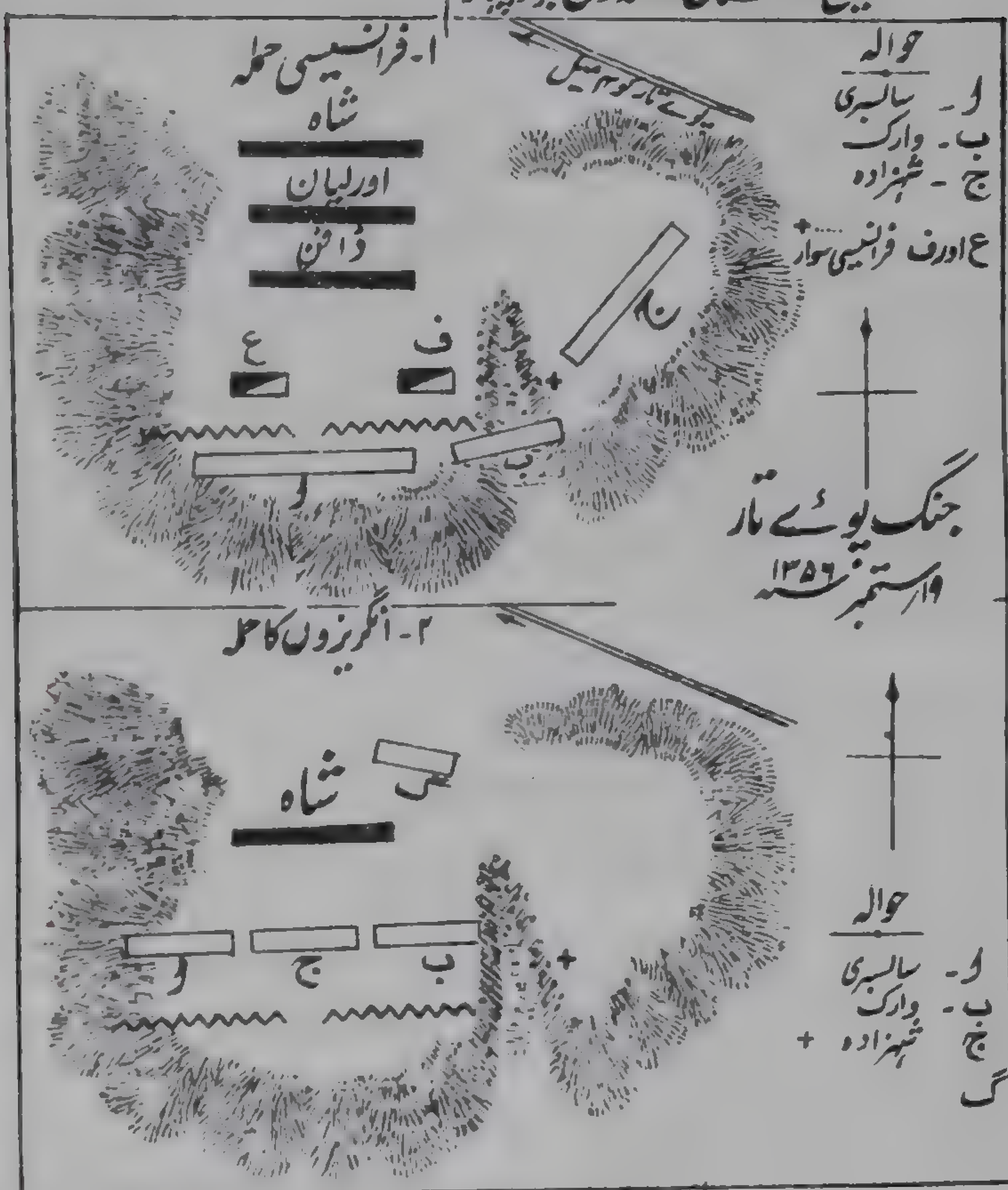
معرکہ پواتئے

جنگ کا میدان پواتئے کی بستی سے چار میل جنوب مشرق میں اس مقطعے کے قریب واقع تھا جسے اب موپرتوی کہتے ہیں۔ لڑائی کے شروع میں انگریزی فوج کے بائیں پر ایک بلند سطح، دائیں جانب ایک پہاڑی اور بیچ میں ایک دلدلی گھاٹی تھی۔ پہاڑی کے سب ڈھلانوں پر جھاؤ اور تاکستان تھے۔ بائیں جانب اور وسط میمنہ کے سامنے کھیتی کی باڑ چلی گئی تھی مگر فوج میمنہ کے روبرو اس باڑ میں ایک فصل چھٹا ہوا تھا جو یقیناً گاڑیوں کی آمد رفت کے واسطے ہو گا۔ اس باڑ اور فصل کی حفاظت امیر سالسبری کے تفویض تھی۔ گھاٹی اور دلدل کا راستہ امیر وارک روکے کھڑا تھا اور خود شہزادہ ولی عہد پہاڑی پر تھا۔ حسب معمول انگریزوں کو یہاں بھی سب سے زیادہ بھروسہ تیر اندازوں پر تھا جو کھیتی اور ہر جگہ جہاں آڑ ملی، وہاں متعین تھے اور بازوؤں پر زرہ پوش پیادے کھڑے تھے کہ دشمن کا جناحی حملہ نہ ہونے دیں۔ اُدھر فرانس کی فوج تین لشکروں میں، سطح مرتفع پر صف آرا ہوئی۔ بادشاہ، امیر اورلیان اور ولی عہد ایک ایک لشکر کے

باب سوم

سردار تھے۔ کریسی کی ناکامی کا سبب فرانسیسیوں نے غلطی سے یہ سمجھا تھا کہ زرہ پوش پیادوں نے انھیں شکست دی اور اسی بنا پر اس لڑائی میں دو رسالوں کے سوا باقی ساری فوج پیادہ تھی۔ رسالوں کا کام یہ تھا کہ وہ گھاٹی کے بالائی کنارے پر اور دو ہزار سالہ کھیتی کے فصل پر حملہ کرے اگرچہ اس میں کامیابی کی کوئی امید نہ تھی اور یہی ہوا کہ فصل کی طرف جو فرانسیسی سوار بڑھے انھیں تو تیروں کی بوچھار نے بڑھنے نہ دیا اور ان کے ساتھیوں کی اس بلا کے علاوہ گھاٹی اور اس کے آگے ولی عہد کی فوج نے بھی اچھی طرح خبر لی۔ ولی عہد فرانس کے پیادہ لشکر نے عام حملہ کیا تو اس کا بھی کچھ بہتر انجام نہ ہوا۔ پھر لڑائی تھوڑی دیر تھم گئی اور امیر اور لیان فتح سے نا امید ہو کر اپنا لشکر ہٹا لے گیا۔ یہ دیکھ کر انگریز شہزادے نے بادشاہ کے لشکر پر خود سامنے سے حملہ کرنے کی ٹھانی اور پہاڑی سے اپنے بیشتر سپاہی نیچے بلا کے وارک وسالسبری کے دستوں میں انھیں شامل کر دیا اور زرہ پوش پیادوں اور سوار تیراندازوں کی ایک جماعت کو روانہ کیا کہ پہاڑی کا چکر کھا کے اچانک شاہ فرانس کے عقب میں آنکلیں۔ اس اجتماعی حملے میں پوری کامیابی ہوی۔ جان اور اس کا بیٹا فلپ جان سے ہاتھ دھو کر لڑے مگر اسیر کر لئے گئے اور سپاہِ فرانس کو کامل ہزیمت نصیب ہوی۔ ولی عہد انگلستان اپنے قیدی لئے ہوے سلامت بورڈو چلا آیا۔

جان کی گرفتاری سے فرانس کو سخت صدمہ پہنچا۔ یہ ملک انگلستان سے زیادہ نقصان اٹھا چکا تھا کہ پکاردی نارمنڈی وغیرہ اس کے پانچ بڑے علاقے خوفناک مصائب وشدائد جنگ میں مبتلا رہے تھے۔ ملک کی مالی حالت سخت ابتر تھی۔ امرا، کسان اور اہل شہر ایک دوسرے کے خلاف لڑتے جھگڑتے تھے اور بادشاہ کی گرفتاری سے بہت جلد سارا ملک طوائف الملوکی کے کنارے پہنچ گیا اس کی تباہی اور ویرانی ہی اسے انگریزوں کے ہاتھ سے بچا سکی کہ ایسے ویران علاقوں سے کسی فوج کے لے جانے کے معنی یہ تھے کہ ہزاروں سپاہی تلف ہوں۔ چنانچہ ۱۳۵۹ء میں خود ایڈورڈ پیرس پر بڑھا تو وہ مصیبتیں پیش آئیں کہ جنگ میں پہلے نہ آئی تھیں اور اگلے سال فرانس کے انتہائی اضمحلال اور انگریزوں کی صریحی بیدست وپائی کی بدولت دونوں فریق مجبور ہوے کہ مئی ۱۳۶۰ء میں بمقام



مقابل صفحہ ۳۴۲

بری تانی صلح کی گفتگو کریں۔ اس کا نتیجہ صلحنامہ کالے ہوا جس پر اکتوبر ۱۳۶۰ء میں

صلحنامہ کالے

فریقین کے دستخط ہو گئے۔ اس کی رو سے ایڈورڈ نے تختِ فرانس اور نارمنڈی، انجو اور مین سے (یعنی ان علاقوں سے جو ہینری ثانی کی میراث میں ملے تھے، بہ استثناے جزائر رودبار) دست برداری لکھدی اور اس کے مقابلے میں گیین کی النیر کی وراثت میں اکوی ٹین اور کاستیل کی النیر کی وراثت میں پون تھیو اور حالیہ مقبوضہ شہر کالے پر کامل بادشاہی تسلیم کرلی گئی۔ بہ الفاظ دیگر ایڈورڈ نے دو ملکوں کی مشترکہ بادشاہی کی امید موہوم تو چھوڑ دی جو دراصل اسکاٹ لینڈ کی فتح سے بھی زیادہ اس کی قوت سے باہر تھی اور اس کے عوض میں اپنی قوم کے لئے گاروں کی بیش بہا وادی اور وہاں کی نمک وشراب کی تجارت اور شہر کالے جس کی تنگ رودبار پر زد تھی اور جہاں سے ہمارے (یعنی انگریزوں کے) سپاہی اور اون بلا وقت بر اعظم میں پہنچائے جا سکتے تھے اور نیز یہ ناموری کہ وہ اپنے عہد کا سب سے بڑا سپاہی ہے خرید لی۔ ان سب کے علاوہ شاہ فرانس کو قید سے چھڑانے کا بہت بھاری فدیہ مفلوک الحال فرانسیسیوں پر عائد کیا گیا مگر یہ رقم اُن کی استطاعت سے باہر تھی اور جان بحالت اسیری لندن ہی میں مر گیا (۱۳۶۴ء) ویلز کی نظیر پر فرانس کے جو اضلاع لئے گئے وہ ملا کر ایڈورڈ کے بڑے بیٹے کی ریاست بنا دئے گئے۔ خود فرانس میں بھی یہی ہوا تھا کہ دوفین نے اپنی موروثی ریاست دوفینے شاہ فرانس کے حوالے کر دی اور وہ ولی عہد فرانس کی ریاست بن گئی تھی۔ صلحنامہ تو لکھ لیا گیا مگر عملاً اس کی تکمیل میں یہ کسر باقی تھی کہ وفاکیشی اور باج گزاری کے عہد وپیمان کو باضابطہ کالعدم کیا جائے لیکن اہل قانون کی موشگافیوں نے ان مراسم میں بڑی دیر لگادی اور ابھی یہ طے نہ ہوئی تھیں کہ لڑائی چھڑ جانے سے تمام نامہ وپیام کا سلسلہ ہی درہم برہم ہو گیا۔

اسکاٹ لینڈ

بارے اسکاٹ لینڈ سے ۱۳۵۷ء میں مستقل صلح ہوگئی۔ ۱۳۳۲ء سے ایڈورڈ بے لیل کا برائے نام حلیف بنا رہا تھا۔ ۱۳۵۶ء میں بے لیل نے پیرانہ سالی اور لاولدی کی وجہ سے اپنے موروثی حقوق اور خاندانی جاگیر زرِ نقد کے عوض میں فروخت کر دی۔ لہذا ایڈورڈ تیار ہو گیا کہ

باب سوم

ڈیوڈ کی بادشاہی کو تسلیم کرلے بشرطیکہ خود اس کے دعاوی ریاست اور بادشاہ کے فدیے کی رقم ادا کردی جائے۔ اسکاٹ لینڈ والوں نے اسے مان لیا اور گو روپیہ دینا انھیں بہت بار تھا تاہم بالکل وقت پر رقم ادا کردی۔ ڈیوڈ فروری ۱۳۷۱ء میں فوت ہوا۔ اپنی انگریز بیوی جوآن سے اس کے کوئی اولاد نہ تھی اور وراثت اس کی بہن مارگریٹ اور (باپ کے وقت کے سپہ سالار) والٹر دی اسٹوارڈ کے فرزند روبرٹ (دی اسٹوارڈ یا سٹوارٹ) کو منتقل ہو گئی۔

ہسپانیہ

جن دنوں انگلستان و فرانس میں جنگ ٹھنی ہوئی تھی اس وقت ملک ہسپانیہ میں پیڈرو ظالم کے مظالم نے شورش برپا کر رکھی تھی۔ یہ پورا ملک متحد بادشاہی کا کبھی مدعی نہیں ہوا جیسے فرانس یا جرمانیہ تھے؛ دسویں صدی میں وہاں عرب حملہ آوروں کی یورشیں انتہائے کمال پر پہنچیں تو مسیحی باشندے سمٹ کر کوہستان پیرینیز کی ڈھلانوں اور استوریا، اراگون، نوار و لیون کے اضلاع میں بے ترتیبی سے آباد ہو گئے تھے لیکن اہل ہسپانیہ کا عربوں پر غلبہ ہوا تو دو نئی بادشاہیاں اور وجود میں آئیں۔ ایک کاستیل اور دوسری پرتگال جو دراصل ساحل اوقیانوس کے مخلوط باشندوں کی نوآبادی کا نام تھا۔ یہ ان علاقوں میں تھیں جو عربوں سے واپس چھینے گئے تھے۔ ان میں اراگون کی شہرت کا سبب تو یہ تھا کہ وہ اطالیہ کی سیاسیات اور تولوز سے تعلق رکھتی تھی۔ نوار کیس کنی کے قریب ہونے کی وجہ سے مشہور ہوا اور کاستیل اپنے روزافزوں مقبوضات کی بدولت چودھویں صدی میں کاستیل ولیون کو شادی نے متحد کیا تو کاستیل کو سب پر بدیہی فوقیت حاصل ہو گئی۔

القصہ، وہاں کے بادشاہ کے خلاف بغاوت برپا ہوئی یہ شخص، پیڈرو ظالم، ایسا خونخوار جابر تھا کہ ایسے ننگ بادشاہی دنیا میں کم تخت نشیں ہوئے ہوں گے۔ بغاوت کا سرغنہ خود اس کا ناجائز بھائی ہنیری دترا اس تامار تھا اور فرانس و انگلستان کی جنگ میں جو اجیر سپاہی لڑے اور بریتانی کی صلح نے انھیں بے روزگار کر دیا، وہ جوق در جوق ہنیری کی مدد کے لئے آگئے اور پیڈرو کو بہت تنگ کیا پیڈرو نے بائیون میں ولی عہد انگلستان سے مل کر مدد مانگی اور اس عہد کے قوانین مردانگی سے انسان کی طبیعت پر جیسا کچھ برا اثر پڑتا تھا اس کی

باب سوم

شہادت اس سے بڑھکر کیا ہوگی کہ شہزادہ سیاہ کو ایسے ناستحق پناہ گیر کی دستگیری بھی اپنا فریضہ نظر آئی۔ بہر حال یہی ہوا اور ۱۳۶۷ء میں ایڈورڈ، شاہ نوار کی اجازت سے تیس ہزار پیادہ و سوار فوج لیکر پیرینیز کے دروں سے گزرتا ہوا وادی ایبرو میں نمودار ہوا۔ یہاں نوآریت و نجارا کے درمیان اور وتوریا کے قریب ہی ہنیری سے مقابلہ ہوا وہ شکست کھا کے بھاگا اور پیڈرو پھر اسی مرتبے پر بحال کر دیا گیا جسے وہ داغ لگا چکا تھا۔ مگر اس کامیابی کے جلو میں تو برتو مصیبتیں ٹوٹ پڑیں۔ پیڈرو نے انگریزی مہم کے مصارف ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ وادی ڈولڈ کی سخت گرمیاں انگریز سپاہیوں کے حق میں مہلک ثابت ہوئیں آخر ولی عہد انگلستان پچھلے پاؤں واپس ہوا تو بے حساب قرض میں دبا ہوا تھا اور ایک اندرونی بیماری جسم کو گھلا رہی تھی۔ اس کی دستگیری سے پیڈرو کو بھی زیادہ فائدہ نہ پہنچا کیونکہ اس کے پیٹھ پھرتے ہی ہنیری نے پھر یورش کی اور پیڈرو کو شکست ہوئی۔ ایک باہمی ملاقات میں اُس نے ہنیری کو ہلاک کرنے کی بھی کوشش کی تھی مگر گتھم گتھا میں خود اس جابر کا دل خنجر سے چھد گیا اور ہنیری تخت پر بیٹھا جسے انگریزوں کے ساتھ برابر عداوت رہی۔

جنگ فرانس کی بازاجرائی

ادھر شہزادۂ سیاہ کو قرضخواہوں نے تقاضے کر کے اتنا پریشان کیا کہ اسے اپنی فرانس کی ریاست پر محصول عام لگانا پڑا۔ بعض لوگوں نے تو اسے فوراً ادا کر دیا مگر تازہ مقبوضات میں بڑی مخالفت ہوئی اور دربار فرانس میں فریاد کی گئی۔ چونکہ ابھی تک شاہ فرانس حقوق بادشاہی سے دست بردار نہ ہوا تھا، لہذا چارلس آمادہ ہو گیا کہ مرافعے کی سماعت کرے۔ ایڈورڈ نے جواب دیا کہ میں خوشی سے عدالت میں حاضر ہوں گا۔ مگر ساٹھ ہزار سپاہی میرے پیچھے ہوں گے۔ لیکن یہ تری شیخی کی باتیں تھیں اور ۱۳۶۹ء میں دوبارہ لڑائی چھڑی تو جملہ حالات انگلستان کے نامساعد تھے۔ طول جنگ کا قاعدہ ہی یہ ہے کہ جس ملک پر حملہ ہو، یا آگا تو اسی کا پلہ گراں ہو جاتا ہے کیونکہ حملہ آوروں کو روپے اور آدمی فراہم کرنے میں دشواری ہوتی ہے۔ ملک کی ناخوش رعایا سے کافی اور معتبر اطلاعیں نہیں میسر آتیں۔ اور سوائے مقبوضہ علاقے کے گویا سارا ملک

باب ۴

مقابلے میں ہوتا ہے۔ ان سب اسباب نے پوری قوت سے انگریزی سپاہ پر اثر ڈالا اور خاص خاص وجوہ اور بھی پیش آئیں۔ کریسی اور پوائیٹے کی فتوحات سدھے ہوئے سپاہیوں کی رہین منت، اور ان جاگیرداری جمعیتوں کے مقابلے میں حاصل ہوئیں جنھیں عجلت میں بھرتی کر لیا گیا تھا۔ بخلاف اس کے آخری حصۂ جنگ میں فرانسیسی لشکر زیادہ تر پیشہ ور سپاہیوں پر مشتمل تھے اور ان کی سپہ سالاری برتران جیسے نامی گرامی لوگ کر رہے تھے جنھیں اس فن میں کمال و ستر س حاصل تھی۔ دوسرے اہل دفاع کے حق میں شکست سب سے بڑی مصیبت ہے تو حملہ آور کے واسطے جنگ نہ کر سکنا، بلائے جان ہو جاتا ہے۔ اور یہ حقیقت اُن مقامات میں جہاں فرانسیسیوں نے لڑنے سے پہلو تہی کی، اور نیز وہاں جہاں لڑائی میں انھیں شکست ہوئی، بخوبی ظاہر ہو گئی تھی۔ نیا بادشاہ چارلس پنجم مصمم ارادہ رکھتا تھا کہ جو کچھ بھی ہو، وہ ایسی ناعاقبت اندیشی نہ کرے گا جیسی باپ سے پوائیٹے میں اور دادا سے کریسی کے مقام پر سرزد ہوئی۔ مزید برآں وہ بہت کفایت شعار آدمی تھا اور اپنے محدود مداخل سے زیادہ سے زیادہ کام لینے کی صورت نکال لیتا تھا۔

ان حالات اور ایسے حریف کے مقابلے میں شہزادہ سیاہ کی اگر صحت و توانائی میں فرق نہ آتا، تو بھی بڑی مشکل میں پھنس جاتا لیکن بیماری نے اسے کمزور اور ہر قدم پر روپے کی محتاجی نے اس قدر پریشان کیا کہ جنگ میں کامیابی پانا خارج ازبحث ہو گیا۔ ۱۳۷۰ء میں فرانسیسیوں نے اکوئیٹین پر فوج کشی کی۔ مگر میدانی مقابلے سے بچ کر اس پر قانع رہے کہ جن بستیوں کی رعایا انگریزوں سے ناراض تھی، وہاں فوجی دستے متعین کر دیئے جائیں۔ انھی میں لیموژ کا کلیسائی قصبہ بھی تھا۔ انگریز شہزادہ یہ خطرناک صورت دیکھکر گھبرایا اور فوج جمع کر کے، خود پالکی میں بیٹھکر محاصرہ کرنے آیا۔ فوج اور بستی والوں نے جانبازی دکھانے میں کمی نہ کی مگر فصیل کو ایک جگہ سے ٹوٹنے سے نہ بچا سکے اور اس پر ہلہ ہونے والا تھا کہ بستی والوں نے امان مانگی۔ لیکن ولی عہد انگلستان اُن کی گستاخی اور غداری سے اتنا جھلایا تھا کہ کوئی شرط نہ مانی اور حکم دیا کہ بستی میں کسی فرد بشر کو زندہ نہ چھوڑا جائے۔ معلوم ہوتا ہے اس ظالمانہ حکم کی حرف بہ حرف تعمیل ہوئی اور مرد، عورت، بچہ، بوڑھا

لیموژ کا قتل عام

باب سوم

سب تلوار کے گھاٹ اتارے گئے بجز چند بہادر سپاہیوں کے جو دیوار سے پشت لگائے کھڑے تھے کہ اپنی جانیں ارزاں نہ بیچیں گے اور ان کی یہ جانبازی دیکھکر ایڈورڈ کو ترس آگیا۔ بہرحال، لیموژ کے قتلِ عام جیسے شیطانی فعل کی تاویل کرنا محال ہے۔ بلکہ مردانِ جنگ کو چھوڑ دیتے ہیں، بیکس و بےضرر عورتوں اور بچوں کا مروا دینا اور بھی زیادہ بدنما ہو گیا ہے اور اس سے وہ جماعتی تعصب ظاہر ہوتا ہے جو اس عہد کی ذلیل سپہ گری نے پیدا کر دیا تھا۔ خلاصہ یہ کہ معاصرین کی نظر میں شہزادہ سیاہ سپہ گری اور شجاعت کے اوصاف کا کیسا ہی اعلیٰ مظہر کیوں نہ ہو، اخلاق کے دوسرے معیار سے دیکھئے تو لیموژ کے قتلِ عام نے اس کی جبلت کو داغدار کر دیا ہے۔ اس واقعے کے چند روز بعد ہی وہ واپس انگلستان چلا آیا۔

انگریزوں کے نقصانات

دو سال گزرے تھے کہ انگریزی مقاصد کو ایک اور شدید صدمہ پہنچا جس نے ان کی حالت اور بھی اندیشہ ناک بنا دی۔ یعنی امیر البحر پمبرک کے انگریزی بیڑے کو ہسپانوی بیڑے نے لاروشل کے سامنے شکست دی اور سلوئیس کے وقت سے سمندر پر جو اقتدار انگلستان کو حاصل تھا، وہ ہاتھ سے نکل گیا۔ اس واقعے نے سمندر کے راستوں کو اتنا مخدوش کیا کہ آئندہ سال گیس کنی کی دستگیری کے لئے کالے سے پوری فوج روانہ کرنی پڑی۔ اس کی سرداری، ایڈورڈ کے دوسرے بیٹے جان کے تفویض ہوئی لیکن آئندہ معرکہ آرائی نے ثابت کر دیا کہ شاہ فرانس کا طریقِ جنگ کس قدر کامیاب تھا۔ مذکورہ بالا انگریزی مہم جولائی میں کالے سے روانہ ہوئی۔ فرانسیسیوں نے جم کر تو کہیں مقابلہ کیا نہیں لیکن ادھر ادھر عقب میں ساتھ لگے رہے۔ وہ بھولے بسرے سپاہیوں کا فیصلہ کر دیتے۔ باربرداری میں طرح طرح کی رکاوٹ اور راستے کی فصلیں برباد کر ڈالتے تھے۔ چنانچہ دسمبر میں انگریزی فوج گیس کنی تک پہنچی تو سہی مگر ایسی بُری حالت میں کہ دسواں حصہ تلف ہو چکا تھا ہمتیں ٹوٹ گئی تھیں اور مدافعین کی کسی واقعی مدد اور تقویت کی استعداد ہی نہ رہی تھی۔ انگریزوں کی ان مصائب و نقصانات کے بعد فرانسیسیوں کو تیزی سے بڑھنے کا موقع مل گیا اور ۱۳۷۴ء تک کالے، اور دوسری طرف بورڈو اور بائیون کے علاوہ جدید مقبوضات جو معاہدۂ برتانی سے حاصل ہوئے

باب سوم

اور گیس کنی و پون تھیو کے پرانے علاقے سب انگریزوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ اگلے سال پاپا نے بیچ میں پڑ کر ہنگامی صلح کرا دی اور ایڈورڈ کے باقی زمانہ حکومت تک فریقین خاصی طرح اس کے پابند رہے۔

لیکن فرانس کے جنگی میدانوں کو چھوڑ کر اب انگلستان کے معاملات کی طرف متوجہ ہونا چاہئے جہاں پارلیمنٹ کے سرگرمیاں دَورانِ جنگ میں برابر جاری رہیں اور جیساکہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں یہ ایک حد تک اسی جنگ کا ثمر بھی تھیں۔ اس مدت میں کئی نئے قانون نافذ ہوئے، جن میں سب سے پہلے آئینِ "جادہی" (پروی زورز)

آئینِ "جادہی"

ہے کہ ۱۳۵۱ء میں منظور ہوا۔ "جادہی" سے وہ طریقہ مراد ہے کہ جس کے ذریعے پاپا اپنے عہدہ داروں کی معاش کے واسطے انگلستان کی کلیسائی جائدادیں نامزد کر دیتے تھے۔ اصل میں، جب سے جان نے پادریوں کو انتخاب کرنے کا اختیار دیا اور منشورِ اعظم میں اس کی تصدیق کی، اس وقت سے اسقفوں کے تقرر میں عملاً بہت کچھ مناقشے ہونے لگے اور ان کا فیصلہ مجموعی طور پاپا کے دخل مزید کا موجب ہو گیا۔ انتخاب کرنے والی کلیسائی جماعتوں میں باہم شاید ہی اتفاق رائے ہوتا تھا اور جب یہ لوگ متفق نہ ہوتے تو پاپا سے فیصلہ کراتے تھے اور ہر بار فیصلہ کرتے کرتے آخر یہ قریب قریب قاعدہ بن گیا کہ اختلاف آرا کی صورت میں پاپا انتخاب کو کالعدم کر کے ایک نئے اسقف کا خود تقرر کر دیتا تھا۔ علاوہ ازیں پاپاؤں نے ایک اور طریقہ یہ نکالا کہ اسقفوں کی وفات سے قبل کلیسائی جماعت کو مراسلہ لکھ کر آئندہ تقرر اپنے واسطے مخصوص کر لیتے۔ دوسرے یہ بھی معمول ہو گیا کہ ایک اسقف کسی دوسری اسقفی پر بھیجا جاتا تو اس کی خالی جگہ پر پاپا ہی جانشین مقرر کرتا تھا۔ پاپا کی ان دراز دستیوں کی جتنی مخالفت ہونی چاہئے تھی، اتنی نہیں ہوئی، تو اس کا سبب یہ تھا کہ عام طور پر پاپا بادشاہی آوردوں کا تقرر خوشی سے کر دیتے تھے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ ملک میں ان پاپائی اختیارات کو سخت ناپسند کیا جاتا تھا اور جب سے پاپا نے اپنا مستقر بدل کر اوِینیوں میں سکونت اختیار کی اور شاہ فرانس کا دست نگر ہو گیا اس وقت سے خصوصیت کے ساتھ اس کی مداخلت اہل انگلستان کو ناگوار گزرنے لگی۔ چنانچہ ۱۳۵۳ء کے آئین میں یہ قاعدہ بنا دیا گیا کہ جو

لوگ پاپا کی نامزدگی قبول کریں گے، وہ سب سزائے قید کے مستوجب ہوں گے اور جن جائدادوں پر پاپا کسی کا تقرر کرے، ان کے انتخاب کا اس مرتبہ حق بحق بادشاہ سوخت کر لیا جائے گا۔ یہ قاعدے پاپا کے سراسر خلاف تھے اور ان میں ترمیم کی گئی لیکن آخر میں فریقین کی رضامندی سے جو قرارداد ہوئی وہ بھی تمامتر بادشاہ کے مفید مطلب تھی اس کی رو سے ہر خالی شدہ جائداد کے لئے بادشاہ انتخاب کا اجازت نامہ روانہ کرتا اور اسی کے ساتھ کے شقے میں ایک نام تحریر کرتا کہ اگر اس شخص کو انتخاب کیا جائے تو مجھے قبول ہوگا۔ اسی کے ساتھ بادشاہ پاپا سے درخواست کرتا کہ اسی شخص کو بطریق جاگیر نامزد کر دیا جائے۔ اس طرح ہر فریق کی بات بنی رہی اور جب تک یہ طریقہ رہا اس وقت تک عملاً بادشاہ ہی جس کسی کو چاہتا خالی جائدادوں پر مقرر کر دیتا تھا۔ اسقفوں کی طرح خانقاہ کے متولیوں کے انتخاب کا بھی منشور اعظم نے اہل خانقاہ یا راہبوں کو حق عطا کیا تھا۔ مگر اس میں نہ پاپا نے دخل دیا نہ بادشاہ نے۔ پاپا نے تو غالباً اس لئے کہ اُسے راہبوں پر اعتماد تھا اور بادشاہ نے اس وجہ سے کہ متولیوں کو اپنی اپنی خانقاہ کے معاملات ہی میں انہماک رہتا اور عام ملکی معاملات میں حصہ لینے کی فرصت نہ ملتی تھی۔

سنہ ۱۳۵۳ء میں آئین انتباہ نافذ ہوا۔ حقیقت میں یہ ضوابط ولیم فاتح کے اس اصول کی تفصیل تھے کہ پاپائی مراسلے بغیر بادشاہ کو دکھائے ہوئے وصول نہ کئے جائیں، اور ان کا مقصد یہ تھا کہ انگلستان کی کلیسائی عدالتوں سے جو مرافعے روز افزوں تعداد میں روما جانے لگے تھے،

آئین انتباہ

اس طریقے کا سدباب کیا جائے۔ ان مرافعوں سے لوگوں کو بڑی ناخوشی ہوتی تھی کہ ایک تو ان سے بادشاہی اختیارات کو صدمہ پہنچنے کا اندیشہ تھا دوسرے انگلستان کے روپے سے پاپائی عدالت کے وکیلوں اور اہلکاروں کی جھولیاں بھرتیں اور بالواسطہ دولت فرانس کی آمدنی میں اضافہ ہوتا اور ادھر خود انگلستان کے پادریوں کے ادائے محاصل کی قوت کم ہو جاتی تھی۔ نظر برایں یہ آئین نافذ ہوا کہ شاہی اجازت کے بغیر کوئی شخص بیرونی عدالتوں میں چارہ جوئی نہ کرے۔ اس کا نام انتباہی حکمنامے کے ابتدائی الفاظ سے ماخوذ تھا اور اس میں بڑی احتیاط کی گئی تھی کہ تحریر میں پاپائی عدالت کا

کہیں نام نہ آیا تھا مگر بعد کے ایک قانون مجریہ ۱۳۶۵ء میں پاپائی عدالتوں کی صراحت کر دی گئی اور ۱۳۹۳ء میں جب کہ پاپا نے از سر نو جاہ بیجا اور تقررات کی تخصیص کا سلسلہ شروع کیا تو لوگ بہت جلے اور یہ قانون بنا کہ "ایسے انتقالات، قبضے، اخراج از ملت کے احکام، پاپائی فتوے یا ہدایات جو بادشاہ، بادشاہی یا ملک سے کوئی تعلق رکھتے ہوں، انھیں اگر کوئی رومہ کی عدالت یا اور کہیں سے مہیا کرے گا تو وہ آئین انتباہ کی مصرحہ سزائیں پائے گا۔ ان سزاؤں میں اسباب کی ضبطی اور جب تک بادشاہ چاہے قید بھی شامل تھی اور ہر چند لوگ چھپ چھپ کے آئین کی خلاف ورزی کرتے تھے تاہم یہ واقعہ کہ ایسے خاطی مذکورۂ بالا سزاؤں کے مستوجب تھے انھیں ہر وقت خوف زدہ رکھتا اور کلیسائے انگلستان میں پاپائی مداخلت کی بہت کچھ روک تھام ضرور کرتا تھا۔

انھیں آئین و قوانین کے ساتھ ۱۳۶۶ء کے اس فیصلے کا بھی ذکر کر دینا چاہیے کہ جان نے جو ایک ہزار مارک ادا کرتے رہنے کا وعدہ کیا تھا، اسے حتماً کالعدم کر دیا گیا۔ اسے ہنری ثالث ادا کرتا رہا تھا۔ ایڈورڈ اول نے موقوف کر دیا مگر اس کے نالائق بیٹے نے پھر جاری کیا اور اب ایڈورڈ ثالث نے موقوف کیا۔ ۱۳۶۶ء میں پاپا نے تینتیس سال کی بقایا کا باضابطہ مطالبہ کیا۔ اسے پارلیمنٹ میں پیش کر دیا گیا تھا اور اگرچہ ٹھیک معلوم نہیں کہ جواب کس طرح کا دیا گیا مگر یہ یقین ہے کہ آئندہ کبھی یہ رقم ادا نہیں کی گئی اور نہ پاپا نے دوبارہ اسے طلب کرنے کی جرأت کی۔

۱۳۵۲ء میں ایک ضروری قانون وہ بنا جس میں غداری کی تعریف تھی۔ بہت قدیم زمانے سے بادشاہ کی ذات خاص کے واسطے طرح طرح کے حفاظت کے غیر معمولی اہتمام کئے گئے تھے اور نارمن فتح، خصوصاً جب سے بڑے بڑے قانون دانوں نے زور پکڑا، بادشاہ و رعایا کے تعلقات پر بہت کچھ مباحثے ہوتے رہتے تھے۔ چودھویں صدی عیسوی میں عام خیال یہ تھا کہ بادشاہ اور اس کی زمیندار رعایا میں وفاداری یا جگر داری اور اطاعت کا علاقہ ہوتا ہے اور غیر زمیندار رعایا صرف وفاداری اور اطاعت کے رشتے سے

آئین غداری

باب سوم

وابستہ ہے۔ اس میں وفاداری کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح ایک دوسرے کے ساتھ انسان وفاداری کرتا ہے اسی طرح بادشاہ سے بادفادار ہنے کا پابند ہو۔ عہد باج گزاری وہ حلف تھا جو بہ حیثیت مالک زمین کے بادشاہ اپنے پٹہ داروں سے لیتا تھا ہی اطاعت تو اپنی قوم کے سردار کی اطاعت، ہر شخص پر خواہ وہ زمیندار ہو یا نہ ہو فرض تھی چودہ سال کی عمر ہوتے ہی ہر لڑکا اپنی گلی کے مردوں میں شامل کیا جاتا تو اس سے بادشاہ کے وفادار و خیرخواہ ہوتے کا حلف لیا جاتا تھا اور اگر زمیندار ہے تو جاگیر کی وراثت پاتے وقت وہ مراسم باج گزاری بھی ادا کرتا تھا۔ یہ مواعید تھے جن کی خلاف ورزی غداری اور کفران نعمت شمار ہوتی نارمن و آنژوی بادشاہوں کے زمانے میں اس جرم کی سزا عموماً ضبطی رہی لیکن ایڈورڈ اول کے عہد میں موت کی غیر معمولی سزا دی جانے لگی۔ اس سے لوگوں کو جہاں جرم کی سنگینی کا اندازہ ہوا وہیں یہ بات بھی ضروری ہوگئی کہ غداری کے جرم کی صحیح تعریف و توضیح کر دی جائے۔ ۱۳۵۲ء کا آئین غداری اسی غرض سے وضع ہوا اور اس میں جرم کی صراحت یہ کی گئی کہ "بادشاہ یا اس کے بڑے بیٹے کی موت کا خواہاں ہونا۔ ملکہ یا بادشاہ کی سب سے بڑی نا کتخدا بیٹی یا بہو کی عصمت دری کرنا۔ بادشاہ کے خلاف اسی کے ملک میں جنگ کرنا۔ بادشاہ کے دشمنوں کا ساتھ دینا۔ بادشاہ کی مہر یا سکہ جعلی بنانا یا مصنوعی سکہ باہر سے لانا۔ اور صدر اعظم، خزانہ دار، یا حکام عدالت کو ادائے فرض کی حالت میں قتل کرنا" غداری کے جرم میں محسوب ہوگا۔

۱۳۶۲ء میں ایک بہت اہم قانون محصول ثانی کے متعلق منظور ہوا۔ منشور اعظم نے جاگیرداروں کو زائد رسوم و زر بدل سے محفوظ و مستثنیٰ کر دیا تھا اور تصدیقی منشور سے بادشاہ پابند ہوگیا تھا کہ محض اپنی رائے سے کوئی محصول عائد نہ کر سکے گا۔ بایں ہمہ شاہی جاگیروں اور ان کے قصبات و بلاد میں ۱۳۳۲ء تک بادشاہ کبھی کبھی بٹائی وغیرہ کے محصول وصول کر لیتے تھے۔ ۱۳۴۰ء میں یہ آئین مرتب ہوا کہ "حکام کلیسا، امرا، جاگیردار اور عمائد و عوام کی متفقہ (اور وہ بھی پارلیمنٹ میں حاصل کردہ) مرضی کے بغیر ملک کو کسی محصول یا عام بار کی زحمت نہ دی جائے گی" اور اس نے بادشاہ کی وہ آزادی بھی سلب کر لی۔ البتہ اسی خاص خاص جماعتوں کے ساتھ جیسے اون کے

ذاتی عطیات کا انسداد

سوداگر، بادشاہ کو بطور خاص معاملہ کرنے کا موقع باقی تھا اور آیڈورد ثالث اس گنجائش سے بارہا فائدہ اٹھاتا رہا۔ مگر اب ۱۳۶۲ء میں پارلیمنٹ نے جو آئین بنایا کہ اون پر کوئی مزید ضمنی بار پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر نہ ڈالا جائے گا۔ اس نے بادشاہ کے لئے اتنے مخلص کی بھی گنجائش نہ رہنے دی۔

جنگ کے زمانے میں جو مالی تدابیر اختیار کی گئیں، اُن سے خود وصول محاصل کے طریقے میں بہت کچھ تغیرات واقع ہوے۔ بارھویں صدی تک محاصل کا سارا بار زمین پر پڑتا تھا اور ان سب کی شرح ہی زمین کے رقبے کے مطابق مقرر کی جاتی تھی۔ تیرھویں صدی میں اون کی صنعت نے ترقی کی اور تاجروں کی جماعت میں آسودگی بڑھی تو محاصل بھی زمین کی بجائے مال منقولہ یعنی اس کی مالیت کے دسویں، بارھویں یا پندرھویں حصے کے حساب سے عائد کئے جانے لگے۔ مزید برآں اسی صدی کے اواخر میں بیرونی تجارت کی ترقی دیکھکر حکام کو خیال پیدا ہوا کہ محصولات درآمد و برآمد بھی مداخل سلطنت کی بہت معقول مد ہو سکتے ہیں اور اسی وقت سے اکثر اشیا کے باہر جانے یا باہر سے آنے پر جو محصول لئے گئے وہ ملکی حسابات کی جدولوں میں نمایاں ہیں۔ ایڈورڈ اول کے بعد سے زرِ سپر بدل کے قدیم محصول کی تو بہت ہی شاذ مثالیں ملتی ہیں لیکن اس کے برخلاف کرورگیری (خصوصاً اون کی وساور کا محصول جس کی ۱۲۷۵ء میں باضابطہ منظوری دی گئی)، زیادہ اہمیت حاصل کرنے لگی اور پہلی مرتبہ ۱۳۷۳ء میں دو سال کے واسطے شراب پر تخمیناً ۲ شلنگ فی ٹن، اور بساط خانے کے سامان پر ۶ د فی پونڈ کی شرح سے محصول مقرر ہوا کہ اس کے عوض میں بادشاہ اپنے اس قدیم حق یا حصے سے دست بردار ہو جائے جو ملک میں آنے، جانے والے مال میں اُسے حاصل تھا۔ اسی زمانے سے اُون، شراب اور بساط خانے کی کرورگیری پارلیمنٹ کے سب سے اہم عطیات میں شمار کی جانے لگی۔ بادشاہ کو بطور خود جو جنگی لینے کا اختیار تھا، وہ باقی نہ رہا اگرچہ وہ دو یا تین جاگیرداری نذرانے اور بڑے بیٹے کی سیف بندی کے موقع کی نذر حسب سابق جاری رہی۔

ان ضروری آئین و قوانین کے علاوہ پارلیمنٹ نے تجارت خصوصاً اون، سیسہ، اور ٹین کی برآمد کی تنظیم پر بہت کچھ توجہ مبذول کی یعنی

باب سوم

بارہا اُن ضوابط میں ردّ و بدل کی جن کے تحت میں اشیا کی فروخت کی اجازت تھی۔ پارلیمنٹ کا اصلی مقصد یہ تھا کہ اس تجارت کو چند مقامات میں مرتکز کر دیا جائے کہ محصول کی وصولیابی میں سہولت ہو اور نیز یہ کہ سونے چاندی کو ملک سے باہر نہ جانے دیا جائے۔ پاپائی اقتدار کے خلاف جو قوانین بنائے گئے ان میں یہ مقصد جھلکتا ہے جس کی بنیاد اِس خیال پر تھی کہ سونے چاندی کے سکے کسی ملک کی دولتمندی کا اصلی معیار ہیں۔

کلیسائی معاملات

از منۂ وسطیٰ میں کلیسائی معاملات کی ہمیشہ دو حیثیتیں ہوتی تھیں؛ ایک تو کلیسائے انگلستان کا تعلق پاپا کے ساتھ اور دوسرا اس کی خود اندرونی حالت۔ ایڈورڈ ثالث کے زمانے میں یہ مسائل دونوں پہلوؤں سے قابل توجہ رہے۔ کچھ مدّت سے عوام الناس پادریوں سے نہایت برگشتہ ہوتے جاتے تھے اور اس ناراضی کا مختلف پیرایوں میں ظہور ہوا۔ پادریوں سے بیزاری کا ایک سبب تو یہ تھا کہ نارمن فتح کے وقت سے انھوں نے ملکی عہدوں کا گویا اجارہ لے رکھا تھا اور ۱۳۷۱ء میں ایڈورڈ نے تو صدارت اور خزانے پر دو غیر کلیسائی آدمی مقرر کئے ورنہ ان عہدوں پر برابر اہل کلیسا کا قبضہ رہا اور یہی حال کمتر درجے کے دیوانی عہدوں کا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ شروع شروع میں داد و ستد، حساب کتاب اور دیوانی قوانین وضوابط کا علم صرف پادریوں کو ہوتا تھا، اور سوائے اُن کے کوئی سرکاری فرائض کی انجام دہی نہ کر سکتا تھا۔ لہٰذا سوائے اُن کے یہ خدمات اور کسی کے تفویض نہ ہو سکتی تھیں۔ لیکن اب کچھ مدّت سے بڑی درسگاہوں سے جو طلبہ تعلیم پا پا کر نکلتے تھے، وہ بھی ان امور سے کماحقہ واقف ہوتے۔ خصوصاً وکالت بالکل غیر کلیسائی لوگوں کا حصّہ ہوتی جاتی تھی۔ انھی قانون پیشہ اشخاص اور دوسری طرف جاگیرداروں میں اہل کلیسا کا دیوانی عہدوں پر فائز ہونا، ناانصافی خیال کیا جاتا تھا یوں بھی جاگیردار ہمیشہ بادشاہ کے وزیروں اور مشیروں کی مخالفت پر کمربستہ رہتے لہٰذا اِس خیال کے دوسرے لوگ بھی انھی کی تائید و پیروی پر آمادہ ہو گئے۔ واضح رہے کہ حلقے کے پادریوں کے خلاف سب سے بڑی شکایت

باب سوم

یہ بھی تھی کہ وہ اپنے حلقے میں مقیم نہیں رہتے۔ اور اس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ ایک ایک پادری کئی کئی معاشیں رکھتا تھا اور زیادہ تر کسی ایک مقام میں سکونت اختیار کر لیتا تھا دوسرے بہت سے معاشدار پادری خود لندن یا کسی اور شہر میں چلے جاتے اور مناجات خوانی کے ذریعے اچھی خاصی کمائی کر لیتے تھے اور ان کی جگہ امامت کے فرائض کم تنخواہ پانے والے نائب انجام دیتے تھے۔

باضابطہ علما سے برگشتگی اس لئے بھی پیدا ہونے لگی کہ وہ مالدار ہو گئے تھے اور دولت نے سسٹرسی زاہدوں تک کو بھیڑیں پالنے کی بدولت گویا متمول گلہ بانوں کی برادریاں بنا دیا تھا اور اُدھر درویشوں (بھائیوں) کے وہ فرقے جو بہت قریب زمانے میں وجود میں آئے تھے، ابتدائی جوش کے ٹھنڈا ہو جانے کے بعد، شہر شہر پھرنے کے باعث مختلف ترغیبات میں پھنسنے بغیر نہ رہ سکے تھے۔ مگر ان سب سے بڑھکر نامقبول کلیسائی عدالتوں کے اہلکار تھے کہ ان عدالتوں کے بنانے کی اصلی غرض تو یہ تھی کہ بد اخلاقی اور معاصی کا سدباب کیا جائے لیکن بجائے اس کے اب وہ بد اطواروں سے روپیہ اینٹھنے کا آلہ بن گئی تھیں اور ان کے عمال کی پیہم جاسوسیاں اور دخل اندازیاں ہر شخص کو سخت ناگوار تھیں۔ اس سلسلے میں، زیر نظر عہد کی کلیسائی زندگی کے دو چشم دید مرقعے جو بہ آسانی بہم پہنچ سکتے ہیں، خاص طور سے قابل مطالعہ ہیں۔ ایک تو چاسر کی قصص کنٹربری کی تمہید جس میں اپنے عہد کے مختلف کلیسا والوں کی رنگ آمیزی کئے بغیر تصویر دکھائی گئی ہے بلکہ مصنف نے ان کے ساتھ حسن ظن کا برتاؤ کیا ہے۔ اور دوسری "Visions of Piers Ploughman" ہے جس میں پادریوں کی بدکاریوں اور زرپرستیوں کی سخت تر لہجے میں خبر لی ہے۔ ان خرابیوں کی اصلاح کے لئے ایک گروہ تو یہ چاہتا تھا کہ اہل کلیسا کو تمام دنیوی عہدوں سے الگ کر دیا جائے اور دوسرا کلیسا کو قبائح سے پاک کر کے قدیم زمانے کی پاکیزگی پیدا کرنے کا خواہاں تھا۔ ان میں پہلے خیال کے لوگوں کا سرگروہ جان (آف گونٹ) اور دوسرے گروہ کا سرخیل جان وکلف تھا۔

جان (آف گونٹ) جان (آف گونٹ) تھا تو ایڈورڈ کا تیسرا بیٹا لیکن لایونل

باب سوم

(شہزادہ کلارینس) کی وفات واقعہ ۱۳۶۸ء اور ولی عہد انگلستان کے زمانہ دراز تک گیس گنی میں باہر رہنے سے دربار شاہی میں وہ سب سے ممتاز ہو گیا تھا۔ اس کی ولادت ۱۳۴۰ء میں بہ مقام گان ہوی اور امیر رچمنڈ بنایا گیا۔ ۱۳۵۹ء میں شہزادہ ہنیری (امیر لینکاسٹر) کی وارث بیٹی بلانش سے شادی ہوی اور خسر کی وفات پر لینکاسٹر کی امارت جان کے نام منتقل کر دی گئی جس میں لیسٹر، داربی اور لنکن کی جاگیریں شامل تھیں۔ ملک میں امیر لینکاسٹر کا ایک خاص گروہ بہت پہلے سے موجود تھا، اس کی سرداری بھی جان کو مل گئی بلانش سے اس شہزادی کے ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہوئیں اور یہی لڑکا آگے چل کے شاہ ہنیری چہارم کہلایا۔ لیکن بلانش نے وفات پائی تو جان نے ایک تو پیڈرو ظالم کی بڑی اور شریک وراثت بیٹی کونس ٹینس (کاسٹیل) سے شادی کی اور وہ بھی مر گئی تو ۱۳۹۴ء میں اپنے بچوں کی مانی کیتھرائن سوئن فرڈ سے نکاح کر لیا جو چاسر شاعر کی سالی ہوتی تھی۔ نکاح سے قبل ہی اس عورت سے جان کے کئی ناجائز بیٹے ہو گئے تھے جو آئندہ خاندان بوفورٹ کے نام سے بہت مشہور ہوئے۔ جان کی قابلیتیں اچھی تھیں مگر ذاتی اطوار برے تھے اور قبولِ عام حاصل کرنے کی بھی بظاہر کوئی مہارت نہ رکھتا تھا۔ اسی لئے عام اہلِ ملک پر اُسے کوئی خاص اقتدار حاصل نہ ہو سکا اور جو کچھ رسوخ اس نے پایا وہ صرف اُمرا کے سرگروہ کی حیثیت سے ہے۔

جان، شہزادۂ لینکاسٹر کی وجہ سے اہلِ کلیسا کی مخالفت کا مرکز دربار بن گیا، تو اُدھر کلیسائی بد اخلاقیوں کی اصلاح چاہنے والوں کا وکیل جان وکلف اور مستقر آکسفرڈ بنا جہاں روبرٹ پولین (۱۱۳۳ء) اور وکاریس (۱۱۴۹ء) کے وقت سے مدارس کا رتبہ بہت

دار العلوم اوکسفورڈ

ترقی کرتا جاتا تھا۔ ان میں پولین توراۃ و انجیل کا اور وکاریس قوانین رومہ کا درس دیتا تھا۔ طلبہ اور اساتذہ کی یہ تمام جماعت، کچھ مدت سے جس کی ٹھیک تاریخ معلوم نہیں، جامعہ کہلانے لگی تھی اور ان کا صدر امیر جامعہ ہوتا تھا۔ اس کو لنکن کا اسقف جو اس علاقے کا کلیسائی حاکم تھا، نامزد کرتا اور پھر فارغ التحصیل طلبہ کو علامہ (ڈاکٹر) اور کامل (ماسٹر) کی سندیں خود دینے کا مجاز ہوتا تھا۔ ان درسگاہوں کی

وقعت کا اندازہ اسی مثال سے بخوبی ہو سکے گا کہ ۱۱۸۶ء میں جیرالڈ (ویلزی) نے ویلز کے جغرافئے یا (خطط) پر کتاب لکھی تو اس کی اشاعت کی سب سے بہتر صورت یہی نظر آئی کہ اکسفرڈ آیا اور مسلسل تین دن میں پوری کتاب طالب علموں کو پڑھکر سنائی۔ مختلف مذہبی فرقے ان درسگاہوں کی تعلیم پر اقتدار جمانے کی کوشش کرتے تھے اور یہ بھی ان کی اہمیت کا ثبوت ہے ۱۲۲۱ء میں ڈومی نیکی درویشوں نے انگلستان آکر اکسفرڈ کا رخ کیا دو سال بعد فرانسسکیوں نے اور آیندہ کارملتیوں اور اوگستی نیوں نے ان کی پیروی کی۔ راہبوں کے کئی پرانے فرقے، خصوصاً بینی ڈکٹینی اپنے خانقاہی علما کو اسی دار العلوم میں کچھ مدت رہنے کی غرض سے بھیجتے اور انھی کی بود و باش کے لئے انھوں نے مختص ایوان تعمیر کرائے تھے۔ ان کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی ہی مدت میں درویشوں کے فرقے قریب قریب یہاں کی پوری زندگی پر چھا گئے اور اوجر بیکن (اگرچہ وہ خود فرانسسکی فرقے کا تھا) شاکی ہے کہ ان فقرا نے سچے علوم کی ترقی میں پادریوں سے کچھ کم مزاحمت نہیں کی۔ اسی فقرا کے غلبے اور کثرت کی روک تھام والٹر ڈی مرٹن نے کی جو ہنیری ثالث کا پیشکار تھا۔ اب تک مذہبی فرقوں کے قیام خانوں کے سوا، عام طلبہ بستی کے آس پاس جہاں جگہ ملتی وہاں رہنے لگتے تھے۔ اگرچہ کبھی کبھی چند طالب علم کفایت کے لئے مل کر ایک مکان بھی لے لیتے اور کسی ایک کو اپنا صدر بنا لیتے تھے۔ والٹر کی تجویز یہ تھی کہ جملہ طلبہ کو ایک آزاد برادری بنا دیا جائے کہ ہر طالب علم اپنا اپنا سبق پڑھے مگر سب ایک ہی انتظام اور ضابطے کے تحت میں رہیں۔ ایسی اجتماعی زندگی سے طلبہ میں ایک خاص قسم کی

مرٹن کالج

یکجہتی کی روح پیدا ہونے کی امید تھی مگر اس یکجہتی کا مقصد والٹر ڈی مرٹن نے مذہبی فرقوں کے خلاف بالکل دوسرا سوچا تھا۔ مذہبی اشخاص یعنی کسی راہب یا درویش کو اس گروہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی اور طلبہ تنگ نظری سے کسی محدود فرقے کی اغراض کے لئے کوشش کرنے کی بجائے خدا کی وسیع دنیا میں نکلنے اور تمام نوع بشر کی خدمت کرنے کو اپنا نصب العین بناتے تھے۔ ۱۲۶۴ء میں والٹر کو اپنے دار الاقامہ کے لئے

شاہی سند حاصل ہوئی اور ۱۲۶۴ء میں اس نے رفقا اور طلبہ کی مختصر بستی کو اکسفرڈ میں ایک جگہ لا کے آباد کر دیا۔ اکسفرڈ کی تاریخ میں مرٹن کالج کی بنا ہمیشہ یادگار رہے گی کہ اس کی مثال دیکھکر اور لوگوں نے بھی ایسے ہی کالج بنانے شروع کئے۔ بے لیل کالج کا پہلا حکمنامہ ۱۲۸۲ء کی تحریر ہے۔ ایکز یٹر کی بنیاد ۱۳۱۴ء میں۔ اورِیل کی ۱۳۲۶ء میں۔ کوئینز کالج کی ۱۳۴۰ء میں پڑی۔ کیمبرج کے نوخیز دار العلوم میں بھی اسی قسم کا تغیر رونما ہوا اور مرٹن کالج کے نمونے پر ۱۲۸۴ء میں وہاں کے پہلے کالج پیٹر ہاؤس کے ضوابط مرتب ہوے۔ لیکن مذہبی فرقے اپنے اقتدار کو جد و جہد کئے بغیر ہاتھ سے دینے والے نہ تھے اور معلوم ہوتا ہے اول اول اسی دینی دنیوی گروہ کے مناقشے میں وکلف نے شہرت پائی!

خیال کیا جاتا ہے کہ یہ شخص ۱۳۲۴ء میں رچمنڈ (علاقہ یارک شر) کے قریب ہپیس ویل نامی گاؤں میں پیدا ہوا جہاں سے خود اس کے کنبے کا قدیم گاؤں وکلف لب ٹی، دس میل کے قریب دور تھا۔ اس کے لڑکپن کا حال سوائے اس کے کچھ معلوم نہیں کہ وہ کسی طرح اکسفرڈ پہنچا اور، اس کی زندگی کا پہلا مسلم واقعہ یہ ہے کہ ۱۳۶۱ء میں بے لیل کالج کا صدر مدرس مقرر ہوا۔ اس حیثیت کی بنا پر وہ دینی گروہ کے سرگروہوں میں شامل اور اوصاف و مزاج کے اعتبار سے بھی مناقشے کے لئے نہایت مناسب آدمی تھا کہ فطری زندہ دلی اور ظرافت و طباعی کے ساتھ خانقاہی فلسفے کے اصول سے خوب واقفیت تھی جس کا انحصار باریک تعریف و تفریق پر ہے۔ وکلف کے ذاتی اخلاق ایسے اچھے تھے کہ دشمن بھی ذاتیات پر حملہ کرنے کی کوئی گنجائش نہ پا سکے اور ادھر خوش مزاجی نے بہت سے لوگوں کو اس کا شیفتہ اور مددگار بنا لیا تھا۔ ارباب ضوابط یعنی دنیوی گروہ کے خلاف اس سے اچھا سرگروہ ملنا مشکل تھا۔ ۱۳۶۶ء میں اس نے اس فیصلے کی حمایت میں کہ پاپا کو ہزار مارک سالانہ بھیجنے بند کر دیئے جائیں، طلبہ کے سامنے تقریر کی اور بڑا نام پایا۔ ۱۳۷۴ء میں پاپا کے قائم مقاموں سے برو ژ میں انگلستان اور پاپائی تعلقات کے جملہ مسائل پر بحث و گفتگو کرنے کی غرض سے جو وفد بھیجا گیا، وہ بھی اس کا شریک منتخب ہوا۔

اس اثنا میں درباری گروہ نے کلیسائی عہدہ داروں کے خلاف شد و مد سے

باب سوم

کارروائی شروع کر دی تھی (۱۳۴۷ء) اور ۱۳۴۱ء کی حکمت عملی کو تازہ کر کے مطالبہ کیا کہ انھیں برطرف کر دیا جائے۔ اس میں کامیابی ہوئی اور بیڑے فراہمی کے لئے ۱۲۸۲ء کے بعد سے جو اراضی اہل کلیسا کے نام وقف کی گئی تھیں ان پر بہت بھاری مالیہ لگا دیا گیا۔ درباری گروہ کے طرز عمل کی مصداق یہ حکایت ہے کہ الّو (یعنی کلیسا) نے دوسرے پرندوں (یعنی عوام الناس) سے لے کے پر پرزے (یہ اوقاف) لگا لئے تھے مگر جب ان پرندوں کو شکرے (یعنی فرانس) کا خوف لاحق ہوا تو انھوں نے واجبی طور سے اپنی حفاظت کے لئے پر واپس طلب کئے۔ مگر جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں (صفحہ ۲۶۷) اس روپے سے جو بیڑا آراستہ کیا گیا تھا افسوس ہے کہ وہ لارڈ نویل پر تباہ ہو گیا۔ جان (اوف گونٹ) کی مہم ناکام رہی۔ غیر کلیسائی عہدہ داروں نے امور مملکت کے انصرام میں وہ قابلیت نہ دکھائی جو تجربہ کار کلیسائی عہدہ داروں میں پائی جاتی تھی۔

ولیم وکہمی

اس کلیسائی طبقے میں سب سے ممتاز ولیم (وکہمی) ہوا ہے۔ یہ نامور شخص ۱۳۲۴ء میں پیدا ہوا اور مدت تک بادشاہی عمارات کی نگرانی کی خدمت انجام دیتا رہا۔ ونڈزر و کوئن برو کے قلعے اور بہت سی دوسری عمارتیں اس نے ایڈورڈ کے واسطے بنوائیں۔ انھی خدمات کے صلے میں بزم شوریٰ کا صدر نشین، ونچسٹر کا اسقف اور پھر پیشکار مقرر ہوا۔ ۱۳۷۹ء میں اس نے آکسفرڈ میں نیو کالج کی بنیاد ڈالی اور اس کی توقیع یہ مقولہ رکھا کہ "آدمی آداب سے بنتا ہے"۔ شہزادہ جان کو اس شخص سے کچھ ذاتی نفرت ہو گئی تھی اور جب ولیم کی حمایت پر تمام کلیسائی جماعت کمربستہ ہوئی تو اس مناقشے نے پوری قومی اہمیت حاصل کر لی۔

درباری اخلاق کی پستی

اس عرصے میں ملک کی عام حالت نہایت ابتر ہو گئی تھی۔ ملکہ فلیپا نے ۱۳۶۹ء میں وفات پائی اور اس کے بعد سے ایڈورڈ ثالث متوفیہ کی ایک خادمہ ایلس پیررس پر کچھ ایسا عاشق ہوا کہ اسے علانیہ لندن کے گلی کوچوں میں "ملکۂ حسن" کا نام دے کر پھرایا کرتا تھا۔ اس عورت کے اثر سے بادشاہ کے اخلاق میں بہت جلد پستی پیدا ہونے لگی۔ ایلس نے اثر بھی وہ حاصل کیا جو پہلے کسی بادشاہ کی داشتہ کو میسر نہ آیا تھا۔ چنانچہ بھلا پھسلا کے ملکہ متوفیہ کے زیور بھی اس نے لے لئے۔ اپنے اثر کی بے تکلف غرضمندوں سے قیمت وصول

باب سو

کرنے لگی اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ عدالتوں کو فیصلے اپنے حکم سے لکھواتی تھی۔
اس کے دور میں دربار کے اسراف کی حد نہ رہی۔ بادشاہ کا بال بال قرض میں جکڑ گیا۔
لے ٹیمر، نویل، لائینز وغیرہ امیروں نے شاہی قرضخواہوں سے خود تمسک
خرید لئے اور خوب روپیہ بنایا اگرچہ اس میں اور لوگوں پر مصیبت پڑی۔

دربار کی اس حالت نے اہل ملک کو یہاں سے وہاں تک برداشتہ دل کر دیا۔ ۱۳۷۶ء میں ایڈورڈ شہزادۂ سیاہ نے ہمت سے کام لیا۔ وہ انگلستان آنے کے وقت سے صاحب فراش اور خانہ نشین رہتا تھا۔ اب اس نے معترضین کی وکالت میں وزیروں کو بدلنے اور دربار کو پاک کرنے کا مطالبہ کیا۔ اپریل میں ۱۳۷۶ء کی اس مشہور پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا جسے "اچھی پارلیمنٹ" کا معزز لقب حاصل ہے۔ اس میں غالباً خود شہزادے اور ولیم (وکھمی) کی بلاواسطہ راہ نمائی میں دربار شاہی پر زبردست اعتراض کیے گئے۔ مجلس کا صدر پیٹر (دی لامیر) منتخب ہوا جو امیر مارچ کا مہتمم، لایونل (شہزادہ کلیرنس) کا داماد اور اصلاح کا حامی تھا۔ پھر لے ٹیمر، نویل، لائینز اور ایلس پیٹرس کی خبر لی گئی اور ان کے حملے کا طریقہ خود حملے سے کم اہمیت نہیں رکھتا کہ عوام نے دارالامراء میں ان ملزموں کے خلاف استغاثہ کیا اور گویا دارالعوام مستغیث اور اُمرا، حاکمانِ عدالت بنے اور عوام کے عاملوں کی شہادتیں، تقریریں اور ملزمین کے جوابات سنکر، کثرت رائے سے فیصلہ اور سزا سنائی۔ لے ٹیمر اور لائینز پر بادشاہ کو بیس ہزار مارک دینے اور عوض میں بیس ہزار پونڈ وصول کرنے کا، نویل پر شاہی قرضے خریدنے کا، اور ایلس پر عورت ہو کر (خلاف قانون) عدالت میں وکالت کرنے کا جرم ثابت ہوا۔

شہزادہ سیاہ نے جون میں وفات پائی اور جنگی دلاوری اور سپہ گری میں، اور شاید اس سے بھی بہتر یہ کہ آخر زمانے میں اصلاحات کی حمایت کی بدولت، نامِ نیک یادگار چھوڑا۔ اصلاح طلب گروہ کی نظر میں شہزادہ جان ہر قسم کی برائی کا مرتکب ہو سکتا تھا، لہذا دارالعوام نے بڑی بڑی کارگر تدبیریں اختیار کیں کہ اقتدارِ سلطنت اس کے ہاتھ میں نہ جانے پائے اور شہزادہ سیاہ کا اکیلا زندہ بچہ رچرڈ وارث تاج و تخت ہو۔ چنانچہ ولی عہد کے نام سے اسے پارلیمنٹ میں بلوایا گیا۔

بادشاہ کو آمادہ کیا کہ اپنی بزم شوریٰ میں فرقۂ عوام کے دس زائد ارکان کا اضافہ کرے: بے داد رسی، پاپا اور پردیسی پادریوں کے دعاوی، پارلیمنٹ کے بے روک انتخابات میں مداخلت، مزدوری کے متعلق قوانین کی خلاف ورزی وغیرہ وغیرہ مختلف شکایتوں کی ایک سو چالیس سے کم عرضیاں نہ تھیں جو بادشاہ کی خدمت میں پیش کی گئیں۔ ان میں غیر ملکی پادریوں کی نسبت کہا جاتا تھا کہ بیس ہزار انگریزی اشرفیاں ہر سال ان کی جیب میں چلی جاتی ہیں۔

جب تک پارلیمنٹ کا اجلاس ہوتا رہا، ان درخواستوں کے جواب حسب دلخواہ ملتے رہے اور جہاں تک علم ہے وہ رہا بھی اتنی دیر کہ پہلے کسی پارلیمنٹ کا اجلاس نہ رہا تھا۔ لیکن جولائی میں اس کے برخواست ہوتے ہی شہزادۂ جان کا اقتدار بحال ہوگیا۔ ایلیس واپس بلالی گئی۔ پیٹر دی لا میر، کو قید کی سزا ملی اور ولیم (وکہمی) پر بددیانتی اور غبن وغیرہ کے ویسے ہی الزام جیسے کبھی ہوبرٹ اور بکٹ پر لگے تھے، بہت تفصیل سے عائد کئے گئے۔ بزم شوریٰ کے جدید ارکان کو شرکت کی اجازت ہی نہ ملی اور شکایات کی عرضیوں پر بادشاہ کی کوئی باضابطہ منظوری نہ لکھی گئی۔ اہل کلیسا پر حملہ کرنے کے سلسلے میں جان نے منجملہ اور ذرائع کے یہ تدبیر بھی مواقف مصلحت سمجھی تھی کہ وکلف کی دوستی کا بہت دم بھرتا تھا اور اکسفرڈ کا یہ علامہ بھی اپنی سادہ دلی یا شاید درباری طمطراق سے بہ آسانی مرعوب ہوجانے کے باعث شہزادۂ مذکور کے حامی سمجھے جانے کو بُرا نہ سمجھتا تھا۔ جان کو اب اپنے مرتبے اور اس زعم پر کہ حسب منشا پارلیمنٹ جمع کر دوں گا، اتنا اطمینان تھا کہ جنوری ۱۳۷۷ء میں تازہ اجلاس منعقد کیا اور پوری طرح کامیاب بھی ہوا کہ کثرت آرا سے پارلیمنٹ نے بادشاہ کو عرضی دی کہ لیٹیمر نویل اور ایلیس کو واپس بلالیا جائے، نیز یہ کہ فی کس کم سے کم ایک چونی (= گروٹ) کا جدید خراج وصول کیا جائے۔

مگر اہل کلیسا وکلیم پر الزام لگائے جانے سے نہایت برہم ہوئے تھے۔ انھوں نے شہزادۂ جان پر خود وکلف کے واسطے سے حملہ کرنے کی ٹھانی اور سینٹ پال کے کلیسا میں اسقفوں کی ایک تحقیقاتی مجلس میں وکلف کو طلب

باب سوم

کیا گیا۔ وہ شہزادہ جاؔن اور ایک اور حمایتی کو ساتھ لایا۔ یہ اس کا دوست ہنیری پرسی تھا کہ پہلے اصلاح کا حامی رہا اور بعد میں یہ سالاری کا عہدہ پاکر شہزادے کے ساتھ ہوگیا تھا۔ لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ شہزادے اور اہل مجلس میں تکرار ہوگئی۔ میر مجلس، کورٹنی (اسقف لنؔدن) کی بے عزتی ہوی اور شہر والوں کو اپنے اسقف کی اہانت سنکر ایسا غصّہ آیا کہ بلوہ ہوگیا اور شہزادہ جان اور پرسی بہ مشکل جان سلامت لے کر نکل سکے مگر معلوم ہوتا ہے شہزادے کی اتنی کچھ رفافت کے باوجود وکلف پر کوئی تشدّد یا حملہ نہیں ہوا۔ اُس کی مذہبی آراجن سے بعد میں وہ ملحد مشہور ہوا، اس وقت تک شائع نہیں ہوی تھیں۔ تاہم بظاہر سیاسی زندگی کے اسی مختصر تجربے نے اسے بتادیا کہ رُسوخ واقتدار بڑھانے کے زیادہ کارگر ودیرپا طریقے دوسرے ہیں۔

اس وقت تو ہر طرف جاؔن ہی جاؔن چھایا ہوا نظر آتا تھا اور جنگی بغاوت کے سوا کوئی صورت اسے اپنی جگہ سے ہٹانے کی ممکن معلوم نہ ہوتی تھی کہ اتنے میں جون ۱۳۷۷ء میں بادشاہ نے وفات پائی اور اس کشمکش میں ایک نئے باب کا آغاز ہوگیا۔

مشہور واقعات

ہیلڈن پہاڑی کی لڑائی ۱۳۳۳ء
کریسی کا معرکہ ۱۳۴۶ء
"مرگِ سیاہ" کا نزول ۱۳۴۹ء
آئین غداری ۱۳۵۲ء
آئین انتباہ ۱۳۵۳ء
معرکہ پواتیئے ۱۳۵۶ء
صلحنامہ کالے ۱۳۶۰ء
اچھی پارلیمنٹ ۱۳۷۶ء

باب چہارم

رچرڈ ثانی، ۱۳۷۷ء تا ۱۳۹۹ء

ولادت: ۱۳۶۶ء۔ ازدواج با آین ۱۳۸۱ء
با ازابلا ۱۳۹۵ء

مشہور ملوک معاصرین:

اسکاٹ لینڈ	فرانس	شہنشاہ
روبرٹ ثانی	چارلس پنجم	ونسس لاس
روبرٹ ثالث	چارلس ششم	

رچرڈ ثانی اور اس کے چھوٹے بھائی

ایڈورڈ کی وفات پر اس کا پوتا اور شہزادہ سیاہ کا فرزند رچرڈ ثانی بادشاہ بنایا گیا۔ اس کی عمر گیارہ سال سے زیادہ نہ تھی اور اُس کی تخت نشینی اس بات کی قوی شہادت ہے کہ متوفی بادشاہ بہت ہر دلعزیز تھا اور یہ کہ موروثی بادشاہی کا اصول پوری طرح دلوں میں جاگزیں ہو چکا تھا۔ کیونکہ اس سے قبل ایڈورڈ ثالث کے سوا، اور

باب چہارم

کوئی خرد سال شہزادہ جس کا بڑی عُمر کا چچا بادشاہی کے لئے موجود ہو، وارثِ ملک منتخب نہ ہو سکتا تھا۔

مگر اس تجربے میں بہت سے خطرے ضرور مرکوز تھے۔ مثلاً یہ کہ خاندان شاہی نہایت وسیع جاگیرداری اقتدار بہم پہنچا لیتا تھا۔ ہر بادشاہ کو چھوٹے لڑکوں کے واسطے مناسب انتظام کرنے میں دشواری پیش آتی تھی۔ نارمن فتح سے قبل بعض بادشاہوں کو اس عقدے کا دلخوش کن حل یہ نظر آیا کہ دوسرے بیٹوں کے لئے بھی باج گزار چھوٹی چھوٹی بادشاہیاں قائم کر دیں لیکن یہ انتظام بارہا پورے ملک کی سلامتی کے حق میں مخدوش ثابت ہوا۔ شاہ ولیم فاتح کی بڑی دانشمندی تھی کہ کسی بیٹے کو انگلستان میں ریاست و امارت عطا نہ کی اور علیٰ ہذا ہنری ثانی نے اپنے وسیع مقبوضات کی تقسیم کے وقت انگلستان کو سالم رہنے دیا تھا اس پسندیدہ حکمت عملی سے اول ہنری ثالث نے انحراف کیا اور اپنے بھائی رچرڈ کو کارنول کی ریاست بڑے بیٹے ایڈورڈ کو چیسٹر اور منجھلے ایڈمنڈ کو لینکاسٹر، ڈاربی و لیسٹر کا امیر بنا دیا تھا۔ پھر اسی ایڈمنڈ کے بیٹے ٹامس کی شادی ایڈورڈ اول نے لنکن و سالسبری کی وارثہ کے ساتھ کر دی ایڈورڈ ثانی نے اپنے علاتی بھائیوں کو نارفک اور کینٹ کی امارت مرحمت فرمائی۔ ایڈورڈ ثالث تخت نشیں ہوا تو یہ سب ریاستیں شاہی خاندان کے افراد کے قبضے میں تھیں اور جب خود اس کے بیٹے بڑے ہوئے تو اس نے اسی نظام کو مزید وسعت دی۔ بڑا بیٹا شہزادہ سیاہ ۱۳۳۷ء میں کارنول کا امیر کبیر (ڈیوک) بنایا اور اپنی بنتِ عم جون سے بیاہا گیا جو خود بھی ریاست کینٹ کی وارث تھی۔ دوسرا بیٹا لایونل جو جوانی تک زندہ رہا، کلیرنس کا امیر کبیر مقرر ہوا اور اس کی شادی ولیم ڈی برگ امیر السٹر کی اکلوتی بیٹی سے ہوئی اور وہ گلوسٹر و ہیریفرڈ کی جاگیروں میں بھی ایک ثلث کی حصہ دار تھی۔ لایونل ۱۳۶۸ء میں صرف ایک بیٹی فلپّا چھوڑ کر فوت ہوا اور اس کی شادی روجر مورٹمر امیر مارچ کے ساتھ ہوئی تو ان وسیع املاک میں اور اضافہ ہو گیا۔ یہ مورٹمر اپنے ہمنام باغی امیر کا پوتا اور خود بھی "اچھی پارلیمنٹ" میں اصلاح طلب گروہ کے رہنماؤں میں شامل تھا۔ ایڈورڈ ثالث کا منجھلا بیٹا جان (گونٹ) جس کا

باب چہارم

امیر تھا۔ اس کی شادی لینکاسٹر کی شہزادی ہنیری کی اکلوتی بیٹی سے ہوی جو ڈاربی و لیسٹر کی جاگیر بھی اپنے ساتھ لائی۔ اور جب اس کے بیٹے ہنیری کی شادی بوہن خاندان میں ہوی تو ہیریفرڈ کی بھی آدھی ریاست اسی شہزادی کے قبضے میں آگئی۔ اس کی بہن ایڈورڈ کے پانچویں بیٹے سے بیاہی جو ووڈاسٹاک کا امیر تھا۔ مختصر یہ کہ ملک کے نہایت وسیع رقبے خاندان شاہی کی وراثت میں آگئے اور چونکہ خاص خاص علاقوں کے جاگیرداروں کی پہلے سے مقررہ روش اور خاص حیثیت بن گئی تھی، لہذا اپیش نظر عہد میں شمالی جاگیرداروں کے جتھے کا سردار تو جان ہو گیا۔ ریاست کلیرنس کے وارثوں کو ویلز کے سرحدی جاگیرداروں کا ساتھ دینا پڑا اور خود بادشاہ کو چیسٹر و کارنول کے جاگیردار کی حیثیت سے اہل چیسٹر کی وفاداری اور کارنول کی بیش بہا معاون میں خاص خاص حقوق حاصل تھے۔ صرف ایک بڑی ریاست (نارتھمبرلینڈ) شاہی خاندان کے افراد کے قبضے میں نہ تھی، اسے ایڈورڈ ثالث نے شہزادہ جان کے دوست ہنیری پرسی کے واسطے بالکل آخر زمانے میں قایم کیا تھا۔ اس کے علاوہ، وارک، خاندانِ بوشاں کے، سالسبری، خاندانِ مونٹیگو کے۔ اور اکسفرڈ کی جاگیر خاندانِ ویر وارنڈیل کے قبضے میں تھی۔ پندرھویں صدی کے واقعات سمجھنے کے لئے، ان ریاستوں اور بڑی جاگیروں کی تقسیم سے واقفیت ضروری ہے۔

مجلس ایالت ہنیری ثالث و ایڈورڈ ثالث کی صغر سنی میں جو عمل ہوا تھا، اسی کی نظیر پر نئے بادشاہ کی خردسالی کے زمانے کے لئے بھی ایک مجلس ایالت مقرر ہوی جس میں دونوں گروہ کے نمایندے لئے گئے تھے۔ مثلاً جان کے دوستوں میں امیر ارنڈیل اور امیر مارچ شریک تھے۔ رقابت کا موقع نہ آنے دینے کی غرض سے، بادشاہ کے چچا اس جماعت میں نہیں لئے گئے اور اتالیقی اور معاملات کی عام نگرانی اُس کی ماں، جون (کینٹی)، کے ہاتھ میں رہنے دی کہ یہ ملکہ بے حد ہر دلعزیز تھی۔ پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا تو اس وقت بھی ایسی ہی صلح و آشتی سے کام لیا گیا کہ عوام تو شہزادہ جان کے ساتھ ادب و احترام سے پیش آئے اور اس نے بھی پیٹر د دی لامیئر) کے دوبارہ صدرنشیں منتخب کئے جانے پر کوی قیل و قال نہ کی۔

بالاتفاق طے پایا کہ بادشاہ کی خرد سالی کے زمانے میں صدر اعظم، وزیر خزانہ اور دوسرے بڑے بڑے عہدہ داروں کا انتخاب پارلیمنٹ کرے اور لندن کے دو تاجر، ولیم وال ورتھ اور جان فلی پیٹ نامی، خزانچیوں کے نام سے اُس گراں قدر رقم کے خرچ کی نگرانی کریں جو جنگ کے واسطے منظور کی گئی تھی۔ مگر یہ آغاز اتنا نیک ہوا تھا، کہ آخر تک اِس کا نباہ نہ ہو سکا۔ شہزادہ جان کی ہوسِ جاہ ایسے فروتر مرتبے پر قناعت نہ کر سکتی تھی اور نہ وہ یہ اہلیت رکھتا تھا کہ اقتدار حاصل کر لینے کے بعد اچھی طرح حکومت چلا سکے۔ چنانچہ اسی خود پسندی اور عدم اہلیت نے اُسے بہت جلد دوبارہ ویسا ہی نامقبول بنا دیا۔

کسانوں کی شورش

رچرڈ ثانی کے ابتدائی عہد کا سب سے بڑا واقعہ ۱۳۸۱ء کی کسانوں کی شورش ہے۔ اس کے بہت سے اسباب تھے جن میں سب سے اہم نہیں تو سب سے صریحی سبب ۱۳۸۰ء کا عام خراج تھا۔ پارلیمنٹ کو جب روپیہ فراہم کرنے کی کوئی دوسری شکل نہ سوجھی (اور اہل ملک کی استطاعت سے بھی وہ صحیح واقفیت نہ رکھتی تھی) تو ۱۳۷۷ء کی نظیر لے کر ۱۳۷۹ء میں اس نے پھر خراجِ عام عائد کر دیا۔ اس کی شرح تدریجی تھی۔ یعنی ایک امیر کبیر کو ۶ پونڈ، ۱۳ ۴ شلنگ دینے پڑتے تو عام امرا کو صرف ۴ پونڈ۔ اور اسی طرح گھٹتے گھٹتے سب سے غریب کسانوں سے اس کی مقدار ایک گروٹ (= چونی) رہ جاتی تھی۔ یہی تدریج اہلِ کلیسا کے معاملے میں رکھی تھی اور نہایت پابندی سے یہ خراج وصول کیا جاتا تھا چنانچہ جن پرگنوں کی فہرستیں محفوظ ہیں، خصوصاً جن کو حال میں چھاپ دیا گیا ہے، اُن سے پرگنے کی پوری مردم شماری معلوم ہو سکتی ہے۔ لیکن جتنے روپے کی ضرورت تھی تحصیل اُس سے کہیں کم ہوی اور ۱۳۸۰ء میں دوبارہ خراج لگایا گیا۔ اس کی تدریج اتنی منصفانہ نہ تھی اور اب غریب سے غریب آدمی کو بھی ایک شلنگ دینا پڑتا حالانکہ دولت مند زیادہ سے زیادہ ایک پونڈ ادا کرتے تھے ایسی تحصیلِ عام سے ہر کس و ناکس پر منکشف ہو گیا کہ بُری حکومت اور اسراف بیجا کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ عام ناراضی پیدا ہوی اور جون ۱۳۸۱ء میں کینٹ کے باشندے ہتھیار لے کر اُٹھ کھڑے ہوے۔ ان کا سرغنہ واٹ ٹائلر

تھا اور اس کے غیظ و غضب کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اُس کی بیٹی کی ہتک کی گئی تھی۔ اُس نے میڈ اسٹون کے قید خانے سے ایک باغیانہ خیالات کے پادری جان بال کو بھی چھڑایا جس کی یہ بیت زبان زدِ عام تھی:

When Adam delved and Eve span
who was then the gentleman?

(یعنی جب آدم پھاوڑا اور حوا چرخہ چلاتی تھیں، اس وقت شریف (و رذیل) کون تھا؟)

اس پادری کو خود صدر اُسقف کینٹربری نے قید میں ڈلوا دیا تھا۔

کینٹ کی شورش کے ساتھ ساتھ ایسکس، ہارٹ فرڈشر، نارفک، سفک اور کیمبرج بلکہ سمرسٹ شر جیسے دور دست ضلع میں بھی فساد کی آگ بھڑک اٹھی۔ ان فسادات کی علت غائی زرعی غلاموں کی نفرتِ دنائتی تھی۔ کینٹ میں تو ایسی زرعی غلامی کا رواج نہ تھا اس لئے وہاں کی سرکشی خالص سیاسی نوعیت رکھتی تھی لیکن دوسرے مقامات پر رعیت کے لوگ اس بناء پر سخت مشتعل ہوئے کہ مزدوری کے جدید قوانین کا جبری نفاذ عمل میں آیا اور زر بدل دے کر زرعی غلامی سے آزاد ہو جانے کا دستور موقوف کر دیا گیا تھا۔ وہ زمانہ بڑی خوشحالی کا تھا اور مزدوری کی شرح قدرتاً بڑھ رہی تھی۔ سرکار کا اس اجرت میں مزید بیشی کو روکنا عوام کو بہت ناگوار گزرا۔ دوسرے ایسی صورت میں جب کہ کام کی مالی اجرت بڑھ گئی تھی، کوئی جاگیردار زرعی غلام کا حق زر بدل کے معاوضے میں چھوڑنے پر تیار نہ تھا۔ ان سب باتوں کے علاوہ، یہ یقینی معلوم ہوتا ہے کہ وکلف کے بعض سادہ لوح پادریوں اور دوسرے جوشیلے اشخاص کی آتش زبانی سے بھی کافی جوش خروش پھیلا اور شورش کے اس مواد میں اُن سپاہیوں نے اور اضافہ کیا جو لڑائیوں کے بعد برخاست ہو ہو کر گھروں کو واپس آئے تھے۔

غرض ان جملہ وجوہ نے مل کر انگلستان کے عوام الناس میں وہ آگ لگائی کہ کبھی اس ملک میں دیکھنے میں نہ آئی ہوگی۔ واقعی شورش دو ہفتے سے زیادہ قائم نہیں رہی

مگر اسی قلیل مدت میں سارے جنوب مشرقی پرگنوں میں طوفان مچ گیا۔ ہر جگہ مواضع کی حویلیوں میں آگ لگادی گئی اور کھاتے جلا ڈالے گئے جیسا کہ ۱۷۸۹ء میں فرانس کے کسانوں نے کیا۔ ہر وکیل کو جس تک کسانوں کا ہاتھ پہنچا، فوراً جان سے مار دیا گیا۔ کینٹ والے واٹ ٹائلر کے ماتحت چاروں طرف سے لندن پر بڑھے اور لندن برج سے دریائے ٹیمز کو عبور کیا۔ پیشکار اور صدر اُسقف کینٹربری، سائمن (باشندہ سُدبری) تھا اور کہتے ہیں اُس نے اہل شورش کو "برہنہ پا منچرے" کہا تھا لہٰذا اسے اور اُس کے ہم عہدہ، یعنی سر رابرٹ ہیلز (وزیر خزانہ) کو ہلاک کر دیا۔ یہ لوگ اعلان کرتے جاتے تھے کہ ہم آئندہ کسی شاہ جان کی حکومت نہ اٹھائیں گے۔ برخلاف اِن کے زرعی غلاموں نے اس قدر بیہودگیاں نہیں کیں اور نسبتہً معقولیت کا ثبوت دیا۔ رچرڈ، مائل اینڈ کے مقام پر ایسکس والوں سے خود ملا اور وعدہ کیا کہ رعیت واڑی پٹہ موقوف کر دیا جائے گا اور جب یہ لوگ خوش ہو گئے تو ان کو سمجھا بجھا کے واپس بھیج دیا۔ دوسرے روز اس نے واٹ ٹائلر سے اسمتھ فیلڈ میں ملاقات کی۔ مگر گفتگو کے دَوران میں تکرار ہو پڑی اور میر بلد، ولیم وال ورتھ نے ٹائلر کے چھرا بھونک دیا۔ بایں ہمہ رچرڈ نے بڑے اوسانوں سے کام لیا۔ ہر چند وہ لڑکا تھا مگر دلیری سے گھوڑا بڑھا کے چلایا کہ "تمہارا سردار میں بنوں گا" اور یہ سنکر ٹائلر کے ساتھی بھی اُس کے گرویدہ ہو گئے۔ اس عرصے میں نارفک کے اہل شورش، ہینری ڈسپینسر (اسقف نارج) نے نارتھ والشم میں سرکوبی کی اور جس گرجا میں وہ پناہ گزیں ہوئے تھے، اُسے جلا دیا۔ ملک کے دوسرے حصوں میں بادشاہ کے وعدے سُن سُن کر کسان منتشر ہو گئے۔

لیکن ان وعدوں کو قانون کی صورت میں لانا سہل نہ تھا۔ زرعی غلاموں کا مطالبہ تھا کہ چار آنے فی ایکڑ لگان کے عوض میں، مقررہ خدمات کو موقوف کر دیا جائے اور میلوں اور منڈیوں میں ہر شخص کو خرید و فروخت کی آزادی ہو۔ محض اپنی رائے سے بادشاہ کا یہ وعدہ کر لینا، اپنے اختیارات سے صریحی تجاوز اور گویا ایسی چیز دینے کا اقرار تھا، جو اُس کی ملکیت ہی نہ تھی چنانچہ پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا، تو اعضائے مجلس کینٹ کے

باب چہارم

باغیوں کے مطالبات کی تائید پر توبخوشی آمادہ تھے، مگر انھوں نے قانون کی یہ سکت دلیل پکڑلی کہ مقررّہ خدمات سے تماماً آزادی دلوانے کے وعدے کا بادشاہ کو کوئی حق نہ تھا۔ اس طرح بظاہر تو بیچارے کسان مقدمہ ہار گئے لیکن عملاً انھوں نے اپنے اپنے جاگیرداروں سے وہ حقوق حاصل کر لئے جنھیں پارلیمنٹ نے مجموعۃً عطا کرنے سے اِبا کیا تھا۔ اصل یہ ہے کہ مقررّہ بیکاری خدمات کا لینا کچھ سہل نہ تھا اور جاگیرداروں کو یہ بھی خوف ہو گیا تھا کہ کہیں کسان دوبارہ شورش و فساد نہ برپا کردیں پس ان کو فائدہ اسی میں نظر آیا کہ ان خدمات سے دستکش ہو جائیں اور اپنی اراضی ایسے پٹہ داروں کو دے دیں جو اجیر فردوروں سے کام لیتے تھے۔ غرض اس طرح چودھویں صدی کے زرعی غلاموں سے مزارعین کا وہ طبقہ پیدا ہوا جو اپنی پٹے کی زمینوں پر، عملاً آزاد زمینداروں کی مثل قابض تھا۔ دوسری طرف، بے زمین والے مزدور پیشہ لوگوں کو ۱۳۸۱ء سے لے کر جو خوشحالی نصیب ہوئی، وہ ایک صدی تک برقرار رہی تا آنکہ وسیع پیمانے پر بھیڑیں پالنے کا طریقہ مروّج ہوا اور از سرِ نو اقتصادی ہل چل پیدا ہو گئی۔

ہل کینٹ کی سرکشی نے شہزادہ جان کو مایوس کر دیا کہ انگلستان میں سیاسی کارنمائی کا میدان نہ مل سکے گا۔ پھر بھی ۱۳۸۵ء یعنی اس وقت تک اسے کافی اقتدار اور رسوخ حاصل تھا جب کہ اس نے ہسپانیہ پر فوج کشی کی تیاریاں کیں۔ وہ پیڈرو کی بڑی بیٹی کا شوہر تھا اور تھوڑی بہت امید رکھتا تھا کہ کاسٹیل کے تخت کا مالک ہو جائے گا چنانچہ ۱۳۸۶ء میں انگلستان سے روانہ ہوا اور ۱۳۸۹ء تک باہر رہا۔

وکلف

اس عرصے میں وکلف کے خیالات ملک میں سرعت سے پھیل رہے تھے۔ ایڈورڈ کو مرے زیادہ مدت نہ ہوئی تھی جب کہ روما سے پاپا کا فرمان پہنچا کہ وکلف کے خلاف مقدمہ چلایا جائے کہ اس کے عقائد ملک و مذہب کے مخرب ہیں۔ لیکن وہ جواب دہی کے لئے حاضر ہوا تو صدہا لندن والے ساتھ تھے۔ ولی عہد کی بیگم وکلف کی قدر و منزلت سے واقف تھی اور غالباً پاپائی معاملات میں اکثر اس سے مشورہ لیتی تھی۔ اس نے ایک دم حکم دے کر یہ سب کارروائی روک دی پھر وکلف

لٹرورتھ چلا آیا جہاں اس کی معاش تھی اور عجب نہیں کہ یہ ۱۳۷۵ء میں بمقام بروژ اس کی خدمات کے جلد وہیں بادشاہ نے مرحمت کی ہو۔ یہاں وہ اپنے خیالات کو عام پسند بنانے میں منہمک ہوگیا اور اس کام میں وہ قابلیت دکھائی کہ آکسفرڈ کے ہم چشم اس کی شکل سے توقع رکھتے ہوں گے۔ مُلائی طرز تحریر چھوڑ کر اس نے روزمرہ کے زبان میں رسالوں کی بھرمار کردی اور عام رائے یہ ہے کہ اسٹیفن کے عہد کے بعد، جب سے اینگلوسیکسن وقائع کا سلسلہ بند ہوا، انگریزی انشاپردازی کا (اس دوسرے دور میں) یہ سب سے پہلا نمونہ تھے۔ انھیں تاریخی وقعت حاصل نہ ہوتی، تو بھی ان کا مصنف انگریزی ادب کی تاریخ میں ضرور رتبۂ بلند کا حقدار ہوجاتا۔

ہرچند وکلف کا ۱۳۸۱ء کی بغاوت سے براہ راست کوئی تعلق نہ تھا اور بغاوت کے سرغنہ جان بال کے خیالات وکلف کی تعلیم سے بالکل علٰحدہ تھے تاہم اس میں کچھ شک نہیں کہ وکلف کے مریدوں نے مساوات انسانی پر بڑا زور دیا اور دولت وعیش کی سخت مذمت کی اور یہ تعلیم اُن محسوسات کے پیدا کرنے میں بے اثر نہ رہی جو بغاوت کی تہ میں تھے چنانچہ اسے فرو کرنے کے بعد وکلف پر بھی زبردست حملہ کیا گیا۔ سائمن (صدر اسقف) کا جانشین، کورٹنی (اسقفِ لندن)، ہوا تھا۔ اس نے ۱۳۸۲ء میں ایک ہنگامی مجلس کلیسا منعقد کی کہ وکلف کے عقائد پر غور کرے۔ واضح رہے کہ پہلے مقدمات میں تو اس کے سیاسی اصول مورد الزام تھے، مگر اس مرتبہ الحاد کا الزام لگایا گیا اور اس کی تحریروں سے چوبیس ملحدانہ اقوال پیش کئے گئے۔ مثلاً ایک قول یہ تھا کہ عشائے ربانی کی تبدیل ماہیت کا مسئلہ لفظی طور پر کیونکر صحیح ہوسکتا ہے؟ ایک یہ کہ اہل مذہب کو دنیاوی املاک نہ رکھنی چاہئیں۔ ایک یہ کہ فقیروں کو خیرات دینے والا خارج از مذہب ہے۔ غرض ان سب باتوں پر الحاد کا فتویٰ لگانے کے بعد کورٹنی آکسفرڈ کی طرف متوجہ ہوا کہ یہ دارالعلوم وکلف کے خیالات کا خاص مرکز تھا۔ اور اس کے متبعین کو وہاں سے نکلوا دیا۔ انھی میں وکلف کا دوست پیٹر رگ امیر جامعہ تھا۔ بعض نے اپنے خیالات سے توبہ کی اور بعض آکسفرڈ سے فرار ہوگئے۔ آکسفرڈ میں پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا تو

باب چہارم

وہاں بھی وکلف کو بلایا گیا کہ اپنے خیالات کی توضیح کرے۔ اس تحقیقات کا نتیجہ بھی وکلف کے خلاف ہوا اور اسے پھر آخری مرتبہ لٹر ورتھ میں گوشہ نشینی اختیار کرنی پڑی۔ انگلستان میں اس سے زیادہ کورٹنی جبر و تشدد نہ کر سکتا تھا کیونکہ یہاں ملاحدہ کو جلا دینے کا قانون موجود نہ تھا اور وکلف نہ اتنا بے عقل تھا نہ تندرست کہ روما کی طلبی پر وہاں جا سکتا۔ غرض لٹر ورتھ ہی میں اس نے ۱۳۸۴ء میں طبعی موت سے عالم جاودانی کی راہ لی۔ اس کی کامیابی کی بڑی دلیل یہ ہے کہ گو اس کے "سادہ پادری" کا گروہ جبراً منتشر کر دیا گیا، پھر بھی اس کے خیالات نہ صرف غریب غربا، بلکہ درباریوں تک میں بہ سرعت پھیل گئے۔ خود رچرڈ کی بیوی این، جو بوہیمیہ کی شہزادی تھی، اور ۱۳۸۲ء میں بیاہی آئی، معتقد ہو گئی اور اس کثرت سے لوگ پیرو ہوئے کہ ایک راہب نے جل کر کہا کہ آج کل تو پانچ آدمیوں کو کہیں باتیں کرتے دیکھو تو سمجھ لو کہ ان میں تین ضرور وکلف ہوں گے۔" ان لوگوں کو عام طور سے لالرڈ کہتے تھے۔ وجہ تسمیہ ٹھیک معلوم نہیں۔ بعض لوگ اسے "لولِن" (بمعنی گانا) سے مشتق بتاتے ہیں۔ مگر ۱۳۹۶ء میں پاپا بونی فاس نہم نے رچرڈ ثانی کو ایک خط میں ان کا ذکر کیا ہے کہ یہ اپنے آپ کو "مسیح کے بیت المال کے مساکین" کہتے ہیں لیکن "عوام الناس زیادہ صحیح طور سے انھیں" لالرڈ" یعنی lollium aridum (= سوکھا کرنجوا) کہتے ہیں اگرچہ ممکن ہے یہاں خود پاپا نے ضلع جگت سے کام لیا ہو۔

رچرڈ کے متقربین۔ رچرڈ کے این سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، لہذا جانشینی کا انتظام کرنا ضروری تھا۔ ۱۳۸۵ء میں فیصلہ کر لیا گیا کہ اگر بادشاہ لاولد فوت ہو جائے تو کلیرنس کے امیر کبیر لایونل کا پوتا روجر امیر مارچ جانشین ہو۔ اسی سال ولی عہد کی بیگم نے وفات پائی۔ وہ بڑی لائق اور موقع شناس عورت تھی اور اس کے مرنے سے اعتدال و آشتی کا ایک بڑا حامی کم ہو گیا۔ رچرڈ کی عمر اب انیس برس کی ہو گئی تھی۔ لیکن ۱۳۸۱ء کے دلیرانہ طرز عمل سے وہ جیسا ہونہار معلوم ہوتا تھا، وہ امیدیں جلد پوری نہ ہوئیں۔ بہت دن تک وہ سلطنت کی حقیقی ذمہ داری سنبھالنے پر مائل نہ نظر آیا اور اس سن تک، جس میں باپ اور دادا مشاغل حکمرانی میں منہمک ہو چکے تھے، رچرڈ کھیل کود ہی میں مبتلا رہا۔ یہی سبب ہے کہ

باب چہارم

اُس کے ہمنشیں دوست اس زمانے میں بہت با اثر رہے اور ان کا اثر عموماً بُرا ہی ہوتا تھا۔ اُس کے سوتیلے بھائی ٹامس ہالینڈ (امیر کینٹ) اور جان ہالینڈ (امیر۔ ہنٹنگ ڈن) بڑے ظالم اور مردم آزار تھے۔ روبرٹ ڈی ویر (امیر اکسفرڈ) بادشاہ کا یار عزیز، اور سوائے قدیم انگریزی خاندان سے ہونے کے، ہر بات میں گیوسٹن کا نمونہ تھا۔ رچرڈ کا اتالیق سر سائمن برلی تھا اور وہ شاہی اختیار و امتیازات کے ایسے خیالات کان میں پھونکتا رہتا جن کا لازمی نتیجہ فتنہ و فساد ہوتا ہے۔ پیشکاری کی خدمت مائیکل (دی لاپول) (امیر سفک) کے تفویض تھی۔ وہ حساب کتاب کے معاملے میں محتاط و جفاکش، اور ایک کھرا سپاہی تھا، مگر اہل ملک میں کبھی قبولیت نہ پا سکا۔

یہ تو درباری گروہ تھا۔ اس کے مقابلے میں ولی عہد (رچرڈ) کے چچا ٹامس (امیر گلوسٹر) اور عمزاد بھائی ہنیری (پسر جان گونٹ) نے ایک جتھا بنایا۔ یہ چچا بھتیجے شہزادہ جان سے زیادہ عیار تھے اور انھوں نے صرف مذہبی علما بلکہ عوام الناس کو بھی ملانے کی پوری کوشش کی۔ جان ایک زمانے میں وکھم کی مخالفت اور وکلف کی موافقت کر کے اہل کلیسا کو اپنے سے بہت ناخوش کر چکا تھا۔ اس کے بیٹے ہنیری نے کورٹنی سے اظہارِ اعتقاد اور وکلف کے گروہ سے علحدگی ظاہر کر کے، انھیں اپنا بنا لیا۔ اسی طرح ٹامس نے ہر دلعزیزی کی کوشش کی عوام کی نگاہ قبول میں رچرڈ کا حریف بن گیا اور ہنیری کو بھی اہلِ لندن کی ناخوشی دور کرنے اور دوست بنانے میں مدد دیتا رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ درباری گروہ کے خلاف ایک غیر معمولی قوت کا جتھا تیار ہو گیا جس میں ذیل کے عمائد شامل تھے:۔

ٹامس بوشان (امیر وارک۔ ٹامس موبری (امیر ناٹنگھم)۔ ٹامس (اسقف ایلی) اس کا بھائی رچرڈ فٹز ایلین (امیر ارنڈیل) اور نیز، وائک ہیم جو اب بہت بوڑھا ہو گیا تھا۔

اس فریق کا حملہ جو سیاسی کی بجائے زیادہ تر شخصی تھا ۱۳۸۶ء کی پارلیمنٹ میں شروع ہوا جب کہ حکومت کی طرف سے ایک بھاری محصول کا مطالبہ کیا گیا تاکہ وہ بذات خود جنگ جاری رکھ سکے۔ اس پر خواہی نخواہی بحث شروع ہوئی۔ رچرڈ نے

باب چہارم

اسی موقع پر غلط راہی سے اپنے دوست ویر کو آئرستان کا امیر کبیر بنا دیا۔ اس پر ہنگامہ بپا ہوگیا۔ پارلیمنٹ نے مطالبہ کیا کہ مائیکل کو برطرف کر دیا جائے۔ رچرڈ نے جواب دیا کہ پیشکار تو بڑی چیز ہے پارلیمنٹ کے کہنے سے میں باورچی خانے کے برتن دھونے والے کو بھی الگ نہیں کروں گا۔ تب شاہ متوفی کی معزولی کی تجویز پیش ہوئی اور رچرڈ نے پارلیمنٹ کو اتنا پکا دیکھکر مائیکل کو علیحدہ اور اس کی بجائے ارنڈیل کے اسقف کو پیشکار مقرر کیا۔ پھر معزول وزیر پر حسب معمول اسراف بیجا کا مقدمہ چلایا گیا اور جرم ثابت ہونے پر اس کی املاک ضبط اور قید کا حکم ہوا۔

مخالف گروہ نے دوسری کارروائی یہ کی کہ شاہی خاندان اور امور سلطنت کے انتظام کی غرض سے ایک جماعتِ خاص کی تجویز کی جیسے کچھ مدت پہلے امرائے تنظیم مقرر ہوے تھے اسے رچرڈ نے منظور تو کر لیا مگر اپنے خاص منصب کی سبکی سمجھ کر سخت غضب ناک ہوا اور سر سائمن برلی، صدر اسقف وغیرہ چند اُمرا، نیز میر عدل ٹرلیسی لین، اور ایک لندنی، سر نکولس بریمبر کو ساتھ لیکر دیہات میں چلا آیا۔ مائیکل کو قید سے رہائی دی اور حکام عدالت سے یہ رائے حاصل کرلی کہ مذکورۂ بالا جماعت خاص، شاہی منصب کے خلاف ہے۔ جواب میں امیر گلوسٹر نے اُس کے رفقا کو غداری کا الزام دیا اور دونوں فریق آمادہ بہ جنگ ہو گئے۔ مگر درباری گروہ کو کامل ہزیمت نصیب ہوئی۔ ہنری نے امیر کبیر ویر کو ریڈکٹ برج (علاقہ اکسفرڈ) میں شکست دی۔ ویر بھاگ کر برّاعظم چلا آیا اور مائیکل (نوِیل صدر اسقف) نے بھی یہی کیا۔ ٹرلیسی لین اور بریمبر گرفتار کرلئے گئے۔

جنوری ۱۳۸۸ء میں ایک نئی پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا اور گلوسٹر نے بادشاہ کے پانچ رفیقوں پر باضابطہ مقدمہ چلایا۔ سماعت کرنے والے، گلوسٹر، ڈربی، ناٹنگھم، وارک اور ارنڈیل کے امیر تھے جو امرائے مرافعہ موسوم ہوے۔ مقدمے میں مختلف الزام لگائے گئے تھے۔ یعنی ویر کو والی آئرستان بنانے سے لے کر رچرڈ کے

امرائے مرافعہ

مسرفانہ عطیات زر و زمین سے خزانۂ شاہی کو خالی کر دینے تک کوئی بات نہ چھوڑی تھی۔ عدالت نے اس نوعیت کے استغاثے کو خلافِ قانون قرار دیا لیکن پارلیمنٹ نے اس کے علی الرغم سماعت کی اور غداری کا جرم قرار دے کر، سوائے نویل کے سب کو موت کی سزا دی۔ ٹریسیلین اور بریمبر کے معاملے میں تو فوراً اس پر عمل ہوا مگر نویل سے پیچھا چھڑانے کی نادر تدبیر یہ نکالی گئی کہ پاپا اربن ششم سے کہہ کر اسے سینٹ انڈرروز (اسکاٹ لینڈ) کا صدر اسقف مقرر کرا دیا حالانکہ اس ملک میں ایک اور حریف کو پاپا تسلیم کیا جا چکا تھا۔ مذکورۂ بالا دو مجرموں کے علاوہ سر سائمن برلی اور تین دوسرے غیر کلیسائی اشخاص بھی قتل کرا دیے گئے۔ سیاسی حریفوں کا یہ قتل عام ان وحشیانہ طریقوں کی تازہ ترقی کا ثبوت ہے جو گیوسٹن کے قتل سے شروع ہوئے اور گلابوں کی جنگ، نیز شاہان ٹیوڈر و اسٹورٹ کے قتل سے انتہا کو پہنچے۔ انھی فیصلوں کی بنا پر ۱۳۸۸ء کی پارلیمنٹ کو "بے رحم" کا شرمناک لقب ملا۔ ایک سال تک گلوسٹر اور اس کے دوستوں کا دَور دورہ رہا مگر ۱۳۸۹ء میں رچرڈ نے (جو اب بائیس سال کا ہو گیا تھا) یک بہ یک اعلان کیا کہ میں اپنا کام خود انجام دوں گا۔ پھر ارنڈیل کو پیشکاری سے اور امرائے مرافعہ کو بزمِ شاہی سے نکال باہر کیا اور نئے دَور کی ابتداء کی جس سے بظاہر اُس کی رعایا بہت خوش ہوئی۔

نئے بادشاہ کی سیرت ہمیشہ سے تاریخ کا معمہ سمجھی گئی ہے۔ خوبصورت، ہوشیار، تربیت یافتہ اور ماں باپ کی ہر دلعزیزی کا وارث ہونے کے باوجود وہ بالکل ناکامیاب بادشاہ ثابت ہوا، اور آخر میں قریب قریب اسی طرح اتفاقِ آرا سے معزول کیا گیا، جیسے ایڈورڈ ثانی۔ بے شبہ اس کا ایک سبب اُس کی کاہلی کی عادت تھی، خواہ جسمانی صحت کی خرابی سے ہو یا بُری تربیت سے۔ یہ ٹھیک معلوم نہیں مگر اتنا مسلم ہے کہ اس کے اوصاف ملک داری میں یہ خصلت سب سے غالب و نمایاں تھی۔ طرفہ تر یہ کہ کبھی کبھی وہ بڑی مستعدی دکھاتا اور اسی لئے وہ معتاد کاہلی اور بھی تکلیف دہ ہو جاتی تھی۔ بہر حال، ۱۳۸۹ء سے ۱۳۹۷ء تک، آٹھ سال وہ خاصی کامیابی سے حکومت کرتا رہا اور شاہی حقوق و

باب چہارم

اختیارات کے بارے میں غلو رکھنے کے باوجود اس نے آئینی طریقوں سے تجاوز نہیں کیا بلکہ پارلیمنٹ کے مشورے اور وزیروں کی وساطت سے کام کرتا رہا۔ مگر اس کے بعد کے دو سال میں جو کیفیت رہی وہ اتنی مختلف تھی کہ بعض لوگوں نے اس کی توجیہ دماغ میں فتور آجانے سے کی ہے اور یہ کچھ دل کو لگتی ہوئی بات معلوم ہوتی ہے۔

امن وآئین کا زمانہ

۱۳۸۸ء سے چند واقعات ایسے پیش آئے کہ نظم ونسق میں اور سہولت پیدا ہوئی۔ ۱۳۸۹ء میں شہزادہ جان (گونٹ) ہسپانیہ سے واپس آیا اور پہلے کی طرح ساز باز کرنے کی بجائے اب بہت شریف بن کر رہا اور بھتیجے کا وفادار مشیر ہوگیا۔ گلوسٹر و یارک دونوں بھائیوں پر اس کا بہت اثر تھا لہٰذا اس کے طرز عمل میں یہ تبدیلی نہایت مفید ثابت ہوئی۔ ادھر ۱۳۹۰ء میں ہنیری، جرمن فوج کا سردار بنکر لتھوآنیہ کی جنگ میں شریک ہونے کے لئے انگلستان سے چلا گیا، اور چند روز کے واسطے صرف ایک بار آنے کے سوا، ۱۳۹۲ء تک وہیں رہا۔ پھر پریگ، وی آنا، ونیس، روڈس ہوتا ہوا بیت المقدس گیا اور اطالیہ و فرانس کے راستے ۹۳ء میں واپس وطن آیا۔ سفک نے پردیس میں وفات پائی۔ ڈیر کو بھی دوبارہ انگلستان آنا نصیب نہ ہوا، لہٰذا رچرڈ اور اس کے پرانے مشیروں میں کوئی تعلق باقی نہ رہا۔ ہنیری پرسی کی ہمتیں زیادہ تر سرحد کی جنگ آرائی میں صرف ہوئیں اور اسی سلسلے میں ؤولر کے قریب اوٹربرن کی مشہور لڑائی ہوئی جس کے اصلی واقعات "چیوی چیس" کی کتھا کے ساتھ تقریباً غائب ہوگئے ہیں۔

امیر مارچ آئرستان میں تھا۔ وارک، موبرے، اور ارنڈیل، اپنے آپ اتنی قوت نہ رکھتے تھے کہ کوئی فساد برپا کرتے غرض یہ تمام اسباب ملک میں امن کے موید رہے۔

دستوری حکومت

رچرڈ نے چینسلری کے عہدے پر پہلے تو بوڑھے ولیم (دکھمی) کو مقرر کیا اور جب ۱۳۹۱ء میں اس نے وفات پائی، تو ارنڈیل (اسقف) کو، جو ۱۳۹۶ء، یعنی اپنے صدر اسقف کنٹربری ہونے تک یہ خدمت

انجام دیتا رہا۔ خزانے کا انصرام چند لائق اسقفوں کے تفویض ہوتا رہا۔ ان کا اصول یہ تھا کہ دفتر کے کام سے غرض رکھتے اور اسی لئے کوئی خاص شہرت نہ پا سکے۔ تاہم ان کے عہد میں عمدہ نظم و نسق کی جملہ علامتیں پائی جاتی ہیں۔ پارلیمنٹ بھی ان وزیروں پر اعتماد رکھتی تھی اور ایک مرتبہ علانیہ اظہار بھی کیا کہ اُسے ان کے انتظام میں کوئی قصور نہیں نظر آتا۔ محصول، معتدل اور باقاعدہ اجناس کی قیمتیں ارزاں مزدوری معقول تھی۔ زرعی غلاموں کی جھنجھلاہٹ، جاگیرداروں کی مناسب رعایتوں سے رفع ہوتی جاتی تھی۔ فرانس کے ساتھ پیہم عارضی صلح نامے ہوتے رہے اور اس امن و آئین کے ہشت سالہ دور میں بہت سے مفید قوانین بھی وضع ہوئے جن کے بنانے میں عوام کا پورا حصہ تھا۔ "جادہی" اور "انتباہ" کے قوانین کی مزید شرائط تحفظ کے ساتھ تجدید کی گئی۔ اوقاف کے ضوابط میں توسیع کی گئی کہ غیر کلیسائی لوگوں کو معافیاں عطا کرنے کا طریقہ مسدود ہو جائے اور برادریوں یا اہل حرفہ کی جماعتوں کو بھی زمین حاصل کرنے سے روک دیا گیا۔ ایک شیطانی تجویز یہ کی گئی تھی کہ زرعی غلام زمین کی ملکیت حاصل نہ کر سکیں اور نہ اپنے بچوں کو مدرسے میں بھیج سکیں، لیکن رچرڈ نے بڑی شرافت دکھائی کہ اس کی منظوری دینے سے انکار کر دیا۔

ایک اور قانون اُس خرابی کے انسداد کی غرض سے مرتب ہوا جو آیندہ سو برس تک انگلستان کے حق میں بلائے جان بنی رہی۔ ٹھکی پٹے کا طریقہ روکے جانے سے پہلے (دیکھو "آئین ویسٹ منسٹر" صفحہ 209) بڑے بڑے امرا کی فوجی طاقت کا راز یہ تھا کہ اُن کے پٹے داروں پر فوجی خدمات کی انجام دہی لازمی تھی۔ لیکن جب سے اس قسم کی پٹے داری موقوف ہوئی، اس وقت سے ان امرا نے ماتحت زمینداروں کی بجائے اجیر سپاہی رکھنے شروع کئے جنھیں اپنے خرچ سے کھلاتے، کپڑا پہناتے اور اپنا نشان ان کی وردیوں میں لگاتے تھے۔ اس طرح گویا باقاعدہ فوجی جمعیتیں تیار ہو گئی تھیں جو اپنے آقا کے حکم پر لڑنے مرنے کے لئے آمادہ رہتیں۔ فرانس کی لڑائیوں میں اُمرا کو سپہ سالاری کا چسکا پڑ گیا تھا دوسرے زر نقد کے عوض اراضی اٹھانے کے لئے

آئین جمعیت داری

باب چہارم

رواج نے ان کی جیبیں بھردیں اور وہ بہ نسبت سابق زیادہ کشادہ دلی سے روپیہ خرچ کر سکتے تھے۔ غرض ہر امیر کے پاس چھوٹی چھوٹی مگر مستقل اور مستعد فوجیں مرتب ہوگئیں اور انھی کی بدولت آئے دن جنگ و جدال کا بازار گرم رہنے لگا۔ چنانچہ ریڈ کٹ برج کی لڑائی لگا کے اسٹوکس کے معرکے واقعہ ۱۴۸۷ء تک یہ خانہ جنگی انگریزی معاشرت کی ہیبت انگیز خصوصیت بنی رہی۔ ۱۳۹۰ء میں اس فوجی جمعیت بندی کا بذریعۂ قانون امتناع عمل میں آیا لیکن چونکہ عمل کرانے کے لئے حکومت کے پاس کافی فوج نہ تھی، لہذا بار بار نفاذ کے باوجود ہنیری ہفتم کے عہد تک اس قانون پر کوئی عملدرآمد نہ ہوتا تھا۔

زیر نظر عہد کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ انگریزی ادب کے بڑے دور کے عروج کا زمانہ تھا۔ سارے یورپ میں چودھویں صدی اس واسطے

ادبیات

بھی یادگار رہے گی کہ ازمنۂ وسطیٰ کی ادبی لاطینی کو ہر ملک کی زبان نے اسی زمانے میں آہستہ آہستہ ہٹا کر خود قدم جما لیا۔ اطالیہ میں دانتے کی معرکہ آرا نظم Divina Commedia معرض تحریر میں آئی۔ فرانس نے فرواسار کے نثری وقائع اور ہسپانیہ نے رسید کو خلعتِ وجود بخشا۔ انگلستان میں دوگنی بغاوت پیدا ہوئی کیونکہ یہاں نہ صرف لاطینی بلکہ فرانسیسی کا بھی عمل دخل تھا اور اونچے طبقوں میں فرانس کے طور طریق کے عام رواج کے باعث یہ زبان بھی دربار و قصور کی عام بولی تھی، حتیٰ کہ روبرٹ آف گلوسٹری کے بقول کوئی خوددار آدمی اسے سیکھنے سے غفلت نہ کر سکتا تھا۔ اور ولیم لینگ لینڈ نے بیان کیا ہے کہ ہمارے غریب سے غریب کسان کام پر جاتے وقت فرانسیسی گیت گاتے تھے۔ فرانس سے جنگ عظیم کا آغاز ہوا تو رجعت شروع ہوئی۔ حکومت کی تحریروں میں فرانسیسی کا استعمال کم ہوا اور ۱۳۶۲ء میں سرکاری عدالتوں میں اسے ممنوع کر دیا گیا۔ اس روک تھام کے باوجود وہ بہت مضبوطی سے اڑی رہی۔ رچرڈ ثانی کے وقت میں پارلیمنٹ کے طومار ہمیشہ فرانسیسی میں ہوتے۔ منادی کرنے والوں کے "اُدیئے، اُدیئے" (oyez! ozez) اور اسی طرح شاہی مراسلوں میں بعض جملے اب تک فرانسیسی زبان میں ہوتے ہیں۔ یہ بھی حسن اتفاق کی بات تھی کہ انگریزی کا احیا کے ساتھ تین بڑے مصنف یعنی وکلف، چاسر

باب چہارم

اور لینگ لینڈ پیدا ہوے اور دوسرے تین مصنفوں نے انگریزی نظم و نثر کو ادبی زبان، اور قوم کے ہر طبقے میں مقبول بناتے کا اتنا کام کبھی نہ کیا تھا جتنا ان تین مصنفوں نے کیا۔ وکلف کی زندگی، اس کے رسائل اور توراۃ کے ترجمے کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ چاسر و لینگ لینڈ کے متعلق کچھ لکھنا باقی ہے۔

جیوفری چاسر، لندن کے ایک شراب فروش کا بیٹا تھا اور غالباً ۱۳۴۰ء میں پیدا ہوا۔ باپ کی سعی سے امیر کبیر لایونل (والیٔ کلیرنس) کے شاگرد پیشوں میں داخل ہوا اور ۱۳۵۹ء میں فرانس جاکر فوجی خدمت بھی انجام دی۔ ۱۳۶۶ء کے قریب چاسر کی شادی کیتھرائن سوئن فرڈ کی ایک بہن سے ہوگئی اور یہ کیتھرائن آگے چل کے شہزادہ جان دگونٹ، کی بیوی بنی۔ اس کے بعد چاسر مختلف سفارتوں میں کام کرتا رہا اور اسی سلسلے میں جنووا اور فلورینس بھی گیا۔ ان خدمات کے صلے میں وہ لندن کی بندرگاہ میں کروڑگیری اور اون، کھال اور چمڑے کی دھڑوت کا محاسب مقرر ہوا۔ ۱۳۸۲ء میں چنگی کی بھی یہی خدمت اس کے تفویض ہوی۔ ۱۳۸۶ء میں پارلیمنٹ کا رکن ہوگیا تھا مگر جلد الگ کردیا گیا اور چند سال تک مالی پریشانیوں میں مبتلا رہا۔ آخر میں امیر لینکاسٹر کی دستگیری سے غالباً پھر آسودگی میسر آئی۔ سنہ ۱۴۰۰ء میں فوت ہوگیا۔ چاسر نے بہت کتابیں تصنیف کیں مگر اس کی سب سے مشہور کتاب Canterbury Tales ہے جس میں بہت سی معروفِ عام شخصیتوں کی تصویر دکھائی گئی ہے۔ صاحب السنہ اور درباری آدمی ہونے کے باوجود چاسر نے انگریزی زبان میں لکھنا پسند کیا اور زیادہ تر اسی کی حکایات اور نظموں کی بدولت انگریزوں کی زبان کو ادبی وقعت حاصل ہوئی۔ لینگ لینڈ کے بارے میں ہمیں نسبتہً بہت کم واقفیت ہے وہ ۱۳۳۲ء کے قریب کوہ میل ورن کی نواح میں پیدا ہوا۔ لندن کے کسی دفتر میں اہلکار رہا اور سنہ ۱۴۰۰ء کے قریب وفات پائی۔ اس کی سب سے بہتر کتاب "Vision of Piers Ploughman" ہے جس میں کاشتکار کو اصلی مسیحی زندگی کا نمونہ ثابت کیا ہے اور مقابلے میں اُمرا، شرفا اور علما کی زندگی دکھائی ہے کہ وہ اس سے کتنا تفاوت رکھتی ہے۔ اس مصنف کی کتابوں سے کاشتکاروں کی

باب چہارم

حقیقی شکایات اور جذبات کا جس قدر صحیح علم ہوتا ہے چاسر کی تصانیف سے بھی نہیں ہوتا۔ اور یہی جذبات تھے جن سے ۱۳۸۱ء کے مفسدے اور آیندہ ۱۳۹۹ء کی بغاوت برپا ہوی۔

ملکہ این کی وفات

امن وحسن انتظام کا زمانہ ۱۳۹۶ء میں ختم ہوگیا اور چند خاص واقعات تغیر کا پیش خیمہ ثابت ہوے۔ ۱۳۹۴ء میں انگلستان کی شریف ملکہ، (بوہیمیہ کی شہزادی) این راہئ ملک بقا ہوی۔ رچرڈ کی ماں کی طرح اس کا اثر بھی امن وآشتی کا ضامن تھا اور اس کی تجہیز وتکفین کے وقت ہی بادشاہ اور امیر ارنڈیل میں بہت نازیبا دھینگا مشتی کی نوبت آی۔ اسی سال کاسٹیل کی شہزادی اور شہزادہ جان (گونٹی) کی بیوی کونس ٹینس فوت ہوی اور جان نے بلا تاخیر بچوں کی مانی، کیتھرائن سے عقد کر لیا جس سے اُس کے پہلے ہی بہت سے بچے ہو چکے تھے۔ چچا کو ممنون بنانے کے لئے رچرڈ نے پارلیمنٹ سے ایک قانون منظور کرانے میں حصہ لیا جس کی رو سے یہ ناجائز بچے جو یہ فرٹ کے نام سے موسوم تھے، حلالی قرار پاگئے۔ اگرچہ گلوسٹر ویارک کے شہزادوں کو اس فعل سے کافی ناگواری ہوی ۱۳۹۶ء میں رچرڈ نے فرانس کے ساتھ ۲۸ سال کے لئے صلح کرلی اور پیرس جا کے چارلس ششم کی بیٹی ازابلا سے شادی رچائی جو اس وقت صرف آٹھ سال کی لڑکی تھی۔

اسی زمانے سے رچرڈ کی خوخصلت میں تغیر پایا جاتا ہے اگرچہ قطعی طور پر نہیں کہ سکتے کہ اس تغیر کا سبب صحت کی خرابی تھا یا یہ کہ دربار فرانس کی شان وشوکت دیکھکر یا شہنشاہ منتخب ہوجانے کی امید موہوم سے اُس کا سر پھر گیا۔ بہر حال، اسی زمانے سے اُس نے اپنے مسرفانہ مذاق کو بے مہار چھوڑ دیا اور مثال کے طور پر، کہتے ہیں کہ ایک کوٹ کی قیمت دس ہزار اشرفی ادا کی۔ دربار میں اسقفوں اور بیگموں کی کثرت ہوگئی جسے رعایا سلطنت کے حق میں کوئی فال نیک نہ سمجھتی تھی۔ چنانچہ ۱۳۹۷ء کی پارلیمنٹ میں قدیم شکایتوں کا قصہ پھر تازہ ہوا

ہیکسی کا قضیہ

اور سر ٹامس ہیکسی نے بادشاہ کے خانگی مصارف میں اسراف بیجا کا مسئلہ اُٹھایا۔ یہ ساوتھ ویل کے جماعتی کلیسا

باب چہا

روزینہ دار اور غالباً پادریوں کے مہتمم کی حیثیت سے رُکن مجلس بنکر آیا تھا۔ پہلی مرتبہ عوام نے اس کی تحریک منظور کی اور اسے دار الامرا میں بڑھا دیا لیکن رچرڈ نے یہ خبر سنکر سخت معارضہ کیا اور اسے اپنے معاملات میں نہایت اہانت آمیز مداخلت بتایا۔ اس کا غیظ و غضب دیکھکر عوام و اُمرا دونوں دب گئے اور نہ صرف غلطی کی معافی مانگی بلکہ فی الواقع ہیکسی کو واجب القتل غدار قرار دیا لیکن صدر اسقف ارنڈیل نے کلیسائی ہونے کی بنا پر اُسے بچایا اور جلد معافی دلوادی۔ یہ واقعہ یاد رکھنے کے لائق ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بڑے جاگیرداروں کی فوجی مدد کے بغیر عوام کو کس قدر کم اقتدار حاصل تھا۔

برایں ہم رچرڈ کو خوف ہوا کہ کہیں جاگیرداروں کا قدیم جتھا جو فرانس کے ساتھ طویل مصالحت سے پیچ و تاب کھا رہا تھا، عوام کی ناراضی سے فائدہ اٹھاکر میری آزادی پر قیود نہ عائد کر دے۔ اور اس نے پہلے خود وار کرنے کی ٹھان لی۔

رچرڈ کا جھپٹا

پھر جولائی ۱۳۹۷ء میں خاندان ہالینڈ، رٹلینڈ (خلفِ شہزادۂ یارک) اور امیر ناٹنگھم کی مدد سے یک بہ یک جھپٹا مارا اور گلوسٹر، ارنڈیل اور وارک کو گرفتار کر لیا۔ ساتھ ہی اپنی خالصہ جاگیر (چیسٹر) میں تیراندازوں کی زبردست جمعیت بھرتی کی کہ ریڈکٹ برج کا معرکہ دوبارہ نہ پڑنے پاوے۔ ستمبر میں پارلیمنٹ کا بمقام ولیسٹ منسٹر انعقاد کیا۔ محلسرا کے چوک میں ایک عارضی عمارت بنائی گئی تھی، دار العوام کا اجلاس اسی میں ہوا اور ارکان یہ دیکھکر بالکل سہم گئے کہ چار ہزار تیراندازوں کی جمعیت تیار کھڑی ہے کہ بادشاہ کے اشارے پر تیر باری کر دے۔ بادشاہ نے یہاں اپنے طرفداروں کی ایک خاص جماعت بھی تیار کی تھی جس کے سرخیل سر جان لُسی، صدر جلسہ سر ٹامس گرین، اور سر ولیم بیگوٹ تھے۔ اُمرا میں اس نے ناٹنگھم وغیرہ کو ترغیب دی کہ وارک، گلوسٹر اور ارنڈیل پر ۱۳۸۶ء اور ۱۳۸۸ء کے باغیانہ افعال کی بنا پر مقدمہ چلائیں۔ پہلے ارنڈیل پیش اور مجرم ثابت ہوا صدر صاحب لینکاسٹر نے سزا سنائی اور اسی دن سر قلم کر دیا گیا۔ دوسرا نمبر گلوسٹر کا تھا مگر اعلان کیا گیا کہ اسے حفاظت کی غرض سے کالے بھیجا تھا اور وہ قید خانے میں

باب چہارم

فوت ہوگیا۔ یہ ٹھیک معلوم نہیں کہ وہ طبعی موت مرا یا قتل کیا گیا اور قتل کیا گیا تو ظاہر ہے کہ اس کے ذمہ دار رچرڈ اور ناٹنگھم ہوں گے کیونکہ ناٹنگھم کالے کا حاکم اور قیدی کی حفاظت کا نگراں تھا چنانچہ افواہ عام نے بھی بادشاہ اور ناٹنگھم ہی کو ذمہ دار قرار دیا۔ وارک اپنے اقبال کر لینے پر حبس دوام کا مستوجب اور جزیرہ مین میں منتقل کر دیا گیا۔ تھوڑے دن بعد امیر ارنڈیل کے بھائی صدر اسقف کا بھی پاپا نے سینٹ انڈروز پر تبادلہ کر دیا۔ جو درحقیقت جلا وطنی اور برطرفی کے مرادف تھا بادشاہ کی تائید و رفاقت کے صلے میں امیر ڈربی کو ہیرفرڈ کا امیر کبیر بنایا گیا جو مقدمے میں فریق تو نہ تھا لیکن معلوم ہوتا ہے مؤید ضرور رہا۔ رٹ لینڈ، البی مارل کا امیر کبیر مقرر ہوا اور خاندان ہالینڈ کو سہری اور اکزیٹر کی امارت ملی۔ ناٹنگھم نے نارفک کی امارت کبریٰ پائی اور سر ولیم اسکروپ، ولٹ شر کا امیر بنا دیا گیا۔

مقدمات کے ختم ہوتے ہی پارلیمنٹ کو جنوری ۱۳۹۸ء تک چھٹی مل گئی اور دوبارہ وہ شروزبری میں جمع ہوئی۔ یہاں صرف تین دن کا اجلاس ہوا۔ اس میں

شروز بری کی پارلیمنٹ

تین قانون منظور ہوئے۔ پہلے سے گذشتہ صدی کی ساری آئینی ترقی پر عملاً تنسیخ کا قلم پھر گیا اور معافی عام کا اعلان کر دیا گیا۔ دوسرے سے اُون، کھال اور چمڑے کا بڑا محصول، پرگنوں سے مالیت کا پندرھواں اور شہروں سے دسواں حصہ بادشاہ کے لئے تاحیات منظور رہا۔ تیسرے نے پارلیمنٹ کا تمام اقتدار اٹھارہ اشخاص کے تفویض کر دیا جن میں دس جاگیر دار، اہل کلیسا کے مہتمم کی حیثیت سے دو امیر، اور دار العوام کے چھ ارکان لئے گئے۔ یہ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ یہ اٹھارہ کے اٹھارہ بادشاہ کے جاں نثار رفیق تھے غرض رچرڈ کو فتح کامل حاصل ہوئی۔ عمر بھر کے واسطے معقول آمدنی کی صورت نکل آئی۔ پارلیمنٹ قبضۂ قدرت میں آگئی۔ مخالفین کو (قتل کے ارکان کے علاوہ) انتہائی سزاؤں کے ذریعے مخوف کر دیا گیا اور طرفہ تر یہ کہ پاپا نے بھی ان سب کاموں کی تصدیق کر دی۔ مجموعی طور پر ۱۳۹۸ء میں اس کی حیثیت وہی نظر آتی ہے جو ۱۶۸۵ء میں چارلس دوم کی تھی۔ لیکن رچرڈ تو ردّ عمل کا تماشا دیکھنے تک زندہ رہا اور چارلس زیادہ خوش نصیب تھا کہ یہ خمیازہ اپنے بھائی کے لئے چھوڑ مرا۔ شہادتوں کے ناکافی ہونے کے باعث

باب چہارم

یہ بات غالباً قابلِ اطمینان طریق پر کبھی طے نہ ہوسکے گی کہ رچرڈ کی یہ ہوشیاری، ایک دیوانے کی مطلب ہوشیاری تھی یا حقیقت میں وہ ایک عیار آدمی تھا اور جیساکہ اکثر عیاروں کا حشر ہوا ہے، وہ بھی حد سے بڑھا اور مار کھا گیا۔

رچرڈ سے جو مخالفت شروع ہوی اُس کا فوری سبب ایک ذاتی معاملے نے پیدا کیا۔ دسمبر ۱۳۹۷ء کا ذکر ہے کہ ہیریفرڈ و نارفک کے نئے امیر کبیر برنٹ فرڈ و لنڈن کے درمیان سوار آرہے تھے۔ ہیریفرڈ کے بیان کے

ہیریفرڈ اور نارفک کا قضیہ

مطابق، نارفک نے اس سے کہا کہ بادشاہ تمہیں اور لنکاسٹر دونوں کو قتل کرنے کی فکر میں ہے۔ ہیریفرڈ نے سوال کیا کہ معافی دینے کے بعد وہ ایسا کیوں کرے گا؟ تب نارفک نے کہا کہ رچرڈ کے حلف کا کوئی اعتبار نہیں۔ یہ روایت سنکر رچرڈ نے حکم دیا کہ ہیریفرڈ۔ شروس بری کی پارلیمنٹ میں وہی الفاظ دُہرائے تاکہ معلوم ہو کہ نارفک نے بادشاہ پر کیسی تہمت اُٹھائی ہے۔ پھر فروری میں بمقام اوس ولیس ٹری ان دونوں امیروں میں رچرڈ کے سامنے تُو تُو میں میں ہوی اور نارفک نے ہیریفرڈ کو جھوٹا ثابت کیا، آخر مجلس کی طرف سے یہ قضیہ "عدالتِ مرداں" کے سپرد ہوا اور اس نے حکم دیا کہ ۱۶ ستمبر کو کوونٹری میں فریقین لڑکر مقدمے کا فیصلہ کریں لیکن جس وقت حریف میدان میں اُترے تو خود رچرڈ نے لڑائی روک دی اور مزید تحقیق تفتیش کے بغیر اپنی رائے سے نارفک کو عمر بھر کے واسطے اور ہیریفرڈ کو دس برس کے لئے (جو بعد میں، کردیئے گئے) ملک سے نکل جانے کا حکم دیا۔ اس فیصلے کی بے ضابطگی اور نیز ناانصافی، صریحی تھی مگر ممکن ہے رچرڈ نے اسے بڑی ہوشیاری سمجھا ہو کہ ایک ہی ضرب میں اس پائے کے دو جاگیرداروں سے چھٹکارا ملا۔ جلاوطن کرتے وقت اُن سے یہ بھی قسم لی کہ وہ خارج البلد صدر اسقف انڈیل سے کوئی نامہ و پیام نہ کریں گے۔ ساتھ ہی ہیریفرڈ سے وعدہ کیا کہ کوئی زمین یا دولت جو اُسے ورثے میں پہنچے گی، وہ اس سے محروم نہ کیا جائے گا۔

اسی عرصے میں خبر آئی کہ اوجر موٹمر امیر مارچ آئرستان میں ۲۰ جولائی ۱۳۹۸ء کو مارا گیا۔ یہ اوبرین اور اوٹول خاندانوں کی آویزش کا واقعہ ہے۔ ادھر فروری ۱۳۹۹ء میں

باب چہارم

شہزادہ جان (گونٹ) نے وفات پائی اور رچرڈ نے جو اپنے اسراف کی بدولت ہمیشہ قلاش رہتا تھا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر متوفی کی جاگیریں ضبط کرلیں پھر اسی روپے سے مہم تیار کر کے مئی ۱۳۹۹ء میں آئرستان روانہ ہوا اور اپنے چچا شہزادہ یارک کو نائب السلطنت بنا گیا۔ ۴/جولائی کو شہزادہ ہنیری یارک شہر کے ساحل پر لنگر انداز ہوا اور اپنی خاندانی جاگیروں کے واگذاشت کرنے کی درخواست کی پرسی، امیر نارتھمبر لینڈ، رچرڈ سے خود بھی پرخاش رکھتا تھا وہ فوراً ہنیری سے آملا اور اس کے آتے ہی ملک میں اسی قسم کی ہمہ گیر بغاوت برپا ہوگئی جیسی کچھ مدت پہلے ایڈورڈ ثانی کو معزول کرا چکی تھی۔ گلوسٹر کے تمام خیر خواہ، وہ سب لوگ جو رچرڈ کی مطلق العنانی سے ناراض تھے اور تمام صاحبان جاگیر جنھیں خوف تھا کہ کہیں ان کی جاگیروں کا حشر وہی نہ ہو جو لینکاسٹر کی جاگیر کا ہوا اور ان کے وارث محروم رہ جائیں یہ سب شہزادہ ہنیری کو آئین پسند گروہ کا قدرتی سردار سمجھ کر، اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئے۔ صدر اسقف ارنڈیل کی شرکت سے کلیسا کی مدد حاصل ہوگئی اور تلوار چلائے بغیر پورا ملک ہنیری کے ہاتھ میں آگیا۔ ۲۷/جولائی کو شہزادہ نائب السلطنت ہنی سے آملا۔ اسی مہینے کی ۲۹ تاریخ ولٹ شہر کے امیر اسکروپ، اور گرین، وبسی کو جنھیں برسٹل میں اسیر کیا گیا تھا، قتل کی سزا دی گئی۔

اُدھر مخالف ہواؤں نے رچرڈ کو آئرستان میں روکے رکھا اور ۲۰/جولائی کو وہ ساحلِ ویلز پر اُترا تو معلوم ہوا کہ اہل ویلز کی وہ جماعت بھی منتشر ہوگئی جسے امیر سالسبری نے بادشاہ کی مدد کے لئے فراہم کیا تھا۔ اب رچرڈ کو نظر آگیا کہ مقابلہ کرنا

رچرڈ کی معزولی

بے سود ہے اور اس نے ارنڈیل اور امیر نارتھمبر لینڈ کو لکھا کہ میں بادشاہی سے دست بردار ہونے پر آمادہ ہوں۔ فلنٹ میں شہزادہ ہنیری سے ملاقات ہوی اور اسی کے ساتھ وہ لندن آیا جہاں ۳۰/ستمبر کو پوری پارلیمنٹ کا اجلاس ہونے والا تھا۔ اس سے ایک دن پہلے رچرڈ نے ایک تحریر پر اپنے دستخط ثبت کر دیئے جس میں رعایا کو اطاعت و فرماں برداری وغیرہ جملہ حلفی فرائض سے آزاد کر دیا اور بادشاہی سے بالکل دست برداری لکھ دی۔ اقرار کیا کہ میں نااہل و ناکارہ ہوں اور مجھے معزول کر دیا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ پھر زبانی آرزو

ظاہر کی کہ شہزادہ ہینری کو جانشین مقرر کر دیا جائے یہ تحریر پارلیمنٹ میں پڑھی گئی اور اپنی طرف سے خود پارلیمنٹ نے رچرڈ کی معزولی کی ۳۲ وجوہ قلمبند کیں۔ ان میں کوئی بھی معمولی نہ تھی مگر آئینی اعتبار سے اہم ترین ۱۶ ویں وجہ ہے جس میں رچرڈ کو الزام دیا تھا کہ وہ قانون کا ماخذ اپنی زبان اور سینے کو قرار دیتا اور دعویٰ کرتا تھا کہ ملک میں اور کوئی قانون وضع نہیں کر سکتا نہ ردّ و بدل کر سکتا ہے۔ ایک اور معزولی کی وجہ یہ تحریر کی تھی کہ رچرڈ اپنے ہر زمیندار کی جان و مال، اثاث البیت وغیرہ کی ملکیت کو شاہی مرضی پر منحصر سمجھتا تھا اور ان کے خود لینے میں کسی عدالت کے فیصلے کی ضرورت نہ مانتا تھا۔ غرض اس بیان کے بعد رچرڈ باضابطہ معزول کر دیا گیا۔

ہینری کے حقوق رچرڈ اور ایڈورڈ ثانی

آخر میں شہزادہ ہینری (وارث لینکاسٹر وغیرہ) نے انگریزی میں تقریر کی۔ اور اپنے حقوق پیش کئے کہ ہینری ثالث کی اولاد میں ہونے کے علاوہ "سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خدا نے مجھے ایسے وقت یہاں بھیجا جب کہ نظم و نسق کے بگڑنے اور عمدہ قوانین کے زائل ہو جانے سے ملک تباہی کے کنارے آ پہنچا ہے" اس کی دلیل بہ اتفاق آرا تسلیم کی گئی اور صدر اسقف ارنڈیل اور صدر اسقف اسکروپ اسے تخت شاہی تک لیکر بڑھے اور تاج سر پر رکھدیا۔ برسٹل کی سزاؤں کے علاوہ، اس انقلاب عظیم میں اور کسی کشت و خون کی نوبت نہیں آئی۔ رچرڈ کے ہواخواہ ضرور تھے مگر مرک (اسقف کارلائل) کے سوا، اور اس کا تائید کرنا بھی مشتبہ ہے، کسی اور نے تائید میں زبان نہ کھولی۔ الزامات کی فہرست حقیقت میں اُس وقت خیر خواہی کی زبان بند کرنے کے لئے کافی ہوگی اور مذکورۂ بالا الزام ہی ایسے تھے کہ انگلستان کا کوئی باشندہ رچرڈ کی اُن باتوں کی وکالت نہ کر سکتا تھا۔ واضح رہے کہ بادی النظر میں ایڈورڈ ثانی اور رچرڈ ثانی کے معاملے میں بہت مشابہت پائی جاتی ہے لیکن واقع میں سوائے اس کے کہ دونوں کا حشر یکساں ہوا، ان میں کوئی یکسانی نہ تھی۔ ایڈورڈ کے لئے ایک بڑی آسانی یہ تھی کہ نہایت عمدہ پیشرو کی مثال نظر کے سامنے اور ملک نہایت منتظم حالت میں ہاتھ آیا تھا۔ برخلاف اس کے رچرڈ کی اکثر مشکلات موروثی تھیں اور انھی کے اور کچھ حکومت کے غلط اصول، ذہن نشین ہو جانے کے باعث اُسے

باب چہارم

یہ روز بد دیکھنا پڑا۔ ورنہ اس کی ناکامی ایڈورڈ کی طرح محض ذاتی نا اہلی اور بداطواری پر مبنی نہ تھی۔ اصل یہ ہے کہ اس نے تو گویا شخصی بادشاہی کی بازی بدی تھی جس میں وہ ہار گیا اور قوم نے مل کر اس کی بجائے ایک ہر دلعزیز سرگروہ کو منتخب کر لیا جس سے توقع تھی کہ آئینی اصول کے مطابق بادشاہی کرے گا۔ اور خود ہینری نے اس بات کو بخوبی صاف کر دیا تھا۔ چنانچہ رچرڈ کے زبان وسینہ شاہی کے مخزن قانون بتانے کے جواب میں ارنڈیل نے ہینری کی پہلی پارلیمنٹ کو اطلاع دی کی نیا بادشاہ "لوگوں کے اصلاح مشورے اور مرضی کے مطابق کام کرے گا اور اپنے حلف کے مطابق، رحم وصداقت کے ساتھ رعایا سے انصاف کرے گا۔

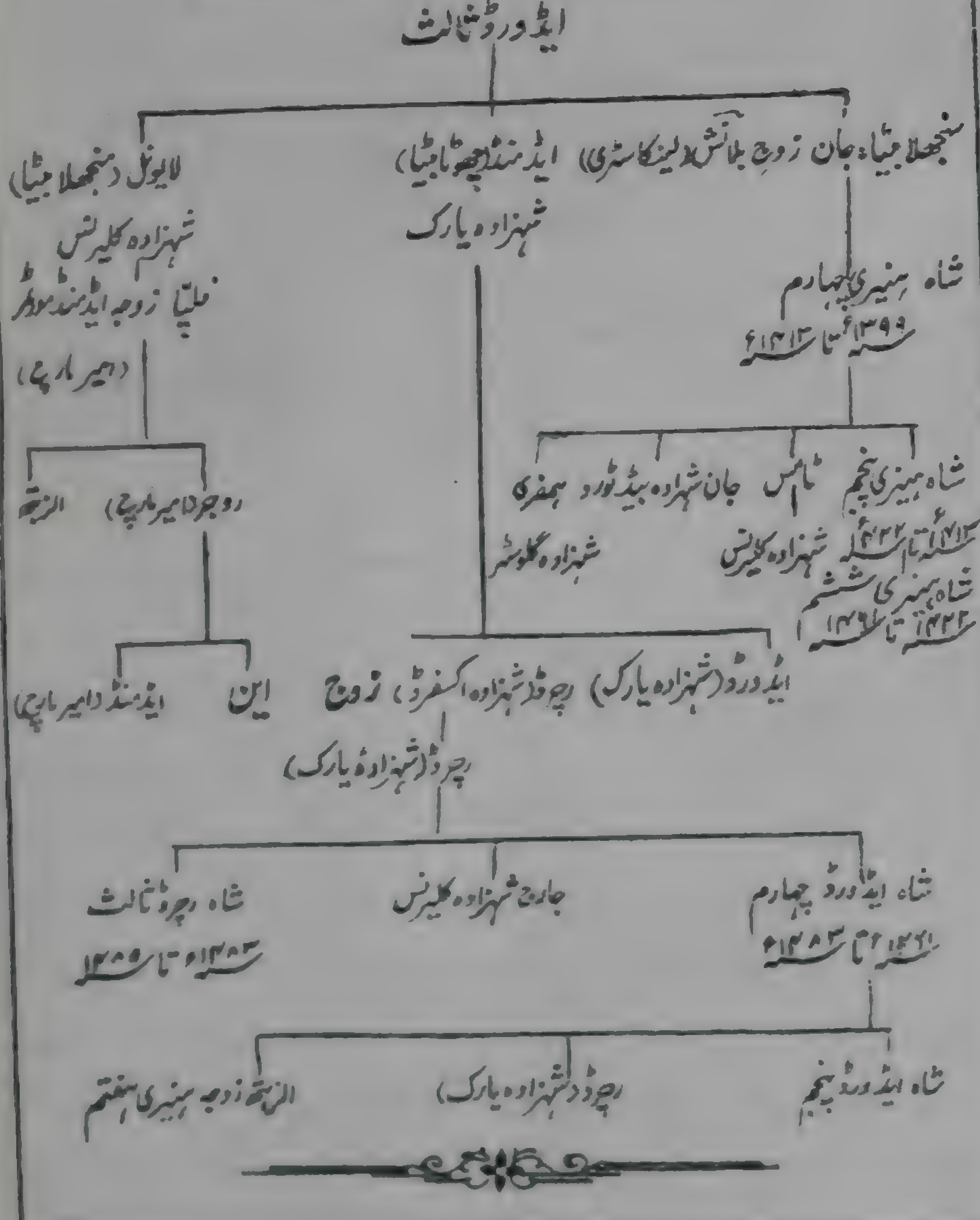
مشہور واقعات

کسانوں کی بغاوت	سنہ ۱۳۸۱ء
وکلف کی وفات	سنہ ۱۳۸۴ء
ریڈکٹ برج کا معرکہ	سنہ ۱۳۸۶ء
بے رحم پارلیمنٹ	سنہ ۱۳۸۷ء
جمعیت داری کا امتناع	سنہ ۱۳۹۰ء
شروزبری کی پارلیمنٹ	سنہ ۱۳۹۸ء
روجر مورٹمر کا مارا جانا	سنہ ۱۳۹۸ء

جزو پنجم

تاریخ انگلستان

شجرۂ خاندانِ یارک و لنیکاسٹر



شاہان اسکاٹلینڈ سنہ ١٣٠٦ء تا سنہ ١٤٨٨ء

رابرٹ بروس (سنہ ١٣٠٦ء تا سنہ ١٣٢٩ء)

ڈیوڈ دوم سنہ ١٣٢٩ تا سنہ ١٣٧١

مارگریٹ زوجِ والٹر اسٹوارڈ موسوم بہ اسٹیورٹ

رابرٹ دوم (سنہ ١٣٧١ تا سنہ ١٣٩٠

رابرٹ سوم زوجِ جین بیوفرٹ سنہ ١٤٠٦ تا سنہ ١٤٣٧

جیمس دوم سنہ ١٤٣٧ تا سنہ ١٤٦٠

جیمس سوم سنہ ١٤٦٠ تا سنہ ١٤٨٨

رابرٹ ڈیوک آلبنی (وفات سنہ ١٤٢٠)

مرڈک (وفات سنہ ١٤٢٥)

ہلڈن میں گرفتار کیا گیا۔

شاہان فرانس سنہ ١٣٥٠ء تا سنہ ١٥١٥ء

جان دوم (سنہ ١٣٥٠ء تا سنہ ١٣٦٤ء)

چارلس پنجم سنہ ١٣٦٤ تا سنہ ١٣٨٠

چارلس ششم سنہ ١٣٨٠ تا سنہ ١٤٢٢

چارلس ہفتم سنہ ١٤٢٢ تا سنہ ١٤٦١

لوئی نہم سنہ ١٤٦١ تا سنہ ١٤٨٣

چارلس ہشتم سنہ ١٤٨٣ تا سنہ ١٤٩٨

لوئی اورلیانی (سنہ ١٤٠٧ میں قتل کر دیا گیا)

چارلس ڈیوک اورلیانی

جو اجینن کورٹ میں گرفتار کیا گیا

اور جد

لوئی دوازدہم

سنہ ١٤٩٨ تا سنہ ١٥١٥

فلپ ڈیوک برگنڈی (وفات سنہ ١٤٠٤)

جان ڈیوک برگنڈی

سنہ ١٤١٩ میں بمقام مونٹیرو قتل کر دیا گیا۔

فلپ ڈیوک برگنڈی (وفات سنہ ١٤٦٧)

چارلس (دلیر) ڈیوک برگنڈی (وفات سنہ ١٤٧٧)

مارگریٹ خواہر ایڈورڈ چہارم سے شادی کی۔

باب اول

ہینری چہارم ۱۳۹۹ء تا ۱۴۱۳ء

ولادت: ۱۳۶۶ء ۔ ازدواج با (۱) میری ڈی بوہن، ۱۳۸۰ء
(۲) جون (نوآری) ۱۴۰۳ء

معاصرین: اسکاٹ لینڈ ۔ روبرٹ ثالث و جیمس اوّل
فرانس چارلس ششم
شہنشاہ سگِس منڈ

ہینری چہارم کے اوصاف و خصائل

دو آدمیوں کی سیرت میں اتنا تضاد بھی مشکل سے کہیں ملے گا، جتنا ہینری چہارم اور اس کے پیش رو میں پایا جاتا ہے۔ رچرڈ ثانی کو حسنِ صورت کے جو اوصاف قدرت نے دئیے تھے ان میں اس کے عمزاد ہینری کا بہت کم حصہ تھا چُست و مضبوط ہونے کے باوجود وہ نہ خوبصورت تھا نہ خوش ادا اور اس کے چوکور چہرے اور گھنی ڈاڑھی میں حسن و پاکیزگی کی وہ ایک شان بھی نہ پائی جاتی تھی جس سے حسینہ کینٹ کا فرزند (رچرڈ)

متصف تھا۔ اس کے مقابلے میں اگر رچرڈ محض شاہِ شطرنج تھا جسے کبھی میدان میں نکلنے کی نوبت نہیں آئی اور ہر کام کے مشورے اور عمل میں لانے میں دوسروں کا محتاج رہا۔ تو ہنیری بدرجہ اولیٰ میدانِ عمل کا مرد تھا جس نے بہت سے ملکوں میں لڑائی کی گھکیڑیں اٹھائی تھیں۔ خود سوچنے اور قوتِ بازو کے بھروسے پر کام کرنے کی عادت تھی اور یہی خود اعتمادی دکھا کر دوسروں میں اعتماد و اطمینان پیدا کر سکتا تھا۔ شخصی اوصاف سے قطع نظر، بادشاہی کے تخیل میں بھی یہ دونوں بادشاہ ایسا ہی وسیع اختلاف رکھتے تھے۔ شیکسپیر نے رچرڈ کی بالکل صحیح تصویر اُتاری ہے کہ وہ وقارِ شاہی کے متعلق بہت ہی ارفع و اعلیٰ خیال رکھتا تھا اگرچہ خود اُس کی کم اہلی ان بلند خیالیوں کی برابر تکذیب کرتی رہتی تھی۔ بخلاف اس کے، ہنیری محض ایسے نظریوں کی بنا پر احترام و ادب کا کوئی ادّعا نہ رکھتا تھا لیکن اپنے فطری رُعب داب کی بدولت اُس تعظیم و ادب سے بہرہ مند ہوا جو رچرڈ کو عمر بھر نصیب نہ ہوا تھا۔

رچرڈ کی نظربندی اور اس کے طرفدار۔

نئی حکومت کو سب سے پہلے معزول بادشاہ کی حفاظت و حراست کا انتظام کرنا پڑا۔ اُمرا کی رائے سے حکم دیا گیا کہ اسے کہیں محفوظ مقام پر نظر بند رکھا جائے۔ شاہی محل کا کوئی سابق آدمی اس کے پاس آجا نہ سکے۔ اور اُس کے ساتھ کوئی خط کتابت نہ ہونے پائے نہ وہ کسی کو خط لکھے۔ ان ہدایات کے مطابق، اسے راتوں رات قلعۂ لندن سے نکال کے لیڈز کاسل (کینٹ) میں، اور وہاں سے لینکاسٹری قلعۂ پونٹے فریکٹ (یارک شر) میں پہنچا دیا گیا۔ ابھی تک اس کے بہت سے ذاتی دوست تھے جن میں سب سے ممتاز یہ تھے:۔ شہزادہ یارک کا بڑا بیٹا' جسے عام طور سے امیر رٹ لینڈ کہتے تھے۔ رچرڈ کے سوتیلے بھائی اور بھتیجا یعنی امیرانِ ہن ٹنگ ڈن و کینٹ۔ جان بوفرٹ' امیر سمرسٹ اور جون مون ٹیگو' امیر سالبری۔ عوام کی استدعا پر، ان اُمرا کے معاملے پر بھی دارالامرا میں غور و تحقیقات ہوئی اور بہت کچھ سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ ۱۳۹۷ء کے بعد سے جو زمینیں اُن کو ملی ہیں، وہ سب ضبط کر لی جائیں۔ نیز صراحتاً اِن کو تنبیہ کر دی گئی کہ آیندہ رچرڈ کی پشتی بانی کرتے رہے تو اسے غداری قرار دیا جائے گا۔ اسی کے ساتھ بہت ہی ہمہ گیر قسم کا ایک قانون

باب اول

جمعیت واری کے خلاف اس خیال سے نافذ کیا گیا کہ ناراض اُمرا کے ہاتھ میں شرارت و فتنہ انگیزی کے جو ہتھیار رہیں کسی حد تک وہی بیکار کر دیئے جائیں۔

لیکن باوجود مذکورہ بالا تنبیہ کے، جو نہی ان اُمرا کو آزادی ملی، اسی وقت سے بعض نے سازباز شروع کر دیئے۔ ان میں خاص خاص سازشی یہ لوگ تھے:- ہن ٹنگڈن، کینٹ، رٹ لینڈ، سالسبری کے اُمرا۔ روجر واڑڈن، کینٹربری کا سابق صدر اسقف۔ ٹامس مرک، اسقف کارلائل و صاحبانِ خانقاہ اور ایک پادری موڈلین، جو صورت میں خود رچرڈ کا ہمزاد معلوم ہوتا تھا۔ ان لوگوں کی تجویز یہ تھی کہ جنوری سنہ ۱۴۰۰ء میں کنگسٹن میں جمع ہو کر ہنری کو جو اس وقت ونڈزر میں ہوتا اپنے لندنی طرفداروں سے بالکل جدا کر دیں۔ پھر ہنری کو گرفتار کر کے رچرڈ کی بادشاہی کا اعلان کر دیا جائے اور جب تک اُس کے قید خانے کا پتہ چلے، اس وقت تک موڈلین اُس کے روپ میں بادشاہی کرتا رہے لیکن عین موقع پر بانی سازش رٹ لینڈ نے اس منصوبے کا اپنے باپ، شہزادہ یارک سے تذکرہ کیا جس نے بادشاہ کو خبردار کر دیا۔ ہنری اسی وقت، رات ہی کو سوار ہو کر لندن آیا اور اہل لندن سے مدد کی التجا کی اور ۲۴ گھنٹے کے اندر بیس ہزار مسلح سپاہی، تیر انداز اور تیغہ بردار میدان میں جمع ہو گئے۔ بادشاہ کے اس طرح آدھی رات کو لندن چلے آنے سے باغیوں کا سارا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ میڈن ہیڈ کے پل پر تھوڑی آویزش کے بعد یہ سب سرنس سٹر کی طرف فرار ہو گئے۔ مگر یہاں یہ مصیبت پیش آئی کہ چاروں طرف سے دیہاتیوں نے قصبے میں گھس کر اُس مکان پر حملہ کیا جہاں بغاوت کے سرغنہ جمع تھے اور جب انھوں نے مجبوراً ہتھیار ڈال دیئے، تو مزید تحقیق تفتیش کی دردسری اٹھائے بغیر سربازار کینٹ و سالسبری کے امیروں کا سر کاٹ دیا۔ امیر ہن ٹنگڈن کو ایسکس کے باشندوں نے چیلمز فرڈ میں گرفتار کیا اور پلیشی میں قتل کر ڈالا۔ ایک اور سازشی، امیر ڈس پنسر، برسٹل میں تلوار کے گھاٹ اتارا گیا۔ موڈلین کو ٹائی برن میں سولی دے دی گئی اور اسقفوں کو حراست میں لے لیا گیا۔ اس مفسدے کا سب سے حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ اس سے ہنری کی ہردلعزیزی کے ساتھ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ رچرڈ کے ذاتی دشمنوں سے عوام الناس کتنی نفرت رکھتے تھے

خود رچرڈ کے حق میں یہ سازش مُہلک ثابت ہوئی۔ غالباً ابھی تک خود ہنیری، شاہِ معزول کے ساتھ سختی کئے جانے کو روکتا رہا تھا کیونکہ شروع ہی میں رچرڈ کی گرفتاری کی خبر آئی تو لنڈن والوں نے ہنیری کو لکھا کہ اُسے فوراً مروا دیا جائے۔ پھر ختم سال کے قریب یارک کے شہزادے اور نارتھمبرلینڈ، ارنڈیل وغیرہ چار بڑے امیروں نے اسی مضمون کا محضر پیش کیا لیکن ہنیری نے ان دونوں درخواستوں کو قبول نہیں کیا البتہ اپنے چچا اور دوسرے امیروں سے کہا کہ اگر کسی قسم کا فساد پیدا ہوا تو سب سے پہلے رچرڈ کی جان کی خیر نہ ہوگی۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ جو کچھ کہا تھا، وہ اس پر قائم رہا اور ابھی باغی وادی ٹیمز میں جمع ہی ہو رہے تھے کہ پونٹے فریکٹ میں رچرڈ کو مروا دیا گیا۔ کم سے کم جنوری ۱۴۰۰ء تک سب جان گئے تھے کہ وہ مر گیا اور ایک جنازے کو رچرڈ کی لاش کہہ کے عام طور پر دکھایا اور دفن کر دیا گیا اور کسی کو اس بارے میں شک وشبہ نہیں باقی رہا۔ لیکن موت کی صحیح تاریخ اور صورت کسی کو معلوم نہ تھی اور تقریباً دو سال بعد یہ افواہیں گشت کرنے لگیں کہ رچرڈ قید خانے سے نکل بھاگا اور اب تک زندہ ہے، جن سے ہنیری کی مشکلات میں اتنا اضافہ ہوا کہ بدخواہوں نے انھیں پھیلانے میں اور بھی مدد دی۔

اسکاٹ لینڈ۔ گھر کی بغاوت فرو ہونے نہ پائی تھی کہ ہنیری کی توجہ اسکاٹ لینڈ کے معاملات پر منعطف ہوگئی۔ جب سے ڈیوڈ کو رہائی ملی (۱۳۵۷ء) اس وقت سے انگلستان و اسکاٹ لینڈ کے تعلقات مجموعی طور پر اچھے خاصے رہے اگرچہ سرحدی جاگیردار برابر چھاپے مارتے اور سرحدی باشندوں کو ستانے رہتے تھے۔ اور ان کا نتیجہ کبھی کبھی ایسی بڑی لڑائی کی صورت میں برآمد ہوتا جیسے ۱۳۸۸ء میں اوٹربرن کی ہوئی۔ ۱۳۹۰ء میں اسکاٹ لینڈ کا برائے نام بادشاہ تو روبرٹ (ثالث) تھا لیکن اپاہج ہونے کے باعث اصلی اختیارات اُس کے بھائی شہزادۂ آلبنی کے ہاتھ میں تھے۔ رچرڈ سے جو میعادی صلحنامہ ہوا وہ ۱۳۹۹ء میں ختم ہوگیا اور اس کی تجدید بلغایت ضروری تھی تاکہ اگر رچرڈ کا خسر، چارلس ششم شاہِ فرانس، اس کی معزولی کو حیلۂ جنگ بنا کے انگریزوں سے پھر لڑائی چھیڑ دے تو اسکاٹ لینڈ والے اس کی مدد پر تیار نہ ہو جائیں جیسا کہ ان کا معمول تھا۔ ہنیری کو معلوم ہوا کہ واقع میں وہ صلح کی تجدید میں

لیت ولعل کر رہے ہیں، لہذا اس نے ٹھان لی کہ بزور شمشیر اپنی بادشاہی منوائے اور صلح نامے کی تجدید کرائے۔ چنانچہ ۱۴۰۰ء کی گرمیوں میں فوج لے کے اسکاٹ لینڈ روانہ ہوا۔ وہاں کا سرحدی امیر جارج (ڈنبار ی) جسے اپنے بادشاہ سے رنج پہنچا تھا، انگریز بادشاہ کے ہمرکاب تھا۔ مگر اسکوٹوں کو تجربے نے احتیاط سکھادی تھی کہ کھلے میدان کی لڑائی میں تو وہ سامنے آنے سے بچتے رہے اور ادھر ہنیری کی احتیاط پسندی نے یہ گوارا نہ کیا کہ خلافِ موقع ان پر حملہ کر بیٹھتا۔ پس لیتھ کو آگ لگاکے، سامان رسد نہ رہنے کے باعث وہ مجبوراً الٹا پھر آیا اور گویا اسکوٹوں کے چرکا لگا گیا کہ جب انھیں موقع ملے تو وہ بدلہ نکالیں۔

فرانس کا ناراض اور اسکاٹ لینڈ کا انتقام کے لئے بیقرار ہونا کچھ کم مصروفیت کا موجب نہ تھا کہ سرحد ویلز کے تازہ فساد نے اسے اور پریشان کر دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ

اووین گلین ڈوور — ویلز کے ایک زمیندار، اووین گلین ڈوور، کا اپنے ایک انگریز ہمسائے امیر گرے سے جھگڑا ہوگیا اور اس معمولی تکرار نے بڑھتے بڑھتے ایک قومی بغاوت کی شکل اختیار کر لی اووین پورے نام میں اپنے آپ کو "امیر وادیٔ آب سیاہ" (= روو ڈی) تحریر کرتا تھا۔ ویسٹ منسٹر میں قانون کی تعلیم پائی اور ہنیری کا شہزادگی کے زمانے میں پٹہ دار رہا تھا۔ وہ دولتمند، مہمان نواز، دلکش اخلاق واو آب کا آدمی تھا، اور آیندہ کارناموں سے ثابت ہوا کہ بے قاعدہ جنگ کی غیر معمولی صلاحیت رکھتا تھا۔ ہنیری شمال ہی میں تھا کہ اووین کے آدمیوں نے امیر گرے کی زمینوں سے بڑھکر قصبات کے انگریز آبادکاروں کو لوٹنا مارنا شروع کیا بلکہ خود انگلستان کے پرگنے، شروپ شر پر ڈاکے مارنے لگے۔ بادشاہ بہ عجلت مغرب کی طرف بڑھا اور ستمبر میں ویلز پر حملہ کیا۔ لیکن یہاں بھی اُسے اتنی ہی کم کامیابی ہوئی جیسی اسکاٹ لینڈ کے حملے میں ہوئی تھی کیونکہ اووین مزے سے پہاڑوں میں بیٹھا رہا تاآنکہ نومبر کے پالے نے ہنیری کو واپس ہٹ جانے پر مجبور کر دیا۔ تاہم وہ اپنے سنرہ سالہ بڑے بیٹے ہنیری کو امیر چیسٹر بناکے، سرحد کی حفاظت کے لئے چھوڑ گیا اور اُس کی نگرانی، نارتھمبرلینڈ کے بڑے بیٹے ہنیری پرسی کے سپرد کر دی جو بہادر ولائتی، اور سرحدی ترکتازی کی بدولت

"ہوٹ اِسپر" (= "گرم مہمیز") کہلاتا تھا۔

جنوری ۱۴۰۱ء میں ہنیری نے اپنے عہد کی دوسری پارلیمنٹ فراہم کی۔ اس اجلاس کا سب سے مشہور کام آئین "ملاحدہ سوزی" کی منظوری ہے۔

آئین ملاحدہ سوزی

واضح رہے کہ وکلف کی ۱۳۸۴ء میں وفات کے باوجود، اس کے عقائد و آرا برابر شایع ہوتے رہے اور گو اس کے متبعین کا کوئی منظم اور باقاعدہ مذہبی فرقہ نہیں بنا، تاہم عوام اور خود اہل کلیسا میں بے شبہ بہت سے لوگ موجود تھے جنھیں مروجہ عقائد پر اعتراض تھا۔ یہ لوگ سب سے بڑھ کر تثلیث، علما کی دولت مندی، فقرا کے فرقے، تصویر پرستی، مغفرت فروشی، زیارات اور قبولِ توبہ کے اصول پر معترض تھے مگر بعض نے وکلف کی تقلید میں، تغیرِ لحم و دم کے مسئلے پر بھی ایراد کیا تھا۔ ان اعتراضات وغیرہ پر غور کرنے کی غرض سے صوبہ کینٹربری کے علما کی ایک خاص مجلس بھی منعقد کی گئی جس کے دو شعبے تھے۔ شعبۂ عالیہ میں وہ خانقاہوں کے صاحبانِ سجادہ، کرائسٹ چرچ کا صدر مہتمم اور اٹھارہ اسقف شامل تھے۔ اور باقی مہتمم، حلقے کے پادری وغیرہ کلیسائی عمال و علما، شعبۂ زیرین میں داخل تھے۔ اس مجلس نے خصوصیت کے ساتھ چار لالرڈ ملحدوں کے خیالات پر بحث کی جن میں سب سے ممتاز ایک معاشدار پادری ولیم چارٹرس تھا۔ یہ شخص پہلے حلقہ لِن کا امام رہا اور پھر وہاں سے ہٹا کر لندن بھیج دیا گیا تھا۔ آخر میں ساری بحث کا فیصلہ عشاے ربانی کے متعلق اس کے عقیدے پر آ ٹھیرا کہ اس کا قول تھا، "روٹی ضرور باقی رہتی ہے گو وہ مسیح کے گوشت کے ساتھ رہے۔" اسے کافی نہیں سمجھا گیا اور چارٹرس ملحد قرار دے کر کلیسا سے نکال دیا گیا۔ اسی روز ہنیری نے لندن کے میر بلد اور عمال کے نام حکم لکھا کہ چارٹرس کو زندہ جلا دیا جائے۔ ممالک یورپ میں اس قسم کی قتل و مردم سوزی معمولی بات تھی مگر انگلستان میں یہ پہلا واقعہ ہوا اور مجلس کلیسا نے اس نو عبرت کے اور مقدموں کا انتظام کرنے کے واسطے بھی بادشاہ کو عرضی دی کہ ایک قانون وضع کیا جائے تاکہ ملاحدہ، یا رجوع کے بعد منحرف ہو جانے والوں کو مجرم قرار دے کے "مزید کارروائی کے لئے" شاہی عمال کے حوالے کیا جا سکے۔ یہی درخواست پر یہ آئین مرتب ہوا کہ چالیس دن کے اندر تمام ملحدانہ تحریریں موقوف کر دی جائیں اور جو لوگ

نہ مانیں یا ماننے کے بعد پھر منحرف ہو جائیں ان کے سرِ عام جلا دینے کا حکم دے دیا گیا۔
یہ آئین اُمرا کے مشورے سے مرتب ہوا تھا۔ مگر عوام نے جس طرح اس بات پر
خدا کا شکر ادا کیا کہ بادشاہ نے ایسے بُرے عقیدے اور اُس کی تعلیم دینے والوں کا
قلع قمع کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "آئین ملاحدہ سوزی" اصل میں اُس زمانے
کے عام و خاص سبھی کے خیالات کو ظاہر کرتا ہے کہ الحاد کی بیخکنی کا مناسب طریقہ
کیا ہونا چاہئے۔ بعد میں الحاد کی بنا پر لوگ برابر قتل ہوتے رہے انھی میں ایک
درزی بیڈبی کا قصہ مشہور ہے جو لندن میں ۱۴۱۰ء میں زندہ جلایا گیا۔ یہ واقعات
معمولاً، وقائع نویسوں کی توجہ سے محروم رہے لیکن شہروں اور پرگنوں کے
کھاتوں میں وقتاً فوقتاً ملاحدہ کے جلانے کے اخراجات کا حساب درج ہے۔
یاد رہنا چاہئے کہ یہ قانون صاف طور پر ملحدانہ عقائدِ شرعی سے تعلق رکھتا تھا
اور لالرڈ گروہ کے بہت سے خیالات اس مد میں داخل نہ تھے اور نہ اس کی وجہ
سے لوگوں کی وہ بے اطمینانی کم ہوئی جو کلیسا کے عام حالات دیکھکر پیدا ہوتی تھی۔

۱۴۰۰ء میں اسکاٹ لینڈ کی لڑائی کا انتظام امیر نارتھمبرلینڈ اور جلاکردہ
امیرِ مارچ کے حوالے کر کے، بادشاہ انگلستان چلا آیا تھا۔ مگر آئندہ سال نامہ و پیام
ہوتے رہے اور کوئی خاص جنگی کارروائی نہیں ہوئی۔ البتہ ۱۴۰۲ء میں امیر مارچ نے
بروک کے قریب بمقام نسبٹ مور، اسکوٹوں کو شکست دی اور جب
ہوٹ اسپر ویلز سے واپس آیا تو دس ہزار اسکوٹوں نے حملہ کیا اور نارتھمبرلینڈ میں
گھس آئے۔ ان کے سردار امیر ڈگلس اور خود شہزادہ آلبنی کا بڑا بیٹا مرڈوک اسٹوارٹ
(امیر فائف) تھے۔ لیکن ہولمڈن پہاڑی پر گلن ندی کے قریب انگریزی تیراندازی
نے ان کا شیرازہ بکھیر دیا اور کاٹ کے ڈھیر دیا۔ دونوں سردار اسیر کر لئے گئے۔

لیکن انگریز امیروں کی اس درخشاں کامیابی سے خود بادشاہ کی ناکامیاں اور
نمایاں ہو گئیں اووین ابھی تک آزاد تھا۔ شہزادہ ہنری اور ہوٹ اسپر نے
بہت کوشش کی کہ اُسے کھلے میدانوں میں چھاپے مارنے سے روک دیں، کچھ
پیش نہ گئی۔ انتہا یہ کہ قلعوں تک کی حفاظت دشوار ہو گئی۔ ۱۴۰۲ء میں وہ امیر
گِرے کو پکڑ کرلے گیا اور جب ایڈمنڈ مورٹمر نے اپنی خاندانی جاگیر کی حفاظت کے

باب اول

سلسلے میں اووین پر وادیٔ ٹیم میں بمقام برین گلاس حملہ کیا، تو اُلٹی منہ کی کھائی اکثر ساتھی مارے گئے اور خود صرف ہتھیار ڈال کر اپنی جان بچا سکا۔ پھر خود بادشاہ نے بڑے اہتمام سے فوج کشی کی مگر اووین کمال ذہانت سے لڑائی سے پہلو بچاتا رہا اور ہینری کے سپاہی بارش میں بھیگنے اور پوری خوراک میسر نہ آنے سے اتنے پریشان ہوئے کہ تین ہفتے بعد ذلت کے ساتھ پسپائی اختیار کی۔ معلوم ہوا کہ ایسے غنیم کے مقابلے میں مہذب طریقے سے جنگ کرنا بیکار ہے۔ نہ تھوڑے تھوڑے دن کی معرکہ آرائی کارگر ہو سکتی ہے۔ ادھر ہینری کے پاس اتنا روپیہ بھی نہ تھا کہ وہ اپنے کثیر التعداد قلعوں میں اتنے سپاہی متعین کر دیتا کہ وہ آس پاس کے علاقوں کو خوف زدہ کرتے رہتے۔ اور چند اسباب ایسے تھے کہ ہینری کی ہر دلعزیزی میں فرق آنے لگا۔ اول تو ہر پرجوش تحریکِ عام کے بعد رجعت کا ہونا لازمی ہے ۱۳۹۹ء کا انقلاب بھی شورش عام کا نتیجہ تھا اب خواہی نخواہی اس کا ردِ عمل شروع ہوا۔

ہینری سے ناراضی

بیرونی جنگ اور اندرونی فتنہ و فساد کے انتظام نے یہ امکان باقی نہ رکھا تھا کہ ہینری محاصل کم کر کے عوام کی خوشنودی حاصل کرے اور اسی بے زری کی بدولت فریقِ مخالف کو بھی رام کرنے کی تدبیر نہ کی جا سکتی تھی پچھلے قرضے ادا نہ ہو سکنے سے قرضخواہوں کے تقاضے الگ سوہان روح بنے رہتے تھے۔ طرفہ تر یہ کہ بادشاہ کے مذہبی جوش کے باوجود، درویشوں کے گروہ کسی وجہ سے اس کے خلاف ہو گئے اور ان کے داعی جہاں تک بن پڑا سوئے ظن پھیلاتے رہے۔ آیندہ جنگ و جدال اور سازشوں کی افواہیں آئے دن اُڑتی رہتی تھیں اور رچرڈ کے بچ نکل بھاگنے کے فسانے بڑے اہتمام سے مشہور کئے جاتے تھے۔ عوام کو خاصی طرح یقین آچلا تھا کہ ہینری بالکل بے کار ثابت ہوا۔ اور کسی باغیانہ تحریک کے واسطے روجر مورٹمر کا بڑا بیٹا، ایڈمنڈ (امیر مارچ) اور اس کے بھائی بہن موجود تھے کہ انھیں امیدوار بادشاہی بنا کے ہنگامہ بپا کر دیا جائے۔ اور یہی آثار و قرائن دیکھکر دونوں پرسیوں نے ارادہ کر لیا کہ ایک زبردست بغاوت مرتب کرنے کے اس عمدہ موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

پرسیوں کی مخالفت ان میں سے ایک پرسی، یعنی امیر نارتھمبرلینڈ وقتی پرخاش کے باعث رچرڈ ثانی کی بیکلنی میں ہنیری کا ممد و معاون بن گیا تھا ورنہ ہنیری کے لینکاسٹری خاندان سے اس کی قدیم دشمنی چلی آتی تھی۔ اور ہنیری کی تخت نشینی کے وقت سے متعدد اسباب نے اس دیرینہ مخالفت کو پھر تازہ کر دیا۔ سب سے مقدم سبب تو مالی تھا کہ اسکاٹ لینڈ اور ویلز میں دو سال تک زیادہ تر یہی باپ بیٹے لڑائی کا بار برداشت کرتے رہے۔ جنگ کے کثیر مصارف میں ان کا ساٹھ ہزار پونڈ خرچ ہوا جس میں سے بیس ہزار ابھی تک ادا ہونا باقی تھا اور شاہی خزانے کی حالت دیکھکر مطلق امید نہ ہوتی تھی کہ یہ ادا ہو سکے گا۔ شمال میں نارتھمبرلینڈ اور نوجوان پرسی (ہوٹ اسپر) نے بڑے کارنمایاں دکھائے اور ان کے مقابلے میں ہنیری کی اسکاٹ لینڈ پر فوج کشی، بالکل ہیچ اور ویلز کی جنگ آرائی شرمناک نظر آتی تھی۔ شمالی ویلز میں ہوٹ اسپر کی قیادت بھی حسد و بدگمانی پیدا کئے بغیر نہ رہی تھی۔ بہر حال، دبی ہوی چنگاریاں سب سے پہلے اُس وقت ابھریں جب جنگ ہومل ڈن ہل کے قیدیوں پر اختلاف ہوا کہ ان قیدیوں کو پرسی قرضے کے کفالت میں اپنے زیر حراست رکھنا چاہتے تھے۔ ایک اور پیچیدگی ایڈمنڈ مورٹمر کے معاملے میں پیدا ہوی کہ ہنیری نے اس کا فدیہ دینے سے انکار کیا اور کہا کہ میں اس ویلزی کی روپے سے مدد نہیں کروں گا۔ غالباً اس کا ایک سبب تو یہ غصہ تھا کہ ایڈمنڈ ہمیشہ سے باغی رہا تھا اور بے شبہ ایک یہ کہ ہنیری اُسے، اُس کے بھتیجے نوجوان مورٹمر سے الگ رکھنا ہی بہتر سمجھتا تھا۔ مگر اس کی بہن الزبتھ، ہوٹ اسپر کی بیوی تھی اور ہنیری کے انکار سے علانیہ جھگڑا ہو گیا جس میں بیان کیا جاتا ہے کہ بادشاہ نے فی الواقع ہینری کو مارا۔

اسی انکار کی وجہ سے نوجوان مورٹمر نے آووین کی بیٹی سے شادی کی اور مخالفت میں ایک بڑا جتھا تیار ہو گیا جس کے سرغنہ یہ لوگ تھے: اووین، مورٹمر ہینری پرسی امیر نارتھمبرلینڈ۔ اس کا بھائی، ٹامس پرسی امیر ورسٹر۔ ہوٹ اسپر اور امیر ڈگلس واضح رہے کہ بجز قرضہ ادا نہ کرنے کے، ہنیری نے پرسیوں کو خوش کرنے میں کوئی کمی نہ کی تھی حتیٰ کہ معرکۂ ہوملڈن کے بعد جنوبی اسکاٹ لینڈ کا

باب اول

ایک بڑے قطعے کے انگلستان سے الحاق کیا تو اُسے بھی انھی کو عطا کر دیا تھا۔ نظر بریں اسے ہرگز امید نہ تھی کہ وہ ایسی دغا کریں گے کہ اتنے میں (۱۴۰۳ء کی گرمیوں میں) یکایک اطلاع ملی کہ ٹامس پرسی تمام خزانہ لے کر جو اس کی تحویل میں تھا شروزبری سے فرار ہوگیا ہے اور ہوٹ اسپر چیسٹر کی طرف کوچ کر رہا ہے جس کا مطلب صریحاً یہ تھا کہ وہاں فوج جمع کرے اور اووین کے ساتھ ہو کر ولی عہد انگلستان کا مقابلہ کرے۔ یوں بھی چیسٹر میں رچرڈ ثانی بہت ہر دلعزیز رہا اور خود ہوٹ اسپر نے اپنے قیام کے زمانے میں کافی اثر پیدا کیا تھا۔ چنانچہ اہل چیسٹر شوق سے اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونے لگے اور تھوڑے ہی دن میں کم سے کم چودہ ہزار سپاہی جمع ہو گئے۔ اب اس نے ایک اعلان شایع کیا۔ ہینری پر الزام لگایا کہ اس نے رچرڈ کی جان لی۔ وعدے کے خلاف محصول وصول کئے۔ اور پارلیمنٹ کے آزادانہ انتخاب میں خرابی ڈالی۔ آخر میں تحریر تھا کہ میں نے اس کی پشت پناہی کرنے میں جو غلطی کی تھی اس کی تلافی میں اب، ایڈمنڈ امیر مارچ کو جو رچرڈ ثانی کا وارث جائز ہے، تخت پر متمکن کروں گا۔

معرکۂ شروزبری

چیسٹر سے پرلچ فیلڈ آکر، ہوٹ اسپر نے شروزبری کا (جہاں ولی عہد انگلستان کا مستقر تھا) محاصرہ کر لیا۔ پھر یہ سنکر کہ خود بادشاہ اُس پر حملہ کرنے کے لئے برٹن سے بڑھ رہا ہے، اس نے شروزبری سے کوئی تین میل شمال میں کسی قدر بلند جگہ پر اپنی صفیں جمالیں کہ تیر اندازوں کو یقیناً بہت اچھا موقع حاصل ہوگیا۔ ادھر ہینری کی فوج ہر چند تعداد میں کم سے کم حریف کے برابر تھی، لیکن وہ لڑنے کا مشتاق نہ تھا بلکہ پوری کوشش کرتا رہا کہ باغیوں سے صلح صفائی کی کوئی صورت نکل آئے۔ اس میں کامیابی نہ ہوئی تو آخر کار ۲۱ جولائی کو اس نے حملے کا حکم دیا۔ بڑی سخت لڑائی ہوئی اور دوپہر سے لے کر رات تک جاری رہی۔ کہتے ہیں سات ہزار آدمی کام آے اور تارتھلر ٹن وہیسٹنگز کے بعد سرزمین انگلستان پر غالباً اتنا سخت معرکہ کبھی نہ پڑا تھا۔ نتیجے میں ہینری کو کامل فتح نصیب ہوئی۔ ہوٹ اسپر عین گھمسان میں مارا گیا اور ٹامس وڈگلس اسیر کر لئے گئے۔ دو دن بعد ٹامس اور چیسٹر کے دو عمائد کو غداری کی سزا میں

باب اول

مروادیا گیا اور ہوٹ اسپر کا سر ایک مہینے تک بمقام لندن بُرج منظر عام پر رکھا رہا کہ کسی کو اس کی موت میں شک نہ رہے۔

معلوم ہوتا ہے خود ہنیری کو ہوٹ اسپر کی موت کا دلی صدمہ ہوا اور اس نے آیندہ جنگ و خونریزی کی نوبت نہ آنے دینے کی ہر ممکن کوشش کی خوش قسمتی سے بوڑھا امیر نارتھمبرلینڈ بھی بیٹے کی موت سے بہت مرعوب ہو گیا تھا لہذا ۱۱راگست کو یارک میں ہنیری سے ملا اور اپنے آپ کو بادشاہ کے حوالے کر دیا اور قیام امن کی جو کچھ شرطیں بادشاہ نے قرار دیں وہ سب قبول کیں۔ اس کے بعد ہنیری، وُرسٹر آیا کہ اووین کی روک تھام کرے جس کی غارتگری برابر جاری تھی حالانکہ کوئی جمعیت اس کے پاس نہ تھی جسے باقاعدہ فوج کہا جاسکے؛ اس مرتبہ بھی ہنیری کو ان قزاق سپاہیوں سے وہی زحمت پیش آئی جو دو مرتبہ پہلے اس کی سعی کو ناکام کر چکی تھی۔ چنانچہ اس دفعہ بھی وہ سوائے اس کے کچھ نہ کر سکا کہ جہاں تک ہو سکے؛ سرحدی قلعوں کے دستوں کو کیل کانٹے سے لیس رکھا جائے تا آنکہ شورش و بغاوت کا جوش خود بخود دب جائے۔ لیکن اس میں بڑی دیر لگی اور ہنیری کے جیتے جی اووین خار پہلو بنا رہا۔ تاہم ۱۴۰۷ء میں اس کا معاملہ کلیتہً ولی عہد کے تفویض کر دیا گیا جسے ان سرحدی معرکوں میں وہ فوجی تجربہ حاصل ہوا جو آیندہ اس کے بہت کام آیا؛ امیر نارتھمبرلینڈ کو حراست میں آنے کے ۲ ماہ کے اندر آزادی اور جاگیر واپس دے دی گئی تھی لیکن ہنیری کی محبت بھری کوشش کہ اس کا بوڑھا دوست، پچھلے جھگڑے بھول جائے گا، مشکور نہ ہوئی۔ یہ امیر برابر ریشہ دوانی کرتا رہا اور ۱۴۰۵ء میں امیر ناٹنگھم (خلف امیر کبیر نارفک) اور صدر اسقف یارک کی شرکت میں ایک اور سازش تیار کی یہ باغی آٹھ ہزار کی جمعیت سے لڑنے آئے اور بادشاہ کے سنجھلے بیٹے جان اور رلیف نویل نے ان کا مقابلہ کیا۔ یہی وہ شہزادہ ہے جس نے آگے چل کر امیر کبیر بیڈفرڈ کے نام سے بڑی شہرت پائی اور نویل (امیر ویسٹ مورلینڈ) نارتھمبرلینڈ کا قدیم حریف تھا۔ فریقین میں پہلے نامہ و پیام ہوئے۔ اسکروپ، (صدر اسقف یارک) نے بادشاہ پر کئی الزام عائد کئے کہ وہ مکر و فریب سے تخت پر قابض ہوا، رچرڈ کے قتل کا اشارہ کیا، علما اور غیر علما کو خلاف قانون مروایا اور

عام طور پر ملک میں تباہی اور خونریزی کا باعث ہوا۔ پھر مطالبہ کیا کہ ایک بے لاگ پارلیمنٹ منعقد کی جائے۔ محصول کم کر دئے جائیں اور ویلز کی بغاوت کا پوری قوت سے قلع قمع کیا جائے۔ امیر ناٹنگھم نے خاندان مورٹمر کو قید سے بھگانے کی ناکام کوشش میں بھی کچھ نہ کچھ رفاقت کی تھی تاہم ویسٹ مورلینڈ نے وعدہ کیا کہ ان کے مطالبات بادشاہ کے سامنے پیش کر دئے جائیں گے اور اسی اطمینان دلانے پر باغی سپاہی منتشر ہو گئے۔ تب موقع پا کے بادشاہی فریق نے (موبری) امیر ناٹنگھم اور اسکروپ کو فوراً گرفتار کر لیا اور بادشاہ نے بھی اس مرتبہ مطلق رعایت نہ کی بلکہ جھوٹ موٹ کی تحقیق کے بعد دونوں قیدی مروا دیئے گئے۔ ایک اسقف اس طرح قتل کرا دے جانے کا انگلستان میں یہ پہلا موقع تھا اور جس ڈھٹائی سے یہ حرکت کی گئی تھی، اس سے معلوم ہوتا ہے ہر شخص کو ششدر کر دیا۔ زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ مقتول اسقف کی قبر کی طرح طرح کی کرامتیں سننے میں آنے لگیں اور کچھ روز بعد ہینری علیل ہوا تو عام طور سے اسے بھی اسی جرم کی سزا سمجھا گیا۔

اُدھر نارتھمبرلینڈ اور بارڈولف شمال میں بھاگے اور سرحد پار ہو گئے تھے۔ ہینری نے الن وک وغیرہ اُن کے قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ انھوں نے شہزادہ آلبنی کی مدد حاصل کرنے کی کوشش کی تھی اور اس میں کامیابی نہ ہوئی تو ویلز اور پھر فلینڈرس اور فرانس چلے گئے۔ سنہ ۱۴۰۸ء میں پھر اسکاٹ لینڈ آئے اور تھوڑی سی وہاں کی فوج لے کر انگلستان میں داخل ہوئے۔ نارتھمبرلینڈ کے بعض قدیم زمیندار بھی اس سے آملے تھے لیکن یارک شہر کا علاقہ باغی امیروں کے خلاف رہا اور ٹامس روک بی عاملِ شاہی نے بے قاعدہ فوج ہی سے انھیں بریم ہیم مور کے مقام پر مار بھگایا۔ نارتھمبرلینڈ میدان میں مارا گیا۔ بارڈولف کے مہلک زخم آیا اور ہینری سے امیروں کی کشمکش کا بالآخر خاتمہ ہو گیا۔ اسی کے ساتھ اووین کی ہمت ہی بھی اتنی نہ رہی۔ فرانس سے ایک جمعیت مدد کے لئے آئی اور ۱۴۰۵ء میں مل فرڈ کی لنگر گاہ پر اتری لیکن ویلز کے پہاڑوں میں ان کی بھی ایسی ہی مدارات ہوئی جیسی ہینری کی ہوئی تھی اور وہ لوگ جل بھن کے واپس چلے گئے اس کے بعد لڑائی رفتہ رفتہ موقوف ہو گئی لیکن اووین ہموطنوں کی وفاداری کی بدولت تا زندگی آزاد رہا

باب اول

روپیہ اُٹھانا پڑا کہ پیادوں کی باقاعدہ اور معقول فوج رکھنے کے علاوہ قلعوں کی مرمت اور مقامی دستوں پر بہت کچھ خرچ ہوتا تھا۔ اس کے زمانے ہی میں صرف قلعہ کیلے کا خرچ اٹھارہ ہزار پونڈ تھا۔ شمالی ویلز کے ۶ بڑے قلعے (:- کون وے، کارناروں، کریکیتھ، ہارلک، ڈن بی، بومارس) پانچ ہزار پونڈ سالانہ کھاجاتے تھے اور باقی پچاس چھوٹی گڑھیوں کا تو ذکر ہی کیا ہے جن میں ہر گڑھی کی فوج الگ رکھنی پڑتی تھی۔ رچرڈ ثانی کی بیوہ کی خبرگیری کے سلسلے میں ۸ ہزار سالانہ خرچ ہوتا۔ گیلین، آئرلینڈ، سرحدوں پر الگ روپیہ صرف کرنا پڑتا۔ غرض سال بہ سال ہینری اپنے سرداروں اسکاٹ لینڈ کی اور پارلیمنٹ والوں سے یہی دکھڑا روتا کہ خزانہ خالی پڑا ہے اور میں نہیں جانتا کہ روپیہ کہاں سے آئے گا۔

ان حالات میں ظاہر ہے کہ پارلیمنٹ کی مرضی کا لحاظ کئے بغیر حکومت نہ چل سکتی تھی۔ لیکن اصل یہ ہے کہ ہینری بذات خود آئینی حکومت کا قائل تھا اور اپنے پیش رو کی طرح ہرگز نہ چاہتا تھا کہ پھر مطلق العنانی اختیار کرے چنانچہ یہ اصول جس کی بار بار صراحتیں ہوئی تھیں کہ شاہی وزرا کی جماعت پارلیمنٹ کی معتمد علیہا ہونی چاہیئے، اس کو عمل میں ہینری ہی لایا۔ مثلاً ۱۴۰۴ء میں عوام کی درخواست پر بادشاہ نے پارلیمنٹ تے ۲۲ ارکان نامزد کئے کہ وہ اُس کے دائمی اور ممتاز مشیر رہیں ۱۴۰۶ء اور پھر ۱۴۱۰ء میں دارالعوام نے ان میں ردّ و بدل کی استدعا کی تو اسے منظور کرلیا اور حکومت کی ذمہ داری اس طرح مجلس مذکور کو حاصل ہوگئی جیساکہ آج کل آئینی بادشاہی کا دستور ہے۔ ۱۴۰۶ء میں حکومت کی اہلیت پر حرف زنی ہوئی تو ہینری نے جواب دیاکہ میں اپنی مجلس شوریٰ سے کہوں گا کہ تاامکان اچھا کام کریں۔ اسی طرح مالیات پر پارلیمنٹ کو کامل اقتدار مل گیا۔ شاہی محلسرا کے مصارف میں بار بار اُلٹ پلٹ کی گئی اور ۷ ہزار سے ۱۲ ہزار پونڈ سالانہ تک مختلف رقوم اس کے لئے مقرر ہوئیں اور قریب قریب وہی طریقہ عمل میں لایا گیا جو آج کل دیوانی عہدہ داروں کے لئے جاری ہے۔ دارالعوام کو اجازت ملی کہ قومی آمد و خرچ کے حسابات کی تنقیح کے واسطے وہ خود مشرف نامزد کردے اس میں تو ہینری کو بہت کچھ تامل تھا باقی بادشاہ کا

باب اول

پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر محصول عائد کرنا بالکل خارج از بحث ہوگیا۔ اسی طرح ایک قابل حیرت ترقی یہ تھی کہ دارالعوام کے نہایت باقاعدہ اجلاس ہونے لگے اور ایک مرتبہ تو سال میں ۱۵۹ دن تک مسلسل کام ہوتا رہا جس سے ارکان میں یقیناً مشترک جماعت ہونے کا احساس اور مل کر کام کرنے کی عادت پیدا ہوی۔ روپے کی ضرورت کا مقدم ہونا، اس کی قدر و قیمت کو بڑھاتا رہا کیونکہ کم استطاعت آبادی کا نمایندہ ہونے کے باعث دارالعوام ہی کی آرا قوم کی قابلیت، مالگزاری کا عمدہ معیار ہوسکتی تھی۔ پھر یہ آئینی طریقہ بادشاہ کے باقاعدہ اعلان سے بالکل مسلم ہوگیا۔ آیندہ پارلیمنٹ کے کسی ایوان کو اجازت نہ رہی کہ دوسرے کی رضامندی کے بغیر تنہا روپے کی منظوری کے متعلق کیفیت پیش کردے اور دونوں کی رضامندی کی صورت میں بھی بلا استثنا یہ کیفیت دارالعوام ہی کے صدرنشین کے ذریعے پیش ہونے لگی۔ غرض ان آئینی اصول اور طریقوں کے اختیار کرنے سے ہینری چہارم اور اس کے پارلیمنٹوں کے باہمی تعلقات ایسے رہے جن کی ازمنۂ وسطیٰ کی تاریخ میں نظیر ملنی مشکل ہے۔

کلیسا کی حمایت

ہینری کو اپنا مرتبہ قایم رکھنے میں بلاشبہ اہل کلیسا سے بڑی مدد ملی جو صدر اسقف ارنڈیل کی سرگروہی میں بہ حیثیت ایک مخصوص جماعت کے برابر اُس کی حمایت کرتے رہے۔ اصل یہ ہے کہ کلیسا کو بھی پھونک پھونک کے چلنے کی ضرورت تھی۔ لالرڈ تحریک اور خصوصاً اُس کے وہ اعتراضات جن کا ہدف شریعت کی بجائے علمائے دین کی دولت وجاہ تھی، تقریباً ایک نسل تک کلیسائی اقتدار کی بیخکنی کرتی رہی اور اُدھر اوینیوں سے پاپاؤں کے واپس آنے کے بعد سے ان میں باہمی ایسے مناقشے ہوے کہ پاپا کی طرف سے کسی کارگر اعانت کی امید باقی نہ رہی۔ غرض وہ مجبور ہوے کہ بادشاہ کا سہارا لیں اور ہینری جیسا راسخ العقیدہ اور آئین پسند فرماں روا خواہی نخواہی ان کا یاور و مددگار بن گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ارنڈیل و بوفرٹ جیسے حکام کلیسا کو شاہی ضرورتوں کے لئے روپیہ دینے میں ہمیشہ تیار پاتے ہیں اور ہینری کی مالی مشکلات جن بھاری محاصل کی مقتضی ہوئیں، ان کی ادائی میں عام پادریوں کی

باب اول

طرف سے بھی کوئی قیل و قال نہیں سنتے حقیقت میں دارالعوام کی زیر لب تعریض کبھی کبھی یاد دلاتی رہتی تھی کہ اُن کی جاگیرداری کس قدر بے ثبات ہے۔ کئی موقعوں پر یہاں تک گفتگو بھی آئی کہ اہل کلیسا کی ساری زرعی آمدنی سال بھر کے واسطے بحق سرکار جمع کرلی جائے۔ اور سنہ ۱۴۱۰ء میں عوام کی طرف سے فی الواقع یہ تجویز پیش ہوئی کہ اسقفوں اور دینی جماعتوں کی ساری املاک ضبط کرکے ۱۵ امیر، ڈیڑھ ہزار مقطع دار اور ۶ ہزار زمیندار نئے بنائے جائیں جس کے بعد بھی ۲۰ ہزار پونڈ سالانہ کی آمدنی خالص حکومت کے لئے بچ رہتی تھی مگر یہ منصوبہ چل نہ سکا۔ اور اس کا سبب ظاہرا یہ نہ تھا کہ لوگ مذہب سے حسن اعتقاد رکھتے تھے بلکہ یہ کہ امرا کی تعداد میں، جو پہلے ہی بہت قوی تھے، اضافہ کرنا صریحا خطرناک ہوتا۔ خود بادشاہ اور اس کا بڑا بیٹا اس تجویز کے خلاف تھے اور یہ دوبارہ پیش نہ ہوئی۔ لیکن ارنڈیل خاموش مقابلے پر قانع رہنے والا نہ تھا۔ صدر اسقف کی حیثیت سے اُس نے لڑائی کو گویا دشمن کے ملک میں چھیڑ دیا اور سنہ ۱۴۰۹ء میں ایک کلیسائی مجلس کے زور پر جدید تنظیمات کا سلسلہ شائع کیا۔ ان میں سے ایک نے کتاب مقدس کا انگریزی ترجمہ کرنا ممنوع قرار دیا تا وقتیکہ ایسا ترجمہ، مقامی اسقف یا اُس صوبے کی مجلس کلیسا پسند نہ کرلے۔ ایک اور فتوٰی یہ تھا کہ کلیسا جن مسائل کو طے کرچکا ہے، اُن پر آئندہ کوئی مباحثہ یا مناظرہ نہ کیا جائے۔

بادشاہ کی علالت

سنہ ۱۴۱۲ء سے بادشاہ کی صحت جواب دینے لگی تھی مرض کے متعلق مختلف رائیں ہیں لیکن یہ یقینی ہے کہ وہ لاعلاج بیماری تھی اور بظاہر جسمانی کمزوری کے ساتھ اس کی دماغی صحت پر بھی بُرا اثر ڈالے بغیر نہ رہی۔ مرض کا زور ہوتا تو معاملات کی باگ شہزادہ ویلز کے ہاتھ میں آجاتی اور حدود ویلز و اسکاٹ لینڈ کے جنگی فرائض کے علاوہ وہ لندن میں شاہی بزم شوریٰ کی صدارت کا کام بھی انجام دیتا۔ ولی عہد کے بعد ملک میں سب سے باوقعت شخصیت بلاشبہ ارنڈیل کی تھی اور وہ ہینری کا وفادار دوست تھا۔ لیکن اس کا اقتدار خاندان بوفرٹ کی رقابت سے محفوظ نہ تھا۔

شہزادہ جان کا بیٹا جان بوفرٹ امیر سمرسٹ، سنہ ۱۴۱۰ء میں فوت ہوا اور

جان، ایڈمنڈ اور ایک بیٹی جون اولاد چھوڑی۔ متوفی کچھ بہت ممتاز آدمی نہ تھا البتہ اس کے بھائی ہینری اور ٹامس زیادہ قابل اور جاہ طلب تھے۔ ان میں ہینری پہلے لنکن کا اسقف مقرر ہوا (۱۳۹۸ء) اور ۱۴۰۴ء پھر ولیم (وکھمی) کا ونچسٹر کی اسقفی پر جانشیں بنایا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ شہزادہ ویلز کا اتالیق بھی تھا اور مدت العمر اس کا دوست رہا دوسرے بھائی ٹامس نے بحری اور بری جنگ خصوصاً (یا) آئیں کورمیں، ناموری پائی اور بالآخر امیر کبیر اکزیٹر بنایا گیا۔ رچرڈ ثانی کے زمانے میں جو قانون اس غرض سے وضع ہوا تھا کہ خاندان بوفرٹ کو شہزادہ جان (گونٹی) کی اولاد جائز تسلیم کیا جائے اُس میں حق بادشاہی سے بھی انھیں خارج نہیں کیا تھا لیکن ۱۴۰۷ء میں ہینری نے اِس قانون کی توثیق کی تو یہ لفظ بڑھا دئے "بہ استثنائے منصب شاہی" مگر یہ قانون کا مرتبہ نہیں رکھتے تھے۔ اُدھر، بوفرٹ خاندان کا باہمی اتحاد تو بہت ممکن ہے کہ اپنی اسی کم نسبی کے احساس پر مبنی ہو اور اس میں بھی شک نہیں کہ شہزادہ ویلز سے ان کے تعلقات بہت دوستانہ تھے، بایں ہمہ بالکل ممکن تھا کہ آگے چل کے وہ اپنی روش بدل دیں۔ مگر ان کا حریف ارنڈیل غالباً کچھ زیادہ آئین پرست وزیر نہ تھا بلکہ امارت کے پرانے تخیلات اس کے دل میں بوفرٹ خاندان کی بہ نسبت زیادہ گہرے جمے ہوئے تھے۔ علیٰ ہذا الکلیسا کے جداگانہ منافع کا وہ ہینری بوفرٹ سے بھی بڑھکر وکیل تھا۔ یہی سبب ہے کہ عام رجحان وقت کے مطابق صدارتِ عظمیٰ کی خدمت کبھی اُس کے ہاتھ میں رہتی اور کبھی کسی بوفرٹ کو مقرر کر دیا جاتا۔ ایسے تغیر کا ایک سبب یہ بھی ہوتا کہ مجلس شوریٰ میں کبھی ہینری کی چلتی اور کبھی شہزادۂ ویلز کا اثر غالب ہوجاتا تھا۔ ۱۴۰۷ء سے ۱۴۰۹ء تک آرنڈیل صدر اعظم رہا لیکن اسی سال تنظیمات کا اجرا اور اسی سلسلے میں جامعۂ آکسفرڈ سے ایک منافشہ پیدا ہوا اور شہزادہ ویلز نے جو خود بھی اسی درسگاہ میں پڑھا تھا، ارنڈیل کی مخالفت کی۔ غرض ہر دلعزیز نہ رہنے کے باعث عہدۂ صدارت ٹامس بوفرٹ کو مل گیا اور ۱۴۱۲ء تک وہی یہ خدمت انجام دیتا رہا اور عجب نہیں کہ اس مدت میں شہزادہ ولی عہد باپ کی طرف سے کام کرتا رہا ہو۔ لیکن اسی سال ایک اور قضیہ

باب اول

اٹھ کھڑا ہوا، یعنی روایت کی جاتی ہے کہ ولی عہد اور بوفرٹ خاندان نے باضابطہ تجویز کی کہ بادشاہ، تخت سے دست بردار ہو جائے۔ کسی دوسری شہادت سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی مگر یہ یقینی ہے کہ پھر ارنڈیل منصب صدارت پر فائز ہو گیا، اور بزم شوریٰ کی صدارت بھی ولی عہد کی بجائے اس کے بھائی شہزادہ کلیرنس کے تفویض ہوئی جو بوفرٹ خاندان کے غالباً سدا خلاف رہتا تھا۔ اور لیانی فریق کو مدد دینے کی غرض سے فرانس جو مہم بھیجی گئی اس کی قیادت بھی ولی عہد کو نہیں ملی بلکہ دوسرے بھائی کے سپرد کی گئی۔ مگر یہ تغیر کچھ دیر پا نہ تھا کیونکہ بادشاہ کی حالت برابر بگڑتی جاتی تھی اور اگلے ہی سال (مارچ ۱۴۱۳ء میں) اس نے وفات پائی اور ایسا نام نیک یادگار چھوڑا کہ اگر اس کے پیش روئے مصائب پر ترس و تاسف سے لوگوں کی رائے مکدر نہ ہو جاتی اور اس کے جانشین کی دھوم دھام اور ظاہری کارنامے نظر کو خیرہ نہ کر دیتے تو اُسے لازماً انگلستان کے تاجداروں میں بہت اونچی جگہ مل جاتی۔

مشہور واقعات

آئین ملاحدہ سوزی	۱۴۰۱ء
معرکہ ہوملڈن ہل	۱۴۰۲ء
اسکروپ کی بغاوت	۱۴۰۵ء
جیمس شاہ اسکاٹ لینڈ کی گرفتاری	۱۴۰۶ء
دارالعوام کا اجرائے محاصل میں کامل دخل	۱۴۰۷ء

باب دوم

ہینری پنجم ۔ سنہ ۱۴۱۳ء تا سنہ ۱۴۲۲ء

ولادت : سنہ ۱۳۸۸ء ۔ ازدواج با کیتھرائن (فرانسیسی) سنہ ۱۴۲۰ء

معاصرین :

اسکاٹ لینڈ ۔	جیمس اول
فرانس	چارلس ششم
شہنشاہ	سِجِس منڈ
پاپا	مارٹن پنجم و یوجی نئیس چہارم

روایت عام کہتی ہے کہ ہینری پنجم کی زندگی کا کوئی زمانہ بہت آزادی و اوباشی میں بسر ہوا۔ اگر یہ صحیح ہو تو غالباً یہ اس کے باپ کے عہد حکومت کا آخری سال ہوگا جب کہ جبری بیکاری نے اسے مختلف ترغیبات میں پھنسا دیا ورنہ مستند تحریروں سے ثابت ہے کہ باقی تمام زندگی میں وہ ضروری کاموں میں اتنا مصروف و منہمک رہا کہ

باب اول

عیاشی کی مہلت ہی اسے نہ مل سکتی تھی۔ دوسرے ممکن ہے کہ یہ روایت محض فسانہ ہو۔ اور اگر واقع میں صحیح ہو تو بھی زیادہ سے زیادہ یہ کیا جائے گا کہ اس کی اوباشی دراصل محنت و مشقت کی دو طویل مدتوں کے درمیان ایک بیکاری کا وقفہ تھا ورنہ بادشاہ ہونے کے وقت سے ہینری کے اس عزم محکم میں پھر کبھی لغزش نہ آئی کہ وہ اپنے زمانے کے خیالات کے مطابق سراسر عمدہ بادشاہ ثابت ہو۔

مصالحانہ روش

نیا بادشاہ بوفرٹ گھرانے کو بہت چاہتا تھا لہٰذا پہلا ہی کام اس نے یہ کیا کہ ہینری بوفرٹ، اسقف ونچسٹر کو پیشکار مقرر کیا اور ارنڈیل کو فرصت مل گئی کہ اپنے کلیسائی فرائض پر متوجہ ہو مگر بادشاہ اس خاندان سے جھگڑنا نہ چاہتا تھا چنانچہ پادری ارنڈیل کے بھائی اور اپنے دوست، امیر ارنڈیل کو اس نے وزیر خزانہ بنا دیا۔ اسی آشتی پسندی کا مقتضی تھا کہ رچرڈ کی ہڈیاں لا کے عزت سے ویسٹ منسٹر میں دفن کرا دی گئیں۔ چند روز بعد ہوٹ سپر اور امیر ہنٹنگڈن کی اولاد کو ضبط شدہ جاگیریں واپس مرحمت ہوئیں۔ نوجوان امیر مارچ شاہی ندیموں میں شامل ہوا اور سابق امیر رٹ لینڈ امیر کبیر یارک بنایا گیا اور شریف بادشاہ نے اس کا بھی خود انتظام کیا کہ پارلیمنٹ نئے امیر کبیر کی وفاداری تسلیم کرے۔ خلاصہ یہ کہ اُس سے جو کچھ ممکن تھا وہ کیا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ ماضی کو دل سے بھلا چکا اور آیندہ ساری متحدہ قوم کا بادشاہ رہنا چاہتا ہے۔

اس بلند خیالی کو نباہنے کے لئے ہینری کو وہ سامان اور اوصاف میسّر تھے جن سے اس کا باپ محروم تھا۔ اول تو وہ اپنے حقِ بادشاہی کے متعلق کوئی خوف و فکر نہ رکھتا اور نہ اپنے پچھلے افعال کی بُرائی بھلائی کی نسبت متوہم تھا۔ نہ کوئی

ذاتی اوصاف

خاندانی قضیہ یا گذشتہ رقابت و سازش کی الجھن اُس کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ دوسرے ذاتی اوصاف اور شکل صورت یعنی بلند قامت، مضبوط و شاندار جسم اور آداب و اخلاق حتیٰ کہ احساسات بھی ایسے پائے تھے کہ سرتاپا بادشاہی برستی تھی۔ اس کے اطوار بھی اچھے اور عقائد نہایت راسخ و بے عیب تھے۔ رزم و بزم دونوں کی بہت عمدہ تربیت حاصل ہوئی اور سب سے بڑھ کر یہ قابلیت خدا نے دی تھی کہ حد درجہ زحمت و درد سری برداشت

باب اول

کر سکتا تھا۔ ایسا شخص جس زمانے میں بھی ہوتا، بہ حیثیت بادشاہ کے امتیاز حاصل کر لیتا لیکن یہ ہینری کی اور خوش نصیبی تھی کہ اس کے عہد میں خود قوم کا رجحان بیرونی جنگ کی طرف تھا اور اسی موقع کی ہینری کو تمنا تھی۔ بے شبہ اس جنگ کے انجام کو پیش نظر رکھکر آج ہمارا جی چاہتا ہے کہ محاربات فرانس کے تباہ کن خاتمے کا ہینری کو ذمہ دار گروانیں لیکن یہ یقینی بات ہے کہ اپنے زمانے میں اُس کی جنگ جوئی بالکل وقت کے مناسب تھی اور معاصرین ہینری کو مردانگی کا مرقع تصور کرتے تھے تاہم یہ لڑائی، تخت نشینی کے ساتھ ہی جاری نہیں ہو گئی۔ کیونکہ ازمنۂ وسطی کے بادشاہ محض ملک گیری یا اپنے تخیل کے حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ اپنے حقوق کے واسطے لڑتے تھے اور جب تک اپنے مطالبات کے متعلق نامہ و پیام نہ کر لیتے، اس وقت تک بھی میدان میں اُترنے کی جلدی نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ ہینری کے بھی ابتدائی دو سال معمولی کاروبار کے علاوہ محض تیاریوں میں خرچ ہوئے۔

البتہ اس زمانے کا ایک غیر معمولی واقعہ سرجان اولڈ کاسل کا قضیہ تھا۔

سرجان اولڈ کاسل

واضح رہے کہ گو انگلستان میں وار پر چڑھنے کی بہت کم لوگوں کو ہمت ہوی، تاہم لالرڈ خیالات بالکل غائب نہیں ہو گئے تھے اور پادری ارنڈیل نے صدارت عظمی کے کاموں سے فرصت پاتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ خاص دربار شاہی میں ان ملحدانہ خیالات کے سب سے ممتاز حامی پر وار چلایا کہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو۔ یہ سرجان اولڈ کاسل تھا جو اپنی بیوی کے حق سے اپیر کوب ہم کے لقب سے زیادہ مشہور تھا۔ وہ سنہ ۱۴۰۴ء میں ہیرفرڈ شر کی طرف سے دارالعوام کا رکن ہوا اور سنہ ۱۴۰۹ء سے دارالامرا میں شریک کر لیا گیا۔ وہ عاقل و دلیر اور جنگ ویلز میں ہینری کے بہترین سرداروں میں تھا۔ اس کے ساتھ لالرڈی عقائد سے دلی گرویدگی تھی اور کینٹ و ہیرفرڈ شر میں اس گروہ کے واعظوں کو اجازت دے کر گویا ان عقائد کی تبلیغ و اشاعت میں مدد کرتا رہا۔ اب ارنڈیل کے ایما سے مجلس علما نے اس پر الزام لگایا اور وہ تین اسقفوں کے روبرو طلب کیا گیا۔ حاضر نہ ہوا، تو حکم شاہی سے گرفتار کر کے پیش کیا گیا اور طول طویل تحقیقات کے بعد ملحد ثابت ہوا اور حکم ہوا کہ زندہ جلا دیا جائے۔

باب دوم

تاہم اسے چالیس دن کی مہلت ملی کہ اپنے عقائد سے توبہ کرلے اور اس مہلت میں اُس نے بھاگ جانے کی سبیل نکال لی معلوم ہوتا ہے ایک منصوبہ یہ بھی بنایا گیا تھا کہ بادشاہ سینٹ جائلز فیلڈ کے جلسے میں لندن جائے، تو ایلیتھم کے مقام پر خود اُسے پکڑ لیا جائے مگر ہینری پوری طرح چوکس تھا۔ رات ہوتے ہی اس نے لندن کے پھاٹک بند کرا دیے اور گھوڑے پر سوار ہو کر خود قریب کے دیہات میں چکر لگایا۔ کوئی ساٹھ سازشی پکڑے گئے اور یہ سازش اس خوبی سے فرو کر دی گئی کہ لوگ اُس کے وجود ہی میں شبہ کرنے لگے ہیں۔ بہرحال، اولڈ کاسل کئی سال ہاتھ نہ آیا مگر ۱۴۱۷ء میں پکڑ لیا گیا اور دار العوام کی درخواست اور امرا کے فیصلے سے بہ حیثیت مُلحد، غدار کے، تشہیر کی گئی اور سولی دے کے جلا دیا گیا۔ ارنڈیل ۱۴۱۴ء میں فوت ہو چکا تھا۔ اس کا جانشین ہینری چچلی ہوا لیکن وہ اپنے پیش رو کی مثل ملکی معاملات میں کوئی ممتاز حصہ نہیں رکھتا۔ لالرڈی خیالات برابر موجود رہے اور چالیس سال بعد چیچسٹر کے اسقف پیکوک نے انھیں اس قابل سمجھا کہ مستقل کتاب[1] رد میں تحریر کی اور زیارات، قبول توبہ، گرجوں کی تصاویر سے تزئین اور دوسرے مراسم کی حمایت کی جن پر لالرڈ فرقے کے لوگ معترض تھے۔ اسی واقعے سے ثابت ہے کہ وکلف کی تعلیم کتنی گہری اور دلنشین تھی اور یہ مسئلہ کہ ٹیوڈر خاندان کے زمانے میں جو اصلاحی تحریک ہوئیں، ان کا لینکاسٹری عہد کے لالرڈی خیالات سے کتنا تعلق تھا، ابھی تک اہل تاریخ میں مابہ البحث ہے۔

دار العوام کی عرضداشتیں

۱۴۱۴ء کی شہرت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ مدت سے عوام ایک امتیاز طلب کر رہے تھے، وہ اس سال اُن کو عطا ہوا۔ وضع قوانین میں ان کا حصہ تو ۱۳۲۲ء سے مسلم ہو چکا تھا لیکن قانون کی عبارت شاہی عہدہ دار مرتب کرتے تھے، لہٰذا نام کو تو دار العوام کی عرضداشتیں منظور کر لی جاتیں مگر اصلی قانون بارہا ان کی تجویز سے بہت کچھ مختلف بنکر نافذ ہوتا نظر آیا۔ اب راہ داری اور چنگی کے محاصل کی سہ سالہ منظوری دیتے وقت دار العوام نے اپنی

---

[1] اس کا نام The repressor of over much blaming the clergy تھا۔

باب دوم

عرضداشت میں یہ بھی استدعا کی کہ آیندہ ایسا کوئی قانون نہ وضع اور نافذ کیا جائے اور نہ الفاظ میں ردّو بدل سے اس کے معانی میں کوئی ایسا تغیر کیا جائے جس کی دار العوام کی عرضداشت میں استدعا ہو جو نہ ہو" اس پر بادشاہ نے جواب دیا کہ "آیندہ ہمارے عوام کی عرضداشت پر کوئی کارروائی ایسی نہ کی جائے جو ان کی استدعا کے خلاف اور جس کے وہ رضامندی ظاہر کئے بغیر پابند ہو جائیں" اسی کے ساتھ بادشاہ کے اس حق کی کہ وہ جس عرضداشت کو چاہے قبول یا مسترد کر دے، پوری طرح توثیق کر دی گئی۔

۱۴۱۵ء میں ہنیری، فرانس کے خلاف جنگ کا اعلان کرنے پر پورا تیار ہو گیا۔ اس کے منصوبے پر پارلیمنٹ میں بحث ہوئی اور تینوں طبقوں نے تائید کی۔

جنگ فرانس کے اسباب

سامان جنگ کی منظوری اور روپیہ ادا کرنے میں جیسی مستعدی دکھائی گئی وہ اس امر کی دلیل ہے کہ ایسا زرعی ملک جیسا اُن دنوں انگلستان تھا، چند سال بھی امن کی نعمت سے بہرہ مند رہے تو حیرت انگیز سرعت سے گذشتہ نقصان کی تلافی کر لیتا ہے۔ اس موقع پر بھی بلاشبہ وہی اسباب کام کر رہے تھے، جن سے ایڈورڈ ثالث کے ابتدائی زمانے میں جنگجوئی کا جوش پیدا ہوا مزید برآں بادشاہ کو غالباً اس کے باپ نے یہ مشورہ دیا تھا، اور وہ خوش تھا کہ اُس کے امرا کی قوت جنگجوئی کے لئے ایک مصرف بہم پہنچائے اور ایک قول کے مطابق، اہل کلیسا بھی غنیمت سمجھے کہ اہل ملک کی توجہ علمائے مذہب کی عیب بینی کی بجائے دوسری طرف منعطف ہوئی ہنیری بذات خود اپنے دعوے کے حق بجانب ہونے کا یقین رکھتا تھا اگرچہ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنے حقوق کی قانونی دلیل، اس نے کیا سوچی تھی کیونکہ اصولِ وراثت کی رُو سے ایڈورڈ ثالث کا وارث رچرڈ ثانی کے بعد امیر مارچ ہوتا تھا۔ بہرحال، جنگ کا موقع یقیناً اچھا تھا کہ اہل برگنڈی اور اورمانیاگ حسب معمول آپس میں چھری کٹار ہو رہے تھے اور ہنیری کو امید تھی کہ ان میں کوئی نہ کوئی فریق انگریزوں کے ساتھ ہو جائے گا۔ چنانچہ ۱۴۱۵ء میں اس نے نارمنڈی، آنزشو، مین، اور گیسکنی کے وہ اضلاع جو انگریزوں کے قبضے میں نہ تھے، ان سب کو واپس دینے کا باضابطہ مطالبہ کیا اور

باب دوم

جب یہ مسترد کردیا گیا تو پارلیمنٹ کی رائے لے کر فرانس پر حملے کی تیاریاں کیں۔ پارلیمنٹ نے ایک پانچواں اور ایک ساڑھے ساتواں محصول منظور کیا اور انگلستان میں پردیسی خانقاہوں کو جو اراضی ملی تھیں، وہ سب بادشاہ کے حوالے کردی گئیں۔ حسب معمول تنخواہ دار فوج فراہم ہوئی۔ شہزادوں اور امرائے کبار کے واسطے ۱۳ ۱/۲ شلنگ، امرا کے لئے ۶ ۱/۲ شلنگ، جاگیردار یا صدر مبارز (جس کے تحت میں چند مبارز اور ہوں) کے لئے ۴ شلنگ۔ مبارز (نائٹ) کے لئے ۲، زمیندار کے لئے ایک اور تیرانداز کے لئے نصف شلنگ یومیہ تنخواہ مقرر ہوئی۔ مزدوری کی اجرت اُن دنوں ۱/۳ شلنگ یومیہ تھی لہذا ہینری کی فوج میں ملک کے چیدہ ترین باشندے جمع ہو گئے اور عام سپاہیوں میں دو تہائی مال غنیمت کی تقسیم کے اقرار سے ایک اور ترغیب کا اضافہ ہو گیا۔ یہ سب تیاریاں ہو چکیں تو ایک مجلس کبیر منعقد ہوئی جس میں معمولی پادری اور عوام نہ تھے بلکہ صرف عمائد شامل تھے اور اس نے فیصلہ کیا کہ جنگ شروع کردی جائے۔ پھر اپریل ۱۴۱۵ء میں تاج فرانس کا رسمی مطالبہ کیا گیا اور حکومت فرانس نے صاف جواب دے دیا تو ہینری فوج لیکر ساحل کی طرف روانہ ہوا۔ لندنی افواج کا جائزہ لیتے وقت بادشاہ نے رائے ظاہر کی کہ ہماری حکمت عملی پورے ملک کے حق میں صریحاً فائدے کا موجب ہو گی۔

فوج کی تنخواہیں

ساوتھمپٹن پر لشکر کا اجتماع ہوا اور آگے روانہ ہونے والے ہی تھے کہ خلاف توقع ایک سازش کا حال کھلا جو امیر مارچ کے واسطے پکائی جارہی تھی۔ اس کا سرغنہ شہزادہ یارک کا چھوٹا بھائی رچرڈ (امیر کیمبرج) تھا جسے ہینری نے امیر مارچ کی بہن این موٹمر سے شادی کی اجازت دی تھی۔ اور امیر مارچ کے بعد حق بادشاہی اسی بہن کو پہنچتا تھا۔ رچرڈ کے شریک، ہینری لواسکروپ اور ٹامس گرے (ہیٹلنی) تھے جن میں ہینری، امیر ولٹ شہر کا جسے ۱۳۹۹ء میں سزائے موت ملی اور متوفی صدر اسقف یارک کا عزیز قریب ہوتا تھا۔ اہل سازش کا منصوبہ یہ تھا کہ بادشاہ کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر امیر مارچ کو ویلز اڑا لے جائیں اور وہیں اس کی بادشاہی کا اعلان کردیا جائے۔ مگر باور کیا جاتا ہے کہ اس منصوبے کی خود امیر مارچ نے ہینری کو خبر دی اور سازشی فوراً گرفتار کر لئے گئے۔ امیر کیمبرج اور

باب دوم

ٹامس گرے نے اقبال جرم کر لیا اور اسکروپ کو امرا نے مجرم قرار دیا تینوں کے سر قلم کرا دئے گئے ۔ لیکن ہینری نے امیر مارچ سے اپنی دوستی یا شہزادہ یارک سے تعلقات میں فرق نہ آنے دیا اور اس کی عین عالی حوصلگی کی دلیل ہے ۔ امیر کیمبرج کا خرد سال بیٹا شاہی دربار میں پرورش پاتا رہا اور آگے چل کر ہینری ششم کے حریف اور امیر کبیر یارک کے نام سے شہرت پائی ۔

فرانس پر فوج کشی ساؤتھمپٹن سے سات ہزار تیر انداز ڈھائی ہزار زرہ پوش، اور کافی قلعہ شکن توپیں لیکر ہینری، جہازوں میں دریائے سین کے دہانے تک پہنچا اور



شمالی فرانس جس میں معرکہ کریسی و اژین کورٹ کو واضح کیا گیا ہے ۔

ہاور پر اتر کر قلعہ ہارفلر کا محاصرہ کر لیا ۔ ہینری کو ”لندن“ یا ”جری“ اور ”دخت شاہ“ نامی توپوں پر بہت کچھ بھروسہ تھا جن سے برابر گولہ باری کراتا رہا ۔ اس نے سرنگوں سے بھی کام لیا لیکن معلوم ہوتا ہے اس فن میں انگریز، فرانسیسیوں کے برابر

باب دوم

باہر نہ تھے۔ محاصرہ تیس دن رہا اور جب بیرونی دمدمے گولہ باری سے منہدم ہو چکے اور محصوروں کو توپوں کی آتش باری ناقابل برداشت معلوم ہونے لگی تو وہ ہتھیار ڈالنے پر آمادہ ہو گئے، لیکن زیر سمار ہنے، کچے پھل کھانے اور بدبو سے انگریزی لشکر میں اسہال وہیضہ پھوٹ پڑی۔ قلعہ ہارفلر کی حفاظت کے لئے ایرڈورسٹ کے تحت میں ایک دستہ متعین کر دیا گیا تھا، اسے چھوڑ کر گنتی کی گئی تو جنگ کے لئے صرف نوسو زرہ پوش اور پانچ ہزار تیر انداز نکلے اگرچہ اتنی کم لشکر قوی شبہ ہوتا ہے کہ پہلا تخمینہ غلط تھا۔

بہر حال انھیں لیکر ہینری نے کلے کی طرف کوچ کیا یہ سفر خطرات سے خالی نہ تھا کہ اول تو انگریز جہاز ساتھ نہ تھے دوسرے اوآل میں ایک فرانسیسی لشکر جرار مقیم تھا۔ راستے میں قلیل التعداد انگریزوں نے غضب کی تکلیفیں اٹھائیں اور کئی دن تک روٹی کی بجائے صرف اخروٹ پر گزارا کرنا پڑا۔ ہینری کا ارادہ یہ یہ تھا کہ رود سوم کو بلانش تاک پر عبور کرے مگر وہاں زبردست پہرہ اور مورچے بنے پائے۔ ہر جگہ پل پر فرانسیسی سپاہی موجود تھے لہٰذا اسے پاروں تک جانا پڑا تب کہیں پایاب مقام ملا اور ندی عبور کی۔ یہاں سے وہ سیدھا کالے روانہ ہو گیا۔ ادھر فرانسیسی لشکر، بوربوں و اورلیان وغیرہ امرائے کبار اور سپہ سالار بوسی کول کے تحت میں، آب ویل سے ندی اتر کر ہینری کے راستے میں آگیا اور ہسدین کے قریب بمقام آژین کور پڑاو ڈال چکا تھا۔ انگریزوں کے پاس سامان رسد نہ رہا تھا لہٰذا ہینری کے سامنے سوائے لڑنے یا ہتھیار ڈال دینے کے اور کوئی سبیل نہ تھی پس وہ اور اس کی مٹھی بھر فوج غنیم کے سامنے آئی اور بہادری سے مقاومت کی تیاریاں کیں۔

میدانِ آژین کور ہر چند فرانسیسیوں نے موقعِ جنگ کا خود انتخاب کیا لیکن وہ ان کی فوج کے واسطے موزوں نہ تھا۔ ان کی تعداد کے بارے میں مختلف شواہد ہیں لیکن وہ یقیناً انگریزوں سے زیادہ تھی اور ممکن ہے کہ سات گنی تک زیادہ ہو۔ یہ مقام دو جنگلوں کے درمیان ایک ڈھلان اتنا تنگ تھا کہ پوری فوج یک جا نہ سماتی بلکہ اسے تین حصوں میں، ایک دوسرے سے خاصے فاصلے پر مرتب کرنا پڑا۔ اور

اس پر بھی اگلی قطار کے پانچ ہزار آدمی اتنے بھچے کھڑے تھے کہ مشکل سے تلوار چلا سکتے تھے۔ طرفہ تر یہ کہ میدان میں تازہ ہل چلا اور وہ اس قدر گیلا ہو رہا تھا کہ زرہ پوش سپاہی گھٹنوں تک کیچڑ میں دھنس گئے۔ فرانسیسیوں کے پاس تیر انداز نہ تھے اور ان کی ساری امیدیں زرہ پوشوں سے وابستہ تھیں جو پواتئے کی طرح یہاں بھی پیادہ لڑے۔ البتہ ہر بازو پر سواروں کا چیدہ دستہ تھا اور انھیں حکم تھا کہ پواتئے کی مثل سامنے سے حملہ نہ کریں بلکہ انگریز تیر اندازوں کے بازوؤں پر حملہ آور ہوں۔

ہینری کو یقین تھا کہ فرانسیسی ہی حملہ کریں گے اور اس نے تمام تر دفاعی انتظام کئے تھے۔ کوچ کے آغاز میں شہزادہ یارک کے مشورے سے وہ حکم دے چکا تھا کہ تیر انداز دو دو گز کے تختے ساتھ رکھیں جن کے سروں پر دھاریں تھیں اور سواروں کا حملہ روکنے میں باڑ کا کام دے سکتے تھے۔ اس موقع پر حکم دیا گیا کہ انھیں ترچھا گاڑا جائے کہ اوپر کی نوک گھوڑے کی چھاتی کے ہمسطح ہو جائے۔ زمین پر اچھی طرح قدم جمانے کی غرض سے ہر تیر انداز نے بایاں پاؤں ننگا کر لیا اور سپاہیوں نے زرہ کی آستینیں اُلٹ لیں یا کاٹ ڈالیں کہ ہتیار چلانے میں رکاوٹ نہ رہے۔ صفِ اوّل میں تیر انداز کھلی جگہ چھوڑ چھوڑ کر کھڑے ہوے۔ ان کے عقب میں پیادہ زرہ پوش اور بازوؤں پر سواروں اور تیر اندازوں کے مخلوط دستے کہ فرانسیسی سواروں کا حملہ روکیں اور جنگلوں میں گھس کر غنیم پر جناحی حملہ بھی کر سکیں، اسی ترتیب میں ہینری کئی گھنٹے تک فرانسیسی حملے کا انتظار کرتا رہا مگر اُدھر کوئی حرکت نہ دیکھی تو آگے بڑھنے کا حکم دیا اور تیر انداز اپنے تختے اکھاڑ اکھاڑ کر آگے روانہ ہوئے۔ اُس وقت پانچ ہزار اونچی فرانسیسی سوار تیر اندازوں پر ٹوٹ کر گرے لیکن باڑ کے تختوں نے بڑا کام دیا اور ادھر تیر باری نے دشمن کو ایسا پریشان کیا کہ گھوڑے دوڑا دوڑا کے دوسری صف میں واپس چلے آئے۔ ان کے حملے سے فرصت ملی تو تیر اندازوں نے فرانسیسی پیادوں کے جمگھٹ کو کمانوں پر رکھ لیا اور تیر ختم ہو گئے تو پوری فوج سیلاب کی طرح دشمن پر جا پڑی۔ اس موقع پر نہایت خونریز معرکہ پڑا۔ کبھی ایک فریق بڑھتا تھا اور کبھی دوسرا دباتا چلا آتا تھا۔ عقب میں پادری کھڑے یہ تماشہ دیکھ رہے تھے اور ہر فریق والا یہ سمجھ رہا تھا کہ کوئی دم میں ہمیں کے ہموطن بھاگ کھڑے ہوں گے۔

لیکن آخر کار سوار فوج کے جناحی حملے کی مدد سے انگریزوں نے میدان جیت لیا اور دشمن کے پہلے جیش کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ دوسرے جیش کو بھی انھی تدابیر نے شکست دی اور اب انگریز یقینی فتح کے ساتھ تیسرے حصہ فوج پر چلے۔ اتنے میں کسی نے آواز دی کہ دشمن ہمارے ساقہ پر آگرا۔ ایسا ہونا بالکل قرین قیاس بھی تھا اور چونکہ خیمہ وخرگاہ اور بیماروں کی نگہبانی کے لئے صرف بیس تیرانداز اور دس سوار چھوڑے گئے تھے لہذا یہ خطرہ قوی تر ہوگیا۔ بارے یہ خبر غلط ثابت ہوئی تاہم اتنی ہی دیر میں حکم مل گیا تھا کہ اسیروں کو قتل کر دیا جائے کہ مبادا وہ اس پریشانی میں اپنے اسیر کنندوں کو نقصان پہنچائیں القصہ فرانسیسیوں کے تیسرے لشکر پر یورش کی گئی اور ایک جناحی حملے نے اس کو پوری طرح تباہ کر دیا۔ دونوں طرف بھاری نقصان ہوئے فرانس کا میر بخشی Constable چار امرائے کبار بہت سے سردار اور سپاہی کھیت رہے۔ ہماری (انگریزوں کی) طرف شہزادہ یارک نے سپاہی کی موت مر کے جوانی کی بہت سی دغابازیوں کا کفارہ ادا کیا اور امیر سمرسٹ بھی کام آیا۔ فرانس کے مشاہیر سرداروں کی جو قید ہوئے بڑی تعداد تھی اور اس فہرست کے سرے پر والیان اورلیان و بوربون کا نام تھا۔ خود ہنیری گھمسان میں گھس کے لڑا اور اس کا یہ قول سنکر کہ جو کچھ ہو، انگلستان کو میرا فدیہ کبھی ادا کرنا نہ پڑے گا" سپاہی اس کی اور بھی پرستش کرنے لگے۔

اس عرصے میں اہل انگلستان نہایت پریشان رہے کہ جب سے ہنیری، ہارفلئر سے روانہ ہوا (۸ اکتوبر) اس وقت سے کوئی اطلاع ہی وطن نہ پہنچی تھی کہ اس پر اور انگریزی سپاہ پر کیا گزری؟ اس تردد و تشویش کے بعد پھر جو یہ خبر آئی کہ اُس نے ایسی شاندار فتح پائی تو خوشی کا جوش بھی حد سے بڑھ گیا۔ انگریزی سپاہ فتح پر تو پھولی نہ سماتی تھی مگر جانتی تھی کہ وہ کس قدر غیر محفوظ حالت میں ہے لہذا جتنی جلد ممکن تھا کیلے آکر، انگلستان واپس آگئی اور ہنیری کو تو مراجعت کی اتنی جلدی پڑی تھی کہ طوفانی سمندر کے باوجود روانہ ہوگیا۔ اسی خوفناک طوفان کو دیکھکر فرانسیسی قیدیوں نے کہا تھا کہ اس عالم میں عبور کرنے سے تو بہتر تھا کہ ہم ایک اور لڑائی لڑ لیتے؛ اُدھر خوشی کے ابتدائی جوش میں پارلیمنٹ ہنیری کے پہنچنے سے پہلے ہی اُدن کے بڑے محصول

اور دوسرے مال اسباب پر محاصل راہ داری کی تازندگی بادشاہ کو منظوری دے چکی تھی اور ایک دسویں، اور پندرھویں حصہٗ مال کا محصول اور بڑھا دیا تھا۔ پھر وہ اپنے قیدی لئے ہوئے ساحل انگلستان پر فاتحانہ اُترا تو پوری قوم نے بڑی دھوم دھام کے ساتھ استقبال کیا۔

آژیں کور کی فتح نے اپنے ملک کے باہر بھی ہینری کو ملوک یورپ میں سب سے نامور بنا دیا اور ۱۴۱۶ء میں شہنشاہ سگس منڈ نے بذات خود پاپائی نزاع مٹانے میں اُس سے مدد مانگی۔ سگس منڈ ملکہ این (دبوہیمی) کا بھائی تھا اور وقتِ واحد میں پاپائی کے دو دو دعوےٰ داروں کی طویل کشاکش نے مغربی مسیحیت کو ۱۳۷۸ء سے جس پریشانی میں پھنسا رکھا تھا، اسے حتماً ختم کرنا چاہتا تھا۔ ہینری نے اس کی تجویز قبول کی اور کونس ٹینس میں جو بزم مشاورہ منعقد ہوی اس میں ہینری بوفرٹ اور ہیلم (اسقفِ سالسبری) نے نمایاں حصہ لیا اور اسی جلسے نے مارٹن پنجم کو پاپا منتخب کر کے باہمی تفریق دُور کی۔

لیکن ہینری خوب جانتا تھا کہ آژیں کور کی چکیتی ایکی فتح، فرانس کی فتح میں کچھ بھی ممد نہیں ہو سکتی۔ پس انگلستان آتے ہی اُس نے دوسری مہم کی تیاریاں کیں۔ آژیں کور کے معرکے میں تقدیر نے بڑی یاوری کی تھی۔ اور ہینری کی اصلی عظمت اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ دوسری مہم میں اُس نے پوری کوشش کی کہ کسی چیز کو اتفاق پر نہ چھوڑا جائے۔ چھوٹی سے چھوٹی چیز پر کامل توجہ صرف کی۔ بیڑے کی

دوسری مہم کی تیاریاں

تیاری میں رچرڈ اول کی مثل خاص اہتمام کیا۔ اور اس کے آٹھ بڑے جہاز، آٹھ بڑی کشتیاں اور دس توپ بردار جہاز، گویا شاہی بحریہ کی ابتدا تھی۔ بری و بحری سپاہ کے لئے جرّاح مقرر ہوے۔ قواعد و ضوابط کا مجموعہ تیار ہوا۔ بحری قزاقی ممنوع کر دی۔ انفرادی مبارزت ناپسندیدہ قرار دی اور رسد رسانی کی جملہ جزئیات کا خود بادشاہ کی نگرانی میں انصرام ہوا۔ ممالکِ غیر سے ہینری حلیفوں کی امداد حاصل کرنے کی غرض سے برابر نامہ و پیام کر رہا تھا اور سگس منڈ سے اتحاد کرنے کے علاوہ شمالی جرمانیہ کے بلاد متحدہ (Hause Touns) اور کولون، ہالینڈ اور بویریہ سے مفاہمت میں کوشاں تھا

باب دوم

وطن میں مصلح و آشتی کے طرز عمل کو اور ترقی دی۔ **امیر مارچ و ہوٹ سپر** کے بیٹے نے اور بھی دوستانہ روابط قائم کئے۔ **ہنٹنگ ڈن** کی امارت نوجوان **ہالینڈ** کو واگذاشت کی اور محاصرۂ **ہار فلئر** کی خدمات کے صلے میں **ٹامس بوفرٹ** کو امیر کبیر **اکزیٹر** کا خطاب عنایت کیا۔

آخر ۱۴۱۷ء میں وہ سمندر اتر کے پھر **ہار فلئر** پہنچا، جسے **بوفرٹ** نے بڑی پامردی سے بچایا اور ایک بحری یورش ۱۴۱۶ء میں شہزادہ **بیڈ فرڈ** نے روکی تھی اب دوسری جنگ شروع ہوئی اور گو اس میں **آژین کور** جیسا کوئی نمایاں معرکہ سر نہیں کیا گیا تاہم **ہنیری** کی دور اندیشی، جفاکشی اور پُر عزم سپہ سالاری کی بنا پر غالباً یہ معرکہ آرائی زیادہ قابل تعریف تھی۔ فرانسیسیوں نے کھلے میدان میں لڑنے سے پہلو تہی کی اور دیر لگانے کی غرض سے نار منڈی کے قلعوں میں جم کر مدافعت کرتے رہے۔ چنانچہ ۱۴۱۹ء تک تینوں سال کے جنگی موسم انھی قلعوں کے محاصروں میں ختم ہو گئے لیکن ۱۴۱۹ء کے آغاز میں **ہنیری** نے رواں کا بڑا محاصرہ کامیابی کے انجام کو پہنچایا۔ اسی مقام پر قلعے والوں نے یہ مذاق کیا کہ فصیل پر ایک رینگتا گدھا لا کھڑا کیا جس کو فرانسیسی زبان میں "لان ری" (یعنی گدھا ہنس رہا ہے) کہیں گے۔ یہ گویا "ہان ری" یا "ہنیری" کے نام کا ایک بازاری سجع تھا جس سے **ہنیری** بہت غضب ناک ہوا۔ اس نے بطور انتقام رواں کی عورتوں اور بچوں کو فصیل اور خندق کے درمیان ہلاک ہو جانے دیا اور اپنے نام نیک پر دھبہ لگایا۔ اسی جولائی میں **پونٹ وآز** تسخیر ہوا اور پیرس کی راہ کھل گئی۔

معاہدۂ تروا اہل فرانس جو آپس میں لڑ رہے تھے، انھیں اب مشترکہ خطرے نے باہم ملا دیا۔ اب تک ملکہ اپنی بیٹی **کیتھرائن** سمیت برگنڈی کی اور ولی عہد، اور لیانی گروہ کا طرفدار تھا۔ **ہنیری** کی فوج کشی نے ان فرقوں میں مصالحت کی سبیل پیدا کر دی اور اگست میں والی برگنڈی اور ولی عہد فرانس میں ملاقات قرار پائی دونوں کے لشکر گاہ کے درمیان باڑ لگی ہوئی تھی مگر والی برگنڈی سادہ دلی سے باڑ کے پار آ گیا اور ولی عہد کے آدمیوں نے **تان گی دیو شاسٹل** کی سرداری میں اسے ہلاک کر دیا۔ اس شیطانی حرکت نے مل کر مقاومت کی امید پر پانی

پھیر دیا۔ مقتول امیر کے بیٹے اور ملکۂ فرانس نے انگریزوں سے گفت و شنید شروع کی اور اُدھر خود ہینری کے مطالبات بڑھ گئے ورنہ پہلے وہ غالباً صرف نارمنڈی لیکر صلح کر لیتا۔ انجام کار طے پایا کہ ہینری، کیتھرائن سے شادی کر لے اور چارلس کے بعد تخت فرانس کا وارث ہو اور چارلس کی زندگی میں نائب السلطنت رہے۔ یہ قرارداد ۲۱ مئی ۱۴۲۰ء کو بمقام تروآ مکمل ہو گئی۔ ۳ جون کو ہینری کا کیتھرائن سے عقد اور چند روز بعد وہ فاتحانہ شان سے پیرس میں داخل ہوا پھر آخر سال تک تزک و احتشام سے یہاں رہ کر اپنی بیوی کو لئے ہوئے انگلستان آیا (فروری ۱۴۲۱ء) اور امیر کلیرنس کو اپنی جگہ فرانس میں چھوڑ آیا۔

اُدھر ولی عہد فرانس نے جنوبی فرانس کی فوجیں جمع کیں جہاں آرلیانی فریق کے حامی کثرت سے تھے۔ اسی کے ساتھ اسکاٹ لینڈ والوں سے مدد مانگی جنھوں نے حسب معمول اس جنگ کے دوران میں بھی شمالی انگلستان پر حملہ کیا تھا اس حملے کو بہت دن تک "جلے تہوار" Burnt Condlemos کے نام سے لوگ یاد کرتے رہے۔ اس سے کچھ زیادہ نقصان نہیں پہنچا۔ البتہ اب جو امیر بکان کے ماتحت اسکوٹوں کی ایک فوج فرانس آئی تو معاملہ مخدوش ہو گیا۔ ماہ مارچ میں امیر کلیرنس فرانسیسی فوج اور ان کے حلیفوں سے لڑنے نکلا اور سوار فوج سے سرعت کے ساتھ بڑھکر چھاپہ مارا۔ وہ یہ پرانی کہاوت بھول گیا تھا کہ انگریزوں کے پاس تیر کمان نہ ہو، تو وہ ہیچ ہیں۔ نتیجہ تباہی ہوا۔ بوژے کی لڑائی میں انگریزوں کو کامل شکست ہوی کلیرنس نے جان دے کے دلاوری کی سزا پائی۔

تیسری جنگ

اس شکست کی تلافی کرنے ہینری، جون ۱۴۲۱ء میں فرانس آیا اور اس کی آمد نے پھر انگریزوں کو کامیابی سے بہرہمند کر دیا۔ ولی عہد فرانس لوآر کے جنوب میں بھگا دیا گیا اور قلعۂ مو کو انگریزوں نے گھیر لیا۔ اُنھی جاڑوں میں ونڈزر میں کیتھرائن کے بطن سے بیٹا پیدا ہوا جو آگے چل کے ہینری ششم کہلایا۔ مئی میں کیتھرائن شوہر سے آملی اور اسی مہینے قلعۂ مو تسخیر ہو گیا۔ اب تک ہینری نے ہر معرکے میں فتح پائی اور ہر محاصرے میں کامیاب ہوا تھا لیکن ایک موقع ایسا بھی تھا جس پر اُسے کوئی قابو نہ مل سکا۔ لشکر میں پیچش کی وبا پھیلی ہوی تھی۔

اِسی مرض نے اُسے آدبایا اور عمر کے چونتیسویں سال، ۳۱ راگست ۱۴۲۲ء کو وہ وین سین میں دنیا سے چل بسا۔

ہینری کا مرتبہ

ہنیری کے اوصاف کو بہت کچھ، اور بجا طور پر، سراہا گیا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ لائق جنگجو، بڑا منتظم بادشاہ اور اپنے زمانے کے خیالات کے مطابق، واقع میں، پکا مذہبی آدمی تھا۔ بعد کی نسلوں نے اس کی فرقہ لالرڈ پر شدت کو بہت بُرا کہا مگر اپنے زمانے سے آگے نہ ہونے کی بنا پر کسی شخص کو الزام دینا مشکل ہے البتہ رُوآن کے محاصرے میں اس کی شقاوت زیادہ قابل نفرت فعل ہے۔ پارلیمنٹ سے معاملہ کرنے میں وہ باپ کی طرح آئینی اصول کا پابند رہا حالانکہ اتنی مجبوری بھی نہ تھی اور لالرڈ فرقے کے مقابلے میں علمائے مذہب کی حمایت کے ساتھ وہ اصلاح کی ضرورت سے بھی بالکل غافل نہیں رہا بلکہ کلیسائی نذرانوں میں تخفیف کی اور اسقفوں کو حکم دیا کہ پادریوں کو اپنے حلقے میں سکونت اختیار کرنے پر مجبور کریں۔ اہل علم کی نظر میں بھی ہینری کی وقعت تھی اور مجموعی طور پر معاصرین اسے بہت اچھا خیال کرتے تھے۔ ایک فرانسیسی وقائع نویس ژرووِنیل ویزاور سین تک اقرار کرتا ہے کہ وہ نہایت باہمت، بہادر سپاہی، دانا، دوراندیش اور بکمال انصاف پسند تھا اور بلاتفریق، چھوٹے بڑے سب کی حق رسی کرتا تھا۔ عزیزاقربا، رعایا اور ہمسائے اس کا خوف اور احترام کرتے تھے۔

مشہور واقعات

معرکۂ آژین کور	سنہ ۱۴۱۵ء
محاصرۂ روآن	سنہ ۱۴۱۹ء
امیر برگنڈی کا قتل	سنہ ۱۴۱۹ء
معاہدۂ تروآ	سنہ ۱۴۲۰ء
معرکۂ بوژے	سنہ ۱۴۲۰ء

باب سوم

ہینری ششم ۱۴۲۲ء تا ۱۴۶۱ء (معزولی)

ولادت : ۱۴۲۱ء ۔ ازدواج با مارگریٹ دانژوی۔

معاصرین :

اسکاٹ لینڈ .... جیمس اول و دوم

فرانس .... چارلس ششم و ہفتم

پاپا .... یوجینیس

ہینری پنجم کا وارث نو مہینے کا بچہ ہوا۔ اور اس کی صغر سنی میں حکومت ایک محافظ اور ایک مجلس شوریٰ کے ذریعے ہوتی رہی محافظ اور اہل مجلس کے جداگانہ اختیارات کی صحیح تقسیم میں کچھ دقت پیش آئی لیکن آخر میں پارلیمنٹ کی منظوری سے یہ انتظام ہوگیا کہ محافظ اور ملک و کلیسائے انگلستان کا نگہبان امیر کبیر بیڈفرڈ رہے اور جب تک وہ انگلستان میں موجود ہو، بادشاہ کا مشیر اعظم بھی اسی کو سمجھا جائے لیکن اس کی عدم موجودگی میں یہ فرائض امیر کبیر گلوسٹر انجام دے

صغر سنی

مجلس کا صدر گلوسٹر تھا اور پانچ اُسقف، پانچ اُمرا، پانچ جاگیردار اور ایک امیر کبیر اس کے ارکان تھے۔ جاگیردار خاندانوں کی منصفانہ نیابت کا پورا خیال رکھا گیا تھا اور اسی مجلس کی رائے اور علم سے جملہ کاروبار ہوتے تھے۔ بیڈفرڈ عموماً فرانس میں رہتا تھا لہٰذا عملاً گلوسٹر ہی کی ولایت قائم رہی اور اُس کے بعد دوسرے درجے پر ہینری بوفرٹ (اسقفِ ونچسٹر) اور ہینری پنجم کا دوست اور چچا، سب سے ممتاز تھا۔

بیڈفرڈ۔ گلوسٹر ہینری بوفرٹ

ان تینوں اشخاص کی سیرتیں، جنھیں خاصی طرح حکام ثلاثہ کہہ سکتے ہیں باہم بہت مختلف تھیں۔ بیڈفرڈ کی عمر تو تینتیس برس کی تھی لیکن حکومت و جنگ دونوں کا بہت کافی تجربہ رکھتا تھا۔ اس کا بھائی (شاہ متوفی) اُس پر کامل بھروسہ کیا کرتا تھا اور بیڈفرڈ اس اعتماد کا مستحق بھی تھا کہ متانت، دیانت اور کامل بے غرضی نے فی الواقع اُسے نہایت شریف و محترم بنا دیا تھا۔ ہرچند وہ اپنے بڑے بھائی کی مثل تیز و درخشاں نہ تھا، تاہم بھائی کی اصابت و باریک بینی کے ساتھ مزاج کی وہ خوبی بھی پائی تھی جو شہزادہ سیاہ کا ممتاز وصف تھا۔ اس کے مقابلے میں گلوسٹر اپنے چچیا دادا، ٹامس کے شایہ تھا جو رچرڈ ثانی کا مقبولِ عام حریف رہا۔ بہ الفاظ دیگر، اس کی عمدہ صفات سب سطحی قسم کی تھیں۔ دلیر، باہمت، خوش مزاج اور شائستہ ہونے کے باعث وہ اپنے محترم بھائی کے مقابلے میں ہر دلعزیز ہوگیا اور ہوس جاہ اور کامل بے اصولی نے اُس سے وہ حرکتیں سرزد کرائیں جو ملک و خاندان دونوں کے حق میں مضر تھیں۔ غنیمت یہ ہے کہ اُس کے خصائلِ بد کی بہت کچھ تلافی ونچسٹر کے نامور اسقف کے اعلیٰ اوصاف سے ہوگئی جو میدان کارزار اور بزم امن دونوں کی قابلیت میں اپنے اہل خاندان میں کسی سے کم نہ تھا۔ کلیسائی زندگی نے اسے سپاہ گری دکھانے سے تو محروم رکھا لیکن قدرت نے جو سلیقہ ملک داری عطا کیا تھا، اُسے وہ بے دریغ بھتیجے کے واسطے صرف کرتا رہا۔ چالیس برس تک انگلستان کی اندرونی حکمت عملی میں اُسی کی رہنمائی رہی اور اہل وطن کے فوائد کی خاطر اپنا وقت یا روپیہ نثار کرنے میں اس نے کبھی سستی نہ کی۔

باب سوم

متوفی بادشاہ کی خواہش تھی کہ فرانس میں فلپ والی برگنڈی نائب السلطنت ہو لیکن اُس شہزادے نے انکار کر دیا اور یہ کام بیڈفرڈ کے ذمے پڑا۔ اس نے

فرانسیسی معاملات

پہلے تو یہ فکر کی کہ انگریزی مقبوضات فرانسیسیوں کے حملے سے محفوظ ہو جائیں۔ سرسری طور پر دیکھئے تو یہ مقبوضات ایک مثلث کی شکل میں تھے جس کا قاعدہ کالے سے بریتانی تک کا ساحل اور چوٹی، پیرس پر تھی۔ اس کی حفاظت بداہتہً برگنڈی اور بریتانی کے ساتھ اچھے تعلقات پر منحصر تھی اور ان کے رئیسوں کا حسن ظن حاصل کرنے کی خاطر بیڈفرڈ نے دہرے رشتے کے پیام سلام کئے یعنی والی برگنڈی کی بہن، این سے تو خود عقد کیا اور این کی بہن سے والی بریتانی کی شادی ٹھیرائی۔ پھر انگریزی علاقے اور حلیفوں کے درمیان جو فرانسیسی مقبوضات باقی تھے، ان کا جبراً تخلیہ کرایا اس کام کے لئے دو لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ ۱۴۲۳ء میں کریواں پر ٹامس مونٹیگیو (امیر سالسبری) نے فتح پائی جس سے پیرس و برگنڈی کے درمیان کا ضلع صاف ہو گیا۔ ۱۴۲۴ء میں خود بیڈفرڈ کو ورنئی میں ایک بڑی فتح حاصل ہوئی اور اس نے پیرس و بریتانی کے بیچ کا وہ علاقہ خالی کرا دیا جو لوار کے شمال میں ہے۔ اُدھر انگلستان کی مجلس شوریٰ نے فیاضانہ مصلحت اندیشی سے کام لیا کہ جیمس شاہِ اسکاٹ لینڈ کو قید سے چھوڑ کر، اس مُلک کو فرانس سے توڑ لیا ۱۴۲۴ء میں ۱۹ برس کی اسیری کے بعد جیمس اپنی انگریز بیوی کو لیکر جو رشتے میں شاہِ انگلستان کی بہن تھی، اپنے وطن پہنچ گیا۔

افسوس ہے کہ گلوسسٹر کی بے عقلی، بیڈفرڈ کی حکمت عملی کے عمدہ اثرات کو زائل کئے دیتی تھی بھائی کی شادی برگنڈی میں ہونے نہ پائی تھی کہ ایک مہینے پہلے خود گلوسسٹر نے ژاک لین سے شادی کر لی جو امیر برامانت کی نیم معلقہ زوجہ تھی۔ اور چونکہ فلپ (والی برگنڈی) ژاک لین کی ریاست ہینول یا ہینولٹ Hainault وراثت کی امید رکھتا تھا، لہذا یہ فعل اسے نہایت ناگوار گزرا۔ طرّہ یہ کہ گلوسسٹر ۱۴۲۴ء میں خود "ہینول" یا "ہینولٹ" روانہ ہوا کہ بزور شمشیر اپنی بیوی کا حق منوائے۔

چارلس ہفتم بادشاہ فرانس

اس عرصے میں فرانس کی حالت بھی انگریز حملہ آوروں کے مقابلہ نہیں رہی تھی ہینری پنجم کی وفات کے کچھ مدت بعد ہی چارلس ششم فوت ہوا

اور ولی عہد سلطنت نے چارلس ہفتم کے نام سے تخت کا دعویٰ کیا۔ وطنی گروہ کی نظر میں قوم فرانس کا جائز محافظ وہی تھا اور انھوں نے خواہی نخواہی اُس کی حمایت کی۔ جن مشکلات نے شہزادہ سیاہ کو مجبور کر دیا تھا، وہی اب بیڈ فرڈ کو پیش آنے لگیں۔ فتح کا نیا نیا جوش ٹھنڈا پڑ چکا تھا اور انگریزوں کو روپیہ اور آدمی فراہم کرنا دشوار تر ہوا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ انگریزوں نے جتنے بڑے معرکے جیتے وہ جاگیرداروں کی فوجی جمعیتوں سے ہوئے تھے اور اب، جس قدر جنگ کا سلسلہ طویل ہوا، اسی قدر زیادہ مشہور دو لوا کے نمونے کے پیشہ ور شاہی مقابلے میں آنے لگے۔ مخالف رعایا میں پر دیسی فوج کو جو دقتیں ہوا کرتی تھیں، ان سب کا ظہور ہو رہا تھا اور صرف ایک نمایاں کامیابی کی دیر تھی جو اہل فرانس کی ڈھارس بندھا دے اور حملہ آوروں کے سیلاب کا رُخ پھیر دے۔

محاصرۂ اورلیان

یہ حالت تھی، جب کہ بیڈ فرڈ نے اورلیان کے محاصرے کی ٹھانی اور جب یہ کام اچھی طرح نہ چلا تو لوگوں نے اسی پر سارا الزام رکھا حالانکہ ناکامی کے اسباب کا پہلے سے کوئی علم نہ ہو سکتا تھا اور اورلیان کو فرانسیسیوں کے ہاتھ میں رہنے دینے میں صریحی خطرہ تھا کیونکہ یہ شہر لوآر پر اس طرح واقع تھا کہ جنوبی فرانس سے انگریزی مقبوضات میں داخل ہونے کا راستہ اسی کی زد میں تھا اور جب تک اس پر انگریزوں کا قبضہ نہ ہو جائے، ہر وقت کی تشویش و پریشانی باقی رہتی۔ اسی لئے ۱۴۲۸ء میں بیڈ فرڈ نے امیر سالسبری (فاتح کریوان) کو انگریزی فوج دے کے بھیجا کہ اورلیان کا محاصرہ کرے۔ بد قسمتی سے سالسبری مورچوں کا معائنہ کرتے وقت ایک فرانسیسی توپچی کے گولے کا نشانہ ہوا اور اس کی جگہ ولیم (امیر سفک) نے لی۔ چند ماہ تک محاصرہ زور شور سے جاری رہا اور فروری ۱۴۲۹ء میں سر جان فیلس ٹالف کے جوق نے بڑا نام پایا کہ فرانسیسی جمعیت کو جو انگریزی سامان رسد کو چھین لینا چاہتی تھی، مار کر بھگا دیا۔ جب حملہ شروع ہوا تو انگریزوں نے چھکڑوں کو دائرے کی شکل میں ترتیب دے کر، اس کے اندر سے تیر باری کی اور آخر حملہ آوروں کو پسپا کر دیا۔ فرانسیسیوں نے توپ کے گولے مار مار کے ہیرنگ مچھلی کے بہت سے پیپے اُڑا دئے تھے، اور اسی لئے اس معرکے کو بہت دن تک ہنسی سے مچھلیوں کی جنگ کہتے رہے۔ سامانِ رسد کے اس طرح محاصرین تک پہنچ جانے سے معلوم

ہوتا تھا کہ اب محصورین ہمّت ہار دیں گے کہ اتنے میں شہرآفاق دوشیزۂ اورلیان کا ظہور ہوا اور حالات میں بالکل انقلاب پیدا ہوگیا۔ باب سوم

ژن دارک یہ عجیب وغریب ہستی ایک ہجدہ سالہ لڑکی قصبہ دوں رِمی کسی کسان کی بیٹی اور ژن دارک اس کا نام تھا۔ اسے یقین ہوگیا تھا کہ خدا نے اسے مامور کیا ہے کہ انگریزوں پر فتح دلانے کے لئے اپنے اہل وطن کی قیادت کرے اور چارلس ہفتم کو ریم کے کلیسا میں تاج پہنائے۔ اس کا ابرام اور عقیدے کی پختگی نے اسے دربارِ فرانس تک پہنچا دیا اور اس کے خدمات قبول کر لی گئیں۔ پھر زرہ بکتر پہن کر، تلوار کمر سے لگا کر وہ انگریزوں کے مقابلے میں نکلی۔ پرجوش پاہی اس کے ساتھ تھے اور ماہ مئی میں انگریزوں کو اورلیان کا محاصرہ اٹھانا پڑا۔ چند ہی روز بعد ژارگو کے معرکے میں امیر سفک شکست کھا کے پکڑا گیا اور یہی حشر بہادر سر جان ٹیلبٹ کا پاتائے میں ہوا۔ سال بھر کے اندر اندر فی الواقع ریم میں چارلس ہفتم کے سر پر تاج فرانس رکھ دیا گیا۔ مگر یہ جد وجہد ختم ہوگئی۔ انگریزوں میں از سر نو ہمّت آئی اُدھر فرانسیسیوں میں باہمی حسد ورقابت شروع ہوگئی اور مئی ۱۴۳۰ئہ میں دوشیزۂ اورلیان گرفتار ہوئی تو یہ جادو بالکل ٹوٹ گیا۔ نارمنڈی اور برگنڈی کے علما نے استقفِ بووے کی صدارت میں ژن کا مقدمہ سماعت کیا اور جادوگری قرار دے کر سزائے موت سنائی۔ مئی ۱۴۳۱ئہ میں اسے بمقام رواَن زندہ جلا دیا اور اس کی راکھ سین میں بہادی گئی، ہر شخص جو اس مقدمے اور قتل میں شریک تھا، دائمی ذلت کا مستوجب قرار دیا جاسکتا ہے۔

لیکن اورلیان کے محاصرے کی ناکامی نے انگریزوں کا اقدام روک دیا تھا۔ البتہ دفاعی قوّت عرصے تک سلامت رہی اور کہیں ۶ سال میں جاکر فرانسیسی اس قابل ہوئے کہ حملہ آوروں کو ملک سے نکالنے میں کوئی کارگر کارروائی کرسکیں۔ افسوس ہے کہ ۱۴۳۳ئہ میں خود بیڈفرڈ نے بڑی بھاری غلطی کھائی جس نے برگنڈی سے انگریزوں کے اتحاد کا خاتمہ کر دیا حالانکہ سب سے بڑھ کر اسی اتحاد پر ان کے قدم فرانسیسی مقبوضات میں تھمے ہوئے تھے۔ ہوا یہ کہ اس کی پہلی بیوی این ۱۴۳۲ئہ میں مرگئی اور اس نے امیر سینٹ پول کی بہن یعنی لوکسمبورگ کی ژاکتا سے

باب سوم

عقد کرلیا۔ سینٹ پول کا علاقہ اُس بلندی کے کنارے کنارے واقع تھا جو
فرانس کی فاصلِ آب ہے اور شاہ فرانس و والی برگنڈی کے درمیان خطِ فاصل
بنا ہوا تھا جیسے آگے چل کے سیووا کی ریاست فرانس و اطالیہ کے درمیان حجاب
بن گئی تھی۔ اس موقع کی بنا پر سینٹ پول کے رئیس کبھی شاہ فرانس کا ساتھ دیتے
اور کبھی والی برگنڈی کا۔ یہی سبب ہوا کہ والی برگنڈی کو بیڈفرڈ کا یہ رشتہ نہایت
ناپسند ہوا اور اسی وقت سے وہ انگریزوں سے علیحدگی کے حیلے ڈھونڈنے لگا۔
سنہ ۱۴۳۵ء میں اس کا موقع بھی ہاتھ آگیا۔ اصل یہ ہے کہ بیڈفرڈ کی صحت کچھ مدت
سے خراب ہوتی جاتی تھی اور انگریزوں پر جو آفتیں آرہی تھیں، اُن سے عہدہ برآ ہونا
اُسے مشکل ہو رہا تھا۔ مزید برآں انگلستان کے معاملات نے بھی مجبور کیا کہ سولہ ماہ تک
وہ فرانس کے باہر رہے۔ اُدھر اُمید تھا ہی، فرانسیسی اور برگنڈی والوں کے نامہ وپیام
کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں ایک خفیہ معاہدہ ہو گیا کہ فرانسیسی انگریزوں کے سامنے
باضابطہ صلح کی شرطیں پیش کریں اور انگریز انھیں نہ مانیں تو برگنڈی، فرانسیسیوں
کی طرف آملے اور معاوضے میں پونتھیو کا پرگنہ، امیان اور صوم کے کنارے
کے بعض اور قصبے اس کو مل جائیں۔ چنانچہ ۱۴۳۵ء میں پاپا یوجینیس چہارم نے
ایک بڑی مجلس میں لوگوں کو بہ مقام اراس جمع کیا (ماہ اگست ۱۴۳۵ء) اور جنگ ختم
کرادینی چاہی تو فرانسیسی شرطیں لئے تیار تھے کہ انگریز بادشاہ نارمنڈی اور اکوئیں پر
کامل حق فرماں روائی لے کر تخت فرانس کے دعوے سے دست بردار ہو جائے۔
اور وہ بڑی ناشدنی گھڑی تھی کہ ان شرطوں کو انگریزوں نے مسترد کردیا۔ ۱۴ ستمبر کو
بیڈفرڈ نے روآن میں وفات پائی اور اکیسویں تاریخ والی برگنڈی نے فرانس سے
اتحاد کرکے انگریزی اتحاد سے علانیہ کنارہ کشی اختیار کرلی۔ اور جنگ فرانس کی
دوسری فصل، جس کا ۱۴۱۹ء سے آغاز ہوا تھا جب کہ برگنڈی، انگلستان سے
آملی تھی، مذکورۂ بالا واقعات پر (۱۴۳۵ء میں) ختم ہو گئی۔

گلوسٹر کی حرکتیں۔ بیڈفرڈ تیرہ برس تک فرانس میں انگریزی تسلط قائم رکھنے کی
جد وجہد کرتا رہا مگر اس دوران میں بار بار اُسے اُن قضیوں اور
خرخشوں میں اُلجھنا پڑا جو اُس کے بھائی گلوسٹر کی وجہ سے پیدا ہوتے تھے۔ اس نادان

شہزادے نے پہلے تو والیٔ برگنڈی کو ژاک لین سے شادی کرکے سخت آزردہ کیا اور پھر ۱۴۲۴ء میں فی الواقع ہینول میں فوج لے گیا جس کے باعث والی برگنڈی کو فرانس چھوڑ کر ادھر آنا پڑا جہاں گلوسٹر نے اسے اپنے ساتھ تنہا لڑنے کی دعوت دی اور پھر خود ہی امیر ہالینڈ و زی لینڈ کا لقب اختیار کرلیا۔ لیکن اُس کی جنگی مہم کا نتیجہ کچھ نہ نکلا اور وطن واپس آیا تو قرض میں بندھا ہوا تھا۔ اس نے دوسری حرکت یہ کی کہ ہینری بوفرٹ سے لڑ پڑا اور بیڈفرڈ کو صلح کراتے فرانس سے انگلستان آنا پڑا۔ بارے ۱۴۲۵ء کی پارلیمنٹ کے ایما سے صلح صفائی ہوگئی اور زیادہ تر گلوسٹر ہی فائدے میں رہا۔ یہی وہ پارلیمنٹ تھی جسے بہت دن لٹھوں والی پارلیمنٹ کہتے رہے۔

۱۴۲۶ء میں بیڈفرڈ، بوفرٹ کو لیکر فرانس آگیا تو گلوسٹر نے دوبارہ برگنڈی پر فوج کشی کی ٹھانی اسی سال بوفرٹ سے ایک غلطی جس کا عمر بھر خمیازہ بھگتا، یہ ہوئی کہ اپنے بھتیجے کے سازباز اور نالائقیوں سے گھبرا کر وہ سیاسیات یورپ کے وسیع تر میدان میں داخل ہوگیا اور کارڈنل کا لقب قبول کرکے دو برس تک جرمانیہ میں رہا جہاں پاپا کی طرف سے بوہمیہ کے ہوسیوں کے خلاف جنگ ہورہی تھی۔ لیکن ۱۴۲۹ء میں بوفرٹ واپس انگلستان پہنچا تو معلوم ہوا کہ پاپا کا ساتھ دینے سے اس کے دشمنوں کے ہاتھ میں نہایت کارگر ہتیار آگیا ہے اور بوفرٹ نے ہزار کہا سنا گو یہ خواہوں کو وہ یہ کہنے سے نہ روک سکا کہ بوفرٹ، پاپا کا آدمی اور وطن کا دشمن ہوگیا ہے۔ انگلستان کے لوگ ہر قسم کی پاپائی مداخلت سے نفرت رکھتے تھے، انھیں یہ کہہ کر اشتعال دلانا کچھ دشوار نہ تھا۔ غرض بوفرٹ نے یہی غنیمت سمجھا کہ صغیر سن بادشاہ کی ہمراہی میں فرانس چلا آئے جہاں اس بچے کو ۱۴۲۹ء میں تخت فرانس پر بٹھایا گیا اور آیندہ دو سال بوفرٹ زیادہ تر اسی کے ساتھ رہا۔ واپس وطن آیا تو پھر پرانے قضیے تازہ ہوگئے اور ۱۴۳۲ء میں بیڈفرڈ کو دوبارہ صلح صفائی کرانے انگلستان آنا پڑا۔ سال آئندہ اُسے چار و ناچار نارمنڈی جانا پڑا اور اس مرتبہ ایسا گیا کہ پھر وطن کی صورت دیکھنی نصیب نہ ہوئی۔ ان تمام جھگڑوں میں لندن کے عوام الناس جن میں بوفرٹ

بالکل مقبول نہ تھا، برابر گلوسٹر کے حامی رہے لیکن عام اہل ملک **بوفرٹ** پر اعتماد رکھتے تھے اسی لئے پارلیمنٹ اُس کی مؤید تھی۔

انتخابات پارلیمنٹ کے ضوابط

پارلیمنٹ کے انتخابات کے ٹھیک ٹھیک بندوبست کرنے کے متعلق مدت سے قیل و قال جاری تھی۔ ایڈورڈ اول کے وقت سے معمول یہ تھا کہ شیرف یا صاحب ضلع کو عمائد ضلع کے جمع کرنے کا حکم بھیجدیا جاتا تھا اور وہ جن کو جمع کرتا وہی پارلیمنٹ کے مبعوث منتخب کرتے تھے۔ اس طرح رائے دہندوں کے جمع کرنے میں صاحب ضلع کو بہت کچھ اختیار حاصل تھا اور اس طریقے میں طرح طرح کے اختلافات ہوجاتے تھے۔ ایڈورڈ ثالث اور رچرڈ ثانی کے عہد میں صاحبان ضلع کی جنبہ داری اور تحکم کی شکایتیں ہوئیں اور سنہ ۱۴۰۶ء میں پارلیمنٹ نے قانون نافذ کیا کہ احکام انتخاب کی وصولیابی کے بعد پرگنے کی سب سے پہلی جو پنچائت منعقد ہو، اسی میں پارلیمنٹ کے انتخابات بھی ہوا کریں۔ چونکہ پرگنے کی ماہانہ پنچائت یا کچہری میں معمولاً بہت کم عمائد شریک ہوتے تھے، لہذا صاحب ضلع کو اب بھی یہ اختیار رہا کہ صرف دوستوں کو اطلاع دے کہ پنچائت میں اسی کے ہواخواہوں کی کثرت ہو۔ یا بلوے کی صورت میں اور لوگ بھی جمع ہوں، تو محض انتخاب کی رسم پوری کرکے اپنے ہی امیدواروں کو منتخب کرالے۔ نظر بر ایں سنہ ۱۴۳۰ء میں یہ قانون منظور ہوا کہ ۴۰ شلنگ سالانہ لگان کے تمام پٹہ داروں کو انتخاب کا حق حاصل ہے اور سنہ ۱۴۳۲ء میں یہ صراحت کردی گئی کہ یہ پٹہ دار اُسی ضلع کے ہونے چاہئیں۔ اس قانون کے دو فائدے ہوئے اوّل تو صاحب ضلع کو اپنے حسب منشا شرائط انتخاب عائد کرنے کا موقع نہ رہا دوسرے شورش پسندوں کے لئے ناممکن ہوگیا کہ پنچائت میں تھوڑے آدمیوں کو دیکھکر ہنگامہ مچائیں اور من مانے انتخاب کرالیں۔ سنہ ۱۴۴۵ء کے ایک قانون میں تاکید کردی گئی کہ صاحبانِ ضلع ہر پرگنے یا قصبے کو جہاں سے مبعوث منتخب ہوتے تھے، صرف صحیح صحیح احکام بھیجدیا کریں اور اس کے بعد ہر مقام کے لوگ اپنے رواج کے مطابق انتخاب کرلیا کرتے اور اس کی اطلاع پرگنے کی پنچائت میں چند اشخاص کے ذریعے بھیجدیتے تھے۔

باب سوم

اسی وفد کا فرض تھا کہ اپنے سامنے مبعوثین کے نام صاحب ضلع سے لکھوا کر روانہ کرا دے۔ مختلف رواجوں کے ہونے کی وجہ سے انتخابات کا سارا مسئلہ بہت اُلجھا ہوا نظر آتا ہے البتہ یہ یقینی بات ہے کہ ہینری ششم کے عہد میں بار بار ایسے قوانین بنے جن کا صاف مقصد یہ تھا کہ آزادانہ انتخابات میں عمال کی مداخلت کا سدِّ باب کیا جائے کیوں کہ بے شبہ یہ سرکاری عہدہ دار اُسی فریق کی طرفداری کرتے ہوں گے جو اُس وقت برسرِ اقتدار ہو۔ لیکن اس اہتمام کا ایک نتیجہ یہ بھی ضرور ہوا کہ انتخاب میں حصّہ لینے والوں کی تعداد کم ہوگئی اور پارلیمنٹ نے بہت سے آزاد اور زرعی غلاموں کو جو صاحبان ضلع کے آگے پیچھے دوڑتے رہتے تھے، گویا بے کار و بے حق کر دیا اور پھر ۱۸۳۲ء کے قانون اصلاح تک رائے دہندوں کی تعداد وہی رہی جو ۴۰ شلنگ لگان کے پٹہ دار تھے۔

برگنڈی کے ساتھ چھوڑنے کے نتائج

۱۴۳۵ء میں برگنڈی کا ٹوٹ کر دوسری طرف جا ملنا انگریزی پارلیمنٹ کو اس درجہ ناگوار ہوا تھا کہ بیڈفرٹ کے مرنے پر بھی کسی نے اعتنا نہ کی۔ منصب ولایت نوجوان رچرڈ (شہزادۂ یارک) کے تفویض ہوا اور کالے کی قلعہ داری شہزادہ گلوسٹر کو سونپی گئی کہ اسی مقام پر برگنڈی کے حملے کا پورا زور پڑنے والا تھا۔ لیکن یہ دونوں کچھ بہت کارنمایاں نہ کر سکے پیرس قطعی طور پر ہاتھ سے نکل گیا اور کالے اتنا مستحکم ثابت ہوا کہ گلوسٹر کی ذاتی مدد کے بغیر بھی برگنڈی والوں کے قابوں میں نہ آیا۔ آیندہ سال مجلس شاہی نے یارک کو واپس بلا کر سپہ سالاری پہلے وارک اور پھر جان بوفرٹ کے سپرد کی (جو آگے چل کے امیر اور پھر امیر کبیر سمرسٹ ہوا) اور ہرچند یارک کو دوبارہ خدمت دی گئی لیکن بوفرٹ خاندان کے ساتھ اس کی رقابت ہی نے وہ نشیبی قضیہ پیدا کیا جو آیندہ "جنگ نسرین و نسترن" یا گلابوں کی لڑائی میں ایک بڑا سبب بننے والا تھا۔ تاہم وقت کے وقت تو اس رقابت کی بدولت یہ لوگ ایک دوسرے سے بڑھکر کام کرنا چاہتے تھے جس سے فرانسیسیوں کی فتح کا سیلاب تو نہ رک سکا البتہ

باب سوم

انگریزوں کی جنگی شہرت برقرار رکھنے میں مدد ملی۔ انھی کاموں میں سب سے ممتاز کارنامہ ہارفلُر کی تسخیر مکرّر تھی (۱۴۴۰ء) جس کا سہرا جان اور اس کے بھائی ایڈمنڈ بوفرٹ کے سر بندھا۔

جنگ کا سلسلہ برابر جاری تھا لیکن اسی کے ساتھ حامیانِ صلح کا ایک گروہ مرتب ہوتا جاتا تھا اور ان کا یہ یقین برابر بڑھ رہا تھا کہ انگلستان میں اتنی قوّت نہیں کہ فرانسیسی قوم کے محسوسات کے علی الرّغم ملک فرانس پر انگریزی تسلط قائم رکھے۔ بے شبہ مرنے سے پہلے خود بیڈفرڈ کے ذہن میں یہی اذعان جمتا جاتا تھا اور اس کے بعد ہینری بوفرٹ اور کئی مدبر و سپہ سالار اسی یقین پر ایک خاص حکمت عملی کی بنیاد قائم کرنا چاہتے تھے۔ ان کے مقابلے میں گلوسٹر ایسی ہر حکمت عملی کا سخت مخالف تھا، کچھ تو اس وجہ سے کہ وہ کارڈینال بوفرٹ کی حکمت عملی تھی اور کچھ اس لئے بھی کہ مزاج و میلان طبع کی بنا پر جنگجو اُمرا اور اُس خصلت کے لوگوں کا قدرتی ترجمان وہی تھا، جو ناحق یا بے سُود جنگ پر نہیں شرماتے بلکہ عزّت کی صلح کرنے کو قابلِ عار سمجھتے ہیں۔ بہر حال، اس کی مخالفت کوئی معمولی شئے نہ تھی۔ لندن والے اس کے شیفتہ تھے اور معلوم نہیں کن طریقوں سے اُس نے مردانگی کی وہ شہرت حاصل کرلی تھی کہ اسے "نیک نہاد Thegood" کا لقب مل گیا تھا حالانکہ اس کے ذاتی اطوار یا جنگی کارناموں سے اس لقب کو مطلق مناسبت نہ تھی۔ بہر نوع، فریقِ حامئ صلح کی جس قدر مزاحمت ممکن تھی، وہ کرتا رہا۔ فریقِ مذکور نے ۱۴۴۰ء میں بادشاہ کو آمادہ کرلیا کہ شہزادہ اورلیان کو قید سے رہا کردیا جائے۔ یہ شہزادہ جنگ آژین کور میں اسیر ہوا اور اب اس شرط پر رہا کیا جارہا تھا کہ فرانس جاکر صلح کی کوشش کرے مگر گلوسٹر نے اس موقع پر بادشاہ کے نام ایک خط تحریر کیا کارڈینال بوفرٹ اور فریقِ صلح خواہ پر تمام الزامات دوبارہ گنوائے اور یہ دکھانے کی کوشش کی کہ محبِ وطن فریق کے سرگروہ ہیں تو صرف وہ خود اور شہزادۂ یارک ہیں۔ خط کے باوجود اورلیان کو رہائی مل گئی اور گلوسٹر کی کوشش ناکام رہی تاہم اور کچھ نہیں تو ان اعتراضات نے بوفرٹ کے گروہ کی حکمت عملی اور اصلی غرض کو ملک کے سامنے ایسے

باب سوم

بُرے رنگ میں ضرور پیش کیا کہ لوگ بالکل غلط اندازہ کریں۔ ۱۴۴۴ء میں جان نے صرف ایک بیٹی مارگریٹ وارث چھوڑ کر وفات پائی اور دربار میں اس کا چھوٹا بھائی ایڈمنڈ جانشین ہوا اور وہی امیر کبیر سمرسٹ بنا دیا گیا۔

بادشاہ کا سن بلوغ کو پہنچنا

لیکن حامیان صلح کا ایک طرفدار خود نوجوان بادشاہ تھا جس کی تائید نہایت بیش بہا ثابت ہوئی ہینری ۱۴۴۲ء میں سن بلوغ کو پہنچا مگر چند سال قبل سے وہ بادشاہی کام کرنے لگا تھا لہذا یہ تاریخ چنداں قابل لحاظ نہیں رہی۔ وہ شروع سے نازک اندام لڑکا تھا اور اُس عمر میں جب کہ باپ اور چچا بڑی بڑی فوجیں لڑاتے تھے، وہ بالکل جنگ کے کاموں میں حصہ لینے کے قابل نہ تھا۔ برعکس اس کے دماغ میں قبل از وقت حیرت انگیز پختگی آگئی تھی اور آگے بڑھائے جانے کی غلط کوشش سے بہت ممکن ہے کہ وہ تعلیم کے مفرط بار میں دب گیا ہو۔ سپاہیانہ فنون وارک سکھاتا تھا۔ ادبیات کی تعلیم گلوسٹر کے سپرد تھی اور آئین ملکداری سکھانے پر بوفرٹ مامور تھا۔ معلوم ہوتا ہے یہ مسکین مزاج لڑکا اس تعلیم سے کافی مستفید بھی ہوا اور جوان ہو کر بہت خلیق و شائستہ آدمی نکلا۔ اُسے دلی فکر تھی کہ رعایا کی کما حقہٗ خدمت کرے لیکن اس کا کیا علاج کہ فطرت نے اسے بالکل اس لائق نہیں بنایا تھا کہ ایسے پُرفتن زمانے میں ایک حوصلہ مند قوم کا کامیاب بادشاہ ثابت ہو۔ ایک مدت تک بادشاہ کی یہ کمزوری کہ وہ بطور خود کوئی کام نہ کر سکتا تھا، لوگوں کی نظر سے چھپی رہی اور اُس کی نوعمری، اور گلوسٹر وغیرہ عمائد کے پیش پیش رہنے سے اس کا صحیح اندازہ نہ ہو سکا۔ لیکن ظاہر ہے کہ کبھی نہ کبھی بادشاہ کی اصلی سیرت کا آشکارا ہونا لابد تھا۔

صلح کی سلسلہ جنبانی

۱۴۴۱ء ۱۴۴۲ء اور ۱۴۴۳ء میں انگریز نارمنڈی میں شہزادہ یارک کے ماتحت خاصی طرح مقابلہ کرتے رہے۔ لیکن حامیانِ صلح اپنی حکمت عملی سے دست بردار ہونے والے نہ تھے اور انہوں نے ۱۴۴۴ء میں پیرس ایک سفارت روانہ کی جس کا سردار امیر سفک تھا۔ یہ امیر مسمی ولیم دی لاپول، رچرڈ ثانی کے وزیر میکائیل دی لاپول کا پوتا اور

باب سوم

اُس امیر سفک کا بھائی تھا جو آثرین کورر کے معرکے میں کام آیا۔ وہ جنگ وسفارت دونوں میں نام پا چکا تھا اور بادشاہ کے مزاج میں بڑا اورخور رکھتا تھا۔ وہ فریق صلح کا پورا پورا مویّد وشریک تھا اور اس کی سفارت سے دو سال کے ہنگامی صلح ہوگئی۔ نیز طے پایا کہ مستقل صلح کی تمہید میں ہینری، والیٔ آنژو کی بیٹی مارگریٹ سے شادی کرے جو چارلس ہفتم کی ملکہ کی بھتیجی ہوتی تھی اور خود اس کا باپ پرووانس کی امارت اور نیپلز وبیت المقدس کی برائے نام بادشاہی کا بھی وارث تھا۔ غرض اپریل ۱۴۴۵ء میں یہ شانزدہ سالہ عروس انگلستان آئی اور ہینری سے جواب ۲۴ سال کا تھا اس کی شادی ہوگئی۔ اس شادی سے صلح کی بہت کچھ امیدیں تھیں اور شروع میں وہ مقبول عام رہی۔ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں امیر سفک کا شکریہ ادا کیا گیا (۱۴۴۵ء) سوداگر بہت خوش تھے کہ فرانس سے دوبارہ لین دین ہونے لگے گا اور بظاہر ہینری بوفرٹ کی حکمت عملی کی کامیابی میں کچھ کسر نہ رہی کہ یہ شادی عین اس کی مرضی کے مطابق ہوئی تھی۔ شادی کے نامہ وپیام سب سفک نے کئے تھے اور اس کامیابی سے پورا موقع بھی حاصل کر لیا تھا کہ نئی ملکہ کے مزاج میں بہت کچھ دخل پائے مگر اس بات نے خواہی نخواہی گلوسٹر کو اس کا دشمن بنا دیا جسے یہ شادی سخت ناپسند تھی کہ ایک تو وہ حامیانِ صلح کے غلبے کی دلیل تھی دوسرے ہینری کے وارث پیدا ہونے سے اس کی اپنی تخت نشینی کی امید باقی نہ رہ سکتی تھی حالانکہ بیڈفرڈ کے بعد حق وراثت اسی کو پہنچتا تھا اور اُس کے بعض گھر والے اس کی آیندہ تخت نشینی کے یہاں تک آرزومند تھے کہ اس کی بیوی نے قریب قریب خود اقبال کیا کہ وہ بادشاہ کے مرنے کے واسطے جادو کرانے کی مرتکب ہوئی تھی یہ بیوی الینر کوب ہم تھی کہ ژاک لین کی شادی کو پاپا نے کالعدم قرار دیا تو گلوسٹر نے اس سے عقد کیا تھا۔ علاوہ ازیں، ہینری بوفرٹ کی صحت جواب دے رہی تھی اور صاف نظر آتا تھا کہ اس کے بعد فریقِ صلح خواہ کا سرگروہ سفک ہوجائے گا جس نے قوت مضبوط کرنے کی غرض سے اپنے بیٹے جان کو کمسن مارگریٹ بوفرٹ سے بیاہ دیا تھا اور ہینری بوفرٹ اور گلوسٹر کے

باب سوم

بعد یہی لڑکی شہزادہ جان (اگونٹ) کی اولاد میں وراثت کی سب سے بڑھ کر حقدار تھی۔

گلوسٹر کی موت

۱۴۴۷ء میں گلوسٹر و سفک کی نزاع نے علانیہ مخالفت کی صورت اختیار کرلی سفک اتنا با اثر تھا کہ اُس سال پارلیمنٹ کو بری سینٹ ایڈمنڈس میں منعقد کرالیا تاکہ گلوسٹر اپنے لندنی دوستوں سے دُور رہے۔ دوسرے خود سفک کا اس مقام پر اثر سب سے غالب تھا۔ غرض فروری میں اجلاس شروع ہوا اور گلوسٹر وہاں آیا تو اسے اور اس کے بعض ساتھیوں کو سالسبری وغیرہ چند امرا نے گرفتار کرلیا۔ یہ ۱۸ تاریخ کا واقعہ ہے۔ ۲۳ کو گلوسٹر نے قضا کی اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ موت کس طرح واقع ہوئی ایک طرف تو ہمیں معلوم ہے کہ اس کی صحت بہت خراب تھی اور ممکن ہے کہ گرفتاری کی تشویش اور غصّے نے مرض میں اشتداد پیدا کردیا ہو۔ یا ممکن ہے کسی اہلکار نے کارگزاری دکھانے کے جوش میں اسے مار دیا ہو۔ آخر میں، یہ بھی امکان ہے کہ سفک نے بالقصد اسے مروا دیا ہو۔ یہ یقین نہیں آتا کہ ہینری بوفرٹ کا اس میں ہاتھ ہوگا کیونکہ گلوسٹر کا اُٹھ جانا سارے خاندان لینکاسٹر کو سخت صدمہ پہنچنے کے مرادف تھا اور خاندان بوفرٹ کی اپنی مصلحت اسی میں تھی کہ یہ خاندان قوی رہے۔ بادشاہ کو قطعاً قتل سے سروکار نہ تھا اور اٹھارہ سال کی مارگریٹ پر شبہ کرنا بھی دشوار ہے غرض اس بارے میں جو تذبذب اُس وقت تھا، بعد میں اب تک وہی تذبذب ہے اگرچہ جتنا وقت گزرتا گیا اسی قدر بُری افواہیں زیادہ زبان زد ہوئیں حالانکہ کوئی شہادت مزید حاصل نہ ہوسکی۔ ۶ ہفتے بعد کارڈنیال ہینری بوفرٹ نے وفات پائی اور اپنے خاندان کے رکن رکین نیز وولزے کے بعد سرزمین انگلستان کے سب سے شاندار دینی پیشوا ہونے کی شہرت یادگار چھوڑی۔

بوفرٹ و گلوسٹر کے مرجانے سے کچھ روز تک سفک کا دور دورہ ہوگیا۔ اُس نے بڑی ہوشیاری یہ کی کہ مارگریٹ کا معتمد علیہ بن گیا

اور دربار میں کوئی اس کے برابر بااثر نہ رہا۔ ایڈمنڈ بوفرٹ فرانس میں سپہ سالاری کی خدمات میں منہمک تھا اور ۱۴۴۷ء میں شہزادہ یارک کو بھی سپہ سالار والیٔ آئرستان بنا کے دور بھیجدیا گیا۔ عہدہ داروں میں اسقف مولینز، ایمبرسے اور سیل، سفک کے طرفدار تھے۔ اور کینٹربری کا صدر اسقف کاردینال کیمپ، بوفرٹ ہی کے خیالات کا وکیل تھا۔ سفک کی حکمت عملی کا سیاسی مقصد یہ تھا کہ صلح ہوجائے اور اس بات کے نامقبول ہونے کے باوجود وہ برابر اسی پر اڑا رہا جیسے اس کی صداقت کے ثبوت میں پیش کرسکتے ہیں غرض ۱۴۴۸ء میں کسی زبانی وعدے کے بموجب، جو شادی کی گفتگو کے دوران میں غالباً سفک نے کیا تھا، آنژو اور مین کے وہ مقامات جو انگریزوں کے قبضے میں رہ گئے تھے، والیٔ آنژو کے حوالے کردئے گئے۔ اصلی مطلب یہ تھا کہ تھوڑا سا حصہ دے کر باقی مقبوضات پر انگریزوں کا تسلط پختہ کرلیا جائے مگر انگلستان میں اس فعل کی بڑی مخالفت ہوئی اور سمرسٹ کی رضامندی سے مین کے انگریز سپاہیوں نے واپس آتے میں والیٔ بریٹانی کے ایک قصبے فوژر کو لوٹ لیا اور اس احمقانہ شرارت نے علانیہ پھر جنگ چھڑوادی۔ مئی میں پوں ولارش جہاں سے روآن کو راستہ آتا تھا اور اکتوبر میں خود روآن چھن گیا اور لوگوں نے ان نقصانات کا ذمہ دار سفک اور سمرسٹ کو گردانا شور مچ گیا کہ غداری کی جارہی ہے اور مجلس شاہی اپنے اوپر حرف آتا دیکھکر سخت پریشان ہوئی کہ صفائی کیا پیش کرے۔

ان معاملات کا تصفیہ مجلس شاہی کے لئے آسان نہ تھا۔ آئینی حکومت اتنی ترقی کرچکی تھی کہ وزرا کو ناکامی کا ذمہ دار بنایا جائے لیکن ابھی اس کی نوبت نہیں آئی تھی کہ جب وزرا سے لوگ ناخوش ہوں تو وہ بلاتاخیر اور بغیر کسی شورش کے زمام حکومت اپنے نکتہ چینیوں کے حوالے کردیں۔ پیش نظر زمانے میں بھی بدنام سفک کے سوا اور کوئی شخص درباری گروہ میں اتنا طاقتور نہ تھا کہ آڑے وقت میں سینہ سپر ہوجاتا۔ اگر خود بادشاہ اتنا صاحب عزم اور قوت بازو پر اعتماد رکھتا ہوتا کہ صدر وزارت و سپہ سالاری کا خود کام سنبھال لیتا تو ملک کو مشکلات سے پار لے جانا ممکن تھا۔ یا اگر آئینی بادشاہی ہوتی تو پٹ دکبیر، جیسا زبردست وزیر نامساعد زمانے کا مقابلہ کرلیتا۔ مگر ہنری ششم اُن اوصاف سے جن کا کامیاب

حکومت کی نامقبولی

باب سوم

مطلق العنان سلاطین میں ہونا لازمی ہے، بالکل عاری تھا اور اس کے گرد و پیش جو ارباب سیاست جمع تھے، ان میں قابلیت یا اولو العزمی کے لحاظ سے کوئی شخص ہیٹ کا عشر عشیر بھی نہ تھا۔ قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ جس معیار سے جانچئے ہینری ششم کا نظم و نسق ناکام نکلا۔ سفک کی صلح جوئی اور سمرسٹ کی بدقسمتی یا نااہلی، دونوں اہل ملک کی نگاہ میں یکساں مردود ہوگئیں۔ قرضہ بڑھتے بڑھتے تین لاکھ ستر ہزار پونڈ اور محلسرا کا خرچ پانچ ہزار سے پچیس ہزار سالانہ ہوگیا حالانکہ بادشاہ کی مقررہ آمدنی پانچ ہزار پونڈ تھی۔ اضافہ محاصل منظور کرنے میں پارلیمنٹ نے تو قیل و قال نہ کی تاہم قوم نے یہ بوجھ بہت بے دلی سے برداشت کیا۔ طرّہ یہ کہ حکومت کے مقدّم فرض، یعنی قیام امن سے غفلت برتی جارہی تھی پرسیوں کی بغاوت سے نارمنڈی کے ہاتھ سے نکل جانے تک جاگیرداری فوجوں کا بہت کم تذکرہ آتا ہے لیکن یہ بے قاعدہ سپاہی اب پھر ملک کے لئے بلائے جان بن گئے تھے اور بڑے اُمرا اپنی اپنی فوجوں کے بھروسے پر بادشاہی امن و قانون کی، اپنے فائدے کے مقابلے میں، چنداں پروا نہ کرتے تھے مثلاً

جان پیسٹن

نارفک کے ایک شریف آدمی، جان پیسٹن نامی نے گرشام کا مقطع مقدمہ بازی کر کے جیت لیا جس پر امیر مولینز بلا حق دعویٰ ملکیت رکھتا تھا۔ لیکن اس جاگیردار نے ایک ایک ہزار آدمی جمع کئے اور پیسٹن کو باہر گیا ہوا، دیکھکر مقطع پر چڑھ دوڑا اور حویلی پر جبراً قبضہ کر لیا حتیٰ کہ زوجہ پیسٹن کو وہاں سے بھگانے کے لئے چھت کے شہتیر اکھڑوا دئیے جس پر اس بیوی کی خوابگاہ تھی۔ پیسٹن کے خانگی خطوط ابھی تک محفوظ اور اُس عہد کے حالات کا بہت عمدہ مخزن ہیں۔ اس سے بھی کئی سال پہلے، یعنی ۱۴۳۵ء میں نویل خاندان کی دو شاخوں کی باہمی نزاع سے کشت و خون کی نوبت پہنچ گئی تھی اور دیہات میں شورہ پشتی کی یہ کیفیت تھی کہ صدیوں سے دیکھنے میں نہ آئی ہوگی۔ فوجی خدم کے علاوہ بڑے بڑے امیروں نے ایک اور طریقہ یہ اختیار کیا تھا کہ اپنی نواح میں معافی داروں اور سرداروں سے ایک معاہدہ کر لیتے جس کی رُو سے یہ لوگ پابند ہو جاتے کہ بادشاہ کی اطاعت کے سوا، دوسرے لوگوں کے مقابلے میں اپنے امیر کی ملازمت کریں گے اور اس کے معنی یہ ہوئے کہ چھوٹی سی کمربستہ فوج کے علاوہ ایک بڑی جماعت عقب میں

باب سوم

موجود تھی کہ بوقت ضرورت اس سے کام لیا جاسکے۔ ان حالات میں بغاوت بپا ہونے میں صرف سرغنہ بہم پہنچنے کی دیر تھی لیکن یارک آئرستان گیا ہوا تھا اور کوئی دوسرا نام ایسا نظر نہ آتا تھا جس کی رفاقت پر لوگ تیار ہو جائیں نتیجہ یہ ہوا کہ عام بغاوت کی بجائے اِدھر اُدھر غیر مربوط فساد ہوتے رہے اور ۱۴۵۰ء کی شہرت کا سبب یہی بلوے اور بدامنیاں ہیں۔

قتل کی واردا تیں

جنوری میں چچیسٹر کے اُسقف مولینز کو پورٹس متھ بھیجا گیا تھا کہ فرانس جانے والے جہازیوں کی تنخواہ تقسیم کرے۔ اس کی بدنصیبی کہ روپیہ پوری رقم ادا کرنے کے لئے کافی نہ تھا اور علی الحساب ادائی کرنی پڑی جہازیوں کو مایوسی ہوئی تو سخت جھلّائے اور انھوں اُسقف کو پکڑ کر جان سے مار ڈالا۔ فوج کے سپاہی کھڑے یہ تماشہ دیکھتے رہے اسی جنوری کی ۲۲ویں تاریخ پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا۔ سفک جانتا تھا کہ اس پر حملہ ہوگا لہذا پہلے سے شدومد کے ساتھ اپنی بیگناہی ثابت کی اور گذشتہ خدمات یاد دلائیں کہ حملہ ٹل جائے۔ لیکن یہ تدبیر کامیاب نہ ہوئی۔ دارالعوام نے اعتراضات کی ایک طویل فہرست تیار کی اور سفک کے خلاف دارالامرا میں مواخذہ کیا۔ معلوم ہوتا ہے یہ کارروائی امیر کرومویل کے ہدایت سے ہوئی جو خود بھی شاہی بزم شوریٰ کا رکن تھا۔ الزامات میں نااہلی کے ساتھ غداری کی مد بھی قائم کی تھی۔ حامیانِ صلح کی ساری حکمت عملی کو پہلی مد میں داخل کیا تھا اور مارگریٹ بوفرٹ سے اپنے بیٹے جان دی لاپول کی شادی کرنے کو تخت پر قبضہ حاصل کرنے کی سازش قرار دیا تھا۔ اس دوسرے الزام کا جواب تو بجز انکار کے اور کچھ نہ ہو سکتا تھا لیکن پہلے الزام میں ساری شاہی مجلس پر حرف آتا تھا اور عدالت اس کی تحقیقات کرنے سے بہت گھبرائی۔ آخر میں، ظاہراً آپس کی رضامندی سے یہ طے ہوا کہ سفک جواب دہی نہ کرے اور نہ مقدمہ عام عدالت میں لائے جو پورے گروہ کے حق میں خطرناک ہوتا، بلکہ بادشاہ کے پاؤں پر گر کر معافی مانگ لے۔ اسی پر عمل ہوا اور ہینری نے سفک کو حکم دیا کہ پانچ سال مُلک سے باہر رہے۔ ۳۰ اپریل کو وہ جہاز میں روانہ ہو گیا تھا مگر کالے کے سامنے ایک جہاز

باب سوم

نکولاس آف دی ٹادر نامی نے اُسے راستے میں جا پکڑا اور چھوٹی سی کشتی میں اُتار کر سر قلم کر دیا۔ لاش کینٹ کے ساحل پر پھینک دی۔ اس امر کا فیصلہ کرنے کی کافی شہادت نہیں ملتی کہ اُسقف مولینز کی طرح سفک بھی بگڑے ہوئے جہازیوں کا شکار ہوا یا سیاسی دشمنوں کے اس ارادے کا کہ شکار ہاتھ سے بچ کر جانے نہ پائے۔ بہرحال، اس میں شک نہیں کہ ہینری ایسے مشیر کی خدمات سے محروم ہو گیا جو حقیقت میں لائق تھا اور جس کے ہٹ جانے سے خود خاندانِ شاہی کی بنیادیں ہل گئیں۔ گویا یہ اسی قسم کا نقصان تھا جیسا خانہ جنگی شروع ہوتے وقت اسٹریفرڈ کی موت سے چارلس اوّل کو برداشت کرنا پڑا۔

کیڈ کی بغاوت ایک مہینے بعد کیڈ کی بغاوت سے جنوب مشرقی اضلاع میں ہل چل مچ گئی جیک کیڈ، مسٹر ڈیکر کا ملازم تھا جو قتل کر کے ملک سے فرار ہوا اور پھر دوسرا نام بدل کر واپس آگیا تھا۔ مگر اس میں سخت اختلاف ہے کہ واقع میں کیڈ اپنے نام کی بغاوت کا سرغنہ تھا یا اصلی بانی کی ہلاکت یا فراری کے بعد اس کا جانشین بن بیٹھا۔ بغاوت کے ابتدائی واقعات بھی صاف صاف سمجھ میں نہیں آتے۔ لیکن سارے ملک میں آتش گیر مادہ موجود تھا۔ اور یہ افواہ سُن کر کہ سفک کی موت کا کینٹ والوں سے مواخذہ ہو گا، نیز وہاں کے ضلعدار (کراومر) کی زیادہ ستانی سے بگڑ کر کینٹ میں فساد کی آگ بھڑک اٹھی اور ایک دفعہ شروع ہوئی تو پھر اس نے بڑی قوت و وسعت حاصل کر لی۔ امرا میں سے کوئی بغاوت میں شریک نہ تھا اور سرداروں میں سے بھی کہا جاتا ہے کہ صرف ایک شخص نے شرکت کی مگر معمولی زمیندار اور شرفا اس یکجہتی سے میدان میں نکلے کہ گویا فوج کا سرکاری طور پر اجتماع ہو رہا ہے اور باقاعدہ قطاروں میں بلیک ہیتھ پہنچے۔ یہاں خود بادشاہ کا اپنے خلاف بڑھنا سن کر وہ پلٹ گئے تھے کہ بادشاہ نے سر ہمفری اور اس کے بھائی ولیم کو ایک دستہ دیکر تعاقب میں روانہ کیا اور انھوں نے باغیوں کو سیون اوکس کے مقام پر جا لیا۔ تب باغیوں نے پلٹ کر حملہ کیا۔ شاہی فوج کو شکست ہوئی۔ اس میں دونوں سردار مارے گئے اور باغی دوبارہ بلیک ہیتھ پہنچ گئے۔ یہاں سے بلاشبہ کیڈ ان کا

سردار ہوگیا۔ اس نے مقتول سر ہمفری کی زرہ بکتر پہنی اور اپنی نسبت یارک کے برادر عم زاد مور ٹمر ہونے کا اعلان کیا اور ہر طریقے سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ وہ یارک کے واسطے لڑ رہا ہے۔

اُدھر سیون اوکس کی شکست نے شاہی فوج کے حوصلے پست کر دیئے اور سرکار کی حمایت وجان نثاری کی بجائے انھوں نے بادشاہ سے مطالبہ کیا کہ خزانہ دار لارڈ سے کو قید کر دیا جائے یہ بات منظور ہوئی لیکن ہنیری سمجھا کہ شورہ پشت سپاہیوں کو قابو میں رکھنا دشوار ہے۔ لہذا لندن کو قسمت کے حوالہ کرکے کونٹری چلا آیا اور اس طرح سارے ملک پر ثابت کر دیا کہ وہ نہ جنگی قابلیت رکھتا ہے نہ قوت بازو پر وہ بھروسہ جو ایک شاہ انگلستان میں ہونا چاہیئے۔ بادشاہ کی پسپائی پر کیڈ، ساوتھرک کی طرف بڑھا اور باغیوں کی حسب ذیل شکایتیں مرتب کیں :- فرانس کا ہاتھ سے نکل جانا۔ بھاری محاصل۔ بادشاہ کے عزیزوں کا بزم شوریٰ سے الگ رکھا جانا۔ انتخابات میں مداخلت۔ اور عام طور پر ملک میں بد انتظامی ؛

۳ر جولائی کو وہ پُل اتر کے لندن آگیا جہاں اہل شہر نے خیر مقدم کیا اور لارڈ سے اور کراوَمر کو پکڑنے میں بھی کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ ان دونوں کا سر قلم کرا دیا گیا۔ اس کے سپاہی روزانہ ساوتھرک میں جاکر سوتے تھے۔ لیکن کیڈ نے غارتگری کی مثال قائم کر دی تھی۔ محاربات فرانس کے ایک جنگ آزمودہ سپاہی میتھیو گاف نامی' کی مدد سے اہل شہر نے پُل پر پہرہ لگا دیا۔ اور ۶ر جولائی کو باغی فوج نے عبور کرنا چاہا تو ہر چند گاف مارا گیا مگر باغیوں نے شکست کھائی۔ ایک تو اس ناکامی سے ہمت پست ہوئی اور دوسرے کوئی امیر شرکت پر آمادہ نظر نہ آیا پس باغیوں نے گروہ در گروہ معافی مانگ لی اور بہت سے لوگ گھروں کو لوٹ آئے۔ حکومت کی طرف سے کاردنیال کیمپ اور اُسقف وَین فلیٹ نے عفو عام کا اقرار کیا تھا۔ بایں ہمہ کیڈ چند رفیقوں کے ساتھ الگ رہا اور لوٹ کا مال لیکر روچسٹر چلا گیا۔ وہاں سے وہ تنہا فرار ہوا تھا کہ راستے میں کینٹ کے نئے ضلعدار الگزنڈر آئیڈن نے اُسے جا لیا اور وہ وہیں مارا گیا۔ کیڈ کی بغاوت کے

باب سوم

زمانے میں اور جگہ بھی فتنہ وفساد برپا ہوئے۔ ولٹشر میں سالبسری کا اسقف آسکیو اپنے کاشتکاروں کے ہاتھ سے ایڈنگٹن میں مارا گیا۔ گلوسٹر اور دوسرے مشرقی اضلاع میں سخت ہنگامے ہوئے اور یہی واقعہ کہ ایک سال کے اندر چوبیس باغیوں کے بُریدہ سر لندن برج پر رکھے گئے، ظاہر کرتا ہے کہ ملک میں کس قدر فتنہ وفساد مچ گیا تھا۔

سفک، مولینز، اور سے کی موت سے ہنری کے پاس قریب قریب ایک بھی ذمہ دار مشیر نہ رہا۔ سمرسٹ فرانس میں سخت مصیبت میں گھرا ہوا تھا۔ کیونکہ ۱۷ اپریل کو فورمینی پر جو لڑائی ہوئی اُس میں اہلِ فرانس نے توپخانے سے ایسے سلیقے سے کام لیا کہ سرٹامس کائریل کے ماتحت جو کمکی افواج روانہ کی گئی تھیں، وہ تین ہزار کے نقصان سے تہ وبالا ہوگئیں۔ انگریزوں کو سخت شکست ہوئی اور نارمنڈی کی باقی چھاؤنیوں کا ہتیار ڈالنا چند روز کی بات نظر آنے لگا۔

امیر کبیر یارک کا مرتبہ

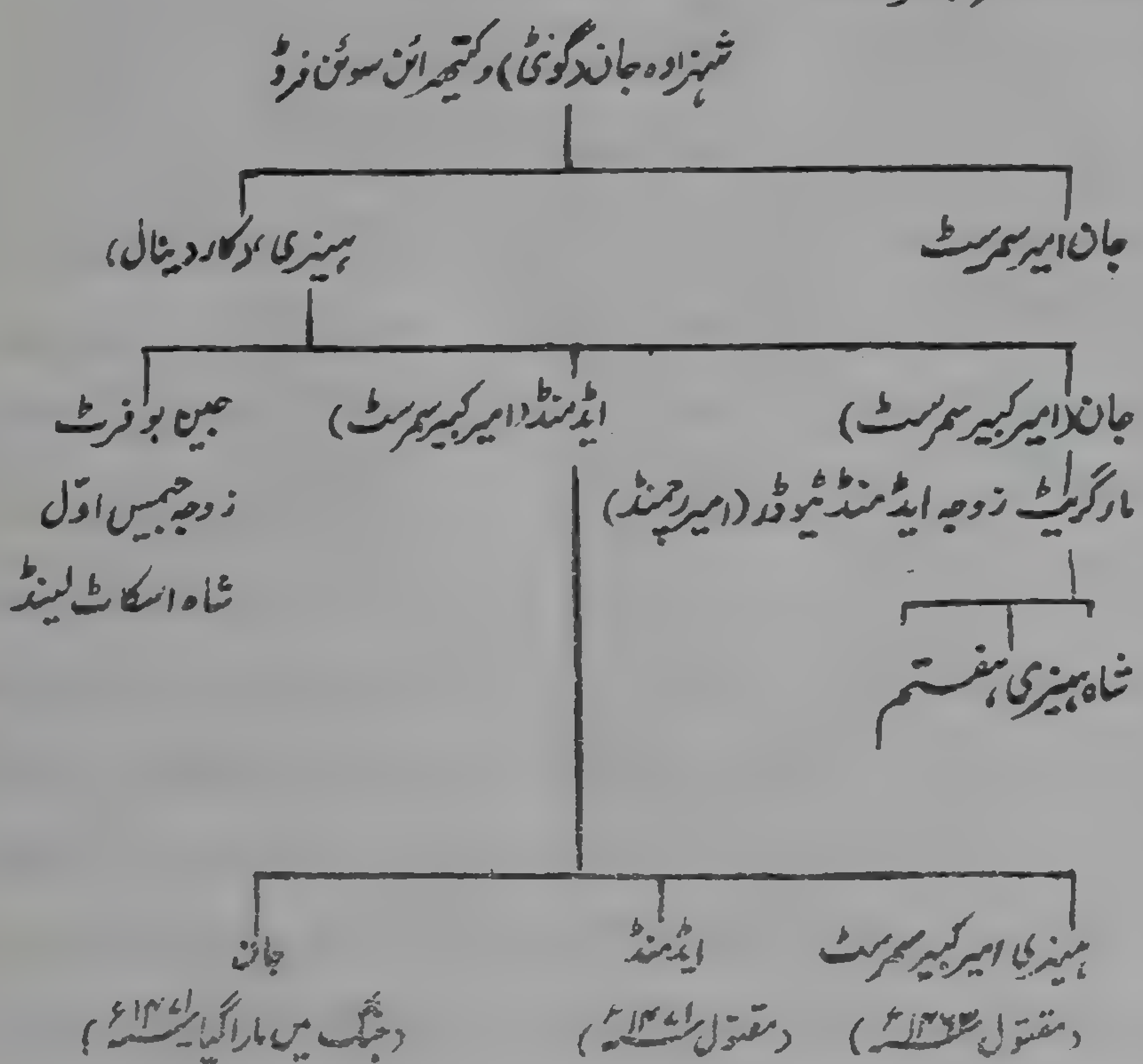
ان حالات میں بادشاہ کا بہترین مشیر امیر کبیر یارک ہوسکتا تھا اور فرانس وآئرستان میں اس کی فوجی اور انتظامی قابلیتیں بخوبی ثابت ہوچکی تھیں۔ لیکن ایک مدت سے وہ دربار سے دُور ڈال دیا گیا تھا اور کینٹ کے باغی اور عام طور پر حکومت سے برداشتہ دل لوگ جس طرح اس کا نام لیتے رہے، اور بادشاہ کے نااہل مشیروں کے مقابلے میں اسے سراہتے رہے، اس سے بھی بادشاہ کو یارک کی نسبت حُسنِ ظن پیدا نہ ہوسکتا تھا مگر خود اس شہزادے نے خیال کیا کہ اب اپنا حق منوانے کا وقت آگیا ہے۔ ستمبر میں وہ سمندر اتر کے انگلستان آیا ویلز کے سرحدی علاقوں سے ۴ ہزار جمع کئے اور یہ کہہ کر کہ خود بادشاہ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں، لندن کی طرف بڑھا۔ ملاقات کے وقت اس نے ایک عرضی پیش کی جس میں جھوٹے الزام لگانے والوں کی شکایت تھی اور یہ کہ ساحل پر اُترنے میں رکاوٹیں ڈالی گئیں۔ پھر مطالبہ کیا کہ الزام لگانے والے میرے سامنے لائے جائیں۔ جواب میں ہنری نے کہا کہ گو مفسدوں کی باتوں سے طبعاً کسی قدر شبہ پیدا ہوا تھا، لیکن اب یارک کی بے گناہی میں

کوئی شک نہیں رہا اور میں اسے سچی اور وفادار رعایا میں داخل اور تسلیم کرتا ہوں اور باوفا بھائی (عم زاد) مانتا ہوں ۔ اپنے خلاف بغاوت کا مقدمہ چلنے سے اطمینان ہوگیا تو یارک کے باقی ساتی درباری مشیروں کو ہٹا کر نظم ونسق پر خود قبضہ کرنے کی تدبیر کی لیکن وہ بہت محتاط آدمی تھا اور اس قدر پھونک پھونک کے قدم رکھتا تھا کہ ہر کام میں بہت دیر ہو جاتی تھی ۔

سمرسٹ کی واپسی

ادھر بائیو اور کاین ہاتھ سے نکل گئے تو سمرسٹ کو فرانس میں کوئی کام نہ رہا اور وہ بھی ستمبر میں انگلستان آگیا کہ شکستہ حال درباری فریق کو دوبارہ منظم اور یارک کے دعاوی دخل واقتدار کے ابطال کی تیاری کرے ۔ واضح رہے کہ یہ امیر کبیر (یعنی ایڈمنڈ بوفرٹ)، امیر کبیر سمرسٹ[عله] زیر نظر عہد میں سخت نامقبول ہوگیا تھا ۔ سفک کے بعد نارمنڈی کے ہاتھ سے نکل جانے کا سارا الزام لوگ اسی کو دیتے تھے اور دغا فریب، نامردی نااہلی وغیرہ

عله ۔ شجرۂ خاندانِ بوفرٹ :۔



باب سوم

عیبوں سے اسے متصف کرتے تھے۔ اب اپنے منصب و اقتدار پر برقرار رہنے کی صرف ایک صورت تھی کہ وہ دربار شاہی میں اثر قائم رکھے۔ چنانچہ واپسی کے بعد اس نے میر بخشی یا وزیر جنگ (کونسٹیبل) کی خدمت حاصل کر لی جو عملاً اقرار تھا کہ انتظامِ سلطنت اسی کے ہاتھ میں رہے گا۔ دوسرے ملکہ مارگریٹ کا اسے اعتماد حاصل تھا اور یہ ملکہ اب بادشاہ کے مزاج پر بہت حاوی ہوتی جاتی تھی اور یہ سمجھکر کہ اس کے اولاد نہ ہوئی تو یارک آیندہ جانشین ہوگا، وہ طبعاً شہزادہ یارک سے جلتی تھی۔ بادشاہ کا جسم و دماغ دونوں کمزور تھے اور وہ بالکل ملکہ اور سمرسٹ کے اشارے پر چلتا تھا۔

تین سال تک یارک اور سمرسٹ ایک دوسرے کے خلاف داؤں پیچ کرتے رہے۔ اصلی اختیارات سمرسٹ کے قبضے میں تھے اور یارک کو حکومت میں کوئی حصہ نہ ملتا تھا لیکن سیاسی رقابت رفتہ رفتہ باہمی عداوت و کشمکش کی صورت اختیار کرنے لگی سمرسٹ کی شومئ قسمت سے فرانس میں معاملات بد سے بدتر ہو گئے اور نارمنڈی کو انگریزوں سے خالی کراتے ہی فرانسیسیوں نے ضلع گئین پر حملہ بول دیا جو تین صدی سے شاہان انگلستان کا مقبوضہ اور بارونق تجارت کا مرکز تھا۔ سمرسٹ اس کی بھی مدافعت نہ کر سکا اور سنہ ۱۴۵۱ء میں بورڈو اور بائیون دونوں شہر ہاتھ سے نکل گئے۔ سلطنت کے مقبوضات کا یکے بعد دیگرے یوں ضایع ہونا دیکھ کر یارک سے خاموش نہ بیٹھا گیا۔ آخر سنہ ۱۴۵۲ء میں اس نے جنبش کی اور سنہ ۱۴۵۰ء کی طرح ایک زبردست جمعیت لیکر لندن پر بڑھا۔ سمرسٹ سے تقدیر جس قدر ناسازگاری کرتی، اسی قدر وہ مکر سے بادشاہ کو یارک کی طرف اور بدظن کرتا تھا۔ بلیک ہیتھ پر یارک کا شاہی افواج سے سامنا ہوا مگر دونوں لڑنا نہیں چاہتے تھے۔ یارک کی شکایتیں سننے کے بعد بادشاہ نے وعدہ کیا کہ سمرسٹ کو حراست میں لیکر الزامات کی باقاعدہ تحقیقات کی جائے گی۔

سمرسٹ اور یارک کی کشاکش	یارک نے اپنے گروہ کو رخصت کر دیا اور شاہی لشکر میں چلا آیا مگر یہاں پہنچ کر دیکھا کہ بدستور سمرسٹ کا عمل دخل ہے اور خود یارک کی حیثیت

نظربندوں کی سی ہوگئی۔ لیکن سمرسٹ خوب جانتا تھا کہ فرانس میں اس کی نااہلی، خیانت ورشوت ستانی کے جو الزام شہزادہ یارک نے عائد کئے ہیں، وہ صحیح ہیں لہٰذا وہ علانیہ تحقیقات پر کسی طرح آمادہ نہ تھا بلکہ چاہتا تھا کہ جس طرح ہوسکے یارک کا منہ بند کردیا جائے۔ چنانچہ اس نے یارک کو حلف دیا کہ وفادار رعایا رہے گا، اور اس طرح معاملہ اڑا دیا۔ یارک کو اس مقابلے میں تو منہ کی کھانی پڑی اور وہ اپنی جاگیر میں واپس چلا آیا۔ مگر سمرسٹ کی تقدیر رسوا کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ روز تازہ مواد اس کے خلاف فراہم کردیتی تھی۔ ۱۳۵۲ء میں گین کے واپس لینے کا ایک موقع یہ نکلا کہ گیس کن باشندے فرانس کی حکومت سے ناراض ہوئے اور سمرسٹ نے جان ٹیلبٹ (امیر شروزبری) کے تحت پانچ ہزار جوان بورڈو روانہ کئے۔ چند روز تک یہ فوج جدھر گئی کامیاب ہوئی لیکن ۱۷ جولائی ۱۴۵۳ء کو ٹیلبٹ دھوکے میں آگیا اور کاستی لیوں کے مقام پر ایک زبردست فرانسیسی لشکر پر حملہ کر بیٹھا جس کی تعداد انگریزوں سے زیادہ تھی۔ فرانسیسوں کے مورچے مضبوط اور عمدہ توپ خانہ موجود تھا اور سخت خونریزی کے بعد انگریزوں کو کامل ہزیمت نصیب ہوئی۔ ٹیلبٹ اور اس کے دونوں بیٹے لڑائی میں مارے گئے۔ تین ماہ نہ گزرے تھے کہ بورڈو پر دوبارہ فرانسیسی پھریرا اڑنے لگا اور یقین ہوگیا کہ اب فرانس کی پوری فوج کالے پر جم کر حملہ کئے بغیر نہ رہے گی۔

اس اثنا میں شہزادہ یارک دوستوں سے سن گن اور تازہ کارروائی کی تیاری کررہا تھا۔ اسے سب سے بڑھ کر اپنے برادر نسبتی یعنی رچرڈ (امیر سالسبری) پر بھروسہ تھا۔ جو خاندان نویل کی چھوٹی شاخ کا سردار تھا۔ یہ طاقتور کثیرالافراد خاندان کئی پشت سے دولتمند گھرانوں میں شادیاں کرکر کے قوت بڑھاتا رہا اور پیش نظر عہد میں ملک کی کوئی ۳۶ امارتوں میں سے درجن بھر اسی خاندان یا اس کے رشتہ داروں کے حصے میں آگئی تھیں۔ خاندان کا بزرگ امیر ویسٹ مورلینڈ تھا لیکن اس کی دو بیویوں کی اولاد میں کچھ مدت سے لڑائی چلی آئی تھی دوسری بیوی کا بڑا بیٹا رچرڈ نویل باپ سے بھی بڑھ کر صاحب اثر نکلا کیونکہ اسے اپنی ماں کی طرف سے شیرف ہٹن اور مڈل ہم کے قلعے، اور یارک شہر کی جاگیر ورثے میں ملی اور بیوی جنوب مغربی پرگنوں کی معقول جاگیر کے

علاوہ دار الامرا کی رکنیت بھی جہیز میں لائی۔ اس لئے کہ وہ اُس امیر سالسبری کی بیٹی تھی جو اورلیان کی جنگ میں مارا گیا۔ اس رچرڈ کا بڑا بیٹا جو باپ کا ہمنام تھا،

رچرڈ نویل (صغیر)

این بوشاں سے بیاہا جو امارتِ وارک کی وارث تھی اور اسی جاگیر کے ملنے سے رچرڈ انگلستان کا سب سے بڑا زمیندار ہوگیا۔ کیونکہ ڈسپنسر اور بوشاں دونوں خاندانوں کی جاگیر اسے مل گئی جس میں تقریباً ڈیڑھ سو مواضع اور کوئی پچاس مضبوط گڑھیاں شامل تھیں۔ نوجوان امیر وارک ۱۴۴۹ء میں سن بلوغ کو پہنچا اور چونکہ وہ محنت پسندی اور مستعدی نیز احتیاط و دور اندیشی میں اپنے باپ سے کم نہ تھا، لہذا شہزادہ یارک کا اس گھرانے میں پیوند ہونا نہایت نتیجہ خیز بات تھی سالسبری کی ایک بہن موبرے (امیر نارفک) سے بیاہی اور ایک بھائی ولیم کا رشتہ فالکن برِج کے جاگیر دار کی وارث بیٹی سے ہو گیا تھا۔

کاستی لیوں کی شکست کو دیر نہ ہوی تھی کہ بادشاہ کی سخت علالت کی خبر معلوم ہوئی۔ بہت ممکن ہے کہ اسے اپنے نانا چارلس ششم سے دیوانگی کی سنک ورثے میں ملی ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کاستی لیوں کی ہزیمت سنکر وہ دل شکستہ ہوا ہو۔ بہر حال یہ بات جلد ظاہر ہوگئی کہ اس کا دماغ صحیح نہیں رہا اور دو مہینے کے اندر وہ بالکل بیکار ہوگیا۔ بادشاہ کی رنجدہ علالت کے بعد ہی معلوم ہوا کہ ملکہ مارگریٹ کے ۱۳ر اکتوبر کو بیٹا پیدا ہوا لیکن اس عرصے میں ہینری کا دماغ اس

بادشاہ کی علالت اور ولادت فرزند

درجہ ماؤف ہو چکا تھا کہ مولود کو سامنے لائے تو اس نے نگاہ بھر کر بھی نہ دیکھا۔ بادشاہ کی یہ علالت اور شہزادے کی ولادت نے معاملات کی صورت بالکل بدل دی۔ جب سے ہمفری (شہزادہ گلوسٹر) مرا، یارک کو امید تھی کہ لاولد ہینری کے بعد وہی تخت کا وارث جائز ہوگا اور ۱۴۵۱ء میں دار العوام نے اس قسم کی تجویز بھی کی تھی کہ اس کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا جائے۔ مگر اب قرینہ چاہتا تھا کہ بادشاہی ہینری کے بیٹے کو پہنچے گی لہذا یارک کے دشمنوں کو یہ خوف بھی نہ رہا کہ آیندہ وہ بادشاہ ہوا تو بدلہ لے گا۔ دوسری طرف بادشاہ کی علالت کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ

سمرسٹ کا اقتدار جس بنیاد پر قائم تھا، وہی باقی نہ رہی کیونکہ خود بزم شاہی کے ارکان ایسے بد نام وزیر کا ساتھ دینے سے پھر گئے۔ اس دشواری میں سب کی آنکھیں تدریجی طور پر یارک کی جانب پھر گئیں حسن اتفاق سے انھی دنوں پارلیمنٹ منعقد کی گئی تھی۔ اس میں امیر کبیر یارک ہی نے بادشاہ کی نیابت کی اور عملاً ملک کا سارا انتظام اسی کے ہاتھ میں آگیا۔

سمرسٹ پر حملہ

یہ شدنی امر تھا کہ سمرسٹ پر یارک کے ہمزلف امیر نارفک نے حملہ کیا اور خیانت و غداری کے جملہ الزام عائد کئے۔ دسمبر میں بزم شاہی نے احتیاطاً اسے قلعۂ لندن میں قید کر دیا۔ دوسرے سال پیشکار یعنی کاردینال کیمپ نے وفات پائی اور ایک ہنگامی حکومت کا قیام ناگزیر ہوگیا۔ اُمرا نے مارگریٹ کا دعوٰی کہ زمام حکومت اس کے ہاتھ میں دی جائے قبول نہیں کیا بلکہ یارک کو محافظ مقرر کر دیا۔ اسی کے ساتھ نومولود شہزادہ ایڈورڈ کے حقوق کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا اور یارک اس کا دینی باپ بنا۔ نیا محافظ سلطنت "پستہ قد، ذرا بھاری جسم اور چھوٹے سے کتابی چہرے کا" آدمی تھا مگر اس نے نظم و نسق کی بڑی مستعدی سے اصلاح کی اور بڑے بڑے عہدوں پر بلا تاخیر انھیں مامور کیا جن پر وہ اعتماد رکھتا تھا۔ چنانچہ امیر سالسبری پیشکار، ٹپ ٹوفٹ (امیر ووُرسٹر) خزانہ دار اور وارک مجلس خاص کا رکن مقرر ہوئے۔

یارک کی نگرانی میں ملک کی حالت بہت جلد سنبھل گئی شمال میں نویل خاندان کی چھوٹی شاخ کے خلاف، ٹامس پرسی (امیر اگرے موں) نے لڑائی چھیڑ رکھی تھی۔ اکزیٹر کا امیر کبیر اور بڑی شاخ کے کئی نویل امیر اُس کے مددگار ہوگئے تھے۔ چھوٹی شاخ کا سردار جان نویل تھا جو آگے چل کے امیر مون ٹیگو بنا۔ مگر امیر کبیر یارک کا اتنا اثر تھا کہ اس نے یہ لڑائی رکوا دی سمرسٹ، قلعہ لندن میں محبوس رہا کیونکہ بادشاہ کی علالت کے زمانے میں اس پر مقدمہ چلانا دشواری اور خطرے سے خالی نہ تھا دوسرے قید میں رہ کر وہ کوئی شرارت نہ کر سکتا تھا۔ ملک کی بدنصیبی تھی کہ دسمبر میں بادشاہ کو افاقہ ہونے لگا اور جنوری ۱۴۵۵ء میں

باب سوم

ہینری کی شفایابی وہ پوری طرح شفایاب ہوگیا۔ پھر صحت پاکر پہلا ہی کام اس نے یہ کیا کہ سمرسٹ کو رہا کر دیا اور مجالس شاہی میں اسے دوبارہ وہی فوقیت عطا کی گئی جو پہلے حاصل تھی۔

یارک کے حق میں یہ تغیر بہت تشویش انگیز ہوا۔ اسے نہ صرف اپنی ولایت چھوڑنی پڑی بلکہ دوسرے سب عہدے بھی جاتے رہے اور یہی اس کے دوستوں پر گزری۔ مئی میں شاہی مجلس کا انعقاد ہوا تو یارک اور سالسبری وغیرہ اس کے دوست کسی کو طلب نہ کیا گیا اور طے پایا کہ لیسٹر میں پارلیمنٹ منعقد کی جائے کہ "وہ بادشاہ کی ذات کو اس کے مخالفوں سے بچانے کی تدبیر کرے"۔ یارک کو ذرا شک نہ تھا کہ بادشاہ کے مخالفوں سے کون لوگ مراد ہیں۔ پس یہ سمجھ کر کہ ہاتھ پاؤں ہلانے کا وقت آگیا ہے اس نے اپنی جمعیت تیار کی سالسبری و وارک کو مدد کے لئے بلایا اور یہ اعلان کرکے کہ ہم بادشاہ کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ دشمنوں کی خبریں شرارت، عداوت اور فریب سے بھری ہیں" سیدھی لندن پر پیش قدمی کی۔

ان کے آنے کی خبر سنتے ہی سمرسٹ اور بادشاہ نے مختصر سی فوج لیکر کوچ کیا کہ راستے ہی میں ان کا مقابلہ کریں۔ یہ تین ہزار سپاہی درباری امیروں نے عجلت میں جمع کئے تھے اور ان میں سے تقریباً بارہ امیر اس وقت حاضر تھے جن میں سمرسٹ اور بکنگھم کے امیر کبیر، پیمبرک، ڈورسیٹ، ولٹشر، اسٹیفرڈ اور ڈیون شامل ہیں۔

معرکہ سینٹ آلبنس القصہ، سینٹ آلبنس کے مقام پر فریقین کا مقابلہ ہوا تھوڑی ہی گفت وشنید ہوئی یارک کا یہ مطالبہ مسترد کر دیا گیا کہ بادشاہ ان لوگوں کو جنھیں یارک ملزم گردانتا ہے، حوالے کر دے تاکہ ان کے ساتھ وہ برتاؤ کیا جائے جس کے وہ مستحق ہیں۔ تب یارک کی فوج نے سینٹ آلبنس پر یورش کی۔ سپاہیوں کا نقصان تو کم ہوا لیکن شاہی سرداروں کو بہت نقصان پہنچا کیونکہ بھاری زرہ بکتر کے باعث فراری مشکل ہوگئی تھی۔ خود ہینری تیر سے زخمی ہوا۔ سمرسٹ، امیر نارتھمبرلینڈ اور امیر کلیفرڈ مارے گئے۔

بکنگھم، اسٹیفرڈ، ڈیون اور ڈورسٹ زخم کھاکے گرفتار ہوے۔ پیم برک اور ولٹشر جان بچاکر بھاگ گئے۔

اس لڑائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس طرح ۱۴۵۰ء میں سفک اور اس کے ساتھی وزیروں کا خاتمہ ہوگیا تھا، اسی طرح اب سمرسٹ اور اس کے رفیق غارت ہوگئے یارک کو دوبارہ اقتدار ملا اور اس نے بلاتاخیر اپنے دوستوں کو بحال کر دیا۔ صدر اسقف کنٹربری مسمی بورشئے بڑا ہوشیار اور کسی قدر دنیاساز پادری تھا، وہ صدارت پر برقرار رہا اور اس کا بھائی خزانہ دار مقرر ہوا۔ ورنہ سمرسٹ کی بجائے وزارت جنگ یارک کے اور کالے کی تعلعداری وارک کے ہاتھ آئی۔ سالسبری، امارت لنکاسٹر کا ناظر مقرر ہوا اور پارلیمنٹ نے بھی ان تقررات کی توثیق کر دی۔ اتفاق سے اُنھی دنوں ہنیری پر دوبارہ دورہ پڑا اور یارک پھر محافظ (سرپرست) کے مرتبے پر فائز ہوگیا۔ جنوری میں ہنیری کو شفا حاصل ہوی تو پھر وہی ریشہ دوانیاں ہونے لگیں۔ کیونکہ اب ملکہ مارگریٹ قطعی طور پر اقتدار حاصل کرنے پر تل گئی تھی اور سمرسٹ کی جگہ اپنا رسوخ واثر قائم کرنا چاہتی تھی۔ یارک کو بدنام کرنے کا اُسے یہاں تک خبط تھا کہ فرانسیسیوں کو اس نے سینڈوچ پر حملہ کرنے کا اشارہ کیا۔ اور یقین کیا جاتا ہے کہ اسکاٹ لینڈ والوں کے ایک حملے میں بھی اس کی شرکت تھی۔ ایک دوست سے اس نے اقبال کیا کہ اگر خود میرے گروہ کے بڑے امیروں کو علم ہو جائے کہ میں کیا کر رہی ہُوں تو سب سے پہلے وہی میرے قتل کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں۔

یارک اور مارگریٹ مجموعی طور پر یارک کی حکومت کامیاب رہی۔ وارک نے کالے کی قلعہ داری میں بڑا نام پایا۔ خصوصاً تنگ سمندروں کی پاسبانی میں جو مستعدی دکھائی اور اس میں بارہا اسپین، فرانس وغیرہ کے جہازوں سے دست بدست لڑا، ان کاموں نے اسے بہت مشہور و ہردلعزیز بنا دیا۔ یہ معرکے زمانۂ حال کے بین الاقوامی قانون سے تو مطابقت نہیں رکھتے لیکن وارک کے ملّاح، لندن اور جنوبی بندرگاہوں کے سوداگروں کو اس کا شیفتہ بنانے کے لئے کافی تھے چنانچہ یارک کے بعد ملک بھر میں سب سے مقبول و ممتاز

باب سوم

امیر وارک ہوگیا۔ یارک کے عہد اقتدار میں دوبارہ امن وسکون کے آثار نظر آئے اور عام گیتوں سے پتہ چلتا ہے کہ لوگ آیندہ عہد فراغ وخوش حالی کی امیدیں باندھ رہے ہیں۔ خود بادشاہ اتنا مسرور تھا کہ ۱۴۵۸ء میں اس نے سینٹ پال کے کلیسا میں ایک خاص جلسہ منعقد کیا کہ دونوں فریق کے سرداروں کو آپس میں ملاوے اور وہ دو دو کی قطار میں ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے ہوکر سینٹ آلبنس کے مقتولوں کے حق میں دعائے مغفرت کریں۔

لیکن مارگریٹ دوسرے ہی خیال میں تھی اور یارک اور اس کے دوستوں کو نکال باہر کرنے کی دھن میں لگی ہوئی تھی۔ حتیٰ کہ آہستہ آہستہ اس میں کامیاب ہوگئی۔ بادشاہ کی صحت مندی سے یارک کی ولایت تو از خود ختم ہوگئی۔ پھر دونوں بورشئے اور سالسبری عہدوں سے معزول کردئیے گئے۔ حکومت کی ملکہ کی نگرانی میں از سر نو تنظیم ہوی اور ولٹشر، بومنٹ، شروزبری اور اگزمیٹر کے امرا رکن رکین قرار پائے۔ ۱۴۵۹ء میں مارگریٹ اتنی مضبوط ہوگئی کہ چار سال پہلے یارک کے خلاف جو حملہ ناکام رہا تھا، اس کی تجدید کا ارادہ کرلیا۔ ستمبر میں یارک، لڈلو میں۔ سالسبری، مڈل ہیم اور وارک کلیے میں تھے کہ ملکہ نے بادشاہ کے نام سے فوج فراہم کی اور پہلے سالسبری سے سمجھنے کا ارادہ کرکے، اُسے بلا بھیجا۔ مگر وہ جال میں پھنسنے والا آدمی نہ تھا اور حکم کی تعمیل کرنے کی بجائے اُس نے ۳ ہزار سپاہی جمع کئے اور یارک سے جا ملنے کی غرض سے لڈلو روانہ ہوگیا۔ ساتھ ہی وارک کو خبر دی کہ مدد کے لئے آجائے۔ ملکہ کا منصوبہ اس حد تک تو کامیاب ہوا کہ سالسبری کو لڈلو کے راستے میں شاہی فوج نے بلور ہیتھ کے مقام پر جالیا۔ لیکن یہاں جو لڑائی ہوئی اس میں شاہی فوج کو شکست ہوی اور اس کا سردار اوڈلے مارا گیا اور سالسبری بڑھ کر یارک کے پاس لڈلو پہنچ گیا۔ اسی طرح وارک، ۶ سو سدھے ہوئے سپاہی لیکر ان سے آملا اور اب دونوں طرف ایک بڑی لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ ملکہ کی پشت پر تمام ملک موجود تھا اور اس نے پچاس ہزار سپاہی جمع کرلئے۔ بخلاف اس کے یارک کا فریق وادی سیورن میں گھرا ہوا تھا اور شاہی افواج کے راستے میں آجانے کے باعث اپنی جاگیروں سے بھی

باب سوم

مدد نہ لے سکتا تھا۔ لہذا صرف ۲۰ ہزار آدمی فراہم ہو سکے اور لشکر شاہی کے مقابلے میں آتے ہی ہمت ہار بیٹھے۔ مقام لڈفورڈ (لب ٹیم) پر ایک دوسرے کا سامنا ہوا تو یارک کی سپاہ میں سراسیمگی پھیل گئی۔ وارک کے سدھے ہوئے سپاہی اور ان کا سردار ساتھ چھوڑ کر ملکہ سے جا ملے اور پوری فوج لڑے بھڑے بغیر پراگندہ ہو گئی۔ یارک سے جس طرح بنا، آئرستان پہنچ گیا۔ سالسبری، وارک، اور یارک کا بڑا بیٹا ایڈورڈ امیر مارچ، ڈیون کے ساحل سے جہازوں پر بیٹھکر چل دئے اور یہ بھی وارک کی جہازی قابلیت کا طفیل سمجھئے کہ سلامت کالے پہنچ گئے۔
وقتی طور تو مارگریٹ کو فتح کامل حاصل ہو گئی لیکن فتح سے جو کام لیا وہ ایسا نہ تھا کہ دشمن کی آگ پر پانی پڑ جاتا نہایت عجلت میں پارلیمنٹ کا انعقاد کیا گیا اور اتنی جلدی تھی کہ شاہی ضلعداروں نے عملاً ارکان کو خود نامزد کر دیا۔ اجلاس کے لئے بھی لندن کی بجائے کوونٹری کے انتخاب کرنے سے یہ مطلب تھا کہ یارکی فریق کے اثرات کی روک تھام رہے۔ اجلاس کا مقصدِ خاص یہ تھا کہ باغی سرداروں کو سزا دی جائے۔

کوونٹری کی پارلیمنٹ

رچرڈ ثانی کے زمانے میں بار بار پارلیمنٹ میں مرافعے ہوئے تو ۱۳۹۸ء میں ایک کارگر قانون بنا کے ایسی کارروائیوں کو ناجائز قرار دے دیا گیا تھا لیکن ملکہ کے ہواخواہوں نے ایک زیادہ چلتا ہوا ہتھیار قوانین "آٹینڈر" کی صورت میں ایجاد کیا۔ لفظ "اٹینٹ" کے معنی "خون کی خرابی" کے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ جس کا خون بگڑ جائے وہ نہ خود ملکیت کا مستحق ہے نہ اس کی اولاد وارث ہو سکتی ہے، اس قانون کا استعمال بغاوت کرنے والوں پر کیا جاتا تھا جو املاک سے محروم اور کشتنی قرار دئیے جائیں۔ ضبط شدہ املاک ظاہر ہے کہ بادشاہ کے قبضے میں آجاتی تھیں "خرابی خون" کا فیصلہ، عدالت کی طرف سے سزائے موت کے ساتھ دیا جا سکتا تھا جب کہ کسی پر دغا یا غداری کا جرم ثابت ہو جائے۔ بادشاہ مجاز تھا کہ ضبطی کی سزا میں کمی کر دے اور بعض اوقات ایسے مجرم قتل کر دئیے جاتے لیکن ان کی میراث اولاد کو منتقل ہو سکتی تھی اس قسم کے فیصلے یا قانون کی منسوخی کے واسطے بھی پارلیمنٹ میں اسی طرح باضابطہ تجویز پیش کرنی پڑتی تھی جیسے کسی دوسرے

باب سوم

متقل قانون کی تنسیخ کے لئے ۔ بہرحال یہی ضمنی مگر اشد سزا تھی جس سے کووینٹری کی پارلیمنٹ منعقدہ ۱۴۵۹ء میں یارک، سالسبری اور وارک کے خلاف کام لیا گیا۔ ان کی جان و مال بحق سرکار ضبط کرلی گئیں اور اس شدت کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ نظم ونسق کا اقتدار پانے کے واسطے جو کشمکش ہو رہی تھی اب وہ مرگ وزیست کا مسئلہ بن گئی۔

اس عرصے میں مجرم اُمرا از سرنو لڑنے کی تیاریاں کر رہے تھے اور آیندہ جون میں یارک کا ویلز میں اور سالسبری وغیرہ کا کینٹ میں بیک وقت لنگرانداز ہونا قرار پایا تھا۔ لیکن یارک وقت پر نہ آسکا۔ لہٰذا لڑائی کا آغاز ساتھی امیروں کی طرف سے ہوا کہ رودبار پر وارک کے جہازوں کا تسلط تھا اور وہ بغیر کسی مزاحمت کے سمندر پار ہو گئے ۔ ہینری اور شاہی فریق کو ان کے کینٹ میں لنگرانداز ہونے کی توقع نہ تھی لہٰذا وہ سینڈوچ سے لندن تک کوئی فوج مقابلے میں نہ بھیج سکے اور باغی امرا بغیر لڑے بھڑے لندن میں داخل ہو گئے جہاں اہل شہر نے تپاک سے ان کا استقبال کیا۔ انھوں نے ہر جگہ یہی کہا کہ ذاتی طور پر ہم بادشاہ کے وفادار ہیں اور ہمارا مقصد صرف اچھی حکومت قائم کرنا ہے۔ لندن پہنچ کر انھیں رفیقوں کی بھی کمی نہ رہی حالانکہ پہلی لڑائی میں وہ بے یار و مددگار رہ گئے تھے۔ لیکن ملکہ کی سختی مذبذبین کو بھی اُن کی طرف لے آئی اور تمام جنوب مشرقی اضلاع میں صریحاً انھی کے ہواخواہوں کا غلبہ ہو گیا۔ سالسبری کو قلعۂ لندن کے محاصرے پر چھوڑ کر، وارک اور ایرل مارچ نے نارتھمپٹن کی جانب کوچ کیا جہاں خود بادشاہ، شہزادہ بکنگھم کی مدد سے ایک فوج کی قیادت کر رہا تھا۔ بادشاہ سے ملاقات کی کوششیں ناکام ہوگئیں تو وارک نے حملے کا حکم دیا اور دغابازوں کی اعانت سے خندقیں چھین کر شاہی فوج کو مار بھگایا۔ مارگریٹ اپنے بچے کو لیکر نکل گئی مگر ہینری پکڑا گیا۔ سینٹ البنس کی طرح اس معرکے میں مجموعی نقصان کے تناسب سے سرداروں کا نقصان کہیں زیادہ ہوا اور انھی مقتولوں میں بکنگھم شامل تھا۔

نارتھمپٹن کے معرکے نے یارکی فریق کو جنوب اور وسطِ انگلستان میں پوری طرح مسلط کر دیا تھا لہٰذا مارگریٹ کے تعاقب کی زحمت اٹھائے بغیر وارک و مارچ، بادشاہ کو لئے ہوئے لندن چلے آئے۔ یہاں پہنچ کر ہینری کے نام سے

یارک کا دعویٰ تخت

حکومت میں تبدیلی کا اعلان کیا گیا جیسا کہ سینٹ آلبنس کے بعد ہوا تھا شمال کے ۶ پرگنوں کا سپہ سالار سالسبری مقرر ہوا۔ جارج نویل داسقف اکزیٹر، پیشکار جان نویل، حاجب اور امیر بورشیئے خزانہ دار بنائے گئے۔ اکتوبر میں پارلیمنٹ منعقد ہوی۔ انتخابات یارکی فریق کے زیر اثر ہوے تھے لہذا "خرابی خون" کے جملہ قوانین جن کا کوونیٹری میں نفاذ ہوا تھا، منسوخ کر دیے گئے۔ اجلاس کے تیسرے دن شہزادۂ یارک لندن پہنچ گیا اس نے راستے ہی میں بادشاہی شان قائم کر لی تھی۔ ولیسٹ منسٹر پہنچ کر یہاں تک جسارت کی کہ محلسرا میں گھس گیا اور ہینری کو مجبور کیا کہ شاہی کمرے خالی کر دے۔ دوسرے دن وہ دار الامرا میں آیا اور علانیہ رچرڈ ثانی کے وارث کی حیثیت سے تخت کا دعویٰ کیا۔ لیکن یہ فعل اس کے پکے خیر خواہوں کو بھی حد سے متجاوز نظر آیا۔ امیروں نے تائید میں زبان تک نہ ہلائی اور وارک نے صاف صاف اس حرکت کو ناپسند کیا جس میں ہینری کی اطاعت کیشی کے حلفوں کی صریحی خلاف ورزی، اور یارکی حکمت عملی کے جملہ اعلانات کی کامل تردید مرکوز تھی آخر میں بین راہ نکالی گئی۔ یارک بادشاہ نہ ہوا مگر ولی عہد بنا دیا گیا اور شہزادۂ ویلز اور ولی سلطنت کے القاب سے ملقب ہوا۔ ہینری نے بھی یہ قرار داد قبول کر لی اور پارلیمنٹ کے ایک قانون سے اس کی توثیق ہو گئی۔

معرکۂ ویک فیلڈ

لیکن اس انتظام پر عملدرآمد کا انحصار یارک و ماگریٹ کی متقابل فوجی قوت پر تھا۔ یہ ملکہ خود ویلز میں تھی مگر اس کے رفیق شمال میں امیر نارتھمبرلنڈ، امیر کلفرڈ اور نویل کی سرداری میں لشکر جمع کر رہے تھے۔ ان میں پہلے دو سینٹ آلبنس کے مقتول امیروں کے بیٹے تھے اور نویل، امیر ولیسٹ مورلینڈ کا بھائی تھا۔ زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ ہینری بوفرٹ (امیر کبیر سمرسٹ) شہزادۂ اکزیٹر اور لینکاسٹری فریق کے دوسرے عمائد بھی ان سے آملے۔ ان پر نظر رکھنے کی غرض سے یارک اور سالسبری، چھ ہزار سپاہی لیکر ویک فیلڈ کے قریب سینڈل کاسل تک بڑھے اور امدادی افواج کا انتظار کر رہے تھے کہ ۳۰ دسمبر کے دن، کلفرڈ نے چکمہ دے کر یارک کو جوش میں ایک بڑی فوج کے مقابل کھینچ بلایا اور اسی لڑائی میں وہ خود مارا گیا اور سالسبری گرفتار

باب سوم

ہوگیا۔ یارک کا منجھلا بیٹا، رٹ لینڈ سترہ سال کا خوش رو جوان تھا، وہ بھی بھاگتے میں کھیت رہا اور بدنصیب سالسبری کا بلا ناخیر پونٹ فریکٹ میں سر قلم کرادیا گیا۔ پھر اسے اور یارک کے کو کمال بے دردی سے قصبۂ یارک کے پھاٹک پر رکھدیا گیا اور یارک کے بریدہ سر کی ایک کاغذ کے تاج سے زینت بڑھائی

مارگریٹ کی پیش قدمی

ویک فیلڈ کی فتح سے مارگریٹ کو بظاہر ایسا غلبہ حاصل ہوگیا کہ شمال کے لوگ جوق در جوق اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونے لگے اور زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ اس کے لشکر میں ۶۰ ہزار آدمی بھرتی ہوگئے۔ لیکن اس کی فتح ہی کمزوری کا موجب تھی کیونکہ شمال کے وحشی سپاہیوں کی نسبت افواہ پھیل گئی کہ ٹرینٹ کے پار اُتر کے وہ بے روک لوٹ مار کے ارادے اور دعوے رکھتے ہیں۔ جنوبی اضلاع میں ان خبروں سے سخت سراسیگی پھیلی اور لڑائی نے واقع میں ایک ایسی ملکی جنگ کی صورت اختیار کرلی جو پہلے کبھی نہ کی تھی۔ اب تک زیادہ تر امرا کی جمعیتیں جنگ کا بار اٹھاتی رہی تھیں لیکن اس موقع پر پہلی مرتبہ قصبات وشہر کے لوگ میدان میں نکل آئے اور امن دوست شہریوں اور مسکین کسانوں نے شمالی دلدلوں کے بسنے والوں کا مقابلہ کیا۔ امن پسندوں کو صاف نظر آتا تھا کہ صرف یار کی فریق کی کامیابی امن وحسن انتظام کی کفیل ہوسکتی ہے۔

مورٹمر کراس اور سینٹ آلبنس کا معرکہ

بہت جلد چار حریف میدان میں آگئے۔ مارگریٹ تو شمالی افواج کے ساتھ آرمائن اسٹریٹ کے راستے لندن پر بڑھ رہی تھی۔ راستے میں اس کی فوج نے گرنتھم وغیرہ چار قصبوں کو لوٹ بھی لیا۔ دوسری سمت سے وارک تیس ہزار کا لشکر لے کر سینٹ آلبنس پہنچ گیا کہ مارگریٹ کو لندن جانے سے روکے۔ سیورن کی وادی میں امیر مارچ دس ہزار کی جمعیت لئے پڑا تھا جو مورٹمر کی جاگیروں سے فراہم کی گئی تھی اور اس کے عقب میں جیس پر ٹیوڈر (امیر پمبروک) ویلزیوں کی جمعیت لئے آرہا تھا کہ ملکہ کو مدد دے اور موقع ملے تو مارچ کی فوج پر حملہ کردے۔ اسی اندیشے سے مارچ نے سیورن کو عبور کرنا بے سود سمجھا کیونکہ

باب سوم

گو اس کی عمر انیس سال سے زیادہ نہ تھی مگر وہ ایک سپہ سالار کا وجدان رکھتا تھا، چنانچہ پیمبرک کی جمعیت کو سلامت چھوڑ کر آگے جانے کی بجائے وہ پلٹ کر مورٹمر کراس کے مقام میں دشمن پر آپڑا اور ۲ر فروری ۱۴۶۱ء کے روز پیمبروک کو کامل شکست دی۔ پیمبرگ کے بوڑھے باپ اوین ٹیوڈر میدان جنگ ہی میں مروا دیا گیا۔

اب ایڈورڈ (امیر مارچ) وارک کی مدد کے لئے بہ سرعت روانہ ہوا تھا کہ اکسفرڈ شر تک پہنچتے پہنچتے خبر ملی کہ سینٹ آلبنس کی دوسری لڑائی میں وارک نے ۱۷ر فروری کو شکست کھائی۔ شکست کا ایک سبب تو بدانتظامی تھی اور دوسرے بعض ساتھ والوں کی غداری۔ دراصل وارک کی صفیں اتنی دور تک پھیلی ہوئی تھیں کہ جلد جمع نہ ہو سکتی تھیں۔ جاسوسوں کی کسی غلطی سے لینکاسٹری حملے کی اطلاع بھی وقت پر نہ دی گئی اور ادھر لڑائی شروع ہوتے ہی کینٹ والوں کا ایک گروہ ساتھ چھوڑ کر ہٹ گیا اور لینکاسٹری حملہ آور صفوں کے اندر گھس آئے۔ صفوں میں سخت ہل چل پڑ گئی اور یارکی سپاہی میدان سے پسپا کر دیئے گئے۔ وارک نے بہ مشکل چند ہزار آدمیوں کو روکے رکھا اور چیپنگ نورٹن کے مقام پر ایڈورڈ (امیر مارچ) سے جا ملا۔ لیکن لندن کی سڑک اب دشمن کی پیش قدمی کے لئے بالکل کھلی رہ گئی۔

لندن کی مخالفت مارگریٹ سے۔ امیر مارچ کا بادشاہ منتخب ہونا

اب بازی ملکہ کے ہاتھ میں معلوم ہوتی تھی۔ شاہ ہنیری بھی سینٹ آلبنس کی لڑائی میں دوبارہ ہاتھ آگیا اور کامل فتح میں سوائے لندن پہنچ جانے کے اور کوئی کسر نہ رہی۔ لیکن اس نازک موقع پر مارگریٹ نے بڑی کمزوری دکھائی یعنی اتنا وقت ضائع کر دیا کہ لندن والوں کو اطلاع مل گئی کہ وارک اور مارچ ابھی تک میدان میں ہیں اور ان کی مدد کے لئے بڑھ رہے ہیں۔ جس سے خود ان کے حوصلے بڑھ گئے اور انھوں نے رسد کی گاڑیاں جو مارگریٹ کی فوج کے لئے اجناس وغیرہ لے جا رہی تھیں، روک لیں اور دوسرے دن خود وارک اور مارچ لندن میں داخل ہو گئے۔ دوسری صبح ایک سیاسی

انقلاب عمل میں آیا۔ ۴ مہینے پہلے یارک نے تخت شاہی پر قبضہ کرنا چاہا تو سب نے ناپسند کیا تھا لیکن ویک فیلڈ اور سینٹ آلبنس کی لڑائیوں نے اور سب سے بڑھ کر شمالیوں کی غارتگری نے جہاں تک جنوبی انگلستان کا تعلق ہے لوگوں کے دل میں ہینری کی کوئی جگہ باقی نہ چھوڑی اُسے ذاتی طور پر لوگ بے قصور سمجھتے تھے مگر یقین ہوگیا تھا کہ ملکہ کے ایسے طرزِ عمل کے بعد اُسے تختِ شاہی پر برقرار رہنے دینا کسی طرح قرینِ عقل نہ ہوگا۔ جب تک وہ سب فریقوں سے الگ رہا۔ اس وقت تک وارک جیسے مصلحت اندیش لوگ آمادہ تھے کہ وہ برائے نام بادشاہی کرتا رہے اور زمامِ حکومت خود اُن کے ہاتھ میں آجائے۔ لیکن مارگریٹ کی نالائقی نے ہینری کو بھی فریق بنا دیا تھا لہذا اب اس کا بادشاہ رہنا ناممکن تھا۔ چنانچہ ۹ر مارچ، اتوار کے دن کلارکن ویل فیلڈز میں اکزیٹر کے اُسقف جارج نویل نے سپاہیوں کو مخاطب کیا اور ایڈورڈ امیر مارچ کے حقوق بادشاہی بتائے۔ اس تقریر پر خوشی کے نعرے بلند ہوئے تو وارک نے صدر اسقف بورشئے اور نارفک وغیرہ امرائے کبار سے کو مؤید بنا کے یارکی فریق کے عمائد کا جلسہ کیا اور ایڈورڈ کو بادشاہ منتخب کرنے کی رسم ادا کر کے ایڈورڈ چہارم کے لقب سے اس کی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔

مشہور واقعات

محاصرہ اورلیان	۱۴۲۹ء
بیڈفرڈ کی وفات	۱۴۳۵ء
گلوسٹر و بوفرٹ کی وفات	۱۴۴۷ء
کیڈ کی بغاوت	۱۴۵۰ء
خانہ جنگیاں	۱۴۵۵ء

باب چہارم

ایڈورڈ چہارم - ۱۴۶۱ء تا ۱۴۸۳ء

ولادت: ۱۴۴۱ء - ازدواج: ۱۴۶۴ء با الزبیتھ وُڈویل

معاصرین: اسکاٹ لینڈ.................جیمس ثالث

فرانس.................لوی یازدہم

نئے بادشاہ کی باضابطہ تاج پوشی کی رسم منانے کی کسی نے فکر نہ کی کیونکہ کوئی نہ کہ سکتا تھا کہ کس وقت ہائی گیٹ ہِل پر مارگریٹ کے پھریرے اُڑتے نظر آئیں گے اسی لئے جب خبر آئی کہ اس کی فوج واپس جا رہی ہے تو شہر میں بڑی خوشی ہوی۔ اہل میں اہل شمال کو جنوب کی طرف آنے میں بڑا لالچ لوٹ مار کا تھا لیکن ہینری نے آزادی پاتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ لوٹ مار کی مطلق ممانعت کی منادی کرادی۔ مارگریٹ کے سپاہی بہت جلے۔ بعض نے تو لشکر کا ساتھ چھوڑ کر اپنے آپ قزاقی شروع کر دی اور بعض جلدی سے اپنے گھروں کو چل دیئے کہ جو کچھ لوٹا تھا، اُس پر آنچ نہ آنے پائے۔ جو لوگ رہ گئے، وہ بھی اس قدر دل برداشتہ تھے کہ سرداروں نے صاف کہ دیا کہ پسپائی کے بغیر چارہ نہیں۔ چنانچہ ایڈورڈ کی بادشاہی کا جس روز اعلان ہوا،

اسی دن ہینری اور مارگریٹ بادل ناخواستہ شمال کی سمت واپس ہوئے۔

ٹاوٹن

ان کا تعاقب کرنے میں کوئی غفلت نہ کی گئی۔ ۱۰ مارچ کو جمعیت اصلیہ لندن سے روانہ ہوئی اور ۲۶ کو ایڈورڈ، پونٹے فریکٹ میں تھا۔ اس کی فوج کی تعداد ۴۰ ہزار تھی وارک اور اس کا چچا، نارفک، امیر فالکن برج اور خود ایڈورڈ قیادت کر رہے تھے۔ ہر جنوبی ضلع کے آدمی فوج میں موجود تھے کیونکہ شمالیوں نے بڑی بے دردی سے کام لیا تھا اور ہر جنوبی جسے کسی نقصان کا اندیشہ تھا، اس غارتگری کے سلسلے کو ہمیشہ کے واسطے جس طرح ہو سکے ختم کرنے کی دھن میں تھا۔ چنانچہ کوونٹری والے اپنے "کالے مینڈھے" کا جھنڈا لئے ہوئے تھے برسٹل والوں کے پھریرے پر جہاز کی تصویر تھی۔ ٹرینٹ اور ڈون کے خط سے گزرنے کے بعد اہل شمال کی فوج نے، ایرو وہارف کے درمیان پلٹ کر لڑنے پر تیار ہوگئی اور ایک بلند میدان میں جو ٹاوٹن فیلڈ کہلاتا ہے، ڈیرے ڈال دیئے۔ کاسل فرڈ اور فیری برج (ایرپر)



کے ٹیڈکاسٹر کو جانے والے راستے یہاں مل جاتے ہیں اور خود ٹیڈکاسٹر

اس میدان سے کوئی چار میل جنوب میں تھا۔ ایڈورڈ نے منزلیں مار کے ایر کے معبر پر قبضہ کرلیا۔ شاہی فوج کے سردار کلفرڈ نے فیری برج کی گزرگاہ دوبارہ چھین لی تھی لیکن امیر فالکن برج، کاسل فرڈ کے مقام سے پار ہوگیا اور جب کلفرڈ نے ٹاؤٹن کی طرف ہٹنا چاہا تو اُسے راستے میں جالیا اور اسی لڑائی میں کلفرڈ مارا گیا۔

دوسرے دن، یعنی ۲۹ مارچ کو یوم النخلہ (Palm Sunday) تھا۔ ایڈورڈ، وارک اور فالکن برج نے بڑی جمعیت لیکر بلند میدان پر یورش کی۔ امید تھی کہ نارفک جو پوسنتے فریکٹ میں علیل ہوکر رہ گیا تھا، حسب وعدہ بڑی لڑائی کے وقت کمک کو آجائے گا اور اسی پر حملہ آوروں کو بہت کچھ بھروسہ تھا۔ دوسری جنگ شروع ہوئی تو یارکی فریق کو ایک برف کے طوفان سے بڑی مدد ملی کہ اس موقع پر فالکن برج نے اپنے تیر ادھر اُدھر چلاکر لینکاسٹری فوج کو دھوکے میں رکھا مگر اصلی لڑائی دست بدست ہوی۔ کئی گھنٹے تک کوئی فریق غلبہ نہ پاسکا۔ مگر جب نارفک آیا تو اس کا حملہ میسرہ پر لینکاسٹریوں کے حق میں مہلک ثابت ہوا کیونکہ میمنہ ایک گہری گھاٹی پر قائم تھا اور ہر طرف سے گھرنے کے بعد ساری صفیں پیچھے ہٹنے لگیں۔ اہل شمال گھر کر بھی بڑی تندی سے لڑتے رہے لیکن آخر دس گھنٹے کی لڑائی نے انھیں گھاٹی کے کنارے پر پہنچادیا جس میں نیچے کوک بیک کی ندی بہتی تھی اور اُس وقت طغیانی کی حالت میں تھی۔ اس مصیبت نے اُن کو اور بھی تباہ کرادیا کیونکہ ہزاروں آدمی اس ندی میں گر کر ہلاک ہوے اور کہا جاتا ہے کہ کم سے کم ۲۷ ہزار لاشے میدان میں گاڑے گئے۔ جنگ کے وقت ہنری اور مارگریٹ، یارک میں تھے اور شکست کے بعد انھوں نے اسکاٹ لینڈ میں پناہ لی۔

شمال کی فتح

ٹاؤٹن سے ایڈورڈ، یارک کے راستے ڈرہم پہنچا مگر لینکاسٹری فوج کو پراگندہ دیکھکر خود واپس لندن آگیا اور پرسیوں کے قلعے، الن وک، بیم برو وغیرہ کی تسخیر، نیز اسکوٹوں کے کسی حملے کی جسے مارگریٹ تیار کرے روک تھام وارک کے تفویض کرآیا۔ ان قلعوں کی فتح کافی دشوار

ثابت ہوئی اور کئی کئی بار وہ ہاتھ سے نکلے اور پھر مسخر ہوئے، تب کہیں یارک کی فریق کا قبضہ مستقل ہوا۔ ان لڑائیوں میں سب سے زیادہ جانفشانی وارک اور اس کے بھائی نویل کو کرنی پڑی جو ٹاؤٹن کی جنگی خدمات کے صلے میں امیر مون ٹیگو بنا دیا گیا تھا۔ اُدھر غصے اور انتقام کی آگ نے مارگریٹ کے دل سے حبِّ وطن کے رہے سہے جذبات فنا کر دیئے تھے۔ اسکوٹوں کو رشوت میں بَرِک پیش کیا گیا اور فرانسیسیوں کو مدد کے عوض میں کالے تک کا لالچ دلایا گیا۔ اس قیمت پر یہ دونوں قومیں لینکاسٹری فریق کی طرفدار بن گئیں۔ اسکوٹوں نے کئی بار سرحد عبور کی اور لوئی نے دو ہزار جوان انگلستان میں اُتارے، لیکن آخر کار ۱۴۶۲ء کے جاڑوں میں خود اسکاٹ لینڈ پر حملہ ہوا تو وہاں کی مجلس نیابت کے ہوش درست ہوئے اور مارگریٹ نے جو اس ملک میں مرکز بنا رکھا تھا، اس سے محروم کر دی گئی۔ فرانسیسیوں کی تگ و دَو بر سیوں کے قلعوں تک محدود رہی۔ امیر کبیر سمرسٹ نے ۱۴۶۳ء میں آخری مرتبہ قسمت کی بازی لگائی تھی مگر مون ٹیگو نے اپریل میں بمقام ہیج لی مور اور دوبارہ مئی میں بمقام ہیکزم شکست دی اور اس کے بعد سمرسٹ اور دوسرے سرداروں کو فوراً قتل کرا دیا۔ گرمیوں میں تینوں قلعوں نے ہتیار ڈال دیئے اور شمال میں جنگ ختم ہو گئی۔ ویلز میں کہیں کہیں بعض گڑھیاں سرکشی پر قائم رہیں۔ انھی میں قلعہ ہارلک تھا جہاں ایڈمنڈ ٹیوڈر اور مارگریٹ بوفرٹ کے بچے ہینری کی تعلیم و تربیت ہو رہی تھی جس کی قسمت میں آگے چل کے شاہ ہینری ہفتم ہونا لکھا تھا۔ ۱۴۶۵ء میں (واڈنگٹن ہال (قریب کلدھرو) میں شاہ معزول ہینری ششم گرفتار ہو گیا جو کہ مارگریٹ کے اسکاٹ لینڈ سے نکل جانے اور اپنے نکالے جانے کے بعد سے لینکاشر وغیرہ علاقوں میں بے ٹھکانے پڑا پھر رہا تھا۔ اس سے ایڈورڈ کی قوت اور مضبوط اور بے خطر ہو گئی۔ شمال کے فتنہ و فساد دُور کرنے میں ایڈورڈ نے ذاتی طور پر زیادہ حصہ نہیں لیا بلکہ زیادہ تر جنوبی انگلستان میں رہا کیوں کہ فرانسیسی حملے کا امکان زیادہ اندیشہ ناک بات تھی اور بادشاہ کا قریب رہنا ضروری تھا۔ اس بادشاہ کی خوخصلت کو صحیح طور پر بیان کرنا مشکل ہے۔ صورت کے اعتبار سے وہ قدآور، مضبوط اور شاہانہ شان کا

بادشاہ کی سیرت

باب چہارم

آدمی تھا اور اپنے زمانے میں سب سے شکیل کہا گیا ہے۔ جنگجوئی کی بڑی قابلیت تھی اور سیاسی معاملات میں اس نے شروع سے ریشہ دوانی میں کمال مہارت دکھائی جسے ان دنوں بڑا تدبر سمجھا جاتا تھا۔ آداب ظاہری کے لحاظ سے ملنسار اور خندہ پیشانی، دوستوں کا دل اور عوام الناس کی واہ واہ لینے کے فن سے خوب واقف اور شخصی دلاوری اور ظرافت کے باعث مقبول عام و خاص تھا۔ لیکن ان خوبیوں کے علاوہ بعض وہ اوصاف بھی تھے جو اس کے باپ یا ننھیال کی نہیں، بلکہ پردادا ایڈمنڈ (امیر کبیر یارک) کی یاد دلاتے تھے۔ چنانچہ وہ عیش پسندی میں کسی سے کم نہ تھا اور خواہشوں کے پورا کرنے میں مطلق اعتدال واحتیاط سے کام نہ لیتا تھا۔ خاص خاص موقعوں پر غیر معمولی محنت و مستعدی دکھانے کی قابلیت ضرور تھی لیکن عام طور سے کاہلی اور تن آسانی میں پڑا رہتا۔ معلوم ہوتا ہے صحیح معنی میں اعلیٰ تدبّر کا اُسے شعور نہ تھا جس کا ثبوت وہ طریق عمل ہے جو بیرونی معاملات میں اس نے اختیار کیا۔

فرانس کے ساتھ انگریزی طرز عمل

سیاسیات کے اس شعبے میں اصل مسئلہ یہ تھا کہ انگلستان کی فرانس کے ساتھ کیا روش ہونی چاہئے۔ اس بارے میں ایڈورڈ کے خاص رفیق، امیر وارک کی رائے بہت واضح اور مدبّرانہ تھی۔ وہ لڑکپن سے جوان ہونے تک نارمنڈی کی کشمکش کا تماشہ دیکھتا رہا تھا اور جنگ جاری رکھنے کو دو سبب سے غیر مفید سمجھتا تھا۔ اول تو اس لئے کہ انگلستان کا فرانس کو فتح کرنا ناممکن العمل تھا اور جنگ سے بجز صرفِ کثیر کے کچھ نفع ہوتا نظر نہ آتا تھا۔ دوسرے فرانس سے لڑائی جاری رہنے کی صورت میں وہ ملک لنکاسٹری گروہ کی بہترین جائے پناہ بن جاتا اور فرانسیسی، انگلستان کی خانہ جنگی قائم رکھنے کے لئے برابر ایک فریق کو مدد دیتے رہتے۔ غرض وارک نے صلح کی وکالت کی اور اسے مزید تقویت دینے کے واسطے یہ بھی چاہا کہ ایڈورڈ کی کسی فرانسیسی شہزادی سے شادی ہو جائے۔ ایڈورڈ نے اس حکمت عملی کی علانیہ کوئی مخالفت نہ کی بلکہ اجازت دی کہ وارک ہنگامی صلح اور پھر شادی کے متعلق نامہ و پیام سے جملہ شرائط طے کر لے۔ لیکن ۲۰ ستمبر ۱۴۶۴ء کے دن جب کہ

باب چہارم

وارک اور شاہ لوی کی ملاقات میں چند روز کی دیر رہ گئی تھی، ایڈ ورڈ نے یک بہ یک اعلان کیا کہ یہ سب نامہ و پیام محض بناوٹ تھی کیونکہ پہلی ہی مئی کو میری لیڈی الزبیتھ گرے سے شادی ہو چکی ہے۔

یہ خاتون، شہزادی بیڈ فرڈ کی (دوسرے شوہر، رچرڈ وُڈ وِل سے) بیٹی تھی اور لڑکپن میں اس کی پہلی شادی جان گرے سے ہو چکی تھی جو سینٹ آلبنس کے دوسرے معرکے میں ہینری کی طرف سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ ۱۴۶۴ء میں لیڈی گرے کی عمر ۳۱ سال کی اور وہ ۱۱، اور ۱۲ سال کے دو بچوں کی ماں تھی۔ وہ لینکاسٹری فریق کی حامی تھی اور اسے ملکہ بنانے سے کوئی سیاسی فائدہ نظر نہ آتا تھا لہٰذا یہ شادی اس اعتبار سے قطعاً نامستحسن تھی مگر ایڈ ورڈ اس کا اتنا مفتون ہوا کہ پہلی مئی کو گریفٹن میں خفیہ شادی کر لی البتہ شادی کے بعد اُس نے نئے رشتے سے سیاسی فوائد حاصل کرنے کی فکر کی اور اپنے سسرالی رشتہ داروں کو طاقتور خاندان نویل کے مقابلے میں بڑھانا

نئی ملکہ اور وارک

چڑھانا چاہا کہ وارک کا اقتدار بھی کم ہو جائے۔ چنانچہ آیندہ سات سال کی تاریخ میں بجز اس کے کوئی بات قابل ذکر نہیں کہ نوجوان وزیرک بادشاہ اور ادھیڑ اور کائیاں وارک میں، جس نے ایڈ ورڈ کو ایڈ ورڈ بنایا تھا، اقتدار و جاہ کے لئے کشاکش ہوتی رہی۔

اِس بازی کی ابتدا یوں ہوی کہ بادشاہ نے ملکہ کے خاندان کے ہر قابل کتخدائی زن و مرد کو (یعنی کوئی ۶ شخصوں کو) اُمرا کے گھرانوں میں بیاہ دیا۔ خسر کو خزانہ دار، پھر امیر اور آخر میں میر بخشی یا وزیر جنگ مقرر کیا۔ علاوہ ازیں، وارک کی رائے کے سراسر خلاف، اپنی بہن مارگریٹ (دبار کی) کی شادی والی برگنڈی کے بڑے بیٹے چارلس (رئیس شاروے) کے ساتھ کر دی حالانکہ والی برگنڈی شاہ فرانس کا جانی دشمن تھا۔ وارک بھی موقع کی تاک میں تھا۔ اس نے جواب میں اپنی بڑی بیٹی ازابل اور بادشاہ کے چھوٹے بھائی شہزادہ کلیرنس کا پیوند کرنے کی تیاری کی لیکن اسے ایڈ ورڈ نے حکماً روک دیا اور وارک نے اندر ہی اندر سازشیں کرنی شروع کیں جو اگرچہ پوری طرح ظاہر نہ ہوئیں مگر یقین کیا جاتا ہے کہ ۱۴۶۹ء کے مفسدے انھیں کی بدولت وجود میں آئے۔

باب چہارم

اسی سال، اپریل میں وارک نے اپنی بیوی اور دو بیٹیوں کو کالے بھیجدیا اور جون میں یارک کی نواح میں بغاوت پھوٹ پڑی اس کا سرغنہ رابرٹ ہلڈیارڈ تھا (جسے رِڈِس ڈیل کا رابن بھی کہتے ہیں۔) فساد کی ابتدا مقامی بدنظمیوں کی

روبن کی بغاوت

بنا پر ہوئی اور وارک کے بھائی امیر مون ٹیگو نے اسے جلد فرو کر دیا۔ روبن کو قتل کی سزا ملی لیکن زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اس کا نام اور جگہ سرجان کونیرز نے لی جسے وارک کی ایک بھانجی بیاہی تھی۔ نویل خاندان کے دوسرے افراد بھی باغیوں سے مل گئے اور جنوب کی طرف روانہ ہوئے اور پہلے ہی معرکے میں شاہی فوج کو شکست دی۔ یہ لڑائی بین بری کے قریب ایج کوٹ میں ہوئی۔ شاہی فوج کا سردار ہربرٹ تھا اور اُسے جیسپر ٹیوڈر کو شکست دینے کے صلے میں امیر پیم بروک بنایا گیا تھا۔ باغیوں نے ۲۶ جولائی کو اسے شکست دینے کے بعد قتل کر دیا اور زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ بادشاہ کے خسر اور اس کے بیٹے کو بھی گرفتار کر کے کونیٹری میں سر قلم کرا دیئے۔ ہربرٹ اور وڈ ویل خاندان والوں کو وارک سے پرخاش تھی۔ لہٰذا ان کے قتل میں اس کا اشارہ سمجھا جاتا ہے۔ اور یہ تو واقعہ ہے کہ جونہی ایڈورڈ کے بغاوت فرو کرنے کی غرض سے شمال میں گیا، اس کا بھائی کلیرنس چپکے سے کالے چل دیا اور بتاریخ ۱۱ جولائی ازابل سے عقد کر لیا۔ پھر وارک اپنے نئے داماد کے ساتھ بعجلت کینٹ پہنچے اور نویل خاندان کو برانگیختہ کر کے بادشاہ کو جا گھیرا۔ ایج کوٹ کی شکست اور اکثر ساتھیوں کے دغا دینے سے بے دست و پا ہو گیا تھا۔ ایڈورڈ

ایڈورڈ، وارک کے اختیار میں۔

سمجھ گیا کہ اس وقت مزاحمت بے سُود ہو گئی لہٰذا اس نے سر اطاعت خم کر دیا اور وارک کے تمام مطالبے قبول کر لئے۔ پھر نظر بندوں کی طرح وارک کے ساتھ کوونٹری وغیرہ چلا گیا لیکن وہ اتنا ہر دلعزیز تھا کہ زیادہ دن تک اس کے ساتھ قیدیوں کا سا برتاؤ کرنا غیر ممکن تھا لہٰذا اکتوبر میں وارک نے اپنے اور کلیرنس کے لئے بہترین شرطیں طے کر کے اُسے آزاد کر دیا۔

دوسرے سال پھر لنکن شر میں بغاوت برپا ہوئی اور عجب نہیں کہ

اس میں بھی وارک کا ہاتھ ہو۔ مگر اب کے ایڈورڈ نے بڑی مستعدی سے کام لیا اور خود جا کے باغیوں کی سرکوبی کی۔ انھیں ۱۲ ماہ مارچ کو کاسٹرٹن میں شکست ہوئی اور وہ جس طرح اپنے کوٹ اور بلّے پھینک پھینک کے بھاگے تھے، اُس کی بنا پر یہ لڑائی عوام الناس میں "لُوز کوٹ فیلڈ" کہلانے لگی۔ اس کامیابی سے وارک کا داؤ اُلٹ گیا اور وہ اپنے داماد کو لیکر کالے چل دیا۔ مگر وہاں اس کے دوست جون دین لوک نے غالباً بادشاہ کے اشارے یا قرارداد کے باعث، اُتارنے سے انکار کیا اور وہ لُوی یازدہم کا مہمان بن کر فرانس کے علاقے میں اُترا حالانکہ لُوی، ایڈورڈ سے ہنوز برسرِ جنگ تھا۔

لُوی نے اس موقع سے پورا فائدہ اٹھایا اور سفارت وسیاست کی ساری شاطری اس پر صرف کی کہ وارک اور ہینری معزول کی ملکہ مارگریٹ میں اتحاد ہو جائے۔ مارگریٹ اور اس کا بیٹا ایڈورڈ جواب سترہ سال کا نوجوان تھا، پہلے سے لُوی کے ملک میں پناہ گزیں تھے۔ بہرحال، لُوی کو توقع سے بڑھ کر کامیابی ہوئی اور یہ معاہدہ ہوگیا کہ شہزادہ ایڈورڈ کا عقد وارک کی منجھلی بیٹی این سے ہو جائے گا۔ اور ایڈورڈ کو ہٹا کے ہینری ششم کو بحال کرنے کی غرض سے ایک مہم روانہ کی جائے گی۔ اس عجیب معاہدے میں ایک فریق، یعنی مارگریٹ تو اس تجویز کو حصول سلطنت کی آخری قسمت آزمائی سمجھی اور وارک نے غالباً یہ خیال کیا کہ ایڈورڈ سے تو قطعی بگاڑ ہو چکا ہے اب اپنے ولی مقصد، یعنی خاندان نویل کی سربلندی قائم رکھنے کی بہترین سبیل یہ ہوگی کہ لینکاسٹری خاندان کو دوبارہ مالک تاج وتخت بنا دیا جائے۔ البتہ شہزادہ کلیرنس کی نظر میں یہ ساری قرارداد نہایت مکروہ تھی اور اس نے بلاتاخیر اپنے بھائی (شاہ ایڈورڈ) سے خفیہ خط کتابت کرکے یہ طے کرلیا کہ جیسے ہی وارک انگلستان میں لنگرانداز ہو، کلیرنس اسے چھوڑ کر اپنا راستہ لے۔

وارک اور مارگریٹ کا اتحاد

وارک کا حملہ انگلستان پر

جولائی ۱۴۷۰ء میں وارک اور مارگریٹ کے درمیان سب قول قرار طے ہوگئے۔ انگلستان بھر میں وارک کی مراجعت کی

باب چہارم

اطلاعیں دے دی گئیں اور یہ انتظام بھی ہو گیا کہ ایڈورڈ کو راستے سے دور کھینچنے کے لئے شمال میں شورش کرا دی جائے لیکن ایڈورڈ کے بہنوئی۔ والی برگنڈی کے جہاز جب تک رودبار انگلستان پر مسلط تھے، اس وقت تک اُسے عبور کرنا محال ثابت ہوا۔ البتہ ستمبر میں موسمی تموّج نے برگنڈی کے بیڑے کو لنگرگاہ میں پناہ لینی پڑی اور ۲۵ر تاریخ وارک، لینکاسٹری فریق کے عمائد اور شہزادہ کلیرنس کے ساتھ ڈارٹ متھ میں بلامزاحمت لنگرانداز ہوا۔ منصوبے کے مطابق ایڈورڈ کو شمال کی طرف لگا لائے تھے لہذا وارک نے اطمینان سے اپنے رفیق جمع کر لئے۔

۶ر اکتوبر کو ایڈورڈ واپسی میں ناٹنگھم کے قریب پہنچا تھا کہ وارک کے بھائی امیر مون ٹیگو نے بادشاہ سے انحراف کیا۔ حالانکہ اس کی وفاداری پر ایڈورڈ کو کامل بھروسہ تھا اسی طرح ساری فوج میں غدر و دغا کا جال پھیلا نظر آیا تو ایڈورڈ سراسیمہ ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ چھوٹا بھائی رچرڈ، ایک دوست لارڈ ہیسٹنگز اور ایک بہنوئی لارڈ اسکیلز، بدحواس بادشاہ کے ساتھ تھے اور یہ جس طرح ہو سکا، لین پہنچ کر جہازوں میں سوار ہوئے اور بے سروسامانی کی حالت میں والی برگنڈی کے ملک میں اُتر پڑے۔

ایڈورڈ کی فراری۔ ہینری کی بحالی۔

ایڈورڈ کی فراری کے دن وارک، لندن پہنچ گیا اور شہر والوں نے فوراً پھاٹک کھول دیئے۔ اُس نے بلاتاخیر قلعۂ لندن میں جا کر شاہ ہینری کو رہا کیا اور جلوس کے ساتھ سینٹ پال کے کلیسا میں لایا جہاں اس غریب کی پھر ایک مرتبہ تخت پر بٹھا کر شاہانہ خاطر مدارات کی جانے لگی۔ مگر یہ سب پر روشن تھا کہ یہ تخت یابی لینکاسٹری خاندان کی نہیں بلکہ نویل خاندان کی ہے اور زمامِ حکومت وارک اپنے ہی ہاتھ میں رکھنا چاہتا ہے۔ بالفاظِ دیگر، اس طاقتور بادشاہ گر کے نزدیک بادشاہ صاحبِ تاج و تخت تھا، لیکن حکمرانی اس کا حصّہ نہ تھی وارک بادشاہ کا نائب کالے کا قلعہ دار اور امیر البحر مقرر ہوا۔ اس کا اسقف بھائی، صدر اعظم بنا اور دوسرے عہدے بھی نویل خاندان کے لوگوں یا رفیقوں کے تفویض کئے گئے۔ اس میں اور بھی آسانی اس لئے ہوئی کہ ابھی تک مارگریٹ اور اس کا بیٹا فرانس سے روانہ نہ ہوئے تھے۔ شہزادہ کلیرنس کو دوردست آئرستان کا سپہ سالار بنا کے

ٹال دیا گیا۔ غرض بغیر کشت وخون کے یہ انقلاب عمل میں آگیا، بجز ٹپ ٹوفٹ دامیر وُرسٹر) کے جسے قتل کی سزا ملی۔ ٹپ ٹوفٹ، ایڈورڈ کا پختہ حامی اور سیاسی مخالفوں سے نہایت بے رحمی کا برتاؤ کرتا تھا جس سے اہل وطن کی لعنت کا ہدف بنا اسی کے ساتھ علم وادب کا ذوق رکھتا تھا، جس سے یورپ کا ممدوح ہوا۔ وارک نے اپنے اقتدار سے پہلا ہی کام یہ لیا کہ فرانس سے صلح کے نام وپیام شروع کئے جس کی مدت سے ضرورت تھی۔ نیز لوئی کے دشمن والیٔ برگنڈی کے خلاف زبردست کارروائی کرنے کی تیاریاں کیں۔

ایڈورڈ کی واپسی۔ وارک کی فوری کامیابی اور ایڈورڈ کے شمال میں ہونے کے باعث شہزادہ کلیرنس کو موقع ہی نہ ملا کہ وارک کا ساتھ چھوڑ کر بھائی سے جا ملتا جیسا کہ منصوبہ سوچا تھا۔ لیکن۔ وہ جس طرح پہلے ناخوش تھا اسی طرح اب دل برداشتہ رہا اور مکرر انقلاب بپا کرنے کے متعلق بھائی سے برابر خط کتابت کرتا رہا۔ اُدھر والی برگنڈی کے دل کو لگی تھی کہ کسی طرح انگلستان میں وہ حالت قائم نہ رہنے دے جو اس کے حریف لوئی کے حق میں اتنی مفید تھی۔ لیکن فرانس کے ساتھ کشمکش نے اس قابل نہ رکھا تھا کہ وہ ایڈورڈ کو کوئی معقول مدد دے سکتا۔ بایں ہمہ ایڈورڈ نے خود ہی قسمت آزمائی کا ارادہ کر لیا اور ہینری بولنگ بروک کی طرح، ۱۵۰۰ انگریز تارکانِ وطن اور برگنڈی کے فرستادہ تین سو جرمن توپچی لے کر ۱۵ ار مارچ ۱۴۷۱ء کو ریون اسپر میں جا اترا۔ وارک کو یقین تھا کہ یارک شر کی حفاظت، بھائی (امیر مون ٹیگو) اور نوجوان امیر نارتھمبرلینڈ بخوبی کرلیں گے۔ لیکن ایڈورڈ نے بڑی عیاری سے کام لیا اور اپنا خاندانی نشان چڑھا کر یہ اعلان کیا کہ میں صرف باپ کی جاگیر چاہتا ہوں۔ حتیٰ کہ یارک میں قسم تک کھالی کہ میں آیندہ انگلستان کا منصب شاہی اختیار نہ کروں گا۔ اس کے باوجود کوچ جاری رکھا۔ مون ٹیگو نے غضب کی حماقت کی کہ پونٹے فریکٹ سے جہاں خود موجود تھا، ایڈورڈ کو وسطی اضلاع میں گزر جانے دیا اور اس طرح ایک طرف تو وارک کا دفاعی خط ٹوٹ گیا اور دوسری طرف ایڈورڈ کے حامی مغرب وشمال سے بے روک ٹوک اس کے پاس جمع ہونے لگے۔ ۲۲ مارچ کو ناٹنگھم پہنچ گیا اور وہاں اپنے پاس

باب چہارم

پانچ چھ ہزار جوان فراہم دیکھ کر اُس نے حیلے بہانے بالائے طاق رکھدیئے اور اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ لیکن ابھی اسی کی حالت بہت مخدوش تھی کہ نارفک کی طرف سے امیر اکسفرڈ بڑھ رہا تھا عقب میں مون ٹیگو موجود تھا اور لندن اور بادشاہ ہینری کی حفاظت صدر اسقف نویل کے تفویض تھی۔ خود بادشاہ گر مقام وارک میں اور شہزادہ کلیرنس گلوسٹر شر میں تھے۔ اس موقع پر ایڈورڈ نے کمال مستعدی سے کام لیا۔ اُس نے ایک دفعہ ہی جھپٹ کر اکسفرڈ کو الٹا بھگا دیا اور پھرتی سے لیسٹر کی جانب جنوب میں روانہ ہوگیا۔ وارک سے لڑائی تلی نظر آتی تھی مگر وہ جانتا تھا کہ مون ٹیگو اور کلیرنس مدد کو پہنچا چاہتے ہیں اور ایڈورڈ کو بھی کمک کا انتظار تھا۔ اب کلیرنس نے بھی پرانے منصوبے پر عمل کا موقع پایا اور ۴ر اپریل کو اپنے بھائی سے جاملا۔ وارک کو مون ٹیگو کا انتظار اور بھی ضروری معلوم ہوا اور اُسے اپنی جگہ پر خاموش دیکھکر ایڈورڈ اور کلیرنس لندن پر بڑھتے چلے گئے جہاں شہر والوں پر نویل کی ترغیب و تبلیغ کا کچھ اثر نہ ہوسکا اور ایڈورڈ بلامزاحمت شہر میں داخل ہوگیا (۱۰ر اپریل) یہاں اسے اپنی بیوی اور بچہ (جو اسکی عدم موجودگی میں پیدا ہوا تھا) صحیح سلامت ملے۔ جنوبی اضلاع کے بہت سے یارک کی فریق والوں نے فوج میں شرکت کی اور اس کے لشکر کی تعداد بڑھ کر ۲۰ ہزار کے قریب ہوگئی۔

جنگ بارنیٹ۔ ایڈورڈ پنجشنبہ کو شہر میں داخل ہوا۔ دوسرے دن جمعۃ المسیح (Good Friday) تھا۔ وہ گزار کر ہفتے کو وہ پھر وارک سے لڑنے چلا جو برابر کی فوج لئے ہوئے شارع واٹ لنگ سے آرہا تھا۔ بارنیٹ سے آگے بڑھ کر کلیسائے ہیڈلی کے قریب ایک بلندی پر دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے پہنچ گئیں۔ اور ایک گولے کے ٹپے پر رات بھر آمنے سامنے مقیم رہیں۔ علی الصباح (۱۴ر اپریل) ایڈورڈ کی فوج نے حملہ کیا حالانکہ صبح کی کہر سے کچھ نظر تک نہ آتا تھا۔ اس کا چھوٹا بھائی رچرڈ ہیجدہ سالہ ہونے کے باوجود میمنے کا، اور ہیسٹنگز میسرے کا سردار تھا۔ خود ایڈورڈ کلیرنس کی فوج کو قلب میں لئے ہوئے لڑ رہا تھا۔ اُدھر

وارک کے لشکر کی ترتیب کچھ ایسی تھی کہ یارکی اور لینکاسٹری گروہ دونوں گڈ مڈ صف آرا تھے اور یوں بھی چند گز آگے نظر نہ آنے سے بڑی گڑبڑ مچی - میمنہ اور میسرہ، اکسفرڈ اور مونٹیگو کی قیادت میں ظفریاب ہوا اور خود وارک قدم جمائے قلب میں لڑرہا تھا کہ اکسفرڈ کے سپاہیوں میں خود ان کی فوج نے دشمن سمجھ کر گولے چلائے۔ غلطی کا سبب یہ ہوا کہ اکسفرڈ کا نشان "کرن تارا" یارکی نشان "سورج اور کرن" سے نہایت مشابہ تھا۔ بہرحال یہ حادثہ وارک کے واسطے مہلک ثابت ہوا اور ایک دم پکار پڑگئی کہ دغا کی گئی پھر اس گڈمڈ فوج کو جس میں نہ کوئی سپاہی دوسرے پر بھروسہ کرتا تھا نہ کسی سردار کی بات سنتا تھا، روکنا ناممکن ہوگیا۔ ہر طرف بھگدڑ پڑگئی اور اسی میں وارک اور مونٹیگو مارے گئے۔

یہ بھی ایڈورڈ کی خوش قسمتی تھی کہ ملکہ مارگریٹ سترہ دن سے انگلستان آنے کے لئے تیار تھی اور بادشمال کے باعث رود بار کو عبور نہ کرسکی اور جب وہ ویمتھ میں اتری تو اسی دن بارنیٹ کی لڑائی قسمت کا فیصلہ کرچکی تھی۔ اگر ہوا کا رخ بدلتا اور وہ بلا وقت چند روز پہلے لندن پہنچ جاتی تو غالباً جنگ کا نقشہ ہی بدل جاتا اور یا لڑائی میں ایڈورڈ مارا جاتا تو پھر ہنری کی بحالی یقیناً مستقل ہوجاتی۔ لیکن یہ کچھ نہ ہوا اور ایڈورڈ کو فرصت مل گئی کہ اطمینان کے ساتھ مارگریٹ کا قلع قمع کردے۔ اس کے سامنے دو راستے تھے۔ ایک تو یہ کہ لڑبھڑ کر لندن پہنچ جائے اور یا یہ کہ سیورن اتر کے ویلز چلی آئے اور اہل ویلز وشمال کی مدد سے لڑائی جاری رکھے۔ آخر میں مارگریٹ نے یہی فیصلہ بھی کیا لیکن وہ سیورن ندی تک پہنچنے نہ پائی تھی کہ ایڈورڈ نے اسے آلیا۔ ادھر جنگ کے دوران میں شہر وقصبات عموماً یارکی فریق کے ہمنوا رہے تھے۔ اس نازک موقع پر بھی گلوسٹر کے باشندوں نے مارگریٹ کو ندی اترنے نہیں دی۔ تب وہ مجبوراً ٹیوکس بری کی طرف مڑی تھی کہ گھاٹ اترنے سے پہلے ایڈورڈ کی فوج آپہنچی اور دائرہ نما قطاروں پر، جو ندی اترنے کی غرض سے مرتب ہوی تھیں، ۴ مئی کی صبح کو بہت سویرے حملہ کیا۔ اس کے سپاہیوں کو کافی دشواری

باب چہارم

پیش آئی لیکن نوجوان رچرڈ (امیر گلوسٹر) نے بڑی دلیری سے ہراول کو لڑایا اور بالآخر یارکی سپاہی باڑوں کے اندر گھس کر کامل فتح سے بہرہ مند ہوئے نوجوان ایڈورڈ جس کی عمر گلوسٹر سے بھی ایک سال کم تھی، بڑی بہادری سے لڑا مگر بھاگتے میں مارا گیا یا غالباً پکڑ کے سفاکی سے قتل کیا گیا۔ زیادہ مدّت نہ گزری تھی کہ مارگریٹ بھی گرفتار ہوگئی اس فتح میں بدنامی کا دھبہ یہ لگا کہ پندرہ لینکاسٹری، جن میں سمرسٹ اور اس کا بھائی بھی تھا، خود ایڈورڈ کے حتمی وعدے پر کہ جان بخشی کردی جائے گی، ایک خانقاہ سے باہر نکل آئے اور دغابازی سے ذبح کر دیئے گئے۔ ٹیوکس بری سے ایڈورڈ لندن آیا اور عین داخلے کے دن ہینری نے ملک بقا کی راہ لی۔ سرکاری بیان میں تحریر ہے کہ وہ "محض رنج وملال" کے باعث مرگیا لیکن واقعہ یہ ہے کہ خونی کی چھری نے (اور غالباً گلوسٹر کی ہدایت کے مطابق) اس کی جان لی۔ اپنے بیٹے (ایڈورڈ) کی زندگی تک

ہینری کا خون۔

اس کا زندہ رہنا کارآمد تھا لیکن نوعمر ایڈورڈ کے کام آجانے کے بعد اس کی قوت نے ہینری چہارم کی اولاد کا خاتمہ کردیا۔ البتہ بوفرٹ کی شاخ ابھی باقی تھی کیونکہ گو ہینری، ایڈمنڈ اور جان لاولد مرے لیکن مارگریٹ اور اس کا لڑکا ہینری زندہ تھے۔ اس لڑکے کی عمر اب چودہ سال کی تھی اور اس کے چچا جیسپر نے اسے فوراً جس طرح ہوا ایک محفوظ مقام میں برٹانی پہنچا دیا۔ ایڈورڈ کو تجربے نے ہوشیار کردیا تھا اور جنگ ٹیوکس بری کے بعد اس نے قیدیوں کا قتل عام کرادیا اور خطرناک دشمنوں کا قصہ پاک کرنے میں غدر و دغا سے بھی باز نہ رہا۔ جارج نویل، گینیز میں قید کیا گیا۔ امیر کبیر اکزیٹر فقیر بن کے کسی خانقاہ میں جا بیٹھا تھا۔ اسے گرفتار کرکے چپکے سے مروا دیا گیا۔ البتہ جو لوگ خطرناک نہ تھے اُن سے رعایت و آشتی کا سلوک ہوا خصوصاً جان مورٹن اور فورٹسکیو ہیر عدل کے ساتھ، حالانکہ یہ دونوں لینکاسٹری گروہ کی رفاقت میں سرگرم رہے مگر ۱۴۷۲ء و ۱۴۷۳ء میں انھیں واپس انگلستان آنے کی اجازت مل گئی۔

ایڈورڈ کی حکمت عملی اس حد تک کامیاب رہی کہ ۱۴۷۵ء میں وہ اطمینان کے ساتھ ایک بڑی مہم لے کر فرانس روانہ ہوا۔ انگریزوں کو

فرانس پر لشکر کشی

اس مہم سے بڑی بڑی امیدیں تھیں۔ ظاہرا والیٔ برگنڈی کی قوت اوج کمال پر پہنچی ہوئی تھی اور وہ ایڈورڈ کا حلیف تھا۔ اور یوں بھی ایڈورڈ جیسے نامی جنگجو کے مقابلے میں لوئی کا سرسبز ہونا قرین قیاس نظر نہ آتا تھا غرض پارلیمنٹ نے بے تامل روپیہ منظور کیا۔ صدہا امرا اور شرفا نے گھر لٹا کے جنگ کے ساز و سامان درست کئے۔ لیکن اس جوش خروش کے باوجود نتیجہ کچھ بھی نہ نکلا۔ انگریزی لشکر سمندر بھی پار نہ ہوا تھا کہ والیٔ برگنڈی نے سارا سرمایہ خلیے لگا دیا۔ نوائس (لب رہائن) کے بے سود محاصرے میں فوج مضمحل ہو گئی اور ایڈورڈ لشکر گاہ میں آیا ہے تو نوکر تک ہمراہ نہ تھے جس سے انگریز انحاوی سخت منغض ہوے۔ اُدھر لوئی اس فکر میں تھا کہ جس طرح ممکن ہو لڑائی کی نوبت نہ آئے اور انگریزوں سے پیچھا چھوٹ جاے جیسا کہ اُس کے مشیر فلپ دکومین کی تحریر سے ثابت ہے کہ "اپنا کوئی شہر شاہ انگلستان کے قبضے میں دینے کے سوا، اور جو کچھ تدبیر ممکن ہو اس میں وہ (= لوئی) دریغ نہ کرے گا کہ جس طرح بن پڑے اس سے ملک کو خالی کرائے" چنانچہ ایڈورڈ کے مزاج کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کر کے، لوئی نے تائش آمیز خط اور عمدہ سے عمدہ شرائط صلح کے وعدے لکھنے شروع کئے اور جب ایڈورڈ حسب دلخواہ آمادۂ صلح ہو گیا تو ڈورسٹ، ہیسٹنگز وغیرہ ممتاز اُمرا کے وظائف مقرر کئے۔ عام سپاہیوں کو تکلف کا کھانا کھلایا۔

عہد نامۂ پکینی

آخر پکینی (لب سوم) کے پل پر دونوں بادشاہ ملاقی ہوے اور سات سال تک صلح کا معاہدہ کیا ۷۵ ہزار کراؤن نقد اور ۵۰ ہزار سالانہ کے وظیفے کے عوض قرار پایا کہ ایڈورڈ انگلستان واپس چلا جائے گا اور مارگریٹ (آنژوی) کو رہا کر دے گا۔ لوئی نے اپنے ولی عہد کی، ایڈورڈ کی بڑی بیٹی سے (جو آگے چل کے ہینری ہفتم کی ملکہ بنی) شادی کرنے کا بھی وعدہ کیا۔ نگاہ تدبر سے دیکھا جائے تو ایسی لڑائی کے عوض میں جس کے متعلق تجربہ شاہد تھا کہ اس میں مستقل کامیابی نہیں ہو سکتی تھی، ۵۰ ہزار کا وظیفہ کچھ برا نہ تھا لیکن اہل انگلستان اس معاہدے سے بہت ناخوش ہوے اور نوجوان رچرڈ امیر کبیر گلوسٹر کے ہمرائے رہے جس نے بے تکلف

باب چہارم

علحدائے کے خلاف راے ظاہر کر دی تھی۔

مگر ایڈورڈ رعایا کی ناخوشی کی، جب تک کہ علانیہ بغاوت نہ ہو جائے، کچھ بہت پروا کرنے والا نہ تھا اور لینکاسٹری خاندان کی شاخ کبیر کا خاتمہ ہو جانے سے انقلاب و بغاوت کا چنداں اندیشہ نہ رہا تھا۔ چھوٹی شاخ کا وارث، ہینری ٹیوڈر ہاتھ آجاتا تو وہ اور بھی خوش ہوتا لیکن اس بارے میں نامہ وپیام کچھ نتیجہ خیز ثابت نہ ہوے۔ اِدھر ایڈورڈ کو خود اپنے گھر کی فکر لاحق ہو گئی کہ

کلیرنس کی موت

۱۴۶۷ء میں کلیرنس کی مرضی کے خلاف رچرڈ نے اس کی سالی این (بنت وارک) سے شادی رچائی اور خاندانی جاگیر کا دعویٰ کیا۔ یہ لڑکی، جیسا کہ یاد ہوگا، پہلے شہزادہ ایڈورڈ (لینکاسٹری) سے منسوب کر دی گئی تھی اور امیر رچرڈ کی جائداد میں حصہ دار تھی۔ غرض کلیرنس اور چھوٹے بھائی، رچرڈ میں بہت سے جھگڑے پیدا ہو گئے اور ایڈورڈ جو چھوٹے بھائی کو زیادہ چاہتا اور منجھلے کو واجبی طور پر زیادہ قابل اعتبار نہ سمجھتا تھا، انھیں یہ مشکل گتھم گتھا ہو جانے سے روک سکا۔ آخر کار ۱۴۷۸ء میں یہ قضیہ چکانے کی سبیل ہاتھ آئی کہ اسی سال جنوری میں پارلیمنٹ منعقد ہوی تو خود بادشاہ نے کلیرنس پر غداری کا الزام عائد کیا۔ الزام کی بڑی بنیاد ۱۴۷۱ء میں اُس کا وارک کے ہمراہ ہو جانا تھا مگر اس کے علاوہ اور بھی چھوٹی چھوٹی باتیں تھیں جن میں بادشاہ (ایڈورڈ) کو بدنام کرنے کا پہلو نکلتا تھا۔ چنانچہ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں "سزائی خون" کی تحریک منظور ہوی اور اسی پر کلیرنس کو کسی طرح مروا ڈالا گیا۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ اسے مامزی شراب کے خم میں غوطہ دے کر مارا گیا۔ رچرڈ (شہزادہ گلوسٹر) پارلیمنٹ میں موجود تھا مگر یہ یقینی بات ہے کہ بھائی کے خلاف نمایاں حصہ خود ایڈورڈ نے لیا اور گلوسٹر نے کم سے کم ظاہر میں، بادشاہ کی مخالفت کی۔ بہر حال، کلیرنس کی موت کے بعد باقی ماندہ عہد حکومت میں خود انگلستان کے اندر کوی واقعہ قابلِ ذکر نہیں ہوا۔ البتہ جب جیمس ثالث شاہ اسکاٹلینڈ نے امیر کبیر آلبنی کو خارج البلد کیا اور اس نے ملک پر فوج کشی کی تو گلوسٹر حلیف بن کر ساتھ تھا اور قلعۂ بیرک کے واپس لینے میں جو ۱۲ برس تک

اسکوٹوں کے قبضے میں رہا) بڑا نام پایا۔ ۱۴۸۲ء میں لوئی نے اپنے بیٹے کی نسبت، چارلس (دلیر) کی پوتی اور آسٹریا کی شہزادی مارگریٹ سے کردی۔ یہ معاہدۂ پکینی کی خلاف ورزی تھی اور اس پر انگلستان میں دوبارہ فرانس سے جنگ چھیڑنے کا کچھ چرچا ہوا تھا کہ اتنے میں چند روز علیل رہ کر، خود ایڈورڈ نے ۴۲ سال کی عمر میں وفات پائی (اپریل ۱۴۸۳ء) اور سارا سماں ہی بدل گیا۔

طاقتور حکومت کی ضرورت

مجموعی طور پر ایڈورڈ چہارم کے عہد میں ملک کی حالت بہتر ہوگئی۔ انگلستان معاشرت اور سیاسی ارتقا کی جس منزل میں تھا اسے مضبوط و مستحکم حکومت کی ضرورت تھی جو امن و قانون کا نفاذ کرسکے اور کمزوروں کو اقتدار والوں کی دراز دستی سے بچائے۔ مگر یہ بات اس وقت تک ممکن نہ تھی جب تک کہ ہر بڑے جاگیردار کے پاس نوکروں کی فوج کی فوج اور پڑوس میں گویا جماعتِ رولیف موجود تھی کہ نوکر تو اشارے پر لڑنے کے لئے تیار رہتے اور یہ پڑوسی بذریعہ حلیف پابند تھے کہ بوقت جنگ جاگیردار کا ساتھ دیں گے اور اسی کا بِلّہ لگائے نکلیں گے۔ حسن اتفاق سے خاندان پیسٹن کی اس زمانے کی خط کتابت برابر محفوظ رہی جس سے صاف ظاہر ہے کہ بھلے آدمیوں کو اپنی مال متاع سنبھالنے میں بھی کیا کیا دقتیں پیش آتی تھیں حالانکہ پیسٹن، نارفک کے ضلع کا باشندہ تھا اور وہ اُن دنوں انگلستان کے سبب سے بارونق اضلاع میں شمار ہوتا تھا۔ ملک کی خوش نصیبی سے خانہ جنگی وارک کی بغاوت اور ۱۴۷۵ء میں جنگجو طبقے پر فرانسیسی مہم کے مصارف کا بار، ایسے اسباب تھے جن سے باقی ساقی اُمرا کی بھی دولت اس قدر کم ہوگئی کہ وہ اپنے اسلاف کے جنگی خدم و حشم قائم نہ رکھ سکے۔ اور چونکہ ٹاؤٹن کی معرکہ آرائی کے سوا تمام لڑائیوں میں یہی بے قاعدہ سپاہی لڑے تھے اور قصبات و شہر کی مطلق تاراجی نہ ہوئی تھی لہٰذا اہل حرفہ اور تجارت پیشہ آبادی برابر اپنا کام کرتی رہی۔ بیرونی جنگ کے ختم ہونے کے بعد حسبِ معمول عام خوشحالی کا دور آیا اور ان سب اتفاقات سے ایڈورڈ چہارم نے فائدہ اٹھایا۔ ذاتی طور پر وہ کوئی دور اندیش مدبر نہ تھا۔ اگرچہ متوسط طبقے کو بادشاہی کا بہترین مددگار سمجھ کر خوش رکھنے کی ضرور

اس نے کوشش کی۔ لیکن خود واقعات کی افتاد ایسی پڑی کہ اسی عہد کو ایک نئے دور کا سر آغاز کہنا غلط نہ ہوگا جس کی خصوصیت یہ تھی کہ بادشاہ ہر دلعزیز اور طاقتور تھا اور اس کی قوت متوسط طبقے کی امداد و یاوری پر مبنی تھی اور وہ شورہ پشت امیروں کے حد سے بڑھے ہوئے اقتدار و تحکم کو ہر طرح دبانے پر تُلا ہوا تھا۔ اسی ضمن میں ایڈورڈ یہ بات خوب سمجھتا تھا کہ اگر بھاری محصول لگائے گئے تو پھر بادشاہ کی ہردلعزیزی باقی نہ رہے گی اور نہ یہ اصولِ حکومت نبھ سکے گا۔ نظر بر ایں اُس نے ہوشیاری سے ایک نیا طریقہ یہ ایجاد کیا کہ مالدار دوستوں سے گاہ بگاہ نقد نذرانے یا ہدیئے لینے شروع کئے۔ انھیں "بینی وُلینس" (= اِکرام) کہتے تھے اور تھا قانوناً جائز ہونے کے باوجود، اصولاً یہ پارلیمنٹ کے حقوق میں دست اندازی تھی کیونکہ آئین کی رو سے پارلیمنٹ ہی بادشاہ کو روپے کی منظوری دے سکتی تھی۔ مگر جب لوگوں کو ایسے ہدیئے دینے پڑتے تھے انھیں نہ خواہش تھی نہ اتنی قوت رکھتے تھے کہ قانونی چارہ جوئی اختیار کریں۔ اُن کے نزدیک حکومت کا بڑا فرض یہ تھا کہ جان و مال کی حفاظت کرتے اور مجموعی طور پر جب تک یہ خدمت وہ انجام دے رہی تھی، اس وقت تک اُنھیں روپیہ بھرے جانے میں چنداں اعتراض نہ تھا۔ اسی کے ساتھ یہ نظام ملکداری اپنے جلو میں بہت سی خرابیاں اور اور خطرناک دستور لایا۔ انگلستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اقبال جرم کرانے کی غرض سے باقاعدہ تعذیب کا طریقہ جاری ہوا۔ علیٰ ہذا جاسوسی کا محکمہ قائم کیا گیا جس نے باہمی ارتباط اور وفاداری کی جڑیں تک ہلا دیں۔ مزید برآں پارلیمنٹ کے اجلاس بہت شاذ ہونے لگے جس کے باعث قوم کی متحدہ اور باضابطہ رائے کا جو مفید اثر پڑ سکتا تھا، اس کی روک تھام سے بھی بادشاہ آزاد ہونے لگا۔

ایڈورڈ کا بھروسہ متوسط طبقے پر

مشہور سنین

جنگ ٹاوٹن ۱۴۶۱ء

ایڈورڈ کی شادی .... سنہ ۱۴۶۴ء
جنگ بارنیٹ .... سنہ ۱۴۷۱ء
صلحنامہ پکینی .... سنہ ۱۴۷۵ء

شجرۂ خاندان وُڈویل

جان، شہزادہ بیڈفرڈ = شہزادی ژاکیتا لوکسم بورگی = رچرڈ وُڈویل
(امیر روئرز)

اینٹنی (امیر روئرز) | رچرڈ | ایڈورڈ وڈویل | الزبیتھ زوجہ ایڈورڈ چہارم

ایڈورڈ پنجم | الزبیتھ زوجہ ہینری ہفتم | کیتھرائن زوجہ کورٹنی

ہینری کورٹنی
(امیر اکزیٹر)
ایڈورڈ کورٹنی

باب پنجم

ایڈورڈ پنجم = ۱۴۸۳ء (چندماہ)

معاصرین : اسکاٹ لینڈ .... جیمس ثالث
فرانس .... لوئی یازدہم
چارلس ہشتم

ایڈورڈ چہارم نے ۹ر اپریل کو وفات پائی اور شاہی بزم شوریٰ نے بلا تاخیر اس کے بیٹے ایڈورڈ کو وارث تخت تسلیم کر لیا۔ نئے بادشاہ کی عمر صرف تیرہ سال کی تھی لہذا انتظام سلطنت کی وہی صورت رکھنی لازم ہوئی جو رچرڈ ثانی اور ہینری ششم کے ابتدائی عہد میں کی گئی تھی۔ انگلستان میں اس قسم کی خردسالیاں بلا استثنا ناکام رہی تھیں اور اسی تلخ تجربے نے اہل انگلستان کو اس مثل کی سچائی کا پورا یقین دلادیا تھا کہ "شاہِ کودک" شامت ملک! لینگ لینڈ کی کتاب "پیرز کسان کے خواب" میں ایک حکایت مذکور ہے کہ جب بلی (یعنی بادشاہ) اتنی چھوٹی ہو کہ گھونسوں (یعنی امرا) کو قابو میں نہ رکھ سکے تو چوہوں (یعنی رعایا) پر مصیبت

آجاتی ہے۔ اور اس کا مطلب بھی یہی تھا کہ کمزور و ناتواں بادشاہ کے دور میں طرح طرح کی خرابیاں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ انھی وجوہ سے یہ کچھ حیرت کی بات نہ تھی کہ خرد سال ایڈورڈ کی تخت نشینی سے رعایا کے دل میں امیدوں کی بجائے اندیشے پیدا ہو گئے اور اس کی معزولی کا راستہ تیار ہونے لگا۔

دربار شاہی ہیں میں نفاق و شقاق کے عناصر کو شاہِ متوفی کے جیتے جی سر اُٹھانے کا موقع نہ ملا کیونکہ وہ مصمم ارادے کا نہایت سخت گیر فرماں روا تھا۔ مگر اس کی آنکھ بند ہوئے دیر نہ ہوئی تھی کہ یہ رقابتیں اور مخالفتیں از سر نو تازہ ہو گئیں اور زمام حکومت کو اپنے ہاتھ میں رکھنے کی کشاکش ہونے لگی۔ سب سے ممتاز گروہ تو وڈویل خاندان کا تھا جسے نویل خاندان کی ٹکر پر ایڈورڈ نے دولت وجاہ سے سرفراز کیا۔ لیکن انھیں اصلی اقتدار حاصل نہ تھا اور لینکاسٹری گروہ کی نظر میں تو وہ محض ابن الوقت تھے اور قدیم اُمرا انھیں نو دَولتا سمجھتے تھے خرد سال بادشاہ کی ماں (ملکہ) اس کے بھائی (انٹونی، رچرڈ، ایڈورڈ وڈویل) اور اس کے پہلے شوہر سے دو بیٹے (یعنی ٹامس گرے (امیرِ ڈورسٹ) اور رچرڈ گرے) اس فریق کے سرگروہ تھے۔ ان کے بعد مجلس شاہی کے عمائد، شاہِ متوفی کے خاص خاص دوست اور مشیر تھے جن میں سب سے ممتاز یہ لوگ ہیں:-

ولیم، لارڈ ہیسٹنگز۔ دیانت دار، جنگ آزمودہ سپاہی کالے کا قلعدار تھا۔

ٹامس، لارڈ اسٹینلی۔ مارگریٹ بوفرٹ کا تیسرا شوہر جس کی چیشر ولینکاشر میں بڑی جاگیریں تھیں اور محلسرا کا داروغہ یا مہتمم تھا۔

جان ہاوارڈ جسے سنہ ۱۴۷۰ء میں لارڈ کا خطاب عنایت ہوا و مذہبی عالم روتھرہم (صدر اسقف یارک) اور جان مورٹن (اسقف اِلی)۔ ان سرکاری عہدہ داروں کے علاوہ ہینری اسٹیفرڈ شہزادہ بکنگھم جو شاہ ایڈورڈ ثالث کی نواسی این کا پرپوتا اور ماں کی طرف سے بوفرٹ خاندان میں تھا۔ یہ نوجوان امیر، شاہی خاندان سے ہونے کے علاوہ خاندان بوہن کی جاگیروں میں بھی نصف کا وارث اور وادیٔ سیورن میں بڑا اثر و اقتدار رکھتا تھا۔ قدیم امرا میں جان دی لاپول بھی قابلِ ذکر ہے جو ہینری ششم کے پرانے وزیر کا

بیٹا، سفک کا امیر کبیر اور بادشاہ متوفی کی بہن الزبیتھ کا شوہر تھا جس سے اس کے بہت سے بچے ہوئے اور ان میں سب سے بڑا بیٹا باپ کا ہمنام اور لنکن کا امیر تھا۔ آخر میں ہینری پرسی (امیر نارتھمبرلینڈ) کا نام آتا ہے جس کا باپ ٹاوٹن میں مارا گیا مگر اسے خاندانی خطاب وغیرہ سنہ ۱۴۶۹ء میں دوبارہ تفویض ہوئے اور اب وہی سرحد اسکاٹ لینڈ کا پاسبان تھا۔ ان سب سے الگ لیکن سب سے مقتدر و باقعت اور امیر کبیر یارک کا سب سے لائق فرزند رچرڈ (امیر گلوسٹر) کو سمجھنا چاہئے جس کی جنگی کارروائی کی ہر طرف شہرت تھی اور شمال میں اس کا دیوانی نظم و نسق بھی بہت کامیاب رہا تھا۔

رچرڈ امیر کبیر گلوسٹر

اِن مسلمہ اوصاف کے علاوہ رچرڈ، اپنی ذات سے غیر متعلق معاملات میں نرمی اور آشتی بھی دکھاتا تھا مگر جہاں اس کی یا اُس کے خاندان کی غرض آجائے وہاں انصاف و دیانت سب بالائے طاق دھری رہتی تھی۔ یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ ہینری ششم کو اسی نے قتل کیا۔ علیٰ ہذا شہزادہ ایڈورڈ کے قتل میں بھی اُس کی دوسروں کے ساتھ صرف شرکت ثابت ہے۔ دوسرے اس کی ابتدائی تعلیم و تربیت نے یقیناً اِن جرائم کا احساس گھٹا دیا ہوگا خصوصاً جب کہ وہ اپنے خاندان کے فائدے کے لئے عمل میں آئے ہوں۔ بہر حال اس کی ذاتی بہادری میں کوئی شبہ نہ تھا اور گو اس بات کی شہادت موجود ہے کہ اس کا ایک شانہ دوسرے کی نسبت زیادہ اونچا تھا مگر اس سے سپاہ گری میں کوئی فرق نہ آسکا۔ خانگی زندگی میں اس کے اخلاق و عادات غیر معمولی طور پر دلکش نظر آتے ہیں اور اُن سیہ کاریوں کا کوئی نشان تک نہیں دکھائی دیتا جو اُس سے منسوب ہیں۔ اسکاٹ لینڈ میں اس کی کامیابیاں اور سرحد پر عمدہ حکومت، اسی کے ساتھ فرانس کی صلح سے اُس کا اکراہ جو حبِّ وطن کے جذبے پر مبنی تھا، یہ سب ایسے اسباب تھے کہ ہموطنوں کی نگاہ میں یہ نوجوان شہزادہ کافی محبوب و ممتاز ہوگیا تھا۔

ریشہ دوانیاں اور بادشاہ کی حراست

ایڈورڈ فوت ہوا تو ملکہ، اس کے دو بھائی اور ایک بیٹا (امیر ڈورسٹ) اور بزم شاہی کے ارکان لندن میں، امیر ریورز اور رچرڈ گرے، شہزادہ ولی عہد کے ساتھ لڈلو میں بکنگھم

باب پنجم

اپنی جاگیر پر اور گلوسٹر، یارک شہر میں تھے۔ لیکن خود بزم شاہی کے اعیان میں اختلاف نمایاں ہو گیا کہ ملکہ نے اتالیقی کا دعوی کیا اور ہیسٹنگز نے بکنگھم کی تائید سے تجویز کی کہ ۱۴۲۲ء کی نظیر کے مطابق شہزادہ گلوسٹر کو محافظ سلطنت مقرر کر دیا جائے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ خود شاہ متوفی کا منشا بھی یہی تھا۔ پھر مجلس نے ملکہ اور وڈویل خاندان کے اعیان کو قطعی طور پر روک دیا کہ کمسن بادشاہ کو لندن لانے کے لئے دو ہزار سے زیادہ آدمی نہ بھیجے جائیں۔ اس عرصے میں گلوسٹر بھی جنوب کی طرف روانہ ہو چکا تھا اور ۲۹ اپریل کو نارتھمپٹن کے مقام پر بادشاہ سے دس میل کے فاصلے پر پہنچ گیا۔ بادشاہ اپنے مشیروں کے ہمراہ ۲۴ کو لڈلو سے چلا اور کچھ ہی پہلے نارتھمپٹن سے گزرا تھا۔ اس نے رورز اور گرے کو اسی شام گلوسٹر کے پاس بھیجا کہ آداب سلام پہنچائیں اور وہیں بکنگھم بھی آ گیا۔ رات ان چاروں امیروں نے یکجا گزاری مگر صبح ہوتے ہی رورز اور گرے کو پکڑ کے حراست میں شمال بھیج دیا گیا اور گلوسٹر و بکنگھم چھوٹے سے بادشاہ کو ساتھ لئے ہوئے لندن روانہ ہوئے۔ ان کے پہنچنے سے پہلے یہ خبر لندن پہنچ گئی تھی اور اسے سنتے ہی ملکہ تو اپنے چھوٹے بیٹے رچرڈ اور پانچ بیٹیوں سمیت ویسٹ منسٹر کی خانقاہ میں پناہ گزین ہوئی اور ڈورسٹ اور ایڈورڈ وڈویل فرار ہو گئے۔ اس طرح گلوسٹر کے لندن پہنچنے سے پہلے وڈویل خاندان کا شیرازہ بکھر گیا۔ اور شہر میں داخل ہوتے ہی ہیسٹنگز اور اعیان مجلس نے گلوسٹر کے محافظ سلطنت ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس وقت تک گلوسٹر کا طرز عمل بہت اچھا رہا تھا۔ لوگوں نے تپاک سے استقبال کیا اور زوال رسیدہ وڈویلوں سے کوئی خاص ہمدردی ظاہر نہ کی گئی۔

رچرڈ نے ۴ مئی کو انصرام سلطنت اپنے ہاتھ میں لیا۔ تاج پوشی کی تاریخ ۲۲ اور پارلیمنٹ کا انعقاد ۲۵ جون کو قرار پایا تھا لیکن اسی عرصے میں رچرڈ نے ایک قدم اور آگے بڑھنے کا موقع پا لیا اور بکنگھم کی رضامندی حاصل کر کے اپنی اتنی جمعیت شہر میں فراہم کر لی کہ مخالفین کا قلع قمع کر سکے اور اس کے بعد اعیان مجلس پر حملہ کیا۔ یعنی ۱۳ جون کے جلسے میں جو قلعۂ لندن کے اندر منعقد ہوا تھا، گلوسٹر نے یکایک ہیسٹنگز پر الزام لگایا کہ وہ وڈویل خاندان سے سازش کر رہا ہے اور

اصرار کیا کہ اسے ابھی قتل کرا دیا جائے۔ ممکن ہے کہ یہ الزام کچھ اصلیت بھی رکھتا ہو۔ بہرحال اسی کے ساتھ رو تھرہم اور مورٹن قید میں ڈال دئیے گئے۔ ہیسٹنگز کی داشتہ جین شور جو پہلے بادشاہ کی آشنا تھی، اس کی بھی گلوسٹر نے علانیہ فضیحت کرائی کہ غالباً خاندان وڈویل اور ہیسٹنگز کے درمیان نامہ وپیام اسی کے واسطے سے ہوتے تھے۔ ۱۶ر جون کو گلوسٹر نے ایک قدم اور آگے بڑھایا کہ بورشئیے صدر اسقف کینٹربری کو گانٹھ لیا اور اس بڈھے دنیا دار کی تنبیہ و تہدید سے ملکہ نے اپنے بچے رچرڈ کو حوالے کر دیا کہ بھائی (یعنی نو عمر بادشاہ) کے ساتھ قلعۂ لندن میں بھیج دیا جائے۔ جب سب اطمینان ہو چکا اور مخالفین یا مروا دئیے گئے یا قید میں پڑ چکے تو پارلیمنٹ اور تاجپوشی ملتوی کر دی گئی اور اس کی بجائے لندن کے میر بلد کے بھائی ڈاکٹر شا نے ایک وعظ میں یہ مسئلہ اٹھایا کہ شاہ متوفی کی نسبت امیرزادی الینر بٹلر سے ہو چکی تھی لہذا الزبتھ وڈویل سے اُس کی شادی جائز نہیں تھی اور چونکہ امیر کبیر کلیرنس پر "خرابی خون" کا جُرم عائد ہوا تھا اس واسطے سلطنت کا وارث جائز کوئی ہے تو وہ امیر کبیر گلوسٹر ہے۔ یہ عجیب اعلان سنکر خواہ دعویٰ غلط ہو یا صحیح، حاضرین کلیسا چونک پڑے اور کوئی تائید نہ ہوئی۔ مگر دو دن بعد اسی قسم کی دلیل امیر کبیر بکنگھم نے گلڈ ہال کی تقریر میں پیش کی اور اس کے اور گلوسٹر کے خیر خواہوں نے تالیاں بجائیں تو اسے جُملہ حاضرین جلسہ کی تائید سمجھ لیا گیا اور بے شبہ کہی بدی کر کے، دوسرے دن بکنگھم "امرائے دولت وعلمائے ملت" اعیان واکابر عوام کے ساتھ گلوسٹر کے در دولت پر حاضر ہوا اور اس سے تاج قبول کرنے کی درخواست کی۔ اور اُس نے تھوڑی سی حیرت اور کچھ تکلف دکھا کے اسے قبول کر لیا۔ اُسی دن یا قریب زمانے میں رِوَرز اور گرے پونٹے فریکٹ کے مقام پر علانیہ قتل کرائے گئے اور چھبیسویں جُون کو رچرڈ نے ایوانِ ولیسٹ منسٹر میں اسی مرمری کرسی پر جلوس کیا جس پر جنگ ٹاوٹن سے پہلے ایڈورڈ متمکن ہوا تھا۔ اور اعلان کرایا کہ ملک کا بہ ارث و انتخاب وہی بادشاہ ہے۔ ایڈورڈ پنجم کی بادشاہی رسمی طور پر ۲۵ر جون کو ختم ہو گئی۔

باب ششم

رچرڈ ثالث: ۱۴۸۳ء تا ۱۴۸۵ء

ولادت ۱۴۵۲ء = ازدواج یا این نویل ۔ ۱۴۷۳ء

معاصرین = اسکاٹ لینڈ.................. جیمس ثالث

فرانس.................. چارلس ہشتم

اراگون وکاستیل.................. فرڈی نینڈ وازابلا

یہ انقلاب جس نے رچرڈ کو تخت سلطنت پر لا بٹھایا، صرف چند آدمیوں کی سازش سے عمل میں آیا تھا۔ بایں ہمہ معلوم ہوتا ہے کہ عام لوگوں میں اس سے کچھ زیادہ ناراضی نہیں پیدا ہوی۔ ایڈورڈ پنجم کی عمر اتنی کم تھی کہ ذاتی طور پر اس سے کسی کو ایسا تعلق نہ ہو سکتا تھا کہ شدّ ومد سے اس کا ہواخواہ بن جاتا۔ دوسرے بادشاہ کی طویل صغرسنی کی حکومت کی بجائے ایک نامور سپاہی اور تجربہ کار منتظم کے زمام سلطنت ہاتھ میں لینے کے فوائد اتنے صریحی تھے کہ دنیاداروں کی نظر سے چھپے نہ رہ سکتے تھے اور رچرڈ بھی خوب جانتا تھا کہ اپنے طرفدار بنانے کے لئے اس بنا پر زور دینا عین مفید مطلب ہوگا۔ چنانچہ اپنے مختصر عہد حکومت میں دادرسی

اور اخلاق عامہ کی درستی میں اس نے ہمیشہ بہت مستعدی اور سختی سے کام لیا۔
سب سے پہلے تو نئے فرماں روا نے رفیقوں کو انعام اکرام سے نوازا۔ بکنگھم* وزیر جنگ کے منصب پر سرفراز ہوا اور تھوڑے ہی دن بعد خاندانِ بوہن کی جاگیر میں جو ورثہ ہینری چہارم کی اولاد کو ملا تھا (دیکھو صفحہ ۲۷۹) اس کا بڑا حصہ بکنگھم کو دلوا دیا؛ اسٹینلی مجلس اعلیٰ نواب خانساماں کی خدمت پر بجال رہا۔ ہاورڈ کو بڑھا کے نارفک کا امیر کبیر اور سپہ سالارِ اعظم بنا دیا گیا؛ رچرڈ نے دوسرا کام یہ کیا کہ اُن علاقوں میں جہاں لوگ اسے زیادہ نہ جانتے تھے، دورہ کیا تاکہ شمال میں اس کی نسبت جو حسن عقیدت تھی، وہی اثر دوسروں پر قائم ہوجائے چنانچہ لندن سے وہ اور اس کی ملکہ اکسفرڈ، وُڈاسٹاک، گلوسٹر، ورسٹر اور وارک گئے اور وہاں سے شمال کی طرف مڑ کر لیسٹر، ناٹنگھم اور پونٹے فریکٹ سے یارک تک سیاحت کی۔ یارک میں ۸ ستمبر کو تاج پوشی کی رسم دوبارہ ادا کرکے دوستوں کا دل خوش کیا۔ مجموعی طور پر سفر کا بہت اچھا اثر ہوا خصوصاً اس بات کا، کہ لوگوں نے جو نقد نذرانے پیش کئے تھے، بادشاہ نے انھیں قبول نہیں کیا۔
مگر یقین کیا جاتا ہے کہ اسی سفر کے دَوران میں ایک جرم کا ارتکاب کیا گیا

*۔ بکنگھم (۲) خاندان اسٹیفرڈ) کا شجرہ

ایڈمنڈ (امیر اسٹیفرڈ) زوجِ آین تھیسہ ایڈورڈ ثالث

ہمفری (پہلا شہزادہ بکنگھم)

ہمفری (امیر اسٹیفرڈ)
ہینری (شہزادہ بکنگھم)
ایڈورڈ (〃)

سر ہینری اسٹیفرڈ
(زوجِ مارگریٹ بوفرٹ
مادر ہینری ہفتم،
دوسرے شوہر سے۔)

جس نے بالآخر رچرڈ کی سلطنت چھنوا دی۔ واضح رہے کہ معزولی کے بعد سے ایڈورڈ اور اس کا بھائی رچرڈ، قلعۂ لندن میں محبوس اور نگاہِ عام سے محجوب تھے۔ مگر اب یہ افواہ پھیلی کہ وہ مار ڈالے گئے۔ اس کی تحقیق کا کوئی ذریعہ نہ تھا اور سالہاسال یہ معاملہ پُراسرار بنا رہا آج تک یہ گتھی پوری طرح نہیں سُلجھ سکی تاہم اتنا یقینی ہے کہ ۱۴۸۳ء میں اُن کے قتل کی افواہ کو لوگوں نے صحیح سمجھا، اگرچہ تفصیل کا کسی کو علم نہ تھا۔ تاآنکہ ۱۵۰۲ء میں سر جیمس ٹیرل نے اقبال کیا کہ شاہ رچرڈ کی سیاحت کے زمانے میں اُسے اور دو نوکروں کو حکم ملا کہ ان بچّوں کا گلا گھونٹ کے خفیہ طور سے کہیں دفن کر دیا جائے۔ ان دو نوکروں میں سے ایک (مسمّی فورسیٹ) اس اقبالِ جُرم کے وقت فوت ہو چکا تھا مگر دوسرے (یعنی ڈائی ٹن) نے تصدیق کی۔ خود ٹیرل اقبالِ جُرم کے وقت ایک اور جُرم کی سزا میں ماخوذ ہوا اور کشتنی قرار پا چکا تھا۔ اس قول کی تصدیقِ مزید عرصۂ دراز کے بعد ۱۶۷۴ء میں ہوی جب کہ دو پنجر برآمد ہوئے جو ان دو شہزادوں کے قد قامت کے مطابق تھے۔

قتل شہزادگان

ٹیرل کے بیان کے مطابق یہ قتل اگست ۱۴۸۳ء کے وسط میں ہوا۔ مگر اس تاریخ سے بھی پہلے رچرڈ کو تخت سے اتارنے کی ایک وسیع سازش شروع ہو گئی تھی۔ اس کا بانی مبانی جان مورٹن (اسقف ایلی) تھا۔ اسے ہیسٹنگز کی دوستی کی بنا پر گرفتار کر کے بکنگھم کی تحویل میں دے دیا گیا تھا مگر اسی کو اس ذہین پادری نے اتنا دوست بنا لیا کہ وہ رچرڈ کے استیصال کی سازش میں شریک ہو گیا۔ ان کا شروع میں منصوبہ یہ تھا کہ ایڈورڈ پنجم کو از سرِ نو تخت پر بٹھایا جائے مگر اس کے قتل کی اطلاع سُن کر یہ رائے بدل گئی اور اب مورٹن نے بکنگھم کو بالکل ایک نئی گروہ بندی پر آمادہ کر لیا ایڈورڈ و رچرڈ کے مرنے سے خاندان یارک کی وارث الزبتھ (بنت ایڈورڈ چہارم) ہو گئی۔ مورٹن نے تجویز کی کہ اس کا ہنیری ٹیوڈر سے عقد کر دیا جائے۔ چنانچہ دونوں کی ماؤں سے نامہ و پیام شروع ہوئے اور خود ہنیری نے بھی رضامندی ظاہر کی۔ اور ایڈورڈ وڈویل کی مدد سے برتیانی میں ایک لشکر مرتب کیا کہ ۱۸ اکتوبر کو انگلستان میں جا اترے اور اُدھر اسی تاریخ

بکنگھم اور مورٹن میں علم بغاوت بلند کر دیں۔ آخر میں قرار پایا کہ اسی روز نیوبری، اگزبٹر وغیرہ چار بستیوں میں یک وقت ہنگامہ کرا دیا جائے کہ رچرڈ دشمنوں کی کثرت دیکھ کر گھبرا اٹھے، اور بکنگھم اپنے ویلزی رفیقوں کو لے کے سیورن کے پار اتر جائے اور وہاں اس تحریک میں تنظیم و ترتیب پیدا کرے۔

تجویز تو بہت اچھی تھی مگر موسم کی ناسازگاری کا کافی لحاظ نہیں رکھا گیا تھا۔

سازش کی ناکامی

چنانچہ باد و باراں کے بے موقع طوفان نے سارا منصوبہ نقش برآب کر دیا۔ رود بار انگلستان میں اس زور کی آندھی چلی کہ ہنیری (رچ منڈ) کا بیڑا پراگندہ ہو گیا اور وہ ایک جہاز کے ساتھ پُول پر پہنچا تو ساحل پر ہر طرف پہرہ لگا ہوا پایا۔ اُدھر سیورن میں ایسی طغیانی آئی کہ مدت سے کبھی نہ آئی تھی اور ندی اترنے کے تمام مقامات بے کار ہو گئے۔ اسی لئے یہ طغیانی بہت دن تک بکنگھم کا بڑا سیلاب کہلاتی رہی۔ پلوں پر یا تو شاہی فوج کا پہرا تھا یا تڑوا دیئے گئے تھے۔ لہٰذا بکنگھم ندی عبور نہ کر سکا اور اس کے سپاہیوں کو رسد میسر نہ آئی تو وہ بہت جلد فرار ہو گئے اس طرح انگلستان کی بغاوت کو کافی مدد نہ ملی اور وہ ٹھٹھر کے رہ گئی۔ بغاوت کے سرغنہ سراسیمہ ہو کر پناہ ڈھونڈتے پھرے اور بھیس بدل بدل کر بھاگے۔ مورٹن کی تقدیر اچھی تھی کہ فلینڈرس پہنچ گیا لیکن بکنگھم کو ایک معتمد علیہ نوکر رالف بناسٹر نے دغا سے پکڑوا دیا اور وہ سالسبری کے مقام پر بلا تاخیر قتل کرا دیا گیا۔ اس کا منصب وزارت امیر اسٹینلی کو عطا ہوا۔

اس خوش قسمتی پر رچرڈ بہت شاد تھا اور میلاد مسیح بڑی دھوم دھام سے منا کر جنوری ۱۴۸۴ء میں اس نے پارلیمنٹ منعقد کی۔ صدر نشین سر ولیم کیٹس بی کو بنایا جس نے ہسٹنگز کو پکڑوایا تھا۔ پارلیمنٹ نے وہ درخواست باضابطہ منظور کی جس میں رچرڈ سے تخت نشینی کی استدعا کی گئی تھی اور اسے پارلیمنٹ کے ایک قانون کی صورت میں مرتب کر دیا۔ بکنگھم، ہنیری (رچمنڈ)، ڈورسٹ، مورٹن، پیمبروک اور ۹۵ اور اشخاص کے خلاف "خرابیٔ خون" کا فتویٰ صادر ہوا۔ لیکن اسی کے ساتھ کئی مفید قوانین تیار کئے گئے جن میں سب سے اہم نذرانوں (Beneudeuce) کی امتناع کا قانون تھا۔ انھیں جدید قانون نے "نئی اور خلاف قانون بدعت" قرار دیا۔ ارکان سے رچرڈ کے

باب ششم

اکلوتے بچے ایڈورڈ کی جانشینی کا بھی حلف لیا گیا تھا مگر رچرڈ کی بدقسمتی سے وہ اسی سال (۸ سال کی عمر میں) مرگیا اور باپ کو لا ولد کر گیا۔ تب رچرڈ نے پہلے امیر کبیر کلیرنس کے بیٹے اور اپنے بڑے بہنوئی ایڈورڈ ڈیلا ن ٹاجینٹ کو اپنا جانشین مقرر کیا اور اس کے مرجانے کی صورت میں حق وراثت اپنی بہن کے فرزند اکبر یعنی جان ڈلا پول[1] امیر لنکن کو عطا کیا۔

۱۴۸۴ء کا زیادہ زمانہ رچرڈ نے انھی تدابیر میں گزارا کہ ہینری ٹیوڈر کو آئندہ بھی انگلستان میں گھسنے کا موقع نہ ملے۔ اُس نے بڑی چالاکی یہ کی کہ والی برٹیانی سے فرانس کے مقابلے میں مدد دینے کا وعدہ کر کے اُسے دوست بنا لیا اور اسی طرح اسکاٹ لینڈ کے شہزادہ آلبنی کا ساتھ چھوڑ کر وہاں کے بادشاہ جیمس ثالث سے رشتۂ مودت قایم کیا۔ پاپائے رومہ کے پاس بھی سفارت بھیجی اور وعدہ کیا کہ "رومی مقتدایان دین کی وہی دلی اور غیر مشروط فرمانبرداری کی جایا کرے گی جیسی چاہئے

---

[1] شجرۂ خاندان دی لا پول

ولیم دی لا پول (رئیس کنگسٹن ایان ہل)

مائیکل دی لا پول

(امیر سفک۔ وزیر رچرڈ ثانی)

مائیکل (دوسرا امیر سفک)

مائیکل (تیسرا امیر) — ولیم (امیر کبیر سفک وزیر ہینری ششم)

جان (امیر کبیر سفک زوج الزبیتھ خواہر ایڈورڈ چہارم

جان (امیر لنکن) (مذکورۂ متن) — ایڈمنڈ (امیر کبیر سفک — رچرڈ دی لا پول

باب ششم

اور جیسی قدیم شاہانِ انگلستان کرتے رہے ہیں"۔ یہ کارروائی شاہِ جان کے طریقِ عمل سے مماثلت رکھتی ہے۔ بہرحال، ان کوششوں میں کسی حدتک کامیابی ہوئی خصوصاً والی برتیانی کا مدارالمہام تیار ہوگیا کہ ہینری کو چال سے گرفتار کرکے رچرڈ کے حوالے کر دیا جائے۔ لیکن ہینری کو پہلے سے خبر مل گئی اور وہ بھیس بدل کے فرانس پہنچا جہاں اس کی خوب آؤ بھگت ہوئی۔ اور خود والیٔ برتیانی نے دوسرے انگریز تارکانِ وطن کو روپیہ دیا کہ وہ بھی ہینری کے پاس پہنچ جائیں۔

ادھر دوسرے ذرائع سے بھی ہینری کو مزید قوت پہنچی۔ انگلستان سے واپس آتے ہی اس نے برتیانی میں ڈورسٹ، ایڈورڈ وُڈویِل، ایڈورڈ پوئی ننگز وغیرہ رفیقوں کو جمع کیا اور قسم کھائی کہ میں الزبتھ (یارک) سے شادی کروں گا۔ اور ان سے قسم لی کہ اُس کے وفادار اور باہم دوست رہیں گے۔ اسی کے ساتھ بالاتفاق طے ہوا کہ انگلستان پر دوبارہ لشکرکشی کی جائے۔

ہینری کی سازش

برتیانی سے اُس کا اخراج بھی اس مقصد میں حارج نہ ہوسکتا تھا بلکہ فرانس سے اور زیادہ مدد ملنے کے موقعے موجود تھے اور نہ برتانی کی طرح فرانس کو شاہِ انگلستان رُعب جماکے ہینری کا ساتھ چھوڑ دینے پر مجبور کرسکتا تھا۔

ان حالات نے رچرڈ کی پریشانیاں کم نہ ہونے دیں اور وہ اپنی تیاریوں میں مصروف رہا۔ بیڑے کی درستی کی تمام بڑے راستوں پر بیس بیس میل کے فاصلے سے سواروں کی ڈاک بٹھائی کہ دو سو میل تک دو دن میں خط پہنچ جائیں۔ ۱۴۸۴ء ہی میں اس نے بیوہ ملکہ (مارگریٹ) سے صلح صفائی کی کوشش بھی کی اور اُس کی بیوی این مری تو الزبتھ سے خود شادی کرنے کی تجویز کی کہ ہینری ٹیوڈر کی یہ چال بھی چلنے نہ پائے۔ حتّٰی کہ این ابھی اپنی طویل بیماری میں بجھ ہی رہی تھی کہ غالباً اس نے الزبتھ سے شادی کے پیام سلام شروع کر دیئے۔ عجیب تر یہ کہ اس بات کی بعض شہادتیں موجود ہیں کہ خود الزبتھ اس تجویز کے خلاف نہ تھی اور اُس کی دنیا ساز ماں نے یقیناً اس پر غور کرنے کی کچھ آمادگی بھی ظاہر کی تھی۔ لیکن رچرڈ کے مشیروں کے کان تک یہ خبر پہنچی تو انھوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ ایسی شادی کو لوگ سخت فضیحت سمجھیں گے اس کا خیال بھی دل میں نہ لایا جائے۔ چنانچہ رچرڈ نے یہ خیال ترک کر دیا اور

لندن کے میر بلد وغیرہ چند عمائد کو بلا کر بقسم یقین دلایا کہ ایسا کام کرنے کا کبھی ارادہ نہیں کیا گیا تھا۔

ہنیری کے ساتھی

اس عرصے میں ہنیری (ٹیوڈر) تقریباً تیار ہو چکا تھا۔ چارلس ہشتم (شاہ فرانس) کے وزیروں کی مدد سے سپین کے دہانے پر اُس نے ایک چھوٹا سا بیڑا جمع کیا اور ایک مختصر فوج بھی مرتب کر لی جس میں ڈورسٹ کے سوا سب رفیق موجود تھے۔ ڈورسٹ کو اُس کی ماں کے اثر نے اِس مہم سے الگ کرا لیا تھا۔ مگر نئے ساتھیوں میں فوکس اور جان ڈویر قابل ذکر ہیں کہ پہلا تو ایک لائق پادری تھا جس نے آیندہ انگلستان میں بڑے بڑے کام کئے اور دوسرا امیر آکسفرڈ تھا جو ہیمز کے زندان سے بھاگا اور بہت سے سپاہی اپنے ہمراہ لایا تھا۔ رچرڈ کا اُن تیاریوں سے خوفزدہ ہو جانا فطرۃً لازمی تھا۔ اور جب اسے معلوم ہوا کہ ہنیری، ہار فلر آ گیا اور رود بار عبور کرنے والا ہے تو اس نے ایک اعلان کیا جس میں ہنیری کو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے حرامی بتا کر تخت و تاج سے بالکل بے حق ثابت کیا اور اسے اور اس کے ساتھیوں کو ہر قسم کے جرائم اور غداری کا مجرم قرار دیا خصوصاً اس ارادے کا کہ فرانس کی مدد کے عوض میں کلّ اہل فرانس کے حوالے کر دیا جائے۔ بادشاہ نے اپنے دولتمند خیر خواہوں سے روپیہ قرض طلب کیا اور وعدہ کیا کہ ڈیڑھ سال کے اندر پیسہ پیسہ ادا کر دیا جائے گا۔ پھر ناٹنگھم آ کر اُمرا اور شرفا کو حکم بھیجا کہ ہنیری ٹیوڈر کے انگلستان پہنچنے کی خبر سنتے ہی اپنی اپنی جمعیت کے ساتھ شاہی لشکر میں آ جائیں۔ لیکن اُسی زمانے میں اتنے آدمی ترک رفاقت کر چکے تھے کہ رچرڈ کو غدر و دغا کا ہر وقت خوف لگا رہتا تھا اور سب سے بڑھ کر وہ امیر اسٹینلی اور اس کے بھائی ولیم اسٹینلی (حاجب ویلز) کی طرف سے اندیشہ مند تھا کہ کہیں یہ امیر مارگریٹ کا شوہر ہونے کے باعث، ہنیری ٹیوڈر کا طرفدار نہ ہو جائے۔ مگر اسٹینلی ایسا ناداں سیاست داں نہ تھا کہ قبل از وقت ایسے فریق کی رفاقت اختیار کرتا جس کی کامیابی یقینی نہ تھی اور جس کا ساتھ دینے میں اس کی کثیر مال و متاع اور خاندان معرض خطر میں پڑ جاتا۔ چنانچہ ابھی اُس نے کان تک نہ ہلایا اور اُس سے اور اس کے بھائی کو شمالی ویلز

چیشہ اور لینکاشر کی حفاظت تفویض کی گئی۔

پہلی اگست کو ہینری نے ہارفلئر سے لنگر اٹھائے اور ساتویں تاریخ ملفرڈ ہیون میں انگلستان کے ساحل پر اترا تو ہر طرف پرانے رفیق و خیر خواہ موجود تھے۔ اس کے ہمراہ دو ہزار جوان آئے تھے لیکن جیسپر ٹیوڈر کی معیت کی بدولت اہل ویلز جوق جوق جمع ہونے لگے اور لشکر کی تعداد بڑھ گئی۔ وسطی ویلز سے آہستہ آہستہ گزر کے وہ شروز بری پہنچا اور وہاں سے خط سیورن کو عبور کر گیا مگر ولیم اسٹینلی کا تلع قمع کرنے کی بجائے ناطرفداری کی روش اختیار کئے رہا۔ یہ سنکر رچرڈ بہت گھبرایا اور اسٹینلی کو ناٹنگھم میں طلب کیا لیکن اس نے خود آنے کی بجائے اپنے فرزند جارج کو بھیجدیا اور بادشاہ نے اسے بطور یرغمال نظربند رکھا کہ اسٹینلی کوئی سرتابی نہ کرنے پاے۔ چنانچہ یہ دونوں بھائی چار و ناچار بادشاہ کے وفادار بنے رہے اور ناٹنگھم کی طرف لشکر لے کر چلے بھی تو ہینری کی فوج سے کافی فاصلے پر رہے کہ ان پر ہینری کی رفاقت کا گمان نہ ہو۔ اسی طرح ہینری، جس کے عقب میں دونوں اسٹینلی آرہے تھے، لچ فیلڈ کے راستے بڑھا اور ادھر رچرڈ، لیسٹر آیا جہاں دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابلے میں آگئے۔ ہینری نے اسٹینلیوں سے خفیہ ملاقات کی اور مطمئن ہو گیا کہ آیندہ جنگ میں وہ اسی کا ساتھ دیں گے۔

معرکۂ بوس ورتھ

اب ہینری کی ہمت مضبوط ہو گئی۔ اس کی فوج تعداد میں پانچ ہزار اور رچرڈ کے لشکر سے تقریباً آدھی اور لڑائی کی رات چار میل کے فاصلے پر تھی۔ لیکن اس کی فوج کے علاوہ پانچ ہزار سپاہی اسٹینلی کے تحت میں لشکرِ شاہی کے قریب مقیم تھے۔ اور تین ہزار دوسرے اسٹینلی (سر ولیم) کی زیر قیادت ہینری کے دوسرے بازو پر اس سے نزدیک تر پڑے تھے جو ظاہر میں بادشاہ کے ساتھ لیکن حقیقت میں ہینری کے موید تھے۔ رچرڈ کے ہمرکاب ریٹ کلف، جیمس ٹیرل وغیرہ وفادار عمائد کے علاوہ امیر کبیر نارفک اس کے بیٹے امیر سرے اور امیر نارتھمبرلینڈ کی جمعیتیں تھیں۔ صبح ہوئی تو بوس ورتھ کی منڈی سے تقریباً تین میل جنوب مشرق کی جانب میدانِ ایڈمور میں معرکہ پڑا۔ شروع میں ہینری ایک دلدل اور نالے کے بیچ میں بہت محفوظ جگہ پر تھا لیکن حملہ کرنے

آگے بڑھ آیا اور دلدل کی حد سے نکلتے ہی رچرڈ نے فوج کو حکم دیا کہ اس پر یورش کی جائے۔ رچرڈ کا ہر طرح پلہ بھاری تھا کہ بڑے اسٹینلی شاہی رفاقت کا بھیس اتار کے علانیہ امیر اکسفرڈ کی پشتیبانی کرنے لگا اور ولیم اسٹینلی ہینری کی مدد کے لئے دوڑ پڑا جس پر رچرڈ نے بذات خود اس شدت سے حملہ کیا تھا کہ ہینری کے سپاہی اپنے آقا کی زندگی سے ناامید ہو گئے تھے۔ ادھر امیر نارتھمبرلینڈ نے جیسا کہ خاندان لینکاسٹر کے ایک فرد سے توقع تھی، اپنی جمعیت کو جنگ سے الگ رکھا۔ نارفک مارا گیا۔ سرے قید ہو گیا اور لڑائی کا سارا بوجھ بادشاہ پر آپڑا۔ رچرڈ نے بھاگنا قابل عار سمجھا اور گھر کر کمال غیظ و غضب کے عالم میں لڑتا رہا۔ آخر بہت سے زخموں سے مجروح ہو کر مُردہ گرا اور ولیم اسٹینلی نے وہی تاج جو وہ میدان جنگ میں پہن کر آیا تھا، اُتار کر اس کے حریف کے سر پر رکھدیا۔

رچرڈ کی ہزیمت

مشہور واقعات

شہزادوں کا قتل ۱۴۸۳ء
بکنگھم کی بغاوت ۱۴۸۳ء

تمت

صحت نامۂ

تاریخ انگلستان حصۂ اوّل (ترجمہ)

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۵	۱۲	کئی سال	کئی سو سال	۱۵	۹	رہے	رہتے
۶	۱	خاص	خاصی	۱۵	۲۱	فرتقن	فرتقس
۶	۱	اور نسبتہً	ان نسبتہً	۲۷	۸	آزادہ روی	آزاد روی
۷	۵	ریائن	رہائن	۳۵	۱۸	سٹ گال	سینٹ گال
۷	۷	سوئزرستاں پر	سوئزرستان میں	۳۶	۱۱	علبہ السلام	علیہ السلام
۷	۸	کے	کہ	〃	۱۳	اتھل	اَتھل
۸	۱۶	مسلم	مسلح	۳۷	۹	کنیٹ	کینٹ
۹	۱۸	تاہم	عموماً	۳۸	۵	چیسیٹر	چیسٹر
۱۰	۱۶	اوریاتک	ادریاتک	〃	۱۴	کنیٹربری	کینٹربری
۱۱	۸	کینیٹ	کینٹ	〃	۲۴	منظر	نظر
۱۲	۱۵	محدود برِ سمندر	محدود سمندر	۳۹	۷	کنیٹ	کینٹ
۱۲	۲۰	کہ	کیونکہ	〃	۱۶	بنجیدہ	سنجیدہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۴۳	۱۸، ۱۹	بطرس	پطرس	۱۳۲	۱۹	انحام	انجام
۴۴	۱۲	سنیٹ	سینٹ	۱۳۹	۲۲	قبصہ	قبضہ
۴۵	۱۵	کنیٹربری	کینٹربری	۱۴۴	۱۹	سے جنولی	سے جنوبی
۴۸	۱۱	تعریزی	تعزیری	۱۴۵	۱۲	صیلبیوں	صلیبیوں
"	۲۴	سبیکیس	سیکس	۱۵۵	۹	ہ ست	دست
۴۹	۱۶	نارتھمبربا	نارتھمبریا	۱۶۹	۲۳	بڑھکڑ	بڑھکر
۵۵	۲	سیکینوں	سیکسنوں	۱۷۳	۲۱	اسلیٹفن	اسٹیفن
۶۳	۰	یابند	پابند	۱۸۴	۱۵	کنیٹربری	کینٹربری
۷۱	۳	داڑی	وادی	۱۸۹	۲۲	"	"
"	۵	کنیٹ	کینٹ	۱۹۱	۱۰	بہتری	بہتری
۷۳	۱۱	شاہاں	شاہان	۱۹۹	۴	انترد	آنترد
۷۴	۱۷	لی	کی	۲۰۵	۲۱	شہنشاہ	شہنشاہ
"	۱۸	حدال	جدال	۲۱۲	۱۴	حشکی	خشکی
۷۶	۲۴	نورمن	نارمن	۲۱۴	۲۲	لیویولد	لیوپولڈ
۸۱	۲۴	اُوکسفورڈ	آکسفرڈ	۲۱۷	۱۲	اداکری	اداکرنی
۹۱	۱۵	سائوتھمٹین	ساؤتھیمپٹن	"	۲۳	تہر	شہر
۹۵	۹	یس ماندہ	پس ماندہ	۲۵۹	۱۱	ساقفہ	اساقفہ
۱۰۲	۱۵	سکئے	گئے	۲۶۶	۷	ایڈورد	ایڈورڈ
۱۱۱	۱۷	کنٹیبٹ	کینٹ	"	۲۴	مقربین	مقرب ترین
۱۱۹	۱۳	سنہ ۱۰۵۱ء	سنہ ۱۰۵۳ء	۲۷۱	۱۴	دیربا	دیرپا
۱۲۹	۱۲	دلسم	ولیم	۲۷۷	۱	ایڈورد	ایڈورڈ
"	۲۳	نمیوف	تھیوف	۲۸۰	۲۳	ہکٹ	بکٹ
۱۳۱	۱۴	چلے	پہلے	۲۹۰	"	منزلی	مربی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۲۹۱	۲،۲۱	دلس	والسن
۲۹۶	۱۹	ایڈورد	ایڈورڈ
۳۲۱	۲۴	سوا ر	سوار
۳۳۵	۲۱	ناکہانی	ناگہانی
۳۵۲	۱	ایڈوردثالث	ایڈورڈثالث
۳۵۵	۱۷	اوکسفورڈ	آکسفرڈ
۳۵۷	۱۹	شیفیہ	شیفتہ
۳۵۸	۸	اوف گونٹ	آف گونٹ
۳۷۷	۱۰	جنووا	جنیوا
۳۷۹	۲۳	بنائی	سنائی
۴۰۸	۸	تحیل	تخیل
"	۲۱	تبلبغ	تبلیغ
۴۱۰	۲۳	نارمنتڈی	نارمنڈی
۴۱۱	۷	تیراندار	تیرانداز
"	۲۰	ہیتری لو	ہینری کو
"	۲۴	کمبرج	کیمبرج

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۴۱۹	۱۵	تفرلق	تفریق
۴۲۲	۱۴	یرتیانی	برتیانی
۴۵۰	۲۱	موریمر	مورٹمر
۴۵۶	۲۳	تشکل	مشکل
۴۶۲	۸	ایڈورد	ایڈورڈ
۴۶۷	۱۴	یادشاہ	بادشاہ
۴۷۵	۲۳	طورپرپر	طورپر
۴۷۷	۹	گی	کی
۴۸۰	۲	عمہ	عمر
۴۸۳	۱۳	رحیرڈ	رچرڈ
"	۱۶	بوس ورتھ	بوس ورتھ
نقشہ ٹائٹل کے بعد		رومانی	رومی
نقشہ حصہ اول کے مقابل		د	اور
"	"	جنگلات	جنگل
"	"	بتائے گئے ہیں	دکھائی گئی ہیں